يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ

(خدا چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کرے اور منکروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار نا خوش ہوں)

کتاب شہادت

چوتھا مقدمہ

خداوند تعالےٰ کی ذات وصفات کی بحث

شیعی مطاعن اور اُن کے جواب

مسلمانوں کا عقیدہ

حکیمانہ محققانہ اور عالمانہ بحثیں

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوتھا مقدمہ

مجھے شیعی مذہب اور اُس کے مفروضہ اصول سے خاص مذاق ہی- میں قدیم شیعی علمار کی منطقی- فلسفیانہ- محققانہ بحثوں اور تحقیقات کو خوشی سے پڑہتا اور اُن سے لطف اُٹھاتا ہوں -جب سے مَیں نے اُن دلائل کو پڑھا ہے جنمذہب شیعہ کی حقیت بلکہ افضلیت پر دی گئی ہیں- تو مجھے ایسا ہی مزا آیا ہی گویا میں داستانِ خیال اور اُسکے واقعات کو پڑھ رہا ہوں- حقیقت میں اس والاشان مذہب اور اُس کے مفروضہ اصول میں جتنا غور کیجیے- اُسی قدر نئی معلومات کی دُنیا آنکھوں کے آگے آتی جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ زورِ طبیعت خیال آفرینی اور جدت طرازی کا فیصلہ ہو گیا ہے فطرتاً ہر شخص کے دماغ میں نئے خیالات ایسی صورت اور شکل کے ہر لمحہ پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ اگر وہ انکا اظہار کردے تو یقیناً لوگ اسے مجنون کہنے لگیں -اس بنار پر ان خیالات کے اشخاص ہمیشہ اپنے مافی الضمیر کو چھپاتے ہیں کہ ہم زمرہ مجانین میں شمار نہ ہونے لگیں -مگر ہم شیعی مجتہدین اور شیعی علمار کرام کی داد دیتے ہیں کہ انھوں نے اخلاقی جرأت کو کام فرماکے مطلق اس کی پروانہ کی اور من وعن اپنی خیال آفرینیوں کو قید تحریر میں لے آئے اور اس میں یہانتک غلو کیا کہ اُن ہی جذباتِ قلبی اور اوہام کو مذہبی اُصول قرار دے کے ایک نیا عالم اور نئی دنیا خیالات کی بنادی- قرآن مجید کی پیروی اسے منزل من اللہ ماننے کا زبانی اعتراف تو ہر عصر اور ہر زمانہ میں بہت کچھ کیا گیا مگر اس کے عملی احترام واجبی اور حقیقی مناسبت کی طرف مطلق خیال نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ازمنہ سابقہ کے بعد قرآن مجید اور اُس کے اوامر و نواہی بالکل نسیاً منسیاً ہو گئے اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ ان ہی خیال آفرینیوں پر جوش و خروش کا پل ٹوٹ پڑا اور موجودہ نسلیں مثل اپنے بزرگوں کے ان ہی مسائل پر

اپنی جودتِ طبع دکھانے لگیں جوان کے اب وجد نے اپنے دماغ اور خیال سے ایجاد کیے تھے۔

قدیم خیال آفرینی کی یہ ہاتھا چھانٹی یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ اُس نے ایک اور غضبناک اثر کیا اور وہ یہ تھا کہ ان خیالی یا استقرائی استدلال کی جگہ شعر شاعری نے زبردستی چھین لی اور اب کلینی اور بحار الانوار کی سلطنت میں ضعف آگیا۔ شاعروں کی فصاحت وبلاغت کے دریا نے کلامِ خدا۔ کلامِ معصوم اور کلام ائمہ کو بہادیا اور اب سوائے شعر شاعری کے کچھ بھی نہ رہا۔ اشعار کی وقعت قرآن مجید کے مضامین یا آیات بینات سے زیادہ ہونے لگی۔ ہر مجلس ہر محفل اور ہر شادی اور غمی کے موقعوں پر سوائے اس شاعری کے نہ قرآن کو جانے کی اجازت ملی نہ قول معصوم اور اقوال وارشادات ائمہ کو۔ انسانی خیالات کے اُتار چڑھاؤ کا یہ ایک عبرت انگیز منظر ہے۔ اور اسے وہی شخص اچھی طرح دیکھ سکتا ہے جس نے حدوث مذہب شیعہ قرون ماضیہ کی نیرنگیاں اور قدیم خیال آفرینیوں کا سماں دیکھا ہی۔

پہلے تین مقدموں کے بغور پڑھنے سے یہ پتہ بآسانی لگ سکتا ہے کہ کیا کیا تراش وخراش کی گئی۔ کتنے کتنے مسائل پیدا کیے گئے۔ قرآنِ مجید پر کس بیدردی سے دستِ شفقت پھیرا گیا اور نبی معصوم پر کس بے باکی سے افترا پردازیاں ہوئیں اور سچے مچ گیارہ اماموں کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تعریف کی یلغار اور توصیف کے دُھواں دھار غباروں میں کیا سے کیا بنادیا گیا۔ اور ان کی حالتِ انسانی صفت وثنا سے گزار کے اُس مرتبہ پر پہنچادی گئی جس مرتبہ پر پہنچنا ایک معمولی انسان بھی گوارا نہیں کرنے کا۔

شیعی علمائے کرام کی یہ خیال آفرینیاں اخیر قوت پکڑتے پکڑتے زمین سے رگڑا کھاتی اور پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی۔ کرۂ باد میں ہوکے اور کرۂ برف سماوی کو روندھ کے اُس مقام پر پہنچیں جہاں تخیل کے بھی پر جلتے ہیں اور جہاں سوائے ذات وحدہ لاشریک کے اور کچھ نہیں ہے چنانچہ اس کل کائنات کی پیدا کرنے والی ذات پر بھی دست درازی ہوئی اور یہ دست درازی عجیب وغریب طرز کی تھی۔ جو صفات ذاتِ باری کے خود اُسی کلام سے معلوم ہوئے ہیں ان پر ردوقدح کی گئی اور اپنے خیال میں اُسے ایسا پارہ پارہ کیا گیا گویا وہ ایک بے حقیقت چیز ہے اور کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

اس تاخت وتاراج پر بھی خود اپنے کو بہت کچھ سراہا گیا اور اُن لوگوں پر نکتہ چینیاں کی گئیں جو قرآنِ مجید اور اُس کی تعلیم پر عملدرآمد کرتے تھے۔ ملحدوں اور دہریوں کے اُصول موضوعہ کے سہارے سے قرآن مجید پر در پردہ حملے ہوئے اور اس بات کی کوشش کی کہ ان ہی موضوعہ ملحدانہ اصول کو اصل اسلام قرار دیا جائے

اس قیاس پر عمل کرنے والے بھی بہت سے پیدا ہو گئے بالخصوص وہ لوگ اس جماعت میں زیادہ شریک ہوئے جو قرآن مجید کی زبانی تعظیم کرتے تھے مگر دل میں انھیں اس سے عداوت تھی۔

اس چوتھے مقدمہ میں زیادہ تر خداوند تعالےٰ کی ذات وصفات اور قضا و قدر کے متعلق بحث ہوگی چونکہ اس بحث میں نقل کے علاوہ فلسفہ سے زیادہ مدد لیجائے گی۔ اس لیے ناظر سے التجا ہے کہ وہ خوب توجہ اور غور سے اس بحث کو پڑھے اور جب تک سمجھ نہ لے اُسے نہ چھوڑے۔ کوشش تو یہ کی جائے گی کہ ہر منطقی اور ہر فلسفی مسئلہ اس سلیس اور عام فہم عبارت میں ادا کیا جائے کہ معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اسے اچھی طرح سمجھ لے باقی خداوند تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہونی چاہیئے سب مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اور کل اڑیاں نکل جاتی ہیں

ازلیت اور قدامت پر شیعی علمار کا بیان

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امامیہ کا مذہب چند وجوہ سے واجب الاتباع ہے۔ اول تو اس لیے کہ جب ہم نے تمام مذاہب میں غور کیا تو سب سے زیادہ حق پر۔ سب میں اصدق اور شوائب باطل سے سب میں اخلص۔ اللہ اللہ کے رسول اور اُس کے اوصیا کے تنزیہ میں سب سے بڑھ کے اسی کو پایا۔

اس کے علاوہ مسائل اصولیہ اور فروعیہ بھی سب سے اچھے مذہب امامیہ ہی کے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ازلیت اور قدامت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس کے سوا ہر چیز حادث ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہے۔ وہ جسم نہیں ہے۔ نہ وہ جوہر ہے نہ مرکب ہے۔ کیونکہ ہر مرکب اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اُس کا جز اُس کا غیر ہوتا ہے۔ نہ وہ عرض ہے نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ وہ حادث ہے بلکہ ہم نے تو اللہ کو مخلوقات کی مشابہت سے بھی منزہ کیا ہے اور یہ کہ وہ تمام مقدورات پر قادر ہے۔ عادل ہے۔ حکیم ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ نہ وہ قبیح فعل کرتا ہے ورنہ جہل یا محتاج ہونا لازم آئے گا تعالیٰ اللہ عن ذالکؐ۔ وہ مطیع کو ثواب عطا کرتا ہے تاکہ ظالم نہ بنے اور مجرم سے درگزر کرتا ہے یا اُس کے جرم کے موافق بغیر جرم کے اُسے سزا دیتا ہے۔ اس کے کل افعال یقیناً واقع ہونے والے کسی حکمت مصلحت اور غرض سے ہوتے ہیں ورنہ اُس کا وجود عبث ہوگا۔ وہ خود فرما چکا ہے" وماخلقنا السموات والارض وما بینهما لاعبین" یعنی آسمانوں۔ زمینوں اور ان کی درمیانی چیزوں کو ہم نے عبث نہیں پیدا کیا۔

اُس نے انبیار کو جہان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پاک پروردگار آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا اور نہ

حواس خمسہ میں سے کسی حواس سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" یعنی آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک خوب کر لیتا ہے۔

(پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) وہ کسی جہت میں نہیں ہے۔ اس کا امر و نہی اور اس کی خبریں سب حادث ہیں۔ کیونکہ معدوم کو امر و نہی کرنا اور اُس کی خبریں دینا محال ہے۔ اور یہ کہ انبیار اپنی ابتدار عمر سے اخیر عمر تک خطا۔ سہو معصیت صغیرہ۔ اور کبیرہ گناہوں سے یقیناً معصوم ہیں ورنہ پھر ہمیں ان کے تبلیغ احکام پر وثوق نہیں رہے گا۔ اور اس سے ان کی بعثت کا فائدہ منتفی ہو کے اُن سے تنفر لازم آئے گا۔ اور یہ کہ اس بارے میں ائمہ مثل انبیار کے معصوم ہیں اور ہم نے اپنے فروعی احکام ان ائمہ سے اخذ کئے ہیں۔ جو اپنے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناقل ہیں اور آنحضرت نے وہ احکام اللہ تعالےٰ سے اخذ کئے ہیں۔ جبریل آپ کی طرف وحی کرتے تھے اور ائمہ یکے بادیگرے خلفاً عن سلفٍ برابر نقل کرتے رہے ہیں یہانتک کہ وہ روایت معصومین میں سے کسی تک جا پہنچی ہے انہوں نے رائے اور اجتہاد پر مطلق التفات نہیں کیا۔ یہانتک کہ قیاس اور استحسان سے اخذ کرنے کو حرام مطلق جانتے ہیں۔ فقط

جواب

اس پر ہم متعدد طریقوں سے بحث کریں گے اور دکھائیں گے کہ شیعی علمار کی یہ موشگافیاں استدلال اور خیال آفرینی کہانتک داد دینے یا تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ اول یہ کہ شیعی علمار نے صفات باری اور قدر کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اسے امامت کے مسئلہ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے بلکہ بہت سے مذہب امامیہ کے قایل ان امور کے ہرگز قایل نہیں ہیں اور جو گروہ ان امور کا قایل ہے وہ مذہب امامیہ پر اعتقاد نہیں رکھتا لہٰذا ایک دوسرے پر اس طرح مبنی نہیں ہو سکتا۔ ان امور کے اعتقاد کرنے کا طریق ان کے قائلین کے نزدیک عقل ہے۔ اسی طرح امام کی تعیین ان کے نزدیک سماعت سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے امامت کے مسئلہ میں دخل کرنا ائمہ کی معصومیت کا فرضی راگ گانا اور تمام اختلافی مسائل کو ان ہی میں ٹھوس دینا خروج عن المقصود نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسرے توحید اور قدر کا عقیدہ جو شیعی علمار نے نقل کیا ہے ائمہ کا نہیں ہے بلکہ معتزلہ کا ہے۔ ائمہ کو اس عقیدے سے کچھ تعلق نہیں۔ اہلبیت کے مذاہب ان عقائد سے بہت دُور ہیں۔ کیونکہ ائمہ اہلبیت مثلاً حضرت علی اور ابن عباس یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں سب کا ان ہی امور پر اتفاق ہے جن پر کل صحابہ اور تابعین متفق

ہیں۔ شیعی علمار کے استدلال بالا کا پردہ فاش اس وقت ہو جائے گا۔ جب ہم وہ اقوال نقل کریں گے۔ جو حضرت علی اور ائمہ اہلبیت سے منقول ہیں اور جن کی صحت کی نسبت کوئی فاضل شیعہ ہوں ہاں نہیں کر سکتا۔ نہ ان میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جائے گی کہ شیعی علمار اپنے اصول دین میں ان بزرگوں کے بالکل مخالف ہیں۔

تیسرے۔ صفات باری تعالےٰ اور قدر کے متعلق جو کچھ شیعی علمار نے ذکر کیا ہے اس میں سنیوں کی کچھ خصوصیت نہیں ہے نہ وہ اس قول کے ائمہ ہیں اور نہ یہ ان سب کو شامل ہے۔ بلکہ اس کے ائمہ معتزلہ ہیں۔ جو کچھ اخذ کیا ہے متاخرین شیعہ نے ان ہی سے اخذ کیا ہے۔ شیعی علمار کی کتابیں اس کی شہادت سے پُر ہیں کہ شیعی علمار نے کس طرح آنکھیں بند کر کے معتزلہ کی پیروی کی ہے اور اُن کے طریقہ پر بے پس وپیش کس طرح اعتماد کیا ہے۔ شیعوں کی اس عقیدہ کی ابتدا تیسری صدی ہجری کے اختتام سے سمجھنی چاہیئے۔ چوتھی صدی میں بہت کچھ اس عقیدہ میں شیعوں نے ترقی کر لی۔ مفید اور اس کے پیرو موسوی اور طوسی کی تصانیف نے اس عقیدہ کو چمکا دیا ورنہ قدمار شیعہ تو زیادہ تر اس عقیدہ کے برخلاف تھے۔ جیسا کہ ہشامین وغیرہ کا قول ہے۔ اگر یہ قول حق ہے تو خلفار ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم کرنے میں معتزلہ کے موافق ہونا پڑے گا اور یہ باطل ہے تو پھر اس کے بیان ہی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان ہی امور کا ذکر کرنا مناسب ہی جو امامت کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے اثنی عشری بارہ اماموں کو ثابت کرنے اور اُن کی عصمت کا مسئلہ۔

چوتھے۔ جو بات اس کلام میں حق ہے۔ اس کے اہل سنت والجماعت سارے یا ان کے جمہور قایل ہیں جو اس کلام میں باطل ہے وہ مردود ہے۔ لہذا جو بات حق ہے وہ مسلمانوں کے اعتقاد سے ہرگز خارج نہیں ہے ہم انشار اللہ اسے مفصل بیان کریں گے۔

پانچویں۔ شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ازلیت اور قدامت کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے اور اُسکے سوا ہر چیز حادث ہے کیونکہ وہ ایک ہی نہ جسم ہے نہ کسی مکان میں ہے ورنہ حادث ہو جائے گا بلکہ ہم نے تو اُسے مخلوقات کی مشابہت سے بھی منزہ رکھا ہے وغیرہ وغیرہ فقط۔

اس پر غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ جہمیہ اور معتزلہ کے مذہب کی طرف صاف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے لیئے نہ علم ہے نہ قدرت ہے نہ حیات ہے۔ اس کے اسمار حسنیٰ مثلاً علیم۔ قدیر سمیع۔ بصیر۔ رؤف۔ اور رحیم وغیرہ اس کی ان صفات پر دلالت نہیں کرتے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم

ہیں۔ وہ نہ بولتا ہے نہ راضی ہوتا ہے۔ نہ ناراض ہوتا نہ محبت رکھتا ہے نہ بغض رکھتا ہے نہ وہ ارادہ کرتا ہے سوائے اُن چیزوں کے جو کلام اور ارادہ سے منفصل پیدا ہوتی ہیں نہ کلام اس کی صفت ہے وغیرہ۔

باقی شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ اللہ مخلوقات کی مشابہت سے منزہ ہے اور یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ محض غلط اور تراسفسطہ ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کو مخلوقات کی مشابہت سے منزہ کرنے کے شیعوں سے زیادہ اہل سنت حقدار ہیں اسے اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ تشبیہ اور تجسم جو عقل و نقل کے مخالف ہیں وہ شیعی فرقوں سے زیادہ امت مرحومہ کے اور کسی فرقہ میں نہیں معلوم ہوتا۔ مقالات کی کتابیں موجود ہیں جن میں شیعی متقدمین ائمہ کے مقالات بھرے ہوئے ہیں۔ ان مقالات میں تشبیہ و تجسم کا جو بیان ہے وہ عقل و نقل دونوں کے بالکل خلاف ہے جس کی نظیر اور کسی فرقہ میں نہیں ملتی۔ اس پر طرہ یہ کہ قدمار امامیہ اور اُن کے متاخرین میں خود بھی بہت بڑا اختلاف بلکہ تناقض ہے کیونکہ قدما تشبیہ اور تجسم میں غلو کرتے ہیں اور متاخرین نفی و تعطیل میں حد سے متجاوز ہیں۔ لہٰذا مذکورہ عقائد سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر فی الواقع شیعی علمار کے خداوند تعالےٰ کی ذات و صفات وغیرہ کی نسبت یہی عقائد ہیں۔ تو یقیناً اس میں وہ جہمیہ اور معتزلہ کے مقلد قرار پائیں گے اور اس تقلید سے انہیں ذرا بھی مفر نہیں ہونے کا۔

اب رہے مسلمان جنہیں اہل سنت والجماعت کہتے ہیں وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ خداوند تعالےٰ کی تمثیل نہیں ہو سکتی یعنی تمثیل کے نفی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں جنہوں نے اللہ تعالےٰ پر جسم کے لفظ کا اطلاق کیا ہے وہ امامیہ کے اطلاق کرنے والوں کی نسبت صحیح منقول اور صریح معقول سے زیادہ قریب ہیں۔ اس بارے میں امامیہ کے اقوال بہت سے علمار نے ذکر کئے ہیں۔ مثلاً ابن النوبختی نے اپنی کتاب کبیر میں اور ابو الحسن اشعری نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین میں اور شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں اور ان کے سوا اور بہت سے مصنفین نے ذکر کئے ہیں۔ باقی لوگ اللہ پر جسم کا لفظ اطلاق نہیں کرتے۔ مثلاً ائمہ اہل حدیث۔ تفسیر۔ تصوف۔ و فقہ یعنی ائمہ اربعہ ان کے پیرو اور شیوخ مسلمین جو امت میں مشہور ہیں اور ان سے پہلے صحابہ اور تابعین وغیرہ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اللہ مجسم ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی نے جسم کی نفی بھی نہ کی ہو۔ اور اسے ایک غیر ضروری بات جان کے التفات نہ کیا ہو۔ بس معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ جو صفات باری کے منکر ہیں وہ صفات کے ماننے والوں کو مجسم مشبہ قرار دیتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ ائمہ مشہورین مثلاً امام مالک۔ شافعی۔ امام احمد

اور ان کے شاگردوں کو مجسمہ اور مشبہہ میں سے شمار کرتے ہیں (یعنی جسم اور تشبیہ کے قایل ہونے والے) چنانچہ ابوحاتم مصنف کتاب الزینہ وغیرہ نے جب مشبہ فرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ ان ہی میں ایک فرقہ ہے جو مالکیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ ایک شخص مالک بن انس نامی کی طرف منسوب ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ ایک اور فرقہ ہے جو شافعیہ کہلاتا ہے وہ ایک شخص شافعی نامی کی طرف منسوب ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ ائمہ مشہورین سب کے سب اللہ کے لیے صفات ثابت کرتے اور یہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے اور کہتے ہیں آخرت میں اللہ تعالےٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اہل بیت وغیرہ میں سے صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی مذہب ائمہ متبوعین کا ہے۔ مثلاً مالک ابن انس ثوری۔ لیث بن سعد اوزاعی۔ ابوحنیفہ۔ شافعی۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق۔ داؤد بن جریر۔ خزیمہ۔ محمد بن نصر المروزی۔ ابوبکر بن المنذر اور محمد بن جریر الطبری۔

اب سُنیے جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں جو شخص اللہ کی صفات ثابت کرے اور یہ کہے کہ قیامت میں وہ آنکھوں سے دکھائی دیگا اور قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے تو وہ بے شک تجسّم و تشبیہ کا قایل ہے اور تجسّم و تشبیہ باطل ہے۔

جہمیہ اور معتزلہ کے مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ صفات اعراض ہیں وہ بغیر جسم کے وجود میں نہیں آسکتیں علے ہذا القیاس کلام بھی بغیر جسم کے وجود میں نہیں آسکتا اسی طرح نظر بھی وہ چیز آسکتی ہے جو جسم ہو یا جسم کے ساتھ قایم ہو۔

علمار نے ان کے مدلّل جواب دیے ہیں اور ان جواب دینے والے علمار کے جہمیہ اور معتزلہ کے مقابلہ میں تین گروہ ہوگئے ہیں۔ ایک گروہ ان کے پہلے مقدمہ میں نزاع کرتا ہے اور دوسرا دوسرے مقدمہ میں اور تیسرا دونوں میں سے ایک میں بلاتعیین نزاع کرتا ہے۔ اس لحاظ سے پہلا فرقہ کلابیہ ہے اور دوسرے کا نام کرامیہ ہے۔ سابق الذکر فرقہ کہتا ہے کہ صفات اللہ کے ساتھ قایم ہیں اور وہ آخرت میں آنکھوں سے نظر آئے گا اور قرآن مخلوق نہیں ہے بلکہ کلام خدا ہے اس کی ذات کے ساتھ قایم ہے اور صفات اعراض نہیں ہیں اور نہ موصوف جسم ہے اس کے ممتنع ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے لیکن بہت سے آدمی اس فرقہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ یہ صریح عقل و نقل کے بالکل مخالف ہے۔ غرض یہی حال باقی دونوں فرقوں کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ بحث کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ یہ بحث جس قدر خشک ہے اُسیقدر

ذرا مشکل سے سمجھ میں آئے گی تو بھی کچھ نہ کچھ ہمیں لکھنا چاہیئے محض اس لیئے کہ شیخ ہمارے متہم ہوئے اور دنیا کے مسلمانوں کی ایسی چیز سے برائی کی ہے جس میں صریح افترا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا یہ افترا عمداً ہو یا لاعلمی سے ہو۔ اس لیے ہم نے اسی بات کا ذکر کیا جو مناسب حال تھی۔ ہمارا اس جگہ اصلی مقصود یہ ہے کہ ہم اس بات کا اظہار کریں کہ مسلمان سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ ہاں لفظ تشبیہ کی نفی کرنے سے اُن کی مراد یہی ہے۔ جس کی نفی قرآن نے کی ہے اور جس پر عقل بھی دال ہے تو وہ بیشک حق ہے کیونکہ خصائص خداوندی کے ساتھ مخلوق میں سے کوئی چیز موصوف نہیں ہو سکتی اور نہ اُس کے صفات میں سے کسی صفت میں بھی مخلوق میں سے کوئی اُس کے مماثل ہو سکتا ہے۔ سلف امت اور اُس کے ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ اللہ کو ان چیزوں سے موصوف کیا جائے جن سے اُس نے اپنے کو خود موصوف کیا ہے اور جس سے اُس کے رسول نے اُس کو موصوف کیا ہے۔ بغیر تحریف و تعطیل تکییف و تمثیل کے وہ اللہ کے لیے صفات کمال کو ثابت کرتے ہیں اور ضروب مثال کی اس سے نفی کرتے ہیں۔ وہ اللہ کو نقص و تعطیل اور تشبیہ و تمثیل سے منزہ کہتے ہیں لیکن یہ تنزیہ بلا تعطیل ہے اور وہ ثبوت بلا تمثیل ہے چنانچہ لیس کمثلہ شیٔ میں تمثیل کہنے والوں کا رد ہے اور "وهو السميع البصير" سے تعطیل کا عقیدہ رکھنے والوں کو باطل ٹھیرایا ہے۔ جن لوگوں نے خالق کی صفات کو مثل مخلوق کی صفات کے ٹھیرایا ہے یہ یقیناً ایک باطل تشبیہ ہے اور اس باطل تشبیہ کا قایل لائق مذمت ہے۔

اب اگر تشبیہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے لیے کوئی صفت ثابت نہیں ہے۔ نہ اُس کے لیے علم کہہ سکتے ہیں نہ قدرت نہ حیات کیونکہ ان صفات کے ساتھ بشر موصوف ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کو حی۔ علیم اور قادر غرض کچھ نہ کہا جائے کیونکہ یہ نام بندہ کے رکھے جاتے ہیں اور اسی طرح اس کے کلام سمع۔ بصر اور رویت وغیرہ میں کہنا لازم آتا ہے نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تشبیہ کا نفی کرنا ضروری ہے اور یہ ایسا امر ہے کہ قرآن و حدیث اور صریح عقل سب اس پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی عاقل اس میں خلاف کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے نام رکھے ہیں لیکن ایک نام کے دو برابر نہیں ہوتے چنانچہ اللہ نے اپنا نام حی۔ علیم قدیر۔ رؤف۔ رحیم۔ عزیز۔ حکیم۔ سمیع۔ بصیر۔ ملک۔ مؤمن [illegible] جبار۔ متکبر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم پھر فرمایا انہ علیم قدیر۔ واللہ غفور رحیم۔ واللہ عزیز حکیم۔ ان اللہ بالناس لرؤف رحیم۔ ان اللہ کان سمیعا بصیرا۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن

المهيمن العزيز الجبار المتكبر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی غور طلب ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اپنے بعض بندوں کا نام حی رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی اسی طرح بعض کا نام علیم رکھا ہے و بشرناه بغلام علیم بعض کا نام حلیم رکھا ہے فبشرناه بغلام حلیم بعض کو رؤف رحیم فرمایا ہے وبالمؤمنین رؤف رحیم۔ بعض کو سمیع و بصیر ارشاد کیا فجعلناه سمیعا بصیرا بعض کو عزیز کہا وقالت امرأة العزیز بعض کو ملک بنایا مثلاً وکان وراءهم ملك یاخذ کل سفینة غصبا بعض کو مومن کہا مثلاً افمن کان مؤمنا بعض کو جبار اور متکبر فرمایا ہے مثلاً کذلك یطبع الله علی کل قلب متکبر جبار۔

اب دونوں کے لفظوں اور ان کی صفات کو ملاحظہ کیجیے سب جانتے ہیں کہ حی حی کے مثل نہیں ہو سکتا نہ علیم علیم کے نہ عزیز عزیز کے نہ رؤف رؤف کے نہ رحیم رحیم کے نہ ملک ملک کے نہ جبار جبار کے نہ متکبر متکبر کے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے علم۔ قدرت اور قوت کو اللہ کی صفت فرمایا ہے۔ اس کی مثالیں بہت سی ہیں۔ ان کا قایل ہونا تمام عقلا پر لازم ہے۔ کیونکہ جو شخص اُن صفات میں سے بعض کی نفی کرے جن سے اللہ نے اپنے کو موصوف کیا ہے مثلاً رضا۔ غضب۔ محبت۔ اور بغض وغیرہ اور یہ کہے کہ ان صفات کے اقرار سے تشبیہ اور تجسیم لازم آئے گی تو ہم اس سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ اور بصر کو تو بھی ثابت کرتا ہے باوجودیکہ یہ مثل مخلوق کے صفات کے نہیں ہیں۔ پس جنھیں تو ثابت کرتا ہے ان میں بھی اسی طرح ہے جیسا کہ تو سابق الذکر صفات میں کہتا ہے مگر ان کی تو نفی کرتا ہے اس کے مقابلہ میں اللہ اور اللہ کا رسول اسکو ثابت کرتا ہے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ فقط

خداوند تعالےٰ کی ذات وصفات کی بحث جیسی دقیق ہے اُسی قدر لطیف اور دلکش ہے۔ خداوند تعالےٰ کی ذات وصفات کی اصلی ماہیت کو جاننا اور جو صفتیں اُس نے اپنی خود قرار دی ہیں ان کا پورا احاطہ کرنا یہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔

لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم

یعنی ہم تو اسی قدر جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ بے شک تو ہی بڑا جاننے والا دانا ہے۔

اس میں مطلق کلام نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی حقیقت بتا دی ہے اُس سے زیادہ ہم ایک انچ بھی ابھی تک آگے نہیں بڑھے ہیں۔ وہ کیا ہے۔ کہاں ہے۔ اُس کے کام۔ غفور رحیم۔ غضب و تکبر وغیرہ کے کیا

معنی ہیں ہم بالکل نہیں جانتے - ہم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ اصلی نام ہیں یا اُس کی صفات کی تشبیہ ہے - نہ یہ ہم جانتے ہیں کہ جب یہی الفاظ ایک انسان کے لیے بولے جائیں تو اُس کے کیا معنی ہوں گے ہم اپنی محدود زبان کے بموجب اور اپنی سمجھ کے مطابق خداوند تعالےٰ کی صفات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیابی معلوم - جتنی عقل آرائیاں سازِ خداوندی کی تلاش میں کی گئیں وہ اخیر اوندھے مُنہ گر پڑیں اور عقدہ کشائی نہ کوئی استدلال کرسکا نہ منطقی مین میگ سے کچھ مطلب برآری ہو سکی -

سمیع - بصیر - علیم - غفور - رحیم - اور عزیز وغیرہ کے جو اور جتنے معنی اُس نے ہمیں بتائے ہیں بس اُسی قدر ہم جانتے ہیں - باقی ہم نہیں کہہ سکتے - کہ رحیم کسے کہتے ہیں - عزیز کے کیا معنی ہیں اور سمیع و بصیر کیا چیز ہے - رحم کی تعریف بڑے بڑے حکماء کر گئے ہیں مگر انسان کی یہ اندرونی کیفیت اور زیادہ ان تعریفوں سے پیچیدہ ہو جائے باقی کچھ مطلب نہیں سمجھ میں آتا - اس کے علاوہ جیسا ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ جب رحیم خدا کے لیے بولا جائے تو اُس کے کیا معنی ہوتے ہیں اور جب انسان کے لیے بولا جائے تو کیا مطلب ہوتا ہے - نہ ہمیں اس کا فرق سمجھایا گیا اور نہ اس کی حقیقت بتائی گئی نہ ہم کچھ خود کہہ سکتے ہیں ایک فعل جو ایک جگہ وقوع میں آنے سے رحم کہلایا جاتا ہے وہی فعل دوسری جگہ ظاہر ہونے سے اس کی ضد سمجھا جاتا ہے - اس کے علاوہ طبیعت کی جس صفت یا قلب کے جس جذبہ یا ولولہ کا نام ہم نے رحم رکھا ہے - قلب کی اسی کیفیت کو دوسرا شخص اس کی ضد بتاتا ہے - مشرق میں جو صفت رحم کی قرار دی گئی ہے - مغرب میں اس پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور اُسے دل کی کمزوری بتایا جاتا ہے - مثلاً ایک جگہ بھوکے کو کھانا کھلانا رحم قرار دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ وہی ظلم سمجھا جاتا ہے - اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہم القطاعی طور پر نہیں سمجھ سکے کہ رحم کیا چیز ہے اس کی جامع تعریف کیا ہے اور پھر اُس کی ماہیت کیا ہے جب یہ کیفیت ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اسے ذات باری کی صفت قرار دیا جائے - اور پھر اس عجیب جذبہ اور ربانی ولولہ سے انکار کیا جائے -

یہ کل بحثیں اس وقت کارآمد ہو سکتی ہیں جب ہم خداوند تعالےٰ کی حقیقت اور اس کی ذات کی ماہیت کو پورے طور پر سمجھ لیں اور یہ صورت ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے - ابھی ہمیں بہت سے زینی مدارج طے کرنے ہیں - ہم خود کسی شے کی اصلی حقیقت کو نہیں سمجھے - ہم بالکل سطح پر تیر رہے ہیں باقی اندر گہرائی میں پہنچنا ہنوز دلی دور است کا مصداق ہے - ہماری زبان محدود ہے - الفاظ قلیل المعنی اور ناکافی ہیں - انسان کی کل زبانیں بالکل ناکامل اور سراسیمگی کی حالت میں ہیں - انسان کے باطنی قویٰ کے جذبات اور قلبی کیفیات کو تم الفاظ

میں ادا نہیں کر سکتے بعض جذبات کو تو ہم تفصیل سے سمجھا دیتے ہیں لیکن بہت سے جذبات کے لیے تمثیلی الفاظ بھی ہماری زبان میں نہیں ہیں۔ لذت راحت اور غم والم کے جو جذبات ہمارے قلب میں پیدا ہوتے ہیں ہم الفاظ میں مطلق ان کا اظہار نہیں کر سکتے۔ زبان کی اسی بے بضاعتی پر ہمیں حقایق و معارف باری تعالیٰ کا نہ پورا نہ ادھورا کچھ بھی علم نہیں دیا گیا۔ خداوند تعالیٰ جب ہمارے ساتھ ہمکلام ہوا تو اس نے ہماری محدود اور مجبور زبان میں ہم سے کلام کیا۔ مخلوق اور غیر مخلوق کی بحث کا بساط یہاں اُلٹ جاتا ہے جب ہم اپنی محدود زبان کی کنہہ تک پہنچ کے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ خیال فرمائیے جب واجب الوجود کی حقیقت کسی طرح آپ نہیں سمجھ سکتے تو اس کے کلام کی کنہہ تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ بغیر سمجھے بوجھے آپ مخلوق غیر مخلوق کا سبق پڑھنے لگیں اور اس طرح اس عظیم الشان مسئلہ کو طے کریں جس تک آپ رسائی نہیں کر سکتے۔ اور جو آپ کی قدرت سے باہر ہے۔

یہ بحث کہ اگر کلام کو غیر مخلوق مانا جائے گا تو خداوند تعالیٰ کے لیے جسم قرار دیا جانا لازمی ہے۔ اور جب مسئلہ تجسیم کے ہم قایل ہو گئے تو حدوث و فنا کا بھی قایل ہونا ضروری ہوا۔ پھر ایسی ذات جو حادث بھی ہو اور فانی بھی خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ ایسی باتیں محض ہذیان ہیں اور درحقیقت ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں ہمیں جو کچھ اپنی فہم اور ادراک کے مطابق موٹی موٹی باتیں بتائی گئی ہیں ہمیں ان ہی پر تکیہ کرنا چاہیے۔ اور وہ باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے تمدن۔ فلاح۔ معاشرت۔ اور آیندہ زندگی کی بہبودی میں کافی مدد دے سکتی ہیں۔ ہمیں اس کے کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جبریل نے خدا کا کلام کیونکر سنا۔ کیونکہ کلام جسم سے نکلتا ہے اور پھر اس کلام کو کیونکر یاد کیا اور کس صورت سے آسمان سے اُترا جبکہ کوئی ذی روح اتنی مسافت کو اس لیے طے نہیں کر سکتا کہ کہیں تو ہوا ہی نہیں ہے اور کہیں برف ہی برف ہے۔ باقی نہ آسمان ہے نہ کوئی مستقر ہے سوائے اس کے کہ ہزاروں کرے جو نہ صرف ہماری زمین بلکہ آفتاب سے بھی ہزاروں لاکھوں گُنے بڑے ہیں اس فضا میں تیر رہے ہیں کیسا عرش اور کہاں کا عرش ہے۔ آسمان صرف ایک حد نظر کا نام ہے۔ جس میں پدموں کھربوں اور سنکھوں میل کی دُوری پر لاکھوں عالم آباد ہیں۔ فرشتہ ان لاکھوں وسیع و عریض عالموں کو پھلانگ کے کس طرح اس چھوٹے سے کرہ پر آ سکتا ہے۔ کن عنصروں سے بنا ہوا ہے۔ سردی گرمی۔ اور ہوا سے اُس کے عنصر متاثر ہوتے ہیں۔ یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

غرض ایسی ایسی موشگافیوں سے سوا اس کے کہ خلجان پیدا ہو اور انسان بالکل بیکار ہو کے دین و دنیا کے کام

کا نہ رب ہے اور کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ہاں جو کچھ خداوند تعالے نے ہماری بساط کے موافق سمجھایا ہے وہ یہ ہے کہ وہی ایک ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ رحمان ہے رحیم ہے۔ اور کل عالموں کا رب ہے۔ اِسکے علاوہ سب سے بڑی صفت اُس نے اپنی یہ بیان کی ہے کہ مَیں ہر چیز پر قادر ہوں۔ یہ گویا جواب ہے کُل انسانی شکوک کا جو اس کی قدرت اور قوانین فطرت پر ٹیاں گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ نہ ہم عرض کو جانیں نہ جوہر کو نہ بسیط کو اور نہ غیر بسیط کو نہ جسم کو نہ غیر جسم کو ہم جانتے ہیں کہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہیں جو قلیل المعنے اور محدود ہیں اُن سے ہم ذاتِ باری کی حقیقت اور معارف اللہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہم نے اسی طرح چند خاص مَحَاوِرے خود ایجاد کئے اور ان ہی کو باری تعالےٰ کی کنہ تک پہنچنے کے لیے کام میں لانے لگے۔ یہ ہمارا جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا محقق طوسی اور کیا موسوی یہ ابھی معارف باری تعالےٰ کی تحقیق میں شیر خوار بچوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ان کی ایجاد کردہ اصطلاحیں محض ان کی اوہام باطلہ کی نتیجہ ہیں۔ جن سے معرفت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ ہمیں کیا معلوم خدا کیسا ہے۔ کیا ہے۔ کہاں ہے اور کوئی اُس کا مُستقر بھی ہے یا نہیں۔ قیامت میں اس کے دیدار کے دیکھنے کے کیا معنی ہیں ہم تو فقط اتنا جانتے ہیں۔ کہ ایک بے پایاں نور۔ لاانتہا روشنی۔ عظیم الشان جبرُت وجلال والی ذات ہے جو تمام کُروں پر حکمراں ہے۔ سب اُسی کا ہے۔ ذرہ ذرہ اس کی نظر میں ہے اور پانی کا نہ صرف قطرہ بلکہ قطرے کے باریک کیڑے جو خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سب کا وہی پروردگار ہے اور ان کا اُسے ایسا ہی علم ہے جیسے ایک بڑے سے بڑے کُرے کا۔ وہ چلتا بھی ہے پھرتا بھی ہے ہمکلام بھی ہوتا ہے رحم بھی کرتا ہی غضبناک بھی ہوتا ہے مگر نہ اُس کا چلنا پھرنا ہمارا سا چلنا پھرنا ہے اور نہ اُس کا رحم ہمارا سا رحم ہے نہ اُس کا غضب ہمارا سا غضب ہے۔ یہ ہماری محدود زبان کے الفاظ ہیں جن سے ذرہ برابر ہم اُس کی ذات اور صفات کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر یہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک پوشیدہ قوت کل بڑے سے بڑے کُروں سے لگا کے پانی کے نامعلوم کیڑوں اور ریگ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ تک برابر کام کر رہی ہے۔ اگر ہم نے اپنے قوائے باطنی معطل نہیں کر دیئے ہیں اگر ہمارا قلب دنیاوی جھمیلوں سے کسی وقت بھی بخت ہوتا ہے۔ اگر ہمارے عجیب جذبات کسی وقت بھی اپنی پوری قوت پر ہوتے ہیں۔ تو ہم اس پوشیدہ قوت کی عملی کارروائی کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کس طرح ایک جابر ظالم سے پوشیدہ ہی پوشیدہ نامعلوم طریقہ سے انتقام لیا جاتا ہے اور کس طرح وقت پر ایک بے بس اور بیکس کی مدد ہوتی ہے کہ دُنیا حیران وششدر رہ جاتی ہے کس طرح ایک شیر خوار بچہ جس کے والدین اس کی صغیر سنی کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں جس کے خاندان میں نہ دولت ہے نہ ثروت۔ نہ قوت ہے نہ فوج نہ سامان حرب کچھ بھی نہیں

اور پھر وہی بے کس بچہ بڑا ہو کے کس طرح تمام دُنیا کا رُوحانی بادشاہ بن جاتا ہے۔ اور اُس کے پیرو کس کس دھوم دھام سے دُنیا کے پُرانے تمدنوں کو زیروزبر کر کے اپنا جدید تمدن قایم کرتے ہیں اور وہ جدید تمدن صدیاں گذرنے پر بھی اُسی طرح زندہ و توانا رہتا ہے۔ اور اس رُوحانی شہنشاہ کا احترام موت کے بعد صدہا سال گذرنے پر اسی گرمجوشی سے کیا جاتا ہے جیسا اس کی زندگی میں ہوتا تھا۔

کیا یہ اس پوشیدہ قوت کے کارنامے نہیں ہیں۔ کس نے اس دوہرے یتیم بچے کے لیئے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن سے وہ دنیا کا روحانی شہنشاہ ہی نہیں بنا بلکہ زندہ رُوحانی حکمراں ہو گیا۔ کیا ایسے اسباب کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کر سکتا تھا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ اور بھی رُوحانی پیشوا رہیں۔ اور ان کے لاکھوں کروروں مرید ہیں مگر وہ سب مُردہ ہیں اور یہ سابق الذکر پیشوا زندہ ہے اس کے نام سے ایک غیر معمولی حرارت خون میں پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اور پیشوایان عالم کے نام کسی قسم کا کوئی اثر نہیں رکھتے۔ بودھ۔ عیسےٰ۔ موسیٰ۔ زرتشت کیا ان ناموں میں کوئی زندگی باقی ہے؟ ہرگز نہیں۔ خود ان کے منصف پیرو اس کی نفی کا اقرار کریں گے۔ اس پوشیدہ قوت کے یہ راز ہیں جن کا پتہ نہیں لگ سکتا مگر چشم بصیرت اچھی طرح دیکھ رہی ہے۔

اس کے علاوہ روز مرہ کے مشاہدات اس بات کی صاف صاف شہادت دے رہے ہیں کہ انسانی عمل۔ انتظامات۔ کارگردگی۔ منصوبے اور ہر قسم کی تدابیر محتاج ہیں ایک خاص توفیق کے اور جب تک وہ توفیق شامل نہ ہو کوئی تدبیر اور کسی قسم کی عقل آرائی نہیں چلتی ہزاروں منصوبے مُنہ کے بل زمین پر اوندھے گرتے دیکھے ہیں اور ہزاروں تدابیر کو آناً فاناً میں پلٹتے ہوئے ملاحظہ کیا ہے۔ یہ اخیر کیا بات ہے کیوں تدابیر درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ اور کیونکہ نئی بات خلاف امید پیدا ہو جاتی ہے۔ کیوں وہ بچے ساتھ تعلیم پاتے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور ساتھ کسی دار العلوم کی سندیں حاصل کرتے ہیں اور پھر کیوں ایک اعلےٰ مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور کیوں دوسرا کسی مدرسہ کا معلم ہو کے رہ جاتا ہے۔ وسائل دونوں کے پاس یکساں تھے تدابیر دونوں نے یکساں کی تھیں مگر ایک کچھ بنا اور دوسرا کچھ۔ یہ کیا راز ہے اور کونسی پوشیدہ قوت اندر ہی اندر کام کر رہی ہے کہ سوچا کچھ جاتا ہے اور ہو کچھ جاتا ہے حال ہی میں جنگ طرابلس اور اطالیہ کو دیکھ لیا جائے بڑے بڑے مدبر اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ ترک طرابلس پر اطالیہ سے جنگ نہیں کرنے کے کیونکہ نہ تو بندر رہا ہوا ہے نہ مضبوط قلعے ہیں اور نہ کنارے پر سُرنگیں لگی ہوئی ہیں نہ فوج ہے نہ سامان رسد کچھ بھی نہیں۔ نہ ترکی کے پاس جہاز ہیں کہ وہ فوج اور سامان خوردنوش روانہ کرے دوسرے ترکی ادھر تو یمن میں پھنسی ہوئی ہے اور ادھر البانیا میں لہٰذا محض ناممکن ہے کہ ترک طرابلس پر ذرا بھی

ہوں ہاں کریں وہ سر پٹک کے رہ جائیں گے اور اخیر کچھ روپے لے کے انہیں صبر کرنا پڑے گا۔

غرض نہ صرف اطالیہ نے بلکہ آسٹریا ہنگری۔ جرمنی اور روسیہ وغیرہ نے اس پر مہر کردی تھی کہ یہ یوں ہی ہوگا اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں پڑنے کا۔ چنانچہ اسی استدلال پر اطالیہ نے بغیر کسی معقول وجہ کے ۲۴ گھنٹے کا الٹی میٹم ترکی کو دیدیا۔ مگر اس سے پہلے اپنا جنگی بیڑا طرابلس کے پاس لا کے کھڑا کردیا۔ ترکوں نے جب اس کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا۔ تو اس کا جنگی بیڑا فوراً طرابلس کے کنارے پر آ کے کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھ سمجھوتہ کی بنا پر اطالی امیر البحر سفید جھنڈا اُڑاتا ہوا ترکی قلعہ دار کے پاس آیا اور کہا کہ ٹھنڈے پیٹوں ہمیں طرابلس سونپ دو۔ قلعدار نے انکار کیا اور اخیر گولا باری شروع ہوئی اور ترک بندر کو خالی کر کے پیچھے ہٹ گئے۔ روما اور یورپ کی دوسری دولتوں میں گھی کے چراغ جل گئے اور خوشیاں منائی جانے لگیں۔ مگر ان طفلانہ اُچھل کودوں اور قبل از وقت شادیانوں پر قضا و قدر خندہ زن تھی اور اس کی خندہ زنی پوری رنگ لائی۔ سارا یورپ اپنی غلطی پر پشیمان ہے۔ بگڑی کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا بنی کے سب یار ہوتے ہیں۔ اب سب علحدہ ہو گئے۔ اور اُلٹا اسی پر لعن طعن کر رہے ہیں حالانکہ پہلے سب اس کے ساتھ تھے۔ بڑے بڑے یورپی اخباروں نے فیصلہ کردیا تھا کہ ترکوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہاں مقابلہ نہ کریں ورنہ چار پانچ ہزار فوج جو وہاں ہے بے بسی میں قتل کر ڈالی جائے گی۔ مگر یہ سارے سمجھوتے یہ ساری خیال آفرینیاں اور کل تدبر اور تجربے جہانداری کے فیصلے اخیر قضا و قدر کے مقابلہ میں اوندھے منہ گر پڑے اور وہاں رنگ ہی دوسرا پیدا ہو گیا۔ یورپ سکتہ میں ہے۔ اطالیہ مونہ نوچ رہی ہے۔ بربادی اور ذلت اس کی ہمقرین بن گئی ہے۔ دوست دشمن بن گئے ہیں۔ اتحاد ثلاثہ سے اس کا نام خارج ہو گیا ہے۔ اخیر یہ کیا ہے نہ مشاہدہ نے کام دیا اور نہ تجربہ نے۔

اسی طرح ہر انسان کی زندگی میں روزمرہ ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک پوشیدہ قوت ضرور اپنا کام کر رہی ہے۔ اگر اس پوشیدہ قوت کا عمل جاری نہ ہوتا تو ظالم بغیر سزا کے بچ جاتے اور مظلوموں کی حمایت لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ یورپی تمدن نے جبکہ انصاف کو بہت ہی گراں کردیا ہے کس طرح ایک بیکس بے یار و مددگار اور بے زر ایک دولتمند صاحب وجاہت اور کثیر الاحباب سے انصاف حاصل کر سکتا ہے۔ وکلا یا قانون پیشہ لوگوں کو روپے دینے اور اپنی وجاہت سے جھوٹے سچے گواہ مہیا کر لینے یہ گویا جیت کی ایک ضمانت ہے۔ مگر ایسی حالت میں بھی جب پوشیدہ قوت اپنا کام کرتی ہے تو ساری کارسازیاں مونہ کے بل آ پڑتی ہیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی علحدہ ہو جاتا ہے۔

دنیا کے قوانین محدود جرائم کی سزا دینے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ باقی ہزاروں اخلاقی جرائم ایسے ہیں جن کی سزا کسی قانون میں نہیں ہے۔ مگر پوشیدہ قوت ان جرائم میں باز پرس کرتی اور سزا دیتی ہے۔ مثلاً کسی کو بلا وجہ برا کہنا اور اس میں مبالغہ اس قدر برا کہنے کو عبادت میں شریک کر لینا اور بڑھتے بڑھتے اپنی نجات کا مدار اس پر رکھ دینا اگرچہ دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جب اس مذموم فعل کو گھر کے اندر بیٹھ کے کیا جائے تو اس کی سزا دے مگر پوشیدہ قوت کے قوانین خلوت وجلوت۔ دونوں میں جاری وساری ہیں لہذا ان لوگوں کو سزا دی جاتی ہے ان کی صورتیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ دوسرے انسان ان کی تمیز کر لیتے ان کے عیوب کھول دیئے جاتے ہیں اور غیر قوموں کی نظروں میں وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک بے خبر اور بے گناہ انسان کو برباد کرنے کی تدابیر کرانا یہ تدبیریں نہ صرف الٹی پڑتی ہیں بلکہ چاہ کندن را چاہ در پیش کی مثل ان پر اکثر اوقات عائد ہو جاتی ہیں۔

ایک مبصر صبح سے شام تک روزمرہ ایسے ہزاروں واقعات دیکھتا ہے جن سے خداوند تعالیٰ کا علیم منتقم حقیقی رحیم، کریم وغیرہ ہونا صاف طور پر عیاں ہوتا ہے۔ ہم مشاہدات اور قیمتی تجربوں کے مقابلہ میں معتزلیوں یا ان کے پیروان یا ہم مذاق شیعی علماء کی خیال آفرینیوں کو کیا لیکے جائیں جبکہ ہر مقام پر اپنی من گھڑت اصطلاحوں اور منطقی اونچ نیچ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے وہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ہم رحم کرم۔ قہر۔ انتقام اور رضا خداوند تعالیٰ کے دیدار عرش وکرسی۔ ملائکہ۔ دوزخ۔ جنت وغیرہ کی اصلیت نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ ہمیں ان کی ماہیت کے سمجھنے کی تکلیف دی گئی اس لیے کہ ہماری زبانیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں محدود پیدا ہوئی ہیں ہم تو اپنے ناقص خیال اور محدود عقل کی بنا پر اپنے محسوسات کا اندازہ کرکے اور اپنی حالت کی مناسبت پر ان کے معنی۔ ان کا مفہوم اور ان کی ماہیت وکیفیت قیاس کر لیتے ہیں اور یہی ہمارے لیے فی الحال کافی ہے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ صرف امامیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کل چیزیں مخلوق ہیں اور یہ کہ ازلیت اور قدم اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ کل مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کل چیزیں مخلوق ہیں اور عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ اور قدم وازلیت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث سے جو ثابت ہوتا ہے وہی توحید الٰہیت ہے اور وہی توحید اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجی ہے اور اسی پر اپنی کتابیں نازل کی ہیں جیسا کہ ان چند آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

والٰهکم اله واحد لا اله الا هو۔ لا تتخذوا الٰهین اثنین انما هو اله واحد۔ وما ارسلنا من قبلك

من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔ غرض ایسی مثالیں قرآن مجید میں بہت سی ہیں
خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو ایسی چیز ہے جس کی رسول نے اول وآخر دعوت دی ہے چنانچہ حضور انور فرماتے ہیں۔

"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ" اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا۔

"یاعم قل لا الہ الا اللہ کلمۃ احاج لک بھا عند اللہ" یعنی اے چچا تم فقط ایک کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لو تاکہ میں اللہ کے دربار میں تمہارے حق میں گواہی دیدوں۔

یہ کل حدیثیں صحاح میں موجود ہیں۔ اور یہ ان سب چیزوں سے زیادہ واضح اور ظاہر ہے جنکا حضور انور کے دین سے ہونا بالاضطرار معلوم ہوتا ہے اور وہی توحید الہیت ہے۔

اب رہا اُس کا قدیم ازلی ہونا تو یہ لفظ نہ قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں ہے نہ قدیم نام اللہ کے ناموں میں ہے البتہ اسکے اسمار میں سے لفظ اوّل ہی۔ دیکھو اقوال کی دو قسمیں ہیں جو قول قرآن و حدیث میں منصوص ہو اسکا اقرار کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور جسکی نص قرآن حدیث میں نہ ہو اُسکو نہ قبول کرنا ضروری ہے نہ رد کرنا جب تک اسکے معنی اور مطالب سے پوری واقفیت نہ ہو جائے لہذا کسی کا یہ کہنا کہ قدیم ازلی واحد ہے۔ اور ازلیت و قدم کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے یہ دونوں جملے مجمل ہیں۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لازمی صفات کا مستحق ہے وہ قدیم ازلی ہیں۔ نہ کہ اسکی مخلوقات تو یہ بے شک حق ہے اور یہی مذہب مسلمانوں کا ہے۔ جنہیں لوگ اہلسنت والجماعت کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ قدیم ازلی وہ ذات ہے جسکے لئے کوئی صفت نہیں نہ اسکے لیے حیات ہے نہ علم ہے نہ قدرت ہے کیونکہ اگر اسکی کوئی صفت ہوگی تو قدم میں اسکی صفت ہو کے مثل اُسکے خدا ہو جائیگی پس یہ نام اُس خدا کا نام ہے جو حی۔ علیم اور قدیر ہے۔ حی بلا حیات۔ علیم بلا علم۔ اور قدیر بلا قدرت کے ہونا ممتنع ہے۔ جیسا کہ اور نظائر میں ہونا ممتنع ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کی صفات اسکی ذات سے زاید اور علیحدہ ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جسکو صفات کی نفی کرنے والوں نے ثابت کیا ہے اس سے زاید اور علیحدہ ہے نہ یہ کہ نفس الامر میں ایک ذات مجرد عن الصفات ہے اور اسکی صفات اس سے علیحدہ اور زاید ہیں تو یہ بیشک باطل ہے اور جو مسلمانوں کی طرف سے یہ حکایت گھڑ لے کہ وہ اللہ کے ساتھ بہت سی ذوات قدمیہ ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ان ذوات کا محتاج ہے یہ یقیناً اُنپر نرا افترا ہے۔

علمائے شیعہ سے ہم کہتے ہیں کہ آپ جو یہ ارشاد کرتے ہیں کہ امامیہ کا مذہب سب سے احق سب سے اصدق اور شوائب باطل سے سب سے زیادہ خلص ہے کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قدم و ازلیت کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے۔ اور اسکے سوا کل چیزیں حادث ہیں کیونکہ وہ ایک ہے جسم نہیں ہے۔ اور نہ وہ مکان میں ہے ورنہ حادث ہوگا، حالانکہ یہ صاف معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر متقدمین امامیہ بالکل اسکی ضد پر قایم تھے۔ مثلاً ہشام بن حکم۔ ہشام بن سالم۔ یونس بن عبدالرحمن القمی مولیٰ آل یقطین۔ زرارۃ ابن اعین ابو مالک حضرمی اور علی بن میثم۔

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ قول قدمار امامیہ کا ہے۔ کیونکہ معتزلہ کے خیالات سے تو یہ بعد میں متاثر ہوتے ہیں یعنی بعد میں معتزلہ کا قول ان میں رائج ہوا ہے اس صورت میں بھی جیسا شیعی علمار نے فرمایا ہے اسپر کل امامیہ کا اتفاق نہیں ہے اور اگر شیعی علمار کا قول ہم حق پر سمجھ لیں تو ہمیں بالاضطرار یہ ماننا پڑے گا کہ متقدمین شیوخ امامیہ حق پر نہیں ہیں اس سے بالبداہت یہ لازم آتا ہے کہ شیوخ امامیہ توحید میں راہ راست پر نہیں ہیں۔ خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین۔

اسکے علاوہ شیعی علمار نے امامیہ کا عقیدہ تو ذکر کر دیا ہے مگر اسکی کوئی دلیل نہیں دی نہ شرعی نہ عقلی اسمیں شک نہیں کہ شیعی علمار کہاں سے کہاں نکلے چلے گئے ہیں نہ انہیں اپنے متقدمین کے عقیدے کا خیال ہے نہ متاخرین کے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں انکا آنا بہت مشکل ہے ہاں اُنکے آپس میں بہت مناظرے ہوتے رہتے ہیں جیسا معدوم امام کے بارے میں انکا ہمیشہ مناظرہ رہتا ہے کہ آیا وہ کوئی چیز ہے یا کچھ بھی نہیں ہے۔

ہم شیعی علمار سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا انھوں نے اپنے شیوخ امامیہ کے اس عقیدے پر کوئی حجت قایم کی ہے کہ اللہ مکان میں ہے یا نہیں ہے۔ اور وہ حرکت کرتا ہے یا نہیں کرتا حوادث اُسکے ساتھ قایم ہیں یا نہیں۔ اشعری تو یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کا حاملین عرش کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ عرش کو اٹھا رہے ہیں یا خود خدا کو اٹھا رہے ہیں۔ اسمیں ان کے دو فرقے ہیں ایک یونسیہ نامی ہے یعنی یونس بن عبدالرحمن القمی مولے آل یقطین کے پیرو انکا قول ہے کہ حاملین عرش خود خدا ہی کو اٹھا رہے ہیں۔ اور وہ اسکے اٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں اور دوسرے فرقے کا یہ قول ہے کہ حاملین عرش کو اٹھا رہے ہیں۔ اور خدا کا اٹھایا جانا محال ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ خدا کو عالم۔ حی۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر اور معبود کہنے میں

بھی شیعوں میں اختلاف ہے آمیں اِن کے نو فرقے ہیں پہلا فرقہ زرآریہ ہے جو زرارہ بن اعین شیعہ کا پیرو ہے انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے نہ سمیع ہے نہ علیم ہے نہ بصیر ہے ہاں ان اوصاف کو اسنے اپنے لیے پیدا کر لیا ہے اِس قسم کے عقیدہ رکھنے والے فرقے کو تمیمیہ کہتے ہیں اور جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر لکھا ہے انکا پیشوا۔ زرارہ بن اعین ہے۔

پھر انمیں دوسرا فرقہ سبائیہ ہے جو عبدالرحمن بن سبابہ کا پیرو ہے اس فرقے کے لوگ اِن امور میں توقف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسمیں ٹھیک جعفر کا قول ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

تیسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قادر۔ رب۔ سمیع۔ اور بصیر رہا ہے یہانتک کہ اسنے اِن چیزوں کو پیدا کر دیا چونکہ یہ چیزیں جواب ہو گئی ہیں پہلے عدم میں تھیں۔ اس فرقے کا یہ بھی قول ہے کہ کسیطرح مناسب نہیں ہے کہ اللہ کو قدیر اور علیم مانا جائے۔ اور یہ بھی کہ وہ نیست و نابود کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

چوتھے فرقے کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے حی نہیں تھا مگر وہ بعد میں حی ہو گیا۔

پانچوان فرقہ جو شیطان الطاق کا پیرو ہے یہ کہتا ہے کہ اللہ فی نفسہ عالم ہے جاہل نہیں ہے لیکن وہ ان اشیاء کو اسوقت جانتا ہے کہ جب انکا ارادہ اور اندازہ کر لیتا ہے باقی ان اشیاء کا اندازہ اور ارادہ کرنے سے پہلے انہیں اسکا جاننا محال ہے۔ محال اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ عالم نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک شئے اس وقت شے ہوتی ہے کہ جب وہ اسکا ارادہ کرے۔

چھٹا فرقہ جو ہشام بن حکم کا پیرو ہے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے اِن اشیاء کا بنفسہ عالم ہونا محال ہے وہ اِن کا پہلے عالم نہیں تھا مگر بعد میں ہو گیا علم اسکی صفت ضرور ہے لیکن اسکی عین ذات نہیں ہے نہ غیر ہے نہ اسکا جز ہے اِس بنا پر علم کو حادث یا قدیم کہنا جائز ہے اور اگر خدا کا ہمیشہ سے عالم ہونا تسلیم کر لیا جائے تو معلومات بھی ہمیشہ سے ماننے پڑینگے کیونکہ عالم بغیر معلوم کے موجود ہوئے نہیں ہو سکتا اور اگر وہ بندوں کے افعال کا عالم ہو تو پھر اسکا امتحان لینا اور اپنے بندوں کی آزمایش کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اسکے بعد اللہ کی باقی صفات مثلاً قدرت۔ حیات۔ سمیع۔ بصیر اور ارادے میں ہشام یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کی صفات ہیں نہ یہ اللہ ہیں نہ اللہ سے غیر ہیں اسکے علاوہ قدرت اور حیات میں لوگوں نے اس سے اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ بعض نقل کرتے ہیں کہ ہشام کہتا تھا اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے حی و قادر ہے مگر بعض کا قول یہ ہے کہ اسنے کبھی ایسا نہیں کہا۔

ساتواں فرقہ وہ ہے جو اسکا قایل نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ فی نفسہ عالم ہے جیسا کہ شیطان الطاق اسکا قائل ہے بلکہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کسی شے کو نہیں جانتا جب تک ارادہ نہیں کرتا جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے

تو اسکو جان لیتا ہے۔ ارادہ کرنے کے معنی ان کے خیال میں یہ ہیں کہ وہ ایک حرکت کرتا ہے اور وہ حرکت ہی اسکا ارادہ ہے۔ جب حرکت کی اس چیز کو جان لیا ورنہ بغیر اسکے اسکی یہ تعریف کرنا کہ وہ عالم ہے جائز نہیں ہے۔

آٹھواں فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اسکے موجود ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ سوائے بندوں کے اعمال کے کیونکہ انھیں صرف موجود ہونے کے وقت ہی جانتا ہے۔

نواں فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے حی۔ عالم اور قادر ہے۔ ان لوگوں کا زیادہ میلان تشبیہ کیطرف پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ حدوث عالم کے بھی مقر نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں اسکے بیان کرنے سے ہمارا یہ مقصود ہے کہ امامیوں اور رافضیوں کی سٹ پھیڑ اس معاملہ میں زیادہ قابل توجہ ہے نہ کہ مسلمانوں پر اعتراض کرنے کیطرف دوڑنا۔ پہلے ان سے نبٹ لیا جائے پھر دوسری طرف رُخ کیا جائے۔ وہ لوگ اس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ توحید میں ہمارا ہی قول حق ہے۔ اگر یہ لوگ جعفر صادق کے زمانہ میں ہوتے تو ضرور یہ دعوےٰ کر سکتے ہیں کہ ائمہ کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے ہم ہیں خاصکر اس صورت میں کہ امام جعفر صادق سے مروی ہے ان سے کسی نے قرآن کی بابت دریافت کیا تھا کہ یہ خالق ہے یا مخلوق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہ یہ خالق ہے نہ مخلوق ہے۔ ہاں اللہ کا کلام ہے یہی قول سلف تمام صحابہ۔ تابعین اور کل مسلمانوں کا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے لیکن وہ یہ نہیں کہتے جو ابن کلاب اور اسکی پیروی کرنے والوں نے کہا ہے کہ قرآن قدیم ہے اللہ کی ذات کے لیئے لازم ہے اور یہ کہ اللہ اپنی مشیت اور قدرت سے کلام نہیں کرتا۔ بلکہ یہ قول ابن کلاب اور اسکی پیروی کرنے والوں کا ہی ایجاد کیا ہوا ہے۔ باقی سلف کا قول یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور اپنی مشیت اور قدرت سے کلام کرتا ہے۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابن کلاب وغیرہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ باقی شیعی علماء کا امامیہ کیطرف سے یہ نقل کرنا کہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مقدورات پر قادر ہے یہ بالکل غلط اور محض غلط ہے۔ یہاں صریح دھوکا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت امامیہ کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے امامیہ اور ان کے شیوخ قدریہ کا کھلا ہوا مذہب یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر نہیں ہے بندے اس سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ بندے اس چیز پر قادر ہیں جس پر وہ قادر نہیں ہے اسمیں اتنی قدرت بھی نہیں کہ وہ کسی گمراہ کو ہدایت کر دے۔ نہ وہ کسی ہدایت والے کو گمراہ کر سکتا ہے نہ وہ اپنے اختیار سے کسی بیٹھے ہوئے شخص کو کھڑا کر سکتا ہے نہ کھڑے ہوئے کو اپنے اختیار سے بٹھا سکتا ہے نہ وہ کسی کو مسلمان اور نمازی بنا سکتا ہے

نہ روزے دار نہ حج کرنے والا نہ عمرہ ادا کرنے والا کر سکتا ہے نہ مومن کر سکتا ہے نہ کافر نہ نیک اور نہ بُرا حالانکہ یہ سب امور ممکن ہیں۔ ان میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو لذاتہ ممتنع ہو۔ لیکن امامیہ کے عقیدے میں ان میں سے کسی پر بھی اللہ کو قدرت نہیں ہے۔ شیعی علماء نے صداقت پر جو پردہ ڈالا تھا۔ وہ اُٹھ گیا ہے انھوں نے امامیہ کے اصلی عقیدے کو چھپا کے دوسرے رنگ میں ظاہر کیا تھا کہ خداوند تعالیٰ تمام مقدورات پر قادر ہے حالانکہ سوائے ابلہ فریبی کے اس سے اور کچھ مقصود نہیں ہے امامیہ اور انکے کل شیوخ قدریہ اس عقیدے سے ہزاروں کوس دور ہیں یہ مذہب تو خاص مسلمانوں کا ہے جنھیں لوگ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس ہر چیز میں ہر ممکن داخل ہے ہاں جو چیز لذاتہ محال ہو مثلاً ایک ہی چیز کا موجود اور معدوم ہونا بیشک اسکی کوئی حقیقت نہیں نہ اسکا موجود ہونا خیال میں آسکتا ہے نہ اسے باتفاق جمیع عقلاء کے چیز کہہ سکتے ہیں اور اسکا خود اپنے کو پیدا کرنا اور اسی قسم کی اور باتیں اسمیں داخل ہیں۔

باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ عادل حکیم ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ وہ قبیح فعل کرتا ہے ورنہ جہالت اور محتاجگی لازم آئے گی وغیرہ وغیرہ ہم کہتے ہیں کہ بالاجمال تو اسپر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہے سب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبیح فعل نہیں کرتا اور نہ وہ ظلم کرتا ہے لیکن اسکی تفسیر میں بیشک نزاع ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے تو اب اسے یہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں کہ اسنے ایسا فعل کیا ہے جو اسکی شان سے خلاف ہے وہ مسلمان جو قدرت کو ثابت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ ایسی ظالم نہیں ہے ہاں اس فعل کا فاعل ضرور ہے قدریہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے تو بیشک ظالم اور قبیح فعل کا فاعل ہے لیکن یہ بات بہت گہری اور باریک ہی زیادہ غور اور توجہ کے بعد سمجھ میں آتی ہے اسے خوب توجہ سے سنئے فاعل اور خالق میں فرق ہے فاعل کے فعل کا اثر خالق پر نہیں پڑ سکتا مثلاً کھانا خالق نے پیدا کیا ہے اس کھانے سے فاعل یعنی کھانے والے کا پیٹ بھرتا ہے خالق کا نہیں بھرتا۔ فعل اپنے فاعل ہی کے ساتھ قایم ہوتا ہے خالق کے ساتھ فعل کا قیام نہیں ہے اس صورت میں فعل کے ساتھ فاعل ہی متصف ہوگا نہ کہ خالق اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل آیا کہ فعل کے صدور کا جو اثر مترتب ہوگا وہ فاعل کی ذات تک رہے گا۔ خالق کو اس فعل کے اثر سے کچھ تعلق نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات فعل کے قبیح اور غیر قبیح ہونے سے بالکل پاک اور صاف رہی۔ ہاں جس گروہ کا یہ قول ہے کہ فعل اور مفعول ایک ہی چیز ہے۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ بندوں کا فعل اللہ کا فعل ہے اگر وہ گروہ یہ کہنے لگے کہ وہی فعل بندوں کا بھی فعل ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک ہی فعل دو فاعلوں کے لیئے ہو جائے جیسا کہ

ابو اسحاق اسفرائینی کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گروہ یہ بیان کرے کہ وہ فعل صرف بندوں ہی کا فعل ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کا فعل نہ جائیں اور بندوں کو اس سے کچھ تعلق نہ ہو۔ جیسا اشعری اور ائمہ اربعہ کے ہم خیال اصحاب کہتے ہیں کہ خلق ہی مخلوق ہے۔ اور بندوں کے افعال اللہ کا فعل خلق ہے پس وہ اللہ کا فعل بھی ہے اور مفعول بھی ہے۔

مگر اس منطقی پیچیدگی کو جمہور عقلا نہیں مانتے وہ صاف لفظوں میں یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس قسم کی ہیر پھیر کی باتیں کرنی اور اپنی ایجاد کردہ منطق سے ان مطالب کو پیچیدہ بنانا کھلم کھلا حس کا مکابرہ اور شریعت و عقل کی مخالفت کرنا ہے اب رہے مسلمان وہ یہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل حقیقت میں فعل تو اسی کا یعنی بندے کا ہی ہے مگر اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ اصل میں اللہ ہی کا فعل ہے وہ خلق۔ مخلوق۔ فعل اور مفعول میں فرق کرتے ہیں جس طرح امامیہ کا صفات میں نزاع ہے ایسا ہی ان کا قدر میں بھی نزاع ہے ابوالحسن اشعری نے مقالات میں کہا ہے کہ رافضیوں کا بندوں کے افعال میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مخلوق ہیں یا نہیں۔ اس میں ان کے تین فرقے ہیں۔ پہلا فرقہ وہ ہے جس میں ہشام بن حکم شامل ہے وہ کہتا ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ کی مخلوق ہیں جعفر بن حرب نے ہشام بن حکم سے حکایت کی ہے کہ انسان اپنے افعال کا ایک طرح سے مختار ہوتا ہے اور ایک طرح سے مجبور مختار تو اس اعتبار سے کہ وہ اسکا ارادہ کرتا اور اسکا کسب کرتا ہے اور مجبور اس حیثیت سے کہ وہ اس سے بغیر ایسے سبب کے پیدا ہوئے نہیں ہوتا کہ جو اسے اس فعل پر برانگیخت کرنے والا ہو۔

دوسرا فرقہ یہ ہے جو کہتا ہے کہ جبر و تفویض یعنی مجبوری اور اختیار کوئی چیز نہیں جیسا کہ جہمی اور معتزلہ کہتے ہیں۔ اور یہ اس قول میں کچھ تکلف نہیں کرتے کہ بندوں کے افعال مخلوق ہیں یا نہیں۔

تیسرا فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق نہیں ہیں اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعتزال اور امامیہ کے قائل ہیں پس اسوقت امامیہ تین قولوں پر ہیں یعنی بعض مثبتہ کے موافق ہیں بعض معتزلہ کے اور بعض توقف کرتے ہیں۔

باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ مطیع کو جزا اور ثواب عطا کرتا ہے اور عاصی سے درگزر کرتا یا اُسے سزا دیتا ہے تو یہ مذہب بالخصوص مسلمانوں کا ہے یا ان فرقوں کا ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں مثلاً کلابیہ۔ کرامیہ۔ اشعریہ اور سالمیہ اور امت کے تمام فرقے مرجیہ وغیرہ سوائے ان خوارج اور معتزلہ کے جو اسکے مخالف ہیں کیونکہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ جو آدمی اپنی زندگی میں کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اب رہے شیعہ ان میں سے زیدیہ تو اس بارے میں معتزلہ کے ہمزبان ہیں ہاں اس میں امامیہ کے دو قول ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ زیدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ کل اہل کبائر کو دوزخ میں عذاب دیا جائیگا اور وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی اس میں سے نہیں نکل سکیں گے۔

پھر وعید میں رافضیوں کے دو فرقے ہیں پہلا فرقہ یہ کہتا ہے کہ انہیں ضرور عذاب ہوگا مگر جو شخص انکے کہنے پر چلے اسکے لیے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریگا۔ اور اس بارے میں وہ اپنے ائمہ کا قول پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ شیعہ نے جس قدر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں ہم نے دعا کر کے وہ سب معاف کرا دیں اور شیعہ کیطرف سے جو ان کے ائمہ کو صدمہ یا رنج پہنچا اس سے انھوں نے چشم پوشی کر لی ہو اور جن شیعہ نے لوگوں پر ظلم کئے ہیں۔ ائمہ ان سے سفارش کر کے انہیں بھی معاف کرا دینگے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ خواہ کسی نے ہمارے کہنے پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور عذاب کرے گا اور ایسے آدمیوں کو ضرور دوزخ میں رکھے گا۔ اسی عقیدے پر امامیہ کے ائمہ نے بھی صاد کی ہے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ مطیع کو ثواب عطا کرتا ہے تاکہ وہ ظالم نہ ہو جائے تو یہ بات غور طلب ہے کہ ظلم کی تفسیر میں جس سے اللہ کا منزہ ہونا واجب ہے قدر ماننے والوں کے دو قول ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایک یہ کہ جو ظلم ممتنع ہے وہ یقیناً محال ہے وہ ذات باریتعالیٰ میں ہرگز نہیں ہو سکتا پس اس قول پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مطیع کو اسلیئے ثواب عطا کرے گا تاکہ ظالم نہ ہو جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ظلم ممکن ہے اور اللہ کی قدرت میں ہے لیکن وہ اس سے منزہ ہے وہ اپنے علم اور انصاف کیوجہ سے ہرگز نہیں کرتا پس وہ ایک کا گناہ دوسرے کے ذمہ کبھی نہیں کرے گا۔ اور نہ ایک شخص دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا اس عقیدے کے مطابق ایک آدمی کو دوسرے کے گناہ پر سزا ہونی ظلم میں داخل ہے اس سے اللہ بیشک منزہ ہے باقی مطیع کو ثواب عطا کرنا یہ اسکا فضل اور احسان ہے اگرچہ اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے وعدہ کر لینے کے سبب اور اس وجہ سے کہ اسنے اپنے پر رحمت کو ضروری کر لیا ہے اور بمقتضا اُس کے اسماء و صفات کے اسکا ہونا قطعی واجب ہے لیکن اسکے خلاف ہونا اس مزدور پر ظلم ہونے کی قسم سے نہیں ہے جو نوکر رکھا گیا اور کام کر لینے کے بعد اُسے مزدوری نہیں دیگئی۔ کیونکہ یہ وہ اصل معاوضہ ہے کہ مزدور محنت کرتا ہے اور مستاجر اسکے عوض میں اُسے مزدوری دیتا ہے اور جب مستاجر اپنا کام اس سے پورا کرا چکا اور پھر اسکی پوری مزدوری اُسے نہ دی تو کام کرانے والے کا مزدور پر ظلم ہے مگر خداوند تعالےٰ کا معاملہ اپنے بندوں سے

اس قسم کا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے امر و نہی کے ذریعہ سے اپنے بندوں پر احسان کرتا ہے انہیں اطاعت کرنے کی قدرت دیتا ہے اور اس پر ان کی اعانت کرتا ہے اسکی مثالیں ذیل کی قدسی حدیثوں میں آپکو ملیں گی۔ مثلاً صحیح حدیث قدسی میں اللہ نے فرمایا ہے "یا عبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ فاستھدونی اھدکم" یعنی اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اسکے جسے میں ہدایت کر دوں۔ پس تم مجھسے ہدایت چاہو میں تمہیں ہدایت کر دونگا۔

پھر فرمایا "یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم" یعنی اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر جسے میں رزق دوں پس تم مجھسے مانگو میں تمہیں رزق دوں گا۔

پھر فرمایا۔ یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی اکسکم" یعنی اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جسے میں کپڑا دوں۔ پس تم مجھسے مانگو میں تمہیں کپڑا دوں گا۔

پھر فرمایا۔ یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی اتقی قلب رجل منکم ما زاد ذلک فی ملکی شیئا" یعنی اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان اور جنات سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی آدمی جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بھی نہیں بڑھتا۔

پھر فرمایا "یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجل منکم ما نقص ذلک فی ملکی شیئا" یعنی اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان سب ایک بہت بڑے بدکار آدمی جیسے ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں ذرا نقص نہیں آسکتا۔

پھر فرمایا "یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیہا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ" یعنی اے میرے بندو یہ در اصل تمہارے اعمال ہی ہیں جن کو تمہاری وجہ سے میں نگاہ رکھتا ہوں اور پھر اسکا تمہیں پورا اجر دیتا ہوں پس جس کسی کو کچھ بھلائی حاصل ہو تو اسے اللہ کا شکر کرنا چاہیئے۔ اور جو اسکے خلاف دیکھے اسے اپنے ہی آپکو ملامت کرنی چاہیئے۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ ثواب وغیرہ کے حاصل ہونے پر اللہ کا شکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اس ثواب اور اسکے اسباب کے مہیا کر دینے سے اسکا محسن ہے۔ اب رہی عقوبت تو اسمیں اللہ تعالیٰ عادل ہے اُسکے عدل کرنے پر بندہ کو اپنے ہی اوپر ملامت کرنی سزاوار ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے "کل نعمۃ منہ فضل وکل نقمۃ منہ عدل" یعنی ہر نعمت اسکا فضل ہے اور ہر نقمت اُسکا انصاف ہے۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بندے کو اسکے جرم پر عذاب کریگا اور یہ عذاب کرنا اسکا ظلم نہیں سمجھا جائے گا۔

اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں رکھتا کہ گنہگاروں کو عذاب دینے کی وجہ سے اللہ ظالم نہیں ہوتا۔ پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اللہ کے سب افعال محکم ہوتے ہیں اور کسی غرض یا مصلحت ہی کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ عابث ہوگا اور اسکا فعل عبث ہو جائے گا۔ اسپر ہم یہ کہتے ہیں کہ جماعت اہلسنت والجماعت امامیہ نہیں ہیں اللہ کے افعال اور احکام میں ان کے دو قول ہیں اگرچہ اکثر علت اور حکمت ہی کے قائل ہیں۔ مگر ہاں متکلمین میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اسموقع پر غرض کا لفظ استعمال کرتا ہے مگر فقہا وغیرہ اس سے منع کرتے ہیں اس سبب سے کہ اس لفظِ غرض سے ظلم اور محتاجگی کا وہم ہوتا ہے۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ پیغمبروں کو اللہ نے ہدایت کے لئے بھیجا ہے اسمیں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کل مسلمان بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عالمین کی رحمت بنا کے بھیجا تھا اور وہ لوگ جو اللہ کے افعال اور احکام کی علت ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور انور کو اللہ نے پیغمبر بنایا اور آپ کی پیغمبری کو خاص اس شخص کے حق میں رحمت کیا جو آپ پر ایمان لے آیا۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اللہ تعالے نہ آنکھوں سے نظر آتا ہے اور نہ حواس سے اسکا ادراک ہو سکتا ہے کیونکہ اُسنے خود فرمایا ہے لا تدرکہ الابصار یعنی آنکھیں اسکا ادراک نہیں کر سکتیں جس کی وجہ یہ ہی کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نہ صرف دوسرے فرقوں کا نزاع ہے بلکہ خود امامیہ کا بھی اسمیں بہت نزاع ہے مثلاً جہمیہ معتزلہ۔ خوارج۔ انہیں میں سے ایک فرقہ اسکا انکار بھی کرتا ہے امامیہ کے اسمیں دو قول ہیں ان کے جمہور متقدمین تو رویت کو ثابت کرتے ہیں اور جمہور متاخرین اسکی نفی کرتے ہیں یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے اکثر متقدمین اللہ کے جسم کے قائل ہیں۔ اشعری نے کہا ہے کہ سوائے چند آدمیوں کے سب اللہ کے جسم ہونے کے قائل ہیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ وہ لوگ بھی رویت ثابت کرتے ہیں جو جسم کے قائل نہیں ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ کل تابعین اور وہ ائمہ اسلام جو دین میں امامت کے ساتھ مشہور ہیں۔ مثلاً امام مالک۔ امام ثوری۔ اوزاعی۔ لیث بن سعد۔ امام شافعی۔ امام احمد۔ اسحاق۔ امام ابوحنیفہ۔ امام ابو یوسف اور ان کے امثال اور کل محدثین اور تمام وہ فرقے جو اہل السنۃ والجماعت کی طرف منسوب ہیں مثلاً کرامیہ کلابیہ اشعریہ اور سالمیہ وغیرہ یہ سب کے سب اللہ کی رویت کے قائل ہیں اور محدثین کے نزدیک حضور انور سے اس بارے میں بہت سی حدیثیں متواتر ہیں باقی رویت کی نفی کرنے کے لیے لا تدرکہ الابصار سے حجت کرنا محض بے بنیاد اور لغو ہے کیونکہ ادراک سے یہاں مطلق رویت مراد نہیں ہے بلکہ وہ رویت ہے جسمیں احاطے کی قید ہو اسلیئے جو شخص کوئی چیز

دیکھتا ہے اسکی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اس چیز کا ادراک بھی کر لیا اسی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اسنے اسکا احاطہ بھی کر لیا ابن عباس سے اس آیت کی بابت کسی شخص نے پوچھا تھا اسکے جواب میں آپنے کہا کیا تونے آسمان نہیں دیکھا وہ بولا کیوں نہیں پھر آپنے کہا کیا تو نے سارا آسمان دیکھا ہے بولا نہیں آپپر آپنے فرمایا کہ یہی معنی لا تدرکہ الابصار کے ہیں۔

پھر ایک اور مثال لو ایک شخص نے کسی لشکر یا پہاڑ یا باغ یا شہر کو دیکھا تو اِسکی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسنے اِن سب چیزوں کا ادراک بھی کر لیا۔ ہاں ادراک کا لفظ اسوقت بولا کرتے ہیں کہ جب وہ ان سب چیزوں کا احاطہ کرلے۔ یعنی اول سے لیکے اخیر تک دیکھ لے اور ان چیزوں کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزا اس سے چھپا ہوا نہ رہے ہمیں اس مسئلے پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو مدعی کا کام ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کرے کہ ادراک اور رویت ایک چیز ہے اسے بتانا چاہیئے کہ لغت عرب میں ادراک رویت کا مرادف ہے اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور اسے یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ جو شخص کسی چیز کو دیکھے عرب میں اسکی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اس چیز کا ادراک کیا ہے اس آیت میں تو یہ معنی ٹھیک نہیں بنتے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ لفظ رویت اور لفظ ادراک میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے کیونکہ کہیں رویت بلا ادراک کے ہوتی ہے۔ اور کہیں ادراک بلا رویت کے۔ یا ان دونوں میں اشتراک لفظی ہے۔ اب رہا ادراک وہ دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی ایک ادراک علم میں اور دوسرے ادراک قدرت میں کیونکہ بعض چیز کا ادراک قدرت سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ آنکھوں سے نظر نہ آئے مثلاً کوئی اندھا کسی بھاگتے ہوئے آدمی کو پکڑ لے تو یہ اسکا ادراک کر لیتا ہے اور اُسے آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔

"فلما تراءا الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون ○ قال کلا ان معنی ربی سیہدون" یعنی پھر جب دونوں گروہ ایکدوسرے کو دیکھنے لگے تو موسیٰ کے اصحابنے کہا بیشک اب پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بیشک میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے جو عنقریب مجھے راہ نجات پر لے آئیگا۔ سمجھنے کی بات ہے کہ باوجود مشاہدہ یعنی دیکھنا ثابت ہونے کے موسےٰ نے ادراک کی نفی کر دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کبھی دیکھنا بلا ادراک کے ہوتا ہے۔ اسکی پوری تشریح اس سے ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اپنی تعریف میں ذکر کی ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ ایک چیز کا آنکھوں سے نظر نہ آنا تعریف کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ محض نفی میں کوئی تعریف نہیں ہوتی جب تک کہ وہ کسی ثبوتی امر کو متضمن نہ ہو۔ اسلیئے

کہ معدوم چیز بھی آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ اور نہ اسکی کوئی تعریف کیجاتی ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف رویت کی نفی میں تعریف کی کوئی بات نہیں ہے مگر اسوقت کہ منظور ادراک ہی ہو۔ کیونکہ جسطرح علم میں اللہ کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا اسی طرح رویت میں بھی اسکا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ لہذا علم و رویت کے احاطہ کی نفی کرنے سے مطلق رویت کی نفی ہونی لازم نہیں آتی بلکہ یہ اس امر کی پوری دلیل ہے کہ اسکی رویت ہوسکتی ہے اور رویت سے اسکا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ احاطہ کی تخصیص خود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ رویت کی نفی نہیں ہے۔ سلف وغیرہ میں سے اکثر علماء نے یہی جواب دیا ہے اور اسی کی ہم معنی ابن عباس وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ لہذا اس آیت میں تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ظاہر آیت سے خروج کی حاجت ہے۔ اب ہمیں اس کہنے کیضرورت نہیں رہی کہ ہم اللہ کو اس دنیا میں نہیں دیکھیں گے۔ یا آنکھیں اسکا ادراک نہیں کرسکتیں۔ یا بعض کرسکتی ہیں۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ کل انبیاء اپنی شروع عمر سے آخر عمر تک خطاء، سہو گناہ صغیرہ اور کبیرہ سب سے معصوم ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو ان کی تبلیغ پر وثوق اور اعتبار نہیں ہوسکتا اور اس سے ان کی بعثت کا فائدہ نیست و نابود ہوجاتا ہے اور ان سے نفرت کرنی لازم آتی ہے اسکے چند جواب ہیں ملاحظہ ہو۔

پہلا جواب

تعجب ہے کہ شیعی علماء نے آنکھیں بند کرکے ایسا کیوں فرمایا کیا تو خود اپنے عقیدے سے لاعلمی کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے یا دیدہ و دانستہ ناواقفوں کو دھوکے میں ڈالا گیا ہے حالانکہ یہ اعتقاد جو اوپر بیان ہوا کل امامیہ کا نہیں ہے۔ کیونکہ خود امامیہ آپس میں باہم بہت اختلاف رکھتے ہیں۔ اشعری نے مقالات میں کہا ہے کہ رافضیوں کا اسمیں اختلاف ہے کہ آیا پیغمبر نافرمانی کرسکتا ہے یا نہیں اس میں ان کے دو فرقے ہیں پہلے فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نافرمانی کرسکتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن فدیہ لینے میں اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ پھر اسی گروہ کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر تو نافرمانی کرلے مگر ائمہ سے نافرمانی کا خیال ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر کے نافرمانی کرنے پر اسکے پاس اللہ کیطرف سے وحی آجاتی ہے۔ مگر ائمہ کیطرف نہ وحی ہوتی ہے اور نہ انپر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ بلاشک وشبہ معصوم ہیں۔ لہذا ان سے سہو اور غلطی ہونی ہرگز جائز نہیں ہے اِن کے مقابلے میں رسول سے ہونی جائز ہے اس گروہ کا پیشوا ہشام بن حکم ہے۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ رسول سے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی ہونی ہرگز جائز نہیں ہے۔ نہ ایسا ائمہ سے ہونا جائز ہے۔ کیونکہ یہ سب حجۃ اللہ ہیں یہ لغزش سے بھی معصوم ہیں اور اگر ان سے سہو اور معاصی کا ارتکاب ممکن ہو تو پھر یہ اس امکان میں اپنے پیروی کرنے والوں کے برابر ہو جائیں گے۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا ان سے ایسی چیز میں غلطی کراوے۔ جس کی وہ تبلیغ کرتے ہوں۔

دوسرا جواب

اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ انبیاء ان امور میں معصوم ہیں جنکی وہ اللہ کیطرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور بعثت کا مقصود اسی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت خیال کیا جائے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ اللہ کے آگے توبہ نہ کریں تو وہ توبہ جس سے اللہ کی محبت اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ توبہ کے بعد آدمی پہلے سے بدرجہا بہتر ہو جاتا ہے۔ اس سے تو کھلم کھلا قرآن۔ اور حدیث کی تکذیب ہونے کے علاوہ انبیاء کے منصبوں کی بے توقیری ہوتی ہے۔ اور بے توقیری یہانتک کہ جو مراتب اللہ نے اپنے فیض و احسان سے انہیں عطا کیئے ہیں وہ ان سے زبردستی چھین لیئے جائیں۔

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ جسنے کبھی کفر نہیں کیا اور نہ کبھی گناہ کیا وہ اس سے افضل ہے جو کافر ہونے کے بعد ایمان لایا ہو اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو تو ایسا عقیدے والا اسلام کا سخت مخالف ہے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور یہ بات روز روشن کیطرح ظاہر ہے کہ وہ صحابہ جو اپنے کافر ہونیکے بعد حضور انور پر ایمان لائے تھے۔ گمراہ ہونے کے بعد اللہ نے انہیں ہدایت کر دی تھی اور گناہ کرنے کے بعد انھوں نے اپنے معبود برحق کے آگے سچی توبہ کر لی تھی وہ اپنی اس اولاد سے یقیناً افضل تھے جو اسلام پر پیدا ہوئی تھی کون ایسا شخص ہے جو انصار کی اولاد کو مرتبے میں انصار کے برابر اور مہاجرین کی اولاد کو مہاجرین کے برابر کر سکتا ہے بیشک وہ شخص کہ جو جاہل مطلق اور مجنون ہو۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے والذین لا یدعون مع اللہ الٰہًا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ۚ ومن یفعل ذلک یلق اثاماً یضاعف لہ العذاب یوم القیٰمۃ ویخلد فیہ مہاناً الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنٰت ۚ

یعنی وہ لوگ جو اسکے ہمراہ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان کے مارنے کو اللہ نے حرام

کر دیا ہے اُسے نہیں مارتے مگر حق پر اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کرے گا تو وہ عذاب پائے گا قیامت کے دن اسکے لیئے دگنا عذاب کر دیا جائے گا۔ اور وہ ذلیل ہو کے اسمیں ہمیشہ رہے گا مگر جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو یہی لوگ ہیں جنکے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیگا۔ صحیح مسلم میں ابو ذر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ فرماتے تھے۔ میں اُس آدمی کو خوب پہچانتا ہوں جو جنت میں سب سے پیچھے جائے گا۔ اور اسکی بھی مجھے خوب شناخت ہے کہ جو دوزخ سے سب سے پیچھے نکالا جائے گا۔

قیامت میں ایک آدمی میدانِ حشر میں لایا جائے گا حکم ہوگا اسکے صغیرہ گناہ اسکے آگے پیش کرو مگر کبیرہ اسے نہ دکھاؤ۔ چنانچہ صغیرہ گناہ حکم ہوتے ہی اسکے آگے پیش کیئے جائیں گے اور اُس سے کہا جائیگا کہ تُو نے فلاں فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام وہ کہے گا کہ ہاں میں اسکا انکار نہیں کر سکتا مگر ساتھ ہی اس اقرار کرنے کے وہ اپنے کبیرہ گناہوں کے پیش ہونے سے سخت خائف ہوگا پھر اُس سے کہا جائے گا کہ تیرے ہر گناہ کے بدلے تیرے لیئے ایک نیکی ہے اسوقت وہ عرض کریگا اے رب العزت میں نے اور بہت سے گناہ کئے تھے مگر اب میں اُنھیں یہاں نہیں دیکھتا راوی کہتا ہے کہ اسپر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی ہنسی آئی کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

پس جسکے گناہ نیکیوں سے بدلے جائیں اسے اس سے کیا نسبت ہے جسے یہ نیکیاں نصیب ہی نہ ہوں اسمیں شک نہیں کہ گناہ کرنے کا کسی کو حکم نہیں ہے اور نہ بندے کو اس بنا پر گناہ کرنے کی اجازت ہے کہ وہ ان سے توبہ کرنے کا قصد رکھے اسکی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن کو اشتعال دے محض اس امید پر کہ میں جہاد سے اسپر غالب آجاؤنگا یا شیر کو اس خیال سے بھڑکائے کہ میں اسے مار ڈالونگا کچھ تعجب نہیں کہ یہ خیال غلط نکلے دشمن اسپر غالب آجائے اور شیر اُسے پھاڑ ڈالے اسکی مثال تو بالکل اس آدمی کی سی ہے جو اس ارادے سے زہر کھائے کہ پھر تریاق کھالونگا یہ فعل اسکا صریح جہالت پر مبنی ہوگا۔

کوئی شخص یکایک دشمن کے نرغے میں پھنس کے دشمن پر غالب آگیا تو یہ اُس سے افضل ہے جسے ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

اسی طرح جسنے اتفاقاً زہر کھاکے تریاق پی لیا۔ جس سے زہر بدن میں اسکے سرایت نہ کر سکا تو اسکا جسم اس شخص کے جسم سے یقیناً تندرست ہوگا جسنے نہ زہر کھایا، نہ تریاق پیا یا در کھو گناہ گنہگاروں کو

اُسوقت مضر ہوتے ہیں جب یہ ان سے توبہ کریں۔

وہ جمہور جو انبیاء سے صغیرہ گناہ سرزد ہونے کو جائز رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انبیاء اپنے کاربند ہونے سے بے شک معصوم ہیں اور اسوقت یہ انکا کوئی وصف بیان نہیں کرسکتے سوائے اسکے جسمیں ان کی تعریف اور کمال ہو کیونکہ اعمال کے اعتبار ہونے کا دارومدار خاتمے پر ہے باوجودیکہ قرآن۔ حدیث اور سلف کا اجماع بھی انہیں کے موافق ہے اور اسکے منکرین قرآن کی تعریف میں ایسا کہتے ہیں کہ انکا قول اہل تبہان کے قول کے مشابہ ہے وہ قرآن کے کلمات کو ان کے مواقع سے تحریف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "یغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر" میں ماتقدم سے آدم کا گناہ اور ماتاخر سے ان کی اُمت کا گناہ مراد لیتے ہیں۔ لہذا یہ اور کی مثل تحریف میں داخل ہے اول تو اسلیئے کہ آدم نے نوح اور ابراہیم اور حضور انور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلی تھی۔ اور اللہ نے اُن کی خطا معاف کردی تھی تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالےٰ آپ سے یہ فرماتا کہ ہم نے تمہیں ایک ظاہر فتح دی ہے "تاکہ ہم آدم کی خطا بخشدیں۔ دوسرے اللہ خود فرما چکا ہے۔

ولاتزر وازرة وزر اخری۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے کی طرف نسبت کردیا جائے۔

تیسرے اسلیئے کہ شفاعت کی حدیث جو صحاح میں ہے اسمیں یہ بیان ہے کہ پہلے لوگ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تم آدم ابوالبشر ہو تمہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تم میں اپنی روح پھونکی تمہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ لہذا تم اللہ کے حضور ہماری سفارش کردو۔ اسپر آدم اپنی خطا کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ پھر لوگ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ عیسےٰؑ اور موسیٰؑ کے پاس آئیں گے وہ سب یہ کہیں گے کہ تم محمد کے پاس جاؤ ان کے اللہ نے اگلے پچھلے سب گناہ بخشدیئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی شفاعت قبول ہونے کا سبب آپکی کمال عبودیت اور اللہ کی کمال مغفرت ہے اگر یہ منصب آدم کے لیئے ہوتا تو وہ حشر کے میدان والوں کی شفاعت ضرور کردیتے۔

چوتھے اسلیئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور کے اصحاب نے آپسے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو آپکے لیئے ہے۔ ہمارے لیئے کیا ہے۔ اُسوقت اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

هو الذی انزل السکینة فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم" اب اگر ان کے بھی اگلے پچھلے سب گناہ بخشے جاتے تو ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا۔

پانچویں یہ کوئی عقلمند شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ نے حضور انور کی امت کے سب گناہ بخشدیئے حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ امت کے بعض افراد دوزخ میں بھی جائیں گے اور پھر شفاعت کے بعد اُس سے نکل آئیں گے پس انبیاء کا اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنا جو قرآن سے ثابت ہوتا ہے اسکے منکرین اور مانعین کی یہ بہترین تاویلیں ہیں پھر بھلا اُن تاویلوں کی کیا حالت ہوگی جنمیں قرآن کی تحریف کی گئی ہے اور اللہ پر جھوٹی باتیں بنائی گئی ہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر انبیاء کی نسبت سہو وخطا وغیرہ کی کمزوری مان لیں تو انپر وثوق کیونکر ہوسکتا ہے۔ جب وثوق نہ ہوا تو قطعی اُن سے نفرت ہوئی یہ بات نہ ماقبل نبوت میں ٹھیک بنتی ہے نہ بعد از نبوت کوئی شخص سچے دل سے اپنے معبود حقیقی کے آگے اپنی خطا کا اقرار کرے اور سچے دل سے توبہ کرے تو اسپر خداوند تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ رحمت اسکی عبودیت۔ صداقت اور تواضع کی پوری دلیل ہے برخلاف اس شخص کے جو یہ کہے کہ مجھ سے کبھی کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوتی جس سے اللہ کی رحمت اور مغفرت کی خواہش ہو۔ یا اوسکے آگے توبہ کرنے کا محتاج کرے اور وہ شخص اسی پر برابر مصر ہوتا چلا جائے کہ مجھ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا جس سے رجوع کرنے کی حالت ہو ایسے مغرور اور بیوقوف شخص کو لوگ کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھنے کے صحیح حدیث میں صاف طور پر آیا ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لن یدخل احد منکم الجنة بعمله قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمة منه وفضل"

یعنی تم میں سے اپنے عمل کے سبب جنت میں کوئی نہ جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھی نہیں جائیں گے۔ جواب ارشاد ہوا کہ نہیں جب تک اللہ اپنی رحمت اور فضل کے پردے میں مجھے نہ چھپالے۔ فقط۔

سمجھنے والے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ حضور انور کی یہ کیفیت قلب اعلےٰ درجے کے مناقب میں سے ہے ایسے ہی آپ نے یہ فرمایا ہے تم میری ایسی تعریف نہ کرنا جیسی نصاریٰ نے عیسےٰ بن مریم کی کی ہے میں تو اسکا بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول کہا کرو اِس سے حضور انور کی عظمت اور بھی لوگوں کے دلوں میں بڑھ گئی۔ صحیحین میں ہے کہ حضور انور یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی اللھم اغفرلی ھزلی وجدی وخطای وعمدی وکل ذلک عندی اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شیئ قدیر۔"

یعنی خداوندا میری خطا میری جہالت اور میرے کام میں میرا اسراف اور میری جو خطا تجھے معلوم ہو معاف کرے۔ بار الٰہا میرے ہزل میرے جد اور میرے سہو اور قصد اُخطا کرنے کو بخشدے اور یہ سب مجھ سے ہی ہوتا ہے۔ الٰہی جو کچھ میں کرچکا اور جو آیندہ کروں اور جو ظاہر کروں اور جو پوشیدہ کروں سب بخشدے تو ہی پہلے سے ہے اور تو ہی بعد میں رہے گا۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس سے کوئی بالغ نظر اور ہوش و حواس والا انکار نہیں کر یگا کہ احتیاج سے بے پروا ہونا خصائص ربوبیت میں سے ہے باقی بندے کا کمال تو اسی میں ہے کہ وہ صرف اپنے پروردگار کا محتاج بنے اپنی کمزوریوں کا ہر وقت دل سے اُسکی عالی بارگاہ میں اعتراف کرتا رہے۔ یاد رکھو جس قدر اُسکی عبودیت کامل ہوگی اسی قدر اُسکی فضیلت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا یہ بھی سمجھ لو کہ ان امور کے سرزد ہونے سے جنہیں توبہ اور استغفار کی ضرورت ہو عبودیت اور تواضع میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ انبیاء کے گناہ مثل اوروں کے گناہوں کے نہیں ہوتے۔ مگر ہاں ہر ایک کو علی حسب مراتب خطاب کیا جاتا ہے حضور انور فرما چکے ہیں۔

کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون" یعنی کل اولاد آدم خطاوار ہیں اور بہتر خطاوار توبہ کرنے والے ہیں۔

انبیاء کی خطاؤں یا سہو کی وجہ سے اُن پر وثوق نہ ہونے اور ان سے نفرت ہو جانے کی بات جو علماء شیعہ نے ذکر کیا ہے تو یہ صورت تو اصرار کرنے پر ہو سکتی ہے نہ کہ اس خطا سے رجوع کرنے اور کمی کرنے پر یعنی فرض کرو کہ ایک نبی سے کوئی خطا ہو اُسے معاً اُسکی خطا پر اطلاع ہو وہ خداوند تعالےٰ کے حضور سجدے میں گر پڑا سچے دل سے توبہ کی اپنی خطا کا اعتراف کیا اور رحمت کی التجا کی خدا نے اُسکی توبہ قبول کی رحمت کا دروازہ اُسپر کھولدیا۔ جب خدا نے رحمت کا دروازہ کھولدیا اور اُسپر اپنا فضل کیا تو کسطرح ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگ اس سے نفرت کریں گے ور اسکے قول پر انکا وثوق نہیں رہنے کا یہ تو بالکل ایک ناممکن سی بات ہے جسے کچھ بھی سمجھ ہے وہ اُسے اچھی طرح جانتا ہے کہ چھوٹا گناہ

جس کی وجہ سے انسان توبہ و استغفار کرتا ہے عقلاء کے خیال میں ایسے چھوٹے گناہ کا مرتکب زیادہ تعظیم کئے جانے کا مستحق ہے کیونکہ خدا کے حضور آپکی عالی بارگاہ میں جبیں سائی کرنے کا بندے کو پورا موقعہ ملتا ہے۔ یہ صفت یا یہ فضیلت اور مرتبہ اور روحانی معراج فاروق اعظم کو نصیب ہوئی۔ آپکی رعیت نے جیسی آپ کی تعظیم و اطاعت کی ہے سب کو معلوم ہے باوجودیکہ آپ ہمیشہ اپنی خطا سے رجوع کرنے کا اعتراف کرتے رہتے تھے اور جب آپ علی الاعلان اپنی خطا کا اعتراف کرتے تو لوگوں کی نظروں میں آپ کی اور زیادہ وقعت و محبت اور تعظیم ہوتی تھی اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ توبہ سے لوگوں کو نفرت نہیں ہوتی بلکہ نفرت اس خطا سے ہوتی ہے جس پر اصرار کیا جائے اور اسے خطا نہ سمجھا جائے۔ ایک فاضل شخص نے اثناء ذکر میں مجھ سے کسی شخص کے علم و فضل کی بہت تعریف کی جب میں نے پوچھا کہ اُن کا مبلغ علم آپ نے کیا دیکھا تو وہ لگے کہنے کہ اس سے زیادہ مبلغ علم اور کیا ہوگا کہ وہ اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کر لیتے ہیں۔ اِس سے زیادہ دلیر اور نیکدل کوئی نہیں ہو سکتا جو اپنی خطا کا علی الاعلان اقرار کرے یہ اقرار آپکی تعظیم کا بہت بڑا سبب ہے ایسے شخص بڑے بارعب اور صاحب وجاہت ہوتے ہیں۔ انپر ان کے جاننے والے پورا اعتبار کرتے ہیں یہ اصلی صداقت کی سب سے بڑی علامت ہے۔ تعجب ہے کہ ایسی اعلیٰ درجہ کی فضیلت کو مذموم قرار دینا اور یہ کہنا کہ جسمیں یہ صفت ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ صداقت کی مقدس نازنین کو تعصب اور جہالت کی کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔

اور جو شخص ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ لوگ اسے بے گناہ سمجھیں آپکی معصومیت کا یقین کر لیں تو وہ ہمیشہ اپنی برارت کے دعوے کرتا رہے گا اسکی یہ روش یقیناً لوگوں کو اس سے متنفر بنا دیگی اور اسکے وثوق کو زائل کر دے گی پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ائمہ اس بارے میں مثل انبیاء کے معصوم ہیں۔ یہ ان امامیہ رافضیوں کا عقیدہ ہے جنکا اسمیں کوئی شریک نہیں ہے نہ شیعہ زیدیہ نہ مسلمانوں کے اور فرقے ہاں سوائے ایک فرقے کے جو ان سے بھی بدتر ہے۔ یعنی اسمٰعیلیہ جو بنی عبید کی عصمت کے قائل ہیں اور محمد اسمٰعیل بن جعفر کیطرف منسوب ہیں وہ کہتے ہیں جعفر کے بعد بجائے موسے بن جعفر کے محمد بن اسمٰعیل میں عصمت منتقل ہوگئی انہیں کو ملاحدہ منافقین کہتے ہیں بیشک امامیہ اثنا عشری ان سے بدرجہا بہتر ہیں کیونکہ امامیہ جہالت اور گمراہی میں پڑنے کے باوجود باطن میں بہت سے مسلمان ہیں وہ زنادقہ اور منافق نہیں ہیں ہاں ان کے بڑے بڑے ائمہ جو اپنے دعوے کی حقیقت کو جانتے ہیں۔

وہ زنادقہ اور منافقین سے جدا نہیں ہیں ہاں ان کے وہ عوام جو ان کی باطنی حالت سے واقف نہیں ہیں ان میں بعض اوقات مسلمان بھی نکل آتے ہیں۔

اب رہے وہ مسائل جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں امامیہ کے سوا ان کے اور فرقے بھی شریک ہیں ہاں وہ انبیاء کی عصمت میں غلو نہیں کرتے بس اسی میں تو وہ ان سے علیحدہ ہیں۔ باقی سب میں شریک ہیں یعنی جہاں کہیں یہ دعوے کرتے ہیں کہ نبی نہ بھولتا ہے نہ خطا کرتا ہے۔ وہاں ان سے سب علیحدہ ہو جاتے ہیں اور ان سے کوئی موافق نہیں ہوتا ہاں، اگر کوئی لنا گ اور غلاۃ میں ہو تو اسکی کہی نہیں جاتی۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امامیہ نے اپنے فروعی احکام ان ائمہ معصومین سے اخذ کئے ہیں جو اپنے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ناقل ہیں وغیرہ وغیرہ

اسکا جواب یہ ہے کہ ائمہ احادیث ، انہیں علماء کے شاگرد ہیں جنسے سب مسلمانوں نے سیکھا تھا اور یہ متواتر ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ علی بن حسین اکثر ابان بن عثمان بن عفان سے اور یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مولے اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ لا یوث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم یعنی نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی جابر بن عبد اللہ سے مناسک حج کی طویل حدیث روایت کرتے ہیں جو اس بارے میں اعلےٰ درجے کی حدیث ہے اسی طریق سے مسلم نے اپنی صحیح میں جعفر بن محمد سے اور انھوں نے جابر سے روایت کی ہے۔ اسکے علاوہ یہ بات غور طلب ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں کوئی ایسا نہیں ہے جسنے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سارا زمانہ دیکھا ہو سوائے علی کے وہ بیشک ان میں ممتاز اور حضور انور کی حدیثیں بیان کرنے میں صدوق یعنی بہت سچے اور ثقہ ہیں جیسے ان کی طرح اور صحابہ حضور انور کی حدیثیں بیان کرنے میں ثقات اور صدوق ہیں۔ بلکہ ہم انہیں ہر جگہ حدیث کے بیان کرنے میں اصدق الناس کہتے ہیں ان میں ایسا کوئی معلوم نہیں ہوتا جسنے حضور انور پر کبھی قصداً جھوٹ بولا ہو باوجودیکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنسے بعض مقامات پر لغزشیں ہو جاتی تھیں گناہ سرزد ہو جاتے تھے کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے مگر تو بھی امتحان اور آزمایش کرنے والوں نے اُن کی حدیثوں کا تجربہ کر لیا اور انہیں خوب جانچ لیا ہے ان میں کسی کی بھی ایسی حدیث نہیں پائی گئی جسنے قصداً جھوٹ بولا ہو اسی وجہ سے اسوقت یہ بات مشہور

ہوگئی تھی کہ اگر کوئی صبح کو رسول اللہ پر جھوٹ بولنے کا قصد کرتا تھا تو شام تک یہ بات مشہور ہو جاتی تھی کہ فلاں شخص نے ایسا کیا اور وہ کذاب ہے۔ مدینے رکھے۔ شام اور بصرہ میں بہت سے تابعین تھے جن میں ایک بھی کذاب نہیں ہوا تو بھی چونکہ وہ معصوم نہیں تھے اسلیئے غلطی کے ہونے سے پاک نہیں رہے جو راوی ان میں ضعیف ہے اہل علم نے جب اسکی تحقیق کی تو انھیں یہ ثابت ہوا کہ محض حافظہ کے ضعیف ہونے سے یہ لغزش ہوگئی ہے یہ کسی نے نہیں لکھا کہ قصداً جھوٹ بولنے کیوجہ سے اسنے ایسا کیا ہے ۔

اب رہے حسن حسین تو ان کی صغیر سنی ہی میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ اسوقت سن تمیز کو بھی نہیں پہونچے تھے۔ اسلیئے انکی روایتیں حضور انور سے بہت ہی کم ہیں ان کے علاوہ اور اثنا عشر نے حضور انور کو دیکھا تک نہیں پس شیعی علمار کا یہ کہنا کہ وہ اپنے نانا رسول اللہ سے ناقل ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ان کی طرف اسکی وحی کردیگئی تھی جو ان کے نانا نے فرمایا تھا تو یہ نبوت ہی جیسا کہ حضور انور کیطرف اور انبیار کے اقوال کی وحی کی جاتی تھی۔ اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے اوروں سے سنا ہے تو یہ ممکن ہے جیسا انھوں نے سنا اسی طرح انھوں نے اوروں سے بھی سنا پھر ان دونوں سننے والوں میں سمجھ میں نہیں آتا کہ امتیاز کسکو ہے۔ ان کے سننے میں کیا بات ہی جو اوروں کے سننے میں نہیں ہے۔ اب رہی کامل توجہ اور کامل اہتمام یہ بیشک امتیاز پیدا کرتا ہے مگر اسمیں کسی خاص ذات کی قید نہیں ہے جسنے کامل توجہ اور زیادہ اہتمام کیا وہی زیادہ جاننے والا ہوا چونکہ اسمیں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہے کہ خاندان رسالت کے لوگ ہی زیادہ اہتمام اور توجہ کرتے ہوں۔ یا زیادہ اہتمام اور توجہ بنی ہاشم ہی کے ساتھ مخصوص ہو اسلیئے ہر زمانے میں غیر بنی ہاشم اکثر بنی ہاشم سے احادیث کے زیادہ جاننے والے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اسپر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ زہری ابو جعفر محمد بن علی کی نسبت حضور انور کی احادیث اور آپ کے احوال واقوال سے زیادہ واقف تھے اور لطف یہ ہے کہ دونوں ہمعصر تھے اب رہے باقی ائمہ اثنا عشر یعنی موسے بن جعفر علی بن موسے اور محمد بن علی تو جسے کچھ بھی سمجھ ہے اور اپنے علم کا کچھ بھی حصہ ملا ہے۔ وہ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کرسکتا کہ مالک بن انس۔ حماد بن زید۔ حماد بن مسلمہ۔ لیث بن سعد اوزاعی یحیٰے بن سعید۔ وکیع بن جراح۔ عبد اللہ بن مبارک شافعی۔ احمد حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ حضور انور کی احادیث کو ان سے زیادہ جاننے والے ہیں یہ ایسا مسلم امر ہے کہ تمام مشہور آثار اسکی شہادت دیتے ہیں جیسا کہ آثار اس بات کی شہادت دیتے

ہیں کہ فاروق اعظم عمر بن خطاب - فتوحات - جہاد اور کفار و منافقین کا قلع قمع کرنے میں عثمان اور علی سے بدرجہا زیادہ ہیں - اسکا پورا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ حضور انور تک مسند شدہ احکام جو ان سے منقول ہیں وہ ان کے منقول شدہ سے کئی گونا زیادہ ہیں۔

باقی شیعی علماء کا یہ دعوے کہ ان میں سے جو کوئی فتوے دیتا ہے وہ اوسکے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوتا ہے سو یہ ان ائمہ پر یقینی بہتان اور صریح جھوٹ ہے کیونکہ حضور انور سے روایت کرنے اور اپنی طرف سے کہنے میں یہ لوگ خود پوری تمیز اور تفریق کر دیا کرتے تھے جیسا کہ علی کہا کرتے تھے کہ جب تم سے میں رسول اللہ کی حدیث بیان کرتا ہوں تو خدا کی قسم میری یہ حالت ہوتی ہے کہ مجھے اپنا آسمان سے زمین پر گر پڑنا اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے کہ میں رسول اللہ پر کوئی جھوٹ بولوں - ہاں جب میں تم سے اپنے جھگڑوں کی باتیں کرتا ہوں تو یاد رکھو لڑائی مجسم فریب اور دھوکہ ہی اسی وجہ سے علی ایک بات کہتے اور پھر اس سے رجوع کر لیتے تھے - لہذا اسی لئے مسائل میں انکا نزع ویسا ہی ہوتا تھا جیسا اوروں کا ہوتا تھا اور ان سے مختلف اقوال ویسے ہی نقل کئے جاتے ہیں جیسے اوروں سے ان کی مختلف روایتوں سے سنی شیعہ دونوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اسکو امامیہ خلفا عن سلف یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ وہ روایت ان معصومین میں سے کسی نہ کسی تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر اس استدلال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فقط ایک معصوم سے منقول ہونا دوسرے سے منقول ہونے کی ضرورت نہیں رکھتا لہذا ہر زمانے میں معصوم کے ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسکے علاوہ جب یہ نقل موجود ہی تو پھر اس منتظر امام کی کیا حاجت ہے جس سے کچھ بھی منقول نہیں ہے اگر ان لوگوں سے یہ نقل کافی ہے تو پھر اس منتظر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر کافی نہیں ہے تو ان کے اس منقول سے انکا اقتدا کرنے والے کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے ہم کہتے ہیں کہ جب ان میں سے کسی سے نقل ثابت ہو گی تو وہ زبان سے زبان ایسی ہو سکتی ہے کہ جیسے اس سے کسی نے سنی ہو پھر اسپر اسکا حکم دینا کیا وقعت رکھتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نسبت شیعوں نے بہت ہی غلط بیانی کی ہے اور ان پر پورا طوفان اٹھایا ہے خاصکر جعفر بن محمد صادق پر جیسا انپر جھوٹ بولا گیا ہے ایسا شاید کسی پر نہ بولا گیا ہو۔

یہاں تک کہ کتابیں خود تصنیف کیں اور ان کے سر چپیک دیں مثلاً کتاب الجفر۔ بطاقہ بیضت۔ اختلاج اعضا احکام الرعود والبروق۔ زبردستی ان کی طرف منسوب کردیگئی ہیں بعض شیعوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ کتاب اور رسائل اخوان الصفا انہی کا کلام ہے ہر عاقل اسے سمجھتا اور ہر مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ یہ کتابیں دین اسلام کے صریح مناقض ہیں۔ اسکے علاوہ اخوان الصفا جعفر بن محمد کے انتقال سے قریب قریب ۲۵۲ برس کے بعد تصنیف ہوئی کیونکہ جعفر بن محمد کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا تھا۔ اور یہ کتاب ۴۰۰ھ ہجری میں تصنیف ہوئی ہے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ جب مصر میں سلطنت عبیدیہ کا ظہور ہوچکا تھا اور وہ قاہرہ کی بنیاد ڈال چکے تھے اسوقت اِن اسماعیلیہ کے مذہب پر یہ کتاب تصنیف کی گئی۔ خود اس کتاب کے مضمون سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں اِن مصائب کا صاف طور پر ذکر ہے جو سواحل شام پر نصاریٰ کی بیخ کنی کرنے میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے غرض یہ کل واقعات تیسری صدی کے بعد کے ہیں ان باتوں کے دیکھنے کے بعد شیعی علماء کے صدق تحقیق اور ایمانداری کا پورا پتہ لگتا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ایسے سچے راست باز اور محقق علماء کی نقل پر کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے۔ اہل عراق اور اہل کوفہ ان کے آگے اس معاملے میں کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے اِن کی دیانت داری اور صدق کی اتنی شہرت ہوگئی تھی کہ اہل مدینہ اِن کی حدیثوں سے پناہ مانگتے تھے۔ امام مالک کہا کرتے تھے کہ اہل عراق کی حدیثیں بمنزلہ اہل کتاب کی حدیثوں کے ہوگئی ہیں۔ لہذا نہ تم انہیں سچ کہو نہ جھوٹ باوجودیکہ کوفے میں بہت سے اکابر ثقات موجود تھے لیکن جھوٹ کی کثرت نے سب کو بالکل مشتبہ کردیا غرض جو بیچارہ دو حدیثوں میں تمیز نہیں کرسکتا اسے بمنزلہ اُس مسافر کے سمجھنا چاہیے جبکا ایسے شہر میں گزر ہو جہاں کے باشندے بالکل دروغ گو اور خائن ہوں جب تک اس بیچارے کو سچے معتبر آدمی نہ ملیں گے وہ تو کل شہر کو مشتبہ نظروں سے دیکھیگا وہ حدیثیں بمنزلہ ان روپوں کے ہیں جن میں زیادہ کھوٹے ملے ہوئے ہوں۔ جو آدمی کھرا کھوٹا نہ پرکھ سکتا ہو وہ تو ان روپوں کے لینے سے جھجکیگا اور وہ کبھی ان سے معاملہ نہیں کرنے کا اسی وجہ سے جس شخص کی وسیع نظر نہ ہو اور وہ دو حدیثوں میں تمیز نہ کرسکتا ہو اسے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جسمیں کثرت سے جھوٹ اور گمراہی ہے جیسے اہل بدعت کی کتابیں ہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ دوسرے فرقوں کے مقابلے میں ہمارے شیعی علماء کیسے راست باز ہیں پھر شیعی علماء کا

یہ کہنا کہ ان ائمہ نے رائے اور اجتہاد کیطرف التفات نہیں کیا یہانتک کہ قیاس اور استحسان سے اخذ کرنے کو حرام مطلق قرار دیا ہے اسپر کئی طرح سے بحث ہو سکتی ہے اول یہ کہ اس میں شیعوں کی کچھ خصوصیت نہیں ہے خود مسلمانوں میں بھی جنکو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں اسی طرح نزاع ہے جیسے شیعوں میں ہے کیونکہ زیدیہ اسی کے قائل ہیں وہ اس بارے میں اپنے ائمہ سے روایتیں نقل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اکثر اہل سنت والجماعت قیاس کے قائل نہیں ہیں۔ لہذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو شخص خلفاء ثلاثہ کی امامت کا قائل ہو وہ قیاس کا بھی ضرور قائل بنے خود بغدادی معتزلہ بھی قیاس کے قائل نہیں ہیں پس اسصورت میں اگر قیاس باطل ہے تو قیاس کو ترک کرنا اور سنت میں داخل ہونا ممکن ہے۔ تیسرے یہ کہ رائے اجتہاد۔ قیاس۔ اور استحسان سے کہنا ایسے شخص کی نقل سے اخذ کرنے سے یقیناً بہتر ہے جو کثرت کذب میں مشہور ہو اور وہ ایسے شخص سے نقل کرتا ہو کہ اسمیں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال ہو ایسی حالت میں وہ کسی صورت سے بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اسمیں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ مالک بن انس۔ ابن ابی وہب۔ ابن ماجشون لیث بن سعد۔ اوزاعی ثوری۔ ابن ابی لیلی شریک۔ امام ابوحنیفہ ابو یوسف محمد بن حسن۔ امام زفر حسن بن زیاد۔ امام شافعی۔ بویطی۔ مزنی۔ امام احمد بن حنبل۔ ابو داؤد سجستانی۔ اثرم۔ ابراہیم حربی۔ امام بخاری۔ عثمان بن سعید دارمی۔ ابو بکر۔ ابن خزیمہ۔ محمد بن جریر طبری اور محمد بن نصر المروزی وغیرہ کا اپنے اجتہاد اور قیاس کیطرف رجوع کرنا صرف حضور انور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کے اوپر ہے یعنی جو کچھ ان ائمہ نے حضور انور کی سنت ثابتہ سے معلوم کیا اسی پر اپنے قیاس اور اجتہاد کی بنا رکھی ہے اور اسی سے مناطِ احکام کی تحقیق و تنقیح اور تخریج میں اجتہاد کیا یہ اجتہاد ان کے حق میں ان شیعوں کی نقل پر عمل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے جو اللہ اور اسکے رسول کے دین کو ان سے بہت ہی کم جانتے تھے شیعی علماء خواہ عسکریین میں ہوں یا نہ ہوں مگر ان عسکریین وغیرہ کی نسبت مذکور ائمہ اللہ اور اُسکے رسول کے احکام کو بیشک زیادہ جانتے تھے عسکریین اگر کسی طرح کا فتوے دیں تو وہ ائمہ مذکور کے قیاس اور اجتہاد سے بہت ہی کم مرتبے کا سمجھنا چاہیئے جب یہ کیفیت ہے تو وہ ان کے اقوال اور فتووں پر کیونکر عمل کر سکتے ہیں۔

یہ ہم جانتے ہیں کہ علی بن حسین۔ ابو جعفر۔ اور جعفر بن محمد بے شک عالم تھے مگر انھوں نے یہ علم کس سے سیکھا۔ اپنے زمانے کے علماء سے جن علماء کو ہمارے شیعی بھائی بغیر سب و شتم کے یاد نہیں کرتے ان تینوں کے بعد جنکا ابھی اوپر ذکر ہوا جتنے ائمہ گذرے علم سے بے بہرہ تھے اور نہیں عالم کہنا

علم کی شان مٹاتا ہے۔

چوتھے یہ بلاشک وشبہ جو احکام امام ابو حنیفہ امام شافعی۔ امام احمد اور امام مالک وغیرہ ائمہ سے نقل کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ صحیح ہیں جو شیعہ عسکرین اور محمد بن علی الجواد وغیرہ سے نقل کرتے ہیں یقیناً اور بلاشک یہ ائمہ یعنی ابوحنیفہ وغیرہ حضور انور کے دین کو ان سے زیادہ جاننے والے تھے پس جو شخص ان اصدق و اعلم کی نقل سے روگردانی کرکے اکذب و اجہل کی نقل کیطرف رجوع کرے تو نہ صرف اسکے دین میں بلکہ اسکی عقل میں بھی فتور ہے اس سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوگئی کہ شیعی علماء نے جو کچھ امامیہ کیطرف سے حکایت کی ہے اور جسکی وجہ سے انہیں فضیلت دی ہے۔ ان میں ان کے خصائص میں سے کوئی بات نہیں ہے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک ائمہ کی عصمت کے قائل ہونے کی ایک خصوصیت ان میں ضرور ہے مگر اس خصوصیت میں وہ لوگ بھی ان کے شریک ہیں جنکا مرتبہ ان سے بھی بہت کم ہے اس خصوصیت کے سوا جو کچھ حق ہے یا باطل اس کے اہل سنت بھی قائل ہیں جو خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو ثابت کرتے ہیں اب رہا امامیہ کا ائمہ کی عصمت میں خصوصیت رکھنا کچھ زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا عقیدہ عقل اور دین کی رو سے بہت ہی بعید اور غلط ہے۔

خداوند تعالیٰ کی ذات کیساتھ دوسری چیزوں کا قدیم ہونا

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سوا ہمارے باقی مسلمانوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ مذہب بنا لیے ہیں ان میں ایک اشاعرہ کی جماعت ہے جسکا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے ساتھ بہت سی قدیم چیزیں بھی ہیں۔ یعنی جیسے اللہ قدیم اور ہمیشہ سے ہے اسی طرح وہ چیزیں بھی اسکے ساتھ قدیم اور ہمیشہ سے ہیں۔ ان چیزوں کو وہ خارج میں ثابت کرتے اور موجود مانتے ہیں مثلاً علم اور قدرت وغیرہ غرض انھوں نے (بقول شیعی علماء) اللہ کو اسکے عالم ہونے میں اس معنی کے ثبوت کا محتاج بنا دیا ہے جسکا نام علم ہے اسی طرح اسکے قادر ہونے میں قدرت کا محتاج کر دیا ہے علی ہذا القیاس سنیوں نے اللہ کو نہ قادر لذاتہ رکھا نہ عالم لذاتہ اور نہ حی لذاتہ بلکہ چند قدیم معانی کے ذریعہ سے کہ ان صفات میں وہ ان کا محتاج رہتا ہے انھوں نے اللہ کو فی ذاتہ محتاج ناقص اور کامل لغیرہ بنا دیا ہے۔ یہ اس کے

قائل نہیں ہیں کہ یہ صفات ذاتیہ ہیں۔ خود شیخ فخرالدین رازی نے جو سنیوں کا بڑا شیخ ہے انہیں پر اعتراض کیا ہے کہ نصاریٰ تو محض اسوجہ سے کافر ہو گئے کہ انہوں نے تین قدیم مانے ہیں۔ مگر اشاعرہ تو نو قدیم مانتے ہیں۔ اور پھر مسلمان کے مسلمان ہیں۔ فقط

پہلا جواب

افسوس ہے کہ اشعریہ پر کس بیدردی اور بے باکی سے جھوٹ بولا گیا ہے ان میں کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ کامل بغیرہ ہے نہ امام رازی نے انپر کوئی اعتراض کیا ہے یہ بچارے رازی پر بڑا بہتان ہے یہ اعتراض امام رازی نے ان لوگوں کی طرف سے ذکر کیا ہے جو یہ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ رازی نے تو خود اس اعتراض کی برائی کی ہے۔ صفات کی نفی کرنے والوں کے اعتراضات میں سے یہ ایک پرانا اعتراض ہے۔ یہانتک کہ جب امام احمد نے جہمیہ کا رد کیا ہے تو اسکا بھی ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں یعنی امام احمد کا قول ہے کہ جب ہم نے اللہ کو ان صفات سے موصوف کیا تو جہمیہ نے ہم سے کہا اگر اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہے اور اسکا نور ہے۔ اللہ ہے اور اسکی قدرت ہی اللہ ہے اور اسکی عظمت ہی تو تم میں اور نصاریٰ میں کچھ فرق نہیں رہا کیونکہ تم نے تو یہ گمان کر لیا کہ اللہ اسکا نور اسکی قدرت اور عظمت ہمیشہ سے ہے میں نے اسکا یہ جواب دیا ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ اور اسکا نور اللہ اور اسکی قدرت ہمیشہ سے ہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ مع اپنی قدرت اور نور کے ہمیشہ سے ہے ہاں یہ ہم نہیں بتا سکتے کہ وہ کب سے قادر ہوا اور کسطرح قادر ہوا۔ اسکا جہمیہ نے یہ جواب دیا کہ اب بھی تم ہرگز موحد نہیں ہو سکتے جب تک یہ نہ کہو کہ اللہ تھا اور کوئی چیز نہ تھی ہم نے کہا ہم تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تھا اور کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے مع اپنی کل صفات کے ہے کیا ہم اللہ واحد کو اسکی جمیع صفات سے موصوف نہیں کر سکتے دیکھو اس بارے میں ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں تم ہمیں یہ بتاؤ کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ کیا اسمیں تنا۔ شاخیں۔ چھال۔ اور پھول پھل نہیں ہیں حالانکہ یہ سب کچھ ہے مگر ایک ہی نام سے فقط پکارتے ہو یعنی درخت کہتے ہو۔ اور ان جمیع صفات کے ساتھ اسکا نام تمنے کھجور کا درخت رکھا ہے اسیطرح اللہ بھی ہے وہ اپنی جمیع صفات کے ساتھ الہ واحد ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی نہ کوئی وقت ایسا گزرا ہے کہ وہ قدرت نہیں رکھتا تھا پھر اُسنے قدرت پیدا کی تو وہ قادر ہو گیا نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی وقت وہ بے علم تھا یہاں تک کہ اسنے اپنے لیے علم پیدا کر لیا۔ تو وہ عالم ہو گیا نہ ہم یہ کہتے ہیں جسمیں

قدرت نہ ہو وہ عاجز ہے یا جسمیں علم نہ ہو وہ جاہل ہے لیکن ہاں یہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے عالم۔ قادر اور مالک ہے اللہ نے ایک کافر کا ذکر کیا ہے جسکا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيدًا یعنی تم مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ حالانکہ جسے اللہ نے اکیلا فرمایا ہے اسکی دو آنکھیں تھیں دو کان تھے۔ ایک زبان تھی دو ہونٹ تھے دو ہاتھ تھے دو پیر تھے اور بہت سے جوارح تھے لیکن باوجود ان جمیع صفات کے اللہ نے اُسے وحید فرمایا یعنی اکیلا بس اسی طرح اللہ بھی ہی وہ اپنی جمیع صفات کے ساتھ اکیلا واحد ہے۔

دوسرے یہ مذکور قول اشعری کا نہیں ہے نہ اُن کے جمہور موافقین کا ہے بلکہ یہ قول انہیں سے حال ثابت کرنے والوں کا ہے۔ یعنی جو یہ کہتے ہیں کہ عالم ہونے کی علت علم ہے۔ یہ لوگ علم کو ایسی چیز قرار دیتے ہیں جسکو دوسرا حال ثابت کرتا ہے وہ حال علم نہیں ہے بلکہ وہ عالم ہوتا ہے یہی قول قاضی ابوبکر بن طیب اور قاضی ابویعلیٰ کا اور پہلا قول ابوالمعالی کا ہے۔ باقی صفات ثابت کرنے والوں میں جمہور کا قول یہ ہے کہ عالم علم ہونے ہی کو کہتے ہیں یا علیم عالم ہوتا ہی ہے ان کا قول ہے کہ عالم بغیر علم کے نہیں ہوتا نہ قادر بغیر قدرت کے ہو سکتا ہے یعنی جسے علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہو سکتا اور جس میں قدرت نہ ہو وہ قادر نہیں ہو سکتا اسی طرح جس میں حیات نہ ہو وہ حی نہیں ہو سکتا اس میں شک نہیں کہ یہ بات بداہتہً سب کو معلوم ہے کہ اسم فاعل کا وجود بغیر مصدر کے ہونا ممتنع ہے اسکی بعینہٖ یہی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ بغیر نماز کے نمازی ہے یا بغیر روزہ رکھے روزہ دار ہے یا بغیر نطق کے ناطق ہے یہ سن کے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں یہ درست ہے کہ ناطق بغیر نطق کے اور نمازی بغیر نماز کے نہیں ہو سکتا۔ تو اسکی یہ مراد نہیں ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک نماز دوسری وہ حالت جسکی نماز علت ہے بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ نمازی کے لئے نماز کا ہونا ضروری ہے۔ ان لوگوں نے صفات کی نفی کرنے والوں کے قول کا انکار کر دیا ہے جو کہتے ہیں اللہ بغیر حیات کے حی ہے۔ بغیر علم کے عالم ہے اور بغیر قدرت کے قادر ہے اب جسنے اللہ کو بذاتہٖ حی۔ علیم۔ اور قادر کہا اسکا مطلب اس کہنے سے یہ ہے کہ اسکی ذات اسکی حیات اسکے علم اور اسکی قدرت کو مستلزم ہے وہ ان چیزوں میں کسی غیر کا محتاج نہیں ہے۔ یہی قول صفات کے ماننے والوں کا ہے جو صفات کی نفی کرنے والوں کے قول سے انکاری ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس قول کی اصل اور بنا مثبتین صفات کا قول ہے اور اس میں اشعریہ کی کوئی خصوصیت

نہیں ہے۔ سوائے فرقہ جہمیہ کے مسلمانوں کے کل فرقوں کا یہی قول ہے حتی کہ معتزلہ اور ان کے موافقین شیعہ کا بھی اسپر صاد ہے۔ اسکے علاوہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ یہی قول قدمار امامیہ کا ہے۔ اب اگر یہ غلط ہے تو امامیہ کے قدیم ائمہ اس غلطی کے مرتکب ہوئے اور اگر صحیح ہے تو ان کے متاخرین غلطی پر ہیں۔

چوتھے شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ انہوں نے بہت سے قدیم ثابت کر دیئے ایک مجمل سی بات ہے۔ جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ سنیوں یعنی مسلمانوں نے قدیم ہونے میں بہت سے معبود مان لیے ہیں اور وہ اللہ کے ساتھ بہت سے منفصلہ قدیمہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اللہ کے لیے ایسی کامل صفات ثابت کی ہیں جو اسکی ذات کے ساتھ قایم ہیں۔ مثلاً حیات۔ علم۔ اور قدرت۔ اب اگر تم یہ کہو کہ انھوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود ثابت کر دیئے ہیں۔ یا ایسے موجودات قدیمہ ثابت کئے ہیں جو اللہ سے منفصل ہیں تو یہ انپر بہت بڑا بہتان ہے۔ ممکن ہے کہ ان طعن و تشنیع کرنے والوں کا یہ مقصود نہ ہو۔ لیکن ان کے لفظوں سے یہ وہم ضرور پیدا ہوتا ہے۔ ہاں اگر تم یہ کہو کہ مسلمانوں نے اللہ کے لیے ایسی صفات ثابت کی ہیں جو اسکے ساتھ قایم اور اسکی قدامت کے سبب قدیم ہیں اور وہی صفات کمال ہیں۔ مثلاً حیات۔ علم۔ قدرت تو یہ بیشک حق ہے۔ اسکا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں مجنون اور لا یعقل کا کچھ کہنا نہیں۔ غرض جو شخص ان صفات کا انکار کرے اور یہ کہے کہ اللہ بغیر حیات کے حی ہے بغیر علم کے عالم ہے۔ اور بغیر قدرت کے قادر ہے تو اسکا قول ظاہر البطلان ہے۔

اسیطرح اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کا علم ہی قدرت ہے اور اسکی قدرت ہی اسکا علم ہے یا یہ کہے کہ اللہ ہی علم اور قدرت ہی تو اُس نے موصوف کو صفت ٹھیرا دیا حالانکہ صفت دوسری چیز ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفات کی نفی کرنے والوں کے اقوال میں خواہ وہ فلاسفہ ہوں یا معتزلہ اس قسم کی جتنی باتیں پائی جاتی ہیں ان کا فقط تصور ہی کرنا ان کی خرابی کو ظاہر کرتا ہے ہم ان کے خیالات کی وسعت کو اچھی طرح جانتے ہیں بیشک انھوں نے اپنے علم کے زور سے بہت کچھ فلسفہ کی نیک صورت پیدا کی منطق کو جلا دی یہ سب کچھ کیا۔ فلسفہ اور منطق کے مالک بن گئے مگر کیا بغیر معرفت اور خدا پرستی کے وہ باریتعالیٰ کے راز سمجھ سکتے ہیں معاذ استغفر اللہ۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کی حقیقت منطق کی خاص ایجاد کردہ اصطلاحیں اور فلسفہ کے مفروضہ اصول نہیں بیان کر سکتے۔ سچ ہے۔ ؎

ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی۔

ہمنے اپنے شیعی علماء کو ان ہی ہتیاروں سے جواب دیا ہے جن ہتیاروں کو ہم پر وہ کام میں لائے تھے ورنہ ہمارا مسلک ہمیں فلسفہ اور منطق کی تاریک بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا بلکہ علوم متعارفہ سے اس نے ہمیں کام لینا سکھایا ہے اور ہم اسی سے الحمد للہ کام لیتے ہیں مگر یہاں چونکہ منطق اور فلسفہ کی بحث ہے اور یاران نامہربان نے اسی نکتہ چینیوں کی بنیاد قائم کی ہے۔ لہذا ہم نے بھی ان ہی اصول سے جواب دیا ہے آیندہ بھی یہی اصول ہمارے جوابات کی بنیاد ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

پانچویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کے ساتھ بہت سے قدیم ٹھیرا دیئے ہیں۔ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ صفات ثابت کرنے والوں کے نزدیک اسم اللہ کے مسمیٰ سے یہ معانی خارج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ کبھی کہتے ہیں یہ صفات ذات سے علیحدہ ہیں یعنی اس ذات سے جو صفات سے مجرد ہے نہ کہ اس ذات سے جو صفات کیساتھ متصف ہے اور اسم اللہ اس ذات متصفہ بالصفات میں ملا ہوا ہے وہ فقط ذاتِ مجرد کا اسم نہیں ہے تاکہ وہ یہ کہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ بہت سے قدیم ثابت کرتے ہیں وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کہنے کو بھی جائز نہیں رکھتے کہ صفت موصوف کا غیر ہے پھر وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کہ صفات اللہ کے ساتھ ہیں بلکہ مثبتین صفات میں سے ایک فرقہ مثلاً ابن کلاب فقط صفات میں یہ نہیں کہتا کہ وہ قدیم ہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مع اپنی صفات کے قدیم ہے۔

چھٹے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو اسکے عالم ہونے کی ایک صفت کے ثبوت کا محتاج کر دیا ہے اسکا جواب یہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض تو مثبتین حال کے قول پر ہو سکتا ہے نہ کہ جمہور اہل سنت پر کیونکہ جمہور کے نزدیک اللہ کا عالم ہونا ہی علم ہے اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ اللہ اپنے عالم ہونے میں اس علم کا محتاج ہے جو اسکی ذات کے لیئے لازم ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنے غیر ذات کا محتاج ہے کیونکہ اسکی ذات ہی میں علم ہے اور اس علم سے وہ عالم بن سکتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان دونوں چیزوں کی اصل باعث اسکی ذات ہی ہے اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ذات نے دو چیزوں کو ثابت کر دیا ہے تو یہ ان میں سے ایک کو ثابت کرنے سے بڑھ چڑھ کے ہے اس صورت میں کہ جب ان میں سے ایک ناقص نہ ہو۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ علم بھی کمال ہے اور اللہ کا عالم ہونا بھی کمال ہے پس جب ذات نے اسے اور اُسے دونوں کو ثابت کر دیا تو یہ بعینہ ایسا ہوا کہ وہ حیات اور قدرت کو ثابت کر دے۔

ساتویں شیعی علمار کا یہ قول کہ سنیوں نے اللہ کو اسکے عالم ہونے میں ایک صفت کے ثابت ہونے کیطرف مفتقر کردیا جسکا نام علم ہے اسکا جواب ملاحظہ ہو یہ بالکل مختل عبارت ہے کیونکہ لفظ افتقار سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی شے کا محتاج ہے جو اسے عالم کردے یا جو اسے علم کا فائدہ حاصل کرادے مگر یہ محض غلط ہے کیونکہ علم کا ثبوت تو بطریق لزوم لذاتہ ہے یعنی اسکے علم کا موجب اور باعث اسکی ذات ہی ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس اسکے عالم ہونے کی بھی یہی حیثیت ہے۔ اور جو شخص ان دونوں صفتوں کو ثابت کرتا ہے اُسکا قول یہ ہے کہ جب تک اللہ کو علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہوتا حالانکہ وہ عالم قطعاً اور یقیناً ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسے علم بھی ضرور ہے غرض کہ وہ اُسے استدلال کی قسم ٹھیراتا ہے اور اللہ کے عالم ہونے سے اسکے علم پر استدلال لاتا اور کہتا ہے کہ اسے اسکی ذات ہی نے ثابت کیا ہے نہ یہ کہ یہاں ذات کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جو اللہ کو عالم بناتی اور اُسکے لیے علم ثابت کرتی ہے۔ اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ ذات نے علم کو کسی واسطہ سے ثابت کیا ہے تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ موجب کا موجب موجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذات نے اسکے حی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ حیات علم کی شرط ہے لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ اپنے عالم ہونے میں کسی غیر کا محتاج ہے کیونکہ یہ امور جو آپس میں ایکدوسرے کی شرط ہیں سب اسکی ذات کے لازم میں داخل ہیں۔ اِن کے ثبوت میں کسی غیر کی احتیاج نہیں ہوتی۔

آٹھویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو قادر لذاتہ نہیں رکھا بلکہ چند معانی قدیمہ کی وجہ سے قادر ٹھیرایا ہے وغیرہ۔ اگر شیعی علمار کی اس سے یہ مراد ہے کہ سنی اللہ کی ذات کو علم اور قدرت نہیں ٹھیراتے یا باوجود اُسے علم اور قدرت نہ ہونے کے ذات کو عالمہ اور قادرہ نہیں کہتے سو یہ بیشک صحیح ہے اور یہی عین حق ہے۔ اور اگر انکا مطلب یہ ہے کہ سنی اللہ کی ذات کو عالم و قادر ہونے کا موجب نہیں ٹھیراتے تو یہ انپر کھلا ہوا اتہام ہے سنیوں کے نزدیک تو اللہ کی ذات ہی اسکا موجب ہے اسیطرح وہ اسکے حی ہونے کو اسکے ہونے اور عالم ہونے کا موجب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جب تک وہ حی نہ ہو عالم نہیں ہوسکتا اسی طرح جب تک اُسے علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔

نویں شیعی علمار کا پھر یہ فرمانا کہ سنیوں نے اللہ کو عالم لذاتہ اور قادر لذاتہ نہیں رکھا۔ وغیرہ۔ اگر اس سے شیعی علمار کی یہ مراد ہے کہ سنیوں نے اللہ کو اس ذات کی وجہ سے جو علم اور قدرت سے

مجرد عن الصفات مجرد ہے عالم اور قادر نہیں ٹھیرایا۔ جیسا صفات کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ اللہ ایک ذات مجرد ہے سو یہ درست ہے کیونکہ جو ذات علم اور قدرت سے مجرد ہے خارج میں اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ وہ ذات اللہ ہے۔ نہ وہ عبادت کی مستحق ہے۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ سنیوں نے اللہ کو اسکی ذات کیوجہ سے عالم و قادر نہیں ٹھیرایا جو علم اور قدرت کو مستلزم ہے تو یہ بالکل غلط اور صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ سنیوں کے نزدیک اسکی اصل ذات ہی علم و قدرت کا موجب ہے۔ انھوں نے اسکے عالم و قادر ہونے کو اور اسکے علم و قدرت کو ثابت کیا ہے کیونکہ یہ سب امور متلازم ہیں اور اللہ کی ذات ان صفات کیساتھ متصف ہے وہی ان سب کا موجب ہے چنانچہ اس میں وہ کسی غیر چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔

دسویں شیعی علمار کا پھر یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو محتاج۔ ناقص فی ذاتہ اور کامل بغیرہ کردیا ہی بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ وہی ذات ہے جو ان صفات سے موصوف ہے یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہی جسے ان صفات کیطرف احتیاج ہونی ممکن ہو اور پھر اُسے احتیاج یا غنا سے موصوف کر سکیں۔ اللہ کی ذات ان صفات کو مستلزم ہے اور یہ صفات جو اس موصوف ذات کے لیئے ملزوم ہیں۔ ان کا تحقق بغیر ذات کے کبھی نہیں ہو سکتا تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اللہ محتاج ناقص ہے بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ وہ ذاتِ مجرد بیشک ان صفاتِ کمال سے علیحدہ ہے لیکن وہ ذات نہ اللہ ہے نہ خارج میں اسکی کوئی حقیقت ہے۔ اسکے علاوہ ان صفات پر متکلمین غیر کا لفظ اطلاق نہیں کرتے۔

گیارہویں۔ پھر شیعی علمار کی یہ گوہر افشانی کہ نصاریٰ صرف اتنے کہنے سے کافر ہوگئے کہ قدیم یعنی ہمیشہ رہنے والے تین ہیں گمان کے مقابلہ میں اشاعرہ نے نو قدیم ثابت کر دیئے ہیں باسپرہ وہ مسلمان کے مسلمان بنے رہے اور کافر نہیں ہوئے یہ محض غلط اور مطلق باطل ہے یہ کون کہتا ہے کہ نصاریٰ تین قدیم ماننے پر کافر قرار پائے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ خداوند تعالیٰ تو ان کے کافر ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ وما من الٰہ الا الٰہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم ۝ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم ۝ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام ۝

یعنی بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہوگئے اور بیشک ایک معبود کے سوا

اور کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ جو کہتے ہیں اس سے باز نہ آئیں گے تو بیشک جو لوگ ان میں سے کافر ہیں انہیں درد دینے والا عذاب پہنچیگا۔ یہ لوگ اللہ کیطرف کیوں نہیں رجوع کرتے اور اس سے بخشش نہیں چاہتے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مریم کے بیٹے مسیح کچھ نہ تھے مگر رسول بیشک ان سے بھی پہلے رسول ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ماں ایک صدیقہ تھیں، دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھاتے تھے (پھر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں)۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ نصارےٰ اس کہنے کی وجہ سے کافر ہوئے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے کیونکہ اسکے بعد فرمایا ہے کہ ایک معبود کے سوا کوئی معبود نہیں یہ نہیں فرمایا کہ ایک قدیم کے سوا اور کوئی قدیم نہیں پھر اسکے بعد مسیح اور ان کی والدہ کا ذکر کیا کیونکہ یہی وہ دونوں ہیں جنھیں نصارےٰ نے اللہ کے سوا معبود ٹھیرایا تھا۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں اللہ نے اپنے قول سے یوں بیان کیا ہے۔

واذ قال اللہ یا عیسے ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ

یہ آیت پہلی آیت کی سیاق کے بالکل موافق ہے اور اسمیں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے انکا یہ مطلب تھا کہ اللہ تین معبودوں میں کا تیسرا معبود ہے یعنی اللہ۔ مسیح والدہ مسیح۔ قرآن مجید میں نہ قدمار ثلثہ کا کہیں ذکر ہے نہ صفات ثلثہ کا بلکہ قرآن کے اندر اسمار الٰہی میں لفظ قدیم کا بھی ذکر نہیں ہے یہ معنی اگرچہ صحیح ہیں لیکن ہمارا مقصود فقط یہ بیان کرنا ہے کہ جیسا شیعی علماء کا خیال ہے اس بنا پر نصاریٰ کو خداوند تعالیٰ نے کافر نہیں کہا۔

بارھویں۔ اب بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے۔ ہم مانے لیتے ہیں کہ نصاریٰ اس کہنے کی وجہ سے کافر ہوئے تھے کہ اللہ تین قدیموں میں کا ایک قدیم ہے۔ لیکن قائلین صفات تو یہ بھی نہیں کہتے کہ اللہ نو قدیموں میں کا ایک قدیم ہے بلکہ ان کے نزدیک لفظ اللہ کے اسم میں کل صفات آگئیں۔ اسکی صفات اسکے مسمیٰ اسم سے خارج نہیں ہیں۔ دیکھو جب کسی نے یہ کہا کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ یا میں نے اللہ کو پکارا تو اسم اللہ کے مسمیٰ میں اسکی کل صفات داخل ہیں۔ وہ اسپر یہ بھی اطلاق نہیں کرتے کہ یہ صفات اللہ سے غیر ہیں پھر وہ یہ کیسے کہ سکتے ہیں کہ اللہ نو میں کا نواں یا تین میں کا تیسرا ہے۔

تیرھویں شیعی علماء نے صفات باری عزاسمہٗ کا حصر صرف آٹھ میں کر دیا ہے اگرچہ اشعریہ وغیرہ

میں سے بعض مثبتین صفات بھی اسکے قایل ہیں لیکن جماہیر مثبتین اور ائمہ اشعریہ کے نزدیک ٹھیک بات یہ ہے کہ صفات آٹھ میں منحصر نہیں ہیں بلکہ انکا یہ عقیدہ ہے کہ بندے صفات کا انحصار کسی عدد میں کر ہی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں شیعی علماء کا ان کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ اللہ نویں کا نواں ہے۔ صاف باطل ہے +

حشویہ مشبہ اور شیعی علماء

شیعی علماء فرماتے ہیں۔ جماعت حشویہ مشبہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسا جسم ہے جس میں طول عرض۔ اور عمق تینوں چیزیں ملتی ہیں۔ اس سے مصافحہ ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ نیک آدمی دنیا ہی میں اس سے معانقہ کرتے ہیں۔

(پھر بقول شیعی علماء) کعبی نے بعض حشویہ سے حکایت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے دیکھنے کو جائز کہتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ ان کی زیارت کرتا ہے اور وہ اللہ کی زیارت کرتے ہیں۔

داؤد ظاہری سے مروی ہے (بقول شیعی علماء) میرا معبود ایک جسم ہے۔ اسمیں گوشت خون سب جوارح اعضاء۔ جگر۔ پیر۔ زبان۔ آنکھیں اور کان وغیرہ سب کچھ ہیں اسکے گھونگروالے بال بھی ہیں۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ خدا کی دونوں آنکھیں دکھنے آگئیں تھیں فرشتے اسکی عیادت کے لیئے آئے تھے۔ طوفانِ نوح پر وہ اس قدر رویا تھا کہ اسکی دونوں آنکھیں آشوب کر آئی تھیں عرش ہر طرف سے چار انگل اس سے بچا رہتا ہے فقط (شیعی علماء کا طعن ختم ہوا)

جواب

اول یہی عقاید یا خیالات کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور اس میں طول۔ عرض۔ عمق تینوں ہیں اسلام میں سب سے پہلے شیوخ امامیہ اسکے قائل ہوئے ہیں۔ مثلاً ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم وغیرہ کا بھی یہی مذہب تھا۔ الملل والنحل میں کل فرقوں کے ناقلین کا اس پر اتفاق مذکور ہے۔ ابو عیسیٰ وراق۔ زرقان ابن النوبختی۔ ابو الحسن۔ ابن حزم اور ابن الشہرستانی وغیرہ سب یہی کہتے ہیں ان کے اقوال معتزلہ۔ شیعہ۔ کرامیہ۔ اشعریہ۔ اور اہلحدیث وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں سب سے پہلے اللہ کو مجسم ہشام بن حکم نے کہا ہے یہ باتیں بلکہ ان سے بھی زیادہ قبیح شیعی علماء سے بہت سے لوگوں نے نقل

کی ہیں۔ خود شیعوں نے مقالات کی کتابوں میں اشعری وغیرہ کی ذکر کردہ باتیں ابن سمعان تمیمی سے نقل کی ہیں۔ جسکی طرف غالیہ شیعوں میں سے بیانیہ فرقہ منسوب ہے۔ اسکا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی صورت ہے۔ اسکی شکل ہی شکل تو سلامت رہے گی۔ باقی اسکے دوسرے اعضاء ہلاک ہو جائیں گے۔

بیان نے یہ دعوے کیا تھا کہ جب میں زہرا ستارے کو پکارتا ہوں تو وہ میری آواز سنتا اور مجھے جواب دیتا ہے۔ یہ بات میں ایک اسم اعظم کے ذریعہ سے کرتا ہوں۔ اس شخص کو اسکی اس مزخرفات کی بناء پر خالد بن عبداللہ قسری نے قتل کر دیا تھا۔ اکثر شیعہ اس بیان بن سمعان کی نبوت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں۔ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ نے اسکی نبوت پر نص کر دی تھی۔ اور اسے امام بھی مقرر کر دیا تھا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ مغیریہ یعنی مغیرہ بن سعید کا یہ قول ہے کہ بیان بن سمعان اپنے کو نبی کہتا تھا اور اسکا دعویٰ تھا کہ میں اللہ کا اسم اعظم جانتا ہوں میرا معبود ایک نورانی آدمی ہے۔ اسکے سر پر تاج ہے اسکے کل اعضاء آدمی کے سے ہیں۔ اسکے پیٹ اور دل ہے جس سے حکمت جاری رہتی ہے۔ میں اسم اعظم سے مردہ کو زندہ کر دیتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

شیعوں کا قول ہے کہ اسنے لوگوں کو بہت سے عجائبات اور خوارق عادات دکھلائے تھے۔ اور ان سے اللہ کے آغاز کی کیفیت بیان کرتا اور کہتا تھا کہ پہلے اکیلا تھا۔ اسکے ساتھ کوئی نہ تھا جب اسنے ان چیزوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اپنا اسم اعظم پڑھا۔ اس سے یہ مخلوق پیدا ہو گئی اسی وقت سے اسکے سر پر تاج رکھا گیا۔ اللہ کے قول سبح اسم ربک الاعلیٰ کے یہی معنی ہیں۔

اسکے علاوہ شیعہ علماء نے بیان کی اور بھی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں جنکا مفصل لکھنا یہاں غیر ضروری ہے اب سنئے علماء نے فرقہ خطابیہ یعنی ابو الخطاب بن ابی ذئب کے معتقدوں سے یہ نقل کیا ہے کہ کل ائمہ انبیاء اور اللہ کے رسول خلقت پر اسکی حجت ہیں ان میں سے دو رسول ہمیشہ رہتے ہیں۔ ایک ناطق یعنی گویا۔ دوسرا صامت یعنی خاموش۔ ناطق محمد ہیں۔ اور صامت علی ہیں۔ ان سب کی طاعت اب بھی ساری مخلوق پر فرض ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اور ہونے والا ہے وہ سب کچھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ائمہ ہی خدا ہیں۔ بلکہ اپنے لیئے بھی ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ابو الخطاب کی طاعت فرض کر دی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حسین کی اولاد اللہ کے بیٹے اور اس کے

دوست ہیں۔ اور پھر اپنے لئے بھی یہی دعوے کرتے ہیں۔

اور ملاحظہ فرمائیے بزعیہ رافضی کہتے ہیں کہ اللہ جعفر بن محمد ہی ہے۔ وہ ایسا نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر آئے اسلیئے اسنے جعفر میں حلول کیا ہے اور اپنی ظاہری صورت میں وہ آدمیوں کا مشابہ ہے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کل محدثین کے دلوں میں وحی ہوتی ہے اور ہر مومن کیطرف وحی کیجاتی ہے۔

اشعری لکھتا ہے کہ رافضی سلمان فارسی کے خدا ہونے کے بھی قایل ہیں۔ اور نشاک میں بعض صوفیہ حلول کا عقیدہ رکھتے اور کہتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ آدمیوں میں حلول کرتا ہے۔ یہ لوگ جو حلول کے قائل ہیں جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُس سے خوش ہوتے ہیں۔ اسکی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں کیا معلوم شاید اللہ اسمیں حلول کر رہا ہو۔ شرایع کی انہیں زیادہ پروا نہیں ہے۔ ان کا قول ہے کہ انسان پر کوئی چیز فرض نہیں ہے۔ نہ اسپر اسوقت عبادت لازم ہے۔ جب اللہ اسمیں حلول کر چکا۔ جب وہ خود خدا بنگیا تو پھر عبادت کس کی کرے گا۔

بعض غالیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ وہ روح القدس ہے جو محمد میں تھی۔ ان کے بعد اس روح القدس نے علی میں حلول کیا۔ حسن حسین۔ علی بن حسین۔ محمد بن علی۔ جعفر بن محمد۔ موسیٰ بن جعفر۔ علی بن موسےٰ بن جعفر۔ محمد بن علی بن موسےٰ۔ حسن بن محمد بن علی۔ محمد بن حسن بن علی بن محمد میں حلول کیا ان سب کو یہ لوگ خدا سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بقاعدہ تناسخ ایک خدا ہے اس عقیدہ کے رکھنے والے امامیہ اثنیٰ عشریہ میں سے ہیں۔

اور سنئے غالیہ میں ایک فرقہ ہے جسکا یہ عقیدہ ہے کہ علی ہی اللہ ہے اس فرقہ والے حضور انور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ وہ برملا کہتے ہیں کہ اصل میں نبی علی تھے۔ لیکن محمد نے اپنے نبی ہونے کا دعوے کر لیا۔ اور علی بیچارے نبوت سے محروم کر دیئے گئے وجہ یہ ہوئی کہ علی نے محمد کو اپنی نبوت کی اشاعت کے لیئے مقرر کیا تھا وہ خود نبی بن بیٹھے۔ (عیاذاً باللہ)

غالیہ کے ایک اور فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے کل امور محمد کو سونپ دیئے ہیں اُس نے انہیں دنیا کے پیدا کرنے پر قادر کر دیا تھا۔ چنانچہ دنیا کو محمد ہی نے پیدا کیا اور انھوں نے ہی اسکا انتظام بھی کیا تھا اللہ نے دنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ ان میں سے اکثر لوگ یہی باتیں حضرت علی کیطرف بھی منسوب کرتے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ ائمہ شرائع کو منسوخ کر سکتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں ان سے بڑے بڑے

معجزے صادر ہوتے ہیں ان کی طرف وحی کیجاتی ہے ان میں سے بعض ابر کو جب آسمان پر دیکھتے ہیں۔ تو سلام کرتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس ابر میں علیؓ ہوتے ہیں۔

اشعری نے ان کی بابت جو کچھ نقل کیا ہے یہ اسکا عشر عشیر سمجھنا چاہئیے اب سنئے نصیری شیعوں کا حال یہ غلاۃ میں سے ہیں اسماعیلیہ ان کی ایک شاخ ہے جسے تمام علماء نے متفق اللفظ ملحد اور کافر کہا ہے نصیری جو کچھ کلمہ پڑھتے ہیں وہ کلمہ توحید لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں ہے بلکہ انکا کلمہ یہ ہے۔

اشهد ان لا اله الا حيدرة الانزع البطين

اشهد ان لا اله الا سلمان ذو القوة المتين

ان کا عقیدہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں تیس دن جو شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ اصل میں تیس آدمیوں کا نام ہے روزے کوئی چیز نہیں ہیں غرض یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی لغو اور مہمل باتیں ان میں رائج ہیں۔ جنکا بیان کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے ان کے عقائد اور اسلام کے سمجھنے کے لیئے یہی کافی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیعی عقاید کی جو باتیں اشعری نے نقل کی ہیں یہ ان ہی کی ذات کیساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ سنیوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہوا جسکے ایسے خیالات ہوں نہ ابو حنیفہ نہ امام مالک نہ امام شافعی نہ امام احمد حنبل کے اصحاب میں نہ اہل حدیث میں نہ اہل الرائے میں۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک طویل۔ عریض اور عمیق جسم ہے اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے یا صالحین مسلمان اس سے معانقہ کرتے ہیں۔ اب اگر شیعی علماء کا مقصود جماعت حشویہ اور مشبہ سے یہ ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے خدا میں مذکور صفتوں کو قبول کر لیا ہے۔ تو یہ انپر نرا جھوٹ ہے ان فرقوں کی کتابیں موجود ہیں لیکن کسی کتاب میں بھی ایسے عقیدے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ ان کے ائمہ جو علم میں مشہور ہیں اسپر اتفاق کرتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا بلکہ آخرت میں نظر آئے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا ہے۔

"واعلموا ان احد منكم لن يرى ربه حتى يموت"

یعنی یاد رکھو تم میں سے کوئی مرنے سے پہلے اپنے اللہ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا ان میں سے سب سے زیادہ شائع و ذائع مذہب اہل سنت والجماعت ہی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں آنکھوں سے ضرور نظر آئے گا۔

جو اس سے انکار کرے وہ ان کے نزدیک بدعتی ہے جو لوگ ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض کا قول یہ ہے جنکے قول پر فتوے نہیں دیا جاتا ہاں ان کے ائمہ کا جنکے قول پر فتوے دیا جاتا ہے یہ خیال نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی جماعت کے عقیدہ پر نکتہ چینی کیجائے تو اسکے ان علماء کا قول نقل کرنا چاہیے جو مشہور ہیں۔ اپنی جماعت کے امام ہیں اور انھیں بطور اتھارٹی مانا جاتا ہے باقی یوں اوائی توائی کہدینا کہ فلاں گروہ کا یہ عقیدہ ہے اور فلاں جماعت کا یہ مذہب ہے علم و خبرت سے بعید ہے۔ جو اقوال مسلمانوں کے سر چیپکے گئے ہیں یہ اصل میں سب سلف ائمہ کے اقوال ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر گروہ کا نام یا تو اسکے آدمیوں کے لحاظ سے ہوتا ہے یا اسکے افعال و احوال کے لحاظ سے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے۔ جیسے نجدات۔ ازارقہ۔ نجاریہ۔ اور ضراریہ کہلاتے ہیں۔ اسیطرح رافضہ، شیعہ۔ قدریہ۔ مرجیہ۔ اور خوارج وغیرہ کہا جاتا ہے لیکن حشویہ کے لفظ میں نہ کسی معین شخص پر کوئی دلالت ہے اور نہ کسی خاص قول پر۔ اس سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حشویہ کون لوگ ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ سب سے پہلے یہ لفظ عمرو بن عبید کی زبان سے نکلا تھا۔ اُس نے اثنائے گفتگو میں کہا تھا کہ عبداللہ بن عمر حشوی ہے جو لوگ یہ لفظ بولتے ہیں اِن کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ عوام ہوتے ہیں جن میں باہمی ارتباط ہو۔ جیسے شیعہ مسلمانوں یعنی اہل سنت والجماعت کو مذہب الجمہور کہتے ہیں۔
پس اگر حشویہ سے شیعی علماء کی مراد ائمہ اربعہ کے اصحاب کا گروہ ہے تو ہم بلا تامل یہ شہادت دیتے ہیں۔ کہ ابو حنیفہ، شافعی۔ مالک۔ اور حنبل کے اصحاب میں یہ باتیں ہرگز نہیں پائی جاتیں بلکہ ان باتوں کا جو قائل ہو اسے وہ کافر کہتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض میں کچھ باتیں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر یہ ان کے خصائص میں سے نہ ہوا اس قسم کی باتیں تو اور بھی فرقوں میں موجود ہیں۔

اور اگر حشویہ سے شیعی علماء کی مراد علی الاطلاق اہل حدیث ہیں خواہ وہ کوئی ہوں۔ تو اہل حدیث کا اعتقاد محض سنت ہی ہے کیونکہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے وہی اعتقاد ثابت ہوا ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اہل حدیث میں سے کسی کے اعتقاد میں بھی مذکور باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ معتبر کتابیں اسکی شاہد ہیں۔ اور اگر شیعی علماء کی مراد حشویہ سے مطلقاً یعنی علی العموم اہل سُنت والجماعت ہیں تو ان میں یہ اقوال کہیں معروف نہیں ہیں۔ جمہور الناس کا کسی پر یہ گمان نہیں ہے

کہ اسنے ایسا کہا ہو اور اگر عوام جہال میں سے کسی شخص کا ایسا یا اس سے بھی زیادہ عقیدہ ہو تو یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ ایک تنہا جاہل کیوجہ سے اسے اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ٹھیرا کے ان پر عیب لگایا جائے۔ اور اُن کی دل آزاری کیجائے۔ گرفت کی تو یہ بات ہوتی ہے کہ ایک گروہ یا اسکے علماء نے اپنا کوئی اعتقاد ظاہر کیا ہو پھر اسپر نکتہ چینی کرنے کی اجازت ہے جسطرح ہمنے شیعوں کے ائمہ کے اعتقادات اور ان کے اقوال نقل کئے ہیں اگر اسی طرح سنیوں کے علماء کے اقوال یا اعتقادات نام بنام نقل کئے جاتے تو اسوقت بات بن سکتی تھی۔ اور اب تو محض فضول کوشش کیگئی ہے اور جو بہتان عظیم علماء اسلام پر اُٹھایا گیا ہے وہ الحمد للہ ہمارے روشن دلائل سے بالکل نیست و نابود ہو گیا۔

اب رہا مشبہ کا لفظ یہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں اور اسکا اقرار کرتے ہیں کہ مالکؒ۔ شافعیؒ۔ ابو حنیفہؒ۔ اور احمدؒ وغیرہ کے اصحاب میں سے کل اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث کا اسپر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مماثلت سے بیشک منزہ ہے وہ ان مشبہ کی مذمت کرتے ہیں۔ جو صفاتِ خالق کو مخلوق کی صفات کے برابر قرار دیتے ہیں۔ ان سب کا اسپر اتفاق ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ اسکی ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں سلفِ امت اور اسکے ائمہ کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ کو ان اوصاف سے موصوف کرتے ہیں۔ جنسے اللہ نے اپنے کو خود موصوف کیا ہے اور جنسے اسکے رسول نے اسے موصوف کیا ہے بغیر تحریف اور تعطیل کے بلا تکلیف اور تمثیل کے انکا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے لیس کمثلہ شیئ پس یہ ممثلہ پر بہت بڑا رد ہے اور وھو السمیع البصیر سے معطلہ کا رد ہے پس صفات میں ان کا قول دو اصولوں پر مبنی ہوا۔ ایک یہ کہ صفاتِ نقص سے اللہ تعالیٰ مطلقاً منزہ ہے مثلاً اونگھ۔ نیند۔ عجز اور جہالت وغیرہ دوسرے یہ کہ وہ علی وجہ الاختصاص اُن صفاتِ کمال سے متصف ہے جسمیں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے لیکن صفات کی نفی کرنے والے ہر ایسے شخص کو مشبہ کہنے لگتے ہیں۔ جو کسی صفت کو ثابت کرتا ہو یہاں تک کہ معطلہ محضہ اور باطینہ جو اسماء الٰہی کے نفی کرنے والے ہیں انہوں نے ایسے اشخاص کا نام جو اللہ کو اسماء حسنٰے سے پکارتے ہوں مشتبہ رکھدیا ہے وہ کہتے ہیں جب ہم نے اللہ کو حی اور علیم کہا تو ہمنے احیاء العالمین کے برابر کردیا اسیطرح جب ہم نے اُسے سمیع اور بصیر کہا تو ہم نے اسکا درجہ سمیع و بصیر انسان کے برابر قرار دیدیا اور جب ہم نے رؤف و رحیم کہا تو خداوند تعالیٰ کو رؤف الرحیم کے مشابہ کردیا ان لوگوں کا

یہ بھی قول ہے کہ جب ہمنے یہ کہا کہ اللہ موجود ہے تو اس کہنے سے ہمنے اسے باقی موجودات کے برابر قرار دیدیا کیونکہ مسمیٰ وجود میں یہ دونوں مشترک اور برابر ہیں۔ جب کسی نے اِن لوگوں سے یہ کہا تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اللہ نہ موجود ہے نہ حی ہے بھلا اس کہنے میں تامل کیوں کرتے ہو انھوں نے جواب دیا۔ کہ اگر ہم یہ کہیں گے تو اللہ کو معدوم کے مشابہ کر دینگے مطلب یہ ہے کہ نہ یہ کہیں گے نہ وہ کہیں گے یعنی نہ اُسے حی کہیں گے اور نہ اُسے موجود سمجھیں گے۔ اِن میں سے بعض کا یہ قول یہ ہے کہ نہ اللہ موجود ہے نہ معدوم ہے نہ حی ہے نہ میت اسپر ان سے یہ کہا جائے کہ تم نے اللہ کو ممتنع کے مشابہ کر دیا بلکہ خود اسی کو ممتنع ٹھیرا دیا کیونکہ جیسے دو نقیضوں کا جمع ہونا ممتنع ہے ایسا ہی دو نقیضوں کو مرتفع ہونا بھی ممتنع ہے۔ مثلاً جو شخص یہ کہے کہ اللہ موجود ہے اور معدوم ہے تو اس نے دو نقیضوں کو جمع کر دیا۔ اور جو یہ کہے کہ نہ وہ موجود ہے نہ معدوم تو اسنے دو نقیضوں کو رفع کر دیا یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔ پھر بھلا خیال تو فرمایئے کہ واجب الوجود ممتنع کیونکر ہو سکتا ہے۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ نہ ہم یہ کہتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں تو ان سے سوال ہو سکتا ہے کہ تمہاری یہ لاعلمی اور تمہارا یہ کہنا حقائق فی نفسہا کو باطل نہیں کر سکتا بلکہ یہ ایک قسم کا سفسطہ یعنی دھوکا ہے سفسطہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ حقائق کو جان بوجھ کر انکا انکار کر دینا اس سے بھی بڑھ کر اس کا قول ہے جو موجود واجب قدیم خالق کی بابت یہ کہتا ہے کہ نہ وہ موجود ہے نہ معدوم ہے ان لوگوں کا خود اپنے ہی اقوال میں تناقض ہے کیونکہ یہ عدم یقین پر یقین رکھتے ہیں۔ سفسطہ کی دوسری قسم یہ ہے جسے متجاہلہ لاادریہ واقفہ کہتے ہیں۔ یعنی جان بوجھ کر ناواقف اور نادان بننا ایسے سفسطہ کرنے والوں کا یہ قول ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہاں حقیقت اور علم ہے یا نہیں اس سے بھی زیادہ اس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں نہ کہتا ہوں کہ اللہ موجود ہے یا معدوم ہے یا زندہ ہے یا مردہ ہے

تیسری قسم اس شخص کا قول ہے جو حقائق کو عقاید کے تابع ٹھیراتا ہے اس لحاظ سے پہلا شخص حقائق کی بالکل نفی کرتا ہے دوسرا اسمیں توقف کرتا ہے اور تیسرا لوگوں کے گمانوں کے تابع ٹھیراتا ہے۔

چوتھی قسم کا اور بھی تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ عالم سیلان میں ہے اس کی کوئی حقیقت ثابت نہیں ہوتی اِس قول کا ماحصل دل۔ زبان اور جوارح کو اللہ کی معرفت اسکے ذکر اور اسکی عبادت سے روکتا ہے پس یہ بطریق توقف اور امساک کے تعطیل اور کفر ہے اور بطریق نفی

اور انکار کے کفر نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ محض ایک مغالطہ سے گمراہ ہوئے ہیں اور وہ مغالطہ انہیں تشبیہ کے لفظ میں پیدا ہوا ہے تشبیہ ایک ایسا لفظ ہے کہ اسمیں ایک طرح کا اجمال پایا جاتا ہے کیونکہ ہر دو چیزوں میں ایک قدرے مشترک ہوتی ہے جس قدرے مشترک میں یہ دونوں چیزیں متفق ہوتی ہیں لیکن یہ قدرے مشترک ہے جو متفق علیہ ہے خارج میں نہیں ہوتی بلکہ ذہن میں ہوتی ہے اور اسمیں دونوں چیزوں کا مماثل ہونا ضرور نہیں ہوتا بلکہ اکثر اشیاء اس قدرے مشترک میں ایک دوسرے سے کم وبیش ہوتی ہیں۔ مثلاً مخلوقات میں سے جب تم نے دو چیزوں کو حیّ یا علیم یا قدیر کہا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک کی حیات یا ایک کا علم یا ایک کی قدرت بعینہ دوسرے کی حیات یا اسکا علم یا اسکی قدرت ہو اور نہ یہ لازم ہے کہ یہ دونوں ایسی چیز میں مشترک ہوں جو خارج عن الذہن ہو بس اسی سے ان لوگوں کی گمراہی کی ابتدا ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر ہمیں سے یہ لوگ گمراہ ہوئے ہیں۔ اور اس سے وہ تشبیہ سمجھتے ہیں۔ جس کی اللہ سے نفی کرنی ضرور ہے اسے نادانی سے ان لوگوں نے تعطیل محض کا ذریعہ ٹھیرالیا ہے۔ حالانکہ تعطیل تجسیم سے بھی بدرجہا بدتر ہے یعنی اللہ تعالےٰ کو معطل و بیکار رکھنا اسکے جسم کہنے سے زیادہ برا ہے یہ مجسّمہ اور مشبّہ محض ایک بت کی پرستش کرتے ہیں اور اللہ کو معطل کہنے والے عدم کی پرستش کرتے ہیں۔ گویا یہ سمجھنا چاہیئے کہ تمثیل کہنے والا اندھا ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کا امام جہم اور اسکے یار غار یہ کہتے تھے کہ اللہ کوئی چیز نہیں ہے اس سے مروی ہے وہ کہتا تھا کہ اللہ کا ایسا نام ہرگز نہیں رکھا جا سکتا جو مخلوق کا رکھا جاتا ہو اسی لیئے وہ سوائے خالق اور قادر کے اللہ کا کوئی نام نہ لیتا تھا۔ کیونکہ وہ جبریہ عقیدہ رکھتا تھا اسکا خیال یہ تھا کہ بندے میں کسیطرح کی قدرت نہیں ہے۔

مسلمانوں کے عقاید کے بموجب اسمیں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے لیکن ان کا مقصود سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ تشبیہ کی حقیقت اللہ سے منتفی ہے یہ اللہ لیس کمثلہ شئ۔ ہل تعلم لہ سمیا۔ ولم یکن لہ کفوا احد۔ فلا تجعلوا اللہ اندادا۔ فلا تضربوا للہ الامثال تشبیہ کے لفظ میں جیساکہ اوپر لکھا گیا ایک قسم کا اجمال ضرور ہے جس کی بحث بوقت ضرورت کسی اور موقع پر ہوسکتی ہے۔ فی الحال ہمیں یہ بتانا ہے کہ جسم۔ جوہر۔ تحیز اور جہت وغیرہ الفاظ اللہ کے

حق میں نہ نفیاً ثابت ہیں اور نہ اثباتاً۔ اسیطرح ان کی نفی یا ثبوت میں صحابہ اور تابعین سب کے سب خاموش ہیں۔ اسیطرح باقی ائمہ خواہ وہ اہلبیت سے ہوں یا نہ ہوں اس معاملہ میں بالکل ساکت ہیں۔ یہ ان کی روشنضمیری اور عقلمندی تھی۔ یہ بحثیں بالکل فضول ہیں اور سوائے وقت ضائع ہونے کے ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کی بحثیں یہودی کیا کرتے تھے۔ اور اپنے قیاسات کی بنا پر انھوں نے ہزاروں باتیں تراش لی تھیں۔ خدا جسم رکھتا ہے یا نہیں۔ خدا سمیع و بصیر ہے یا نہیں یہ بحث ہی سرے سے فضول ہے۔ خدا کی معرفت منطق کے اصطلاحی الفاظ اور فلسفہ کے چند اصول موضوعہ کسطرح دریافت کر سکتے ہیں۔ جب کہ اسکے لیئے ایک روشن اور باخبر دل کی ضرورت ہے جسے سالہا سال متوجہ ہونے کے بعد کچھ کچھ کھٹکا ہونے لگتا ہے۔ تم بالکل خدا کے ہو کے رہجاؤ اسکی کل قوتوں کا تمہیں خود امتحان ہو جائیگا کہیں بحث و مباحثہ سے آجتک خدا کا پتہ لگا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی حقیقت پر تو پردہ پڑا ہوا ہے اور خدا کی حقیقت دریافت کرنے چلے ہیں۔ سب سے پہلے اس مسئلہ میں نفیاً اور اثباتاً اہل کلام کی طرف سے بحث ہوئی ہے۔ نفاۃ میں جہمیہ اور معتزلہ نے اور مثبتین میں سے مجسمہ نے خواہ وہ رافضی ہوں یا غیر رافضی۔ اب سنیئے نفاۃ نے ان اسمار کی نفی کر کے اس نفی میں ان صفات کو بھی داخل کر لیا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کیطرف سے ثابت ہیں۔ مثلاً علم۔ قدرت مشیت محبت رضا۔ غضب اور علو۔ وہ کہتے ہیں نہ اللہ دیکھتا ہے نہ قرآن وغیرہ سے تکلم کرتا ہے۔ اسکے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی جسم وغیرہ میں اُسنے کلام پیدا کر دیا ہے۔

مثبتین نے اس اثبات میں وہ امور بھی داخل کر دیئے ہیں جن کی اللہ اور اللہ کے رسول نے نفی کی ہے وہ یہانتک کہتے ہیں اللہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ مصافحہ اور معانقہ کرتا ہے وہ زمین پر اترتا ہے عرفہ کی شام کو اونٹ پر سوار ہو کے نازل ہوتا ہے۔ وہ پیدل چلنے والوں سے گلے ملتا ہی اور سواروں سے مصافحہ کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نادم ہوتا رنجیدہ ہوتا اور روتا ہے جیسے توریت میں لکھا ہی۔ کہ وہ دنیا پیدا کر کے پچتایا۔ بعض کہتے ہیں اللہ گوشت اور خون ہے وغیرہ ذلک یہ سب اس قسم کی باتیں ہیں جنسے خداوند تعالےٰ میں انسانی خصائص تسلیم کی گئی ہیں۔ جنسے وہ ذات وحدہٗ لاشریک یقیناً منزہ ہے وہ ہر نقص سے پاک اور غایات کمال کا مستحق ہے۔ صفات کمال میں کوئی بھی اسکی مثل نہیں ہے وہ نقص سے اور کمال میں کسی کے ہم مثل ہونے سے مطلقاً منزہ و مبرا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد

اس سے یہ بیان کر دیا کہ اللہ احد اور صمد ہے۔ اسکے احد نام میں شل کی نفی موجود ہے اور صمد میں جمیع صفات کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ

اللہ ایک خوبرو لڑکے کی صورت میں

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ بعض سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعہ کی شب کو اللہ تعالیٰ نوعمر لڑکے کی صورت میں گدھے پر سوار ہو کے زمین پر اترتا ہے یہاں تک کہ بغداد میں ایک سُنّی نے اپنے کوٹھے پر کچھ چارا رکھ دیا کہ اللہ کا گدھا کھانے میں مشغول ہو جائے اور میں یہ ندا کرنے لگوں۔

"ھل من تائب ھل من مستغفر"

(بقول شیعی علماء) اللہ کے حق میں ایسے ردیہ عقاید جنسے اسکی ذات برتر ہے سنیوں کے ہوتے ہیں۔ شیوخ حشویہ میں سے ایک تارک دنیا کی حکایت ہے کہ ایکدن ایک شریر شخص اسکے پاس آیا۔ اسکے ساتھ ایک خوبصورت بے ریش و بروت گھونگر والے بالوں والا ایک لڑکا تھا یعنی اُس لڑکے میں وہ کل صفات تھیں جو یہ لوگ اللہ کی بیان کرتے تھے۔ شیخ نے اس لڑکے کو بڑے شوق و ذوق سے دیکھا۔ بہت خوش ہوئے۔ اور اسکی بڑی تعریف کی ہمراہی نے جب شیخ کی یہ کیفیت دیکھی تو اسے کچھ شبہ ہو گیا۔ وہ شب کو شیخ کے پاس اُس لڑکے کو لایا اور یہ کہا اے شیخ میں نے دیکھا کہ تم اس لڑکے کو بڑے شوق و ذوق سے اور بار بار دیکھتے تھے اور تمہاری رال ٹپکی پڑتی تھی اب میں تمہارے پاس اِس لڑکے کو اسی لیئے لایا ہوں کہ اگر اسپر تمہاری طبیعت آگئی ہے تو تم اسے رکھ لو تمہیں ہر قسم کا اس لڑکے پر اختیار ہے۔ یہ سُنکے شیخ بہت برہم ہوا۔ مارے غصہ کے کانپنے لگا اور اُس شخص کو بہت جھڑکیاں دیں اور کہا کہ میں اس لڑکے کو اسی ذوق و شوق سے اسلیئے دیکھتا تھا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس لڑکے کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ بس مجھے یہ شبہ ہوا کہیں خدا یہی نہ ہو۔ اسپر اس بدمعاش نے کہا کہ میری یہ بدمعاشی تمہارے اِس زہد سے یقیناً اچھی ہے۔ شیعی علماء کا حملہ ختم ہوا۔

جواب

خیال تو فرمایئے کہ ان بادہوائی کہانیوں سے غضب خدا کا شیعی علماء مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

یہ علم ہے۔ یہ انصاف ہے اور یہ تحقیق ہے۔ اس قسم کی کہانیاں اگر صحیح بھی ہوں تو کیا چند جاہل اور عامی آدمیوں کے بیہودہ افعال سے کسی عظیم الشان مذہب کے روشن اصول پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے؟ عقل باور نہیں کرتی کہ اس قسم کا استدلال قابل توجہ ہو۔ ہاں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ایسے ائمہ یا شیوخ کے عقاید یا اقوال جنکا مذہب قابل اعتبار ہو معرض بحث میں آسکتے ہیں جسطرح ہم شیعی جگادری ائمہ کے اقوال اور مذہب سے برابر بحث کر رہے ہیں۔

اسکے علاوہ جو حکایت اوپر نقل کی گئی ہے اسکے دو پہلو ہیں۔ کیا تو یہ جھوٹ اور نرا افترا ہے جنھوں نے اہل بغداد اور بعض شیوخ پر نکتہ چینی کی ہے۔ انھوں نے اس قسم کی حکایتیں بنا کے ان کے سر منڈھ دی ہے اور ان افترائی الزامات سے اپنے دلوں کے بخار نکالے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو ایسے شخص سے جسکا قول و مذہب قابل اعتبار نہو کیونکر حجت قایم ہو سکتی ہے۔ لہذا ان دونوں تقدیر پر اہلسنت والجماعت میں کوئی بھی نقصان پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے کہ علماء معروفین بالسنہ میں کوئی عالم ایسا نہیں جو ان خرافات کا قایل ہو۔ سوائے مجانین کے ایسی باتیں سمجھ دار صغیر سن بچے بھی لغو اور بیہودہ سمجھیں گے۔ مگر سب سے زیادہ آپ تعجب کرینگے جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بہت سی عجائب وغرائب باتیں جو شیوخ امامیہ سے ثابت ہیں یقیناً ان کہانیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہیں۔ واللہ اسوقت انگشت بدنداں رہجائیں گے جب شیوخ امامیہ کے منور چہرہ تحقیق سے نقاب اُٹھادی جائے گی۔

باقی رہی یہ حکایت جسکا سر بہ پیر شیخ کا نام ہے ان لوگوں کا نام جو لڑکے کی صورت میں خدا کے نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہیں بھی نہیں بیان کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکایت خود شیعی علماء کی ایجاد ہے۔ جسے واقعیت سے کچھ بحث نہیں۔ محض دل آزاری کے لیئے ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بغداد میں ہر قسم کے علم کی کسقدر ترقی تھی جس کی داستانیں آجتک اہل علم کی علمی مجلسوں میں بیان کی جاتی ہیں علم کے ایسے مرکز میں ایسے بیہودہ عقاید کا کوئی فرقہ یا جماعت ہونی عقل باور نہیں کرتی وہ لوگ ایسے فہیم۔ ذہین۔ اور طباع تھے کہ ان میں ایسی باتیں ہرگز رائج نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسکے علاوہ اس قصے کے جھوٹے ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیح اسناد سے اس ناپاک قصے کو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ نہ محدثین میں سے کسی نے اسکا بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کی شب کو نازل ہوتا

ہے۔ نہ یہ کہ وہ امرد کی صورت میں نازل ہوتا ہے آثارِ صحابہ میں بھی ایسی خرافات کا کہیں پتہ نہیں لگتا نہ صحیح احادیث میں اس قسم کی بیہودہ باتیں بیان کی گئی ہیں اسکے متعلق یعنی خداوند تعالےٰ کے زمین پر نازل ہونے کے بیان میں جتنی روایتیں آئی ہیں سب موضوع اور جھوٹی ہیں مثلاً یہ حدیث کہ عرفہ کی شام کو اللہ تعالیٰ زمین پر اترتا ہے۔ پیدل چلنے والوں سے معانقہ اور سواروں سے مصافحہ کرتا ہے اسیطرح دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ کو بطحا۔ مکہ میں دیکھا اس قسم کی کل حدیثیں بالکل جھوٹی اور موضوع ہیں اور اسپر سب محدثوں کا اتفاق ہے۔ جن لوگوں نے اِن حدیثوں کو وضع کیا ہے وہ درحقیقت اسلام کے دشمن تھے اور انہوں نے محدثین کو بدنام کرنے کے لیئے ایسی حدیثیں گھڑ لیں تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ محدثین ایسی حدیثیں ذکر کیا کرتے ہیں شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے اُسے دیکھنے کے بعد ان جھوٹی اور موضوع حدیثوں کی بھی کوئی وقعت نہیں رہتی اسکا حال تو بس کچھ نہ پوچھو تمام مسلمانوں یا بالفاظ دیگر اہل سنت والجماعت کا اسپر اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ کو دنیا میں آنکھ سے کسی نے نہیں دیکھا نہ کسی نبی نے نہ غیر نے نہ اسمیں علماء کا اختلاف ہے ایک ضعیف اور موضوع اسناد کے ساتھ ابو عبیدہ کے طریق سے روایت موجود ہے۔ جو خلال اور قاضی ابو یعلی نے کتاب ابطال التاویل میں ذکر کی ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خداوند تعالےٰ کو دیکھا ہے۔ اسپر کل علماء کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ذر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے دریافت کیا تھا یا رسول اللہ آپنے پروردگار دیکھا ہے فرمایا وہ نورانی ہے میں نے دیکھا ہے سوائے اس ایک حدیث کے اور کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضور انور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم سے خدا کے دیدار کی نسبت دریافت کیا ہو بعض عوام جو یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق نے حضور انور سے دریافت کیا تھا اسپر آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ ہاں میں نے اللہ کو دیکھا ہے۔ پھر عائشہ صدیقہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا اسپر کل اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اسے نہ کسی نے صحیح اسناد سے روایت کیا نہ ضعیف اسناد سے اسیواسطے امام احمد نے رویت کے بارے میں ابو ذر کے قول پر اعتماد کیا ہے اسیطرح عثمان بن سعید دارمی نے بھی اسپر اعتبار کر لیا ہے مگر اس ایک روایت کی کوئی وقعت ہماری نظر میں نہیں ہے اسکے علاوہ اسکے الفاظ ایسے مجمل ہیں کہ کسی شئے کا تشخص

اس سے متعلق نہیں پایا جاتا صرف آپنے نورانی لفظ فرمایا جس سے شکل و شباہت نہیں معلوم ہوتی۔

باقی ہر شب کو آسمانِ دنیا پر اللہ کے نازل ہونے کی حدیث بیشک احادیث معروفہ میں سے ہے۔ جو محدثین کے نزدیک ثابت ہے اسیطرح عرفہ کی شام کو اسکے قریب ہونے کی حدیث جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور نصف شعبان کی شب کو نازل ہونے کی حدیث کی اسناد میں اختلاف کیا گیا ہے جمہور مسلمانوں کا قول ہے کہ وہ نازل ہوتا ہے۔ عرش اس سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ اور حماد بن زید وغیرہ سے یہی نقل کیا گیا ہے امام احمد بن حنبل سے بھی یہی منقول ہے یہ سب اسپر متفق ہیں۔ کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اسکے نازل ہونے کی کیفیت کوئی نہیں جانتا نہ اسکی صفات مخلوق کی صفات کی مماثل ہیں۔ اس نزول میں انکا اختلاف ہے کہ آیا یہ ایسا فعل ہے جو اللہ سے منفصل اور مخلوق میں داخل ہو یا ایسا فعل ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اہل حدیث اور اہل تصوف میں سے امام مالک۔ شافعی۔ اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کے اصحاب کے دو قول ہیں اسیطرح استوے علی العرش میں بھی نزاع ہے کہ یہ اسکی ذات سے علیحدہ فعل ہے یا ذات کے ساتھ قایم ہے یہ موقعہ ان مسایل میں بسط سے بحث کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہاں فقط یہ بات جتا دینی مقصود ہے کہ جو کچھ شیعی علمار نے ذکر کیا ہے اسکی بابت تمام عقلا یہ جانتے ہیں کہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ اسکا کہنے والا کوئی معلوم ہی نہیں ہوتا نہ عالم نہ جاہل لہذا یہ سراسر جھوٹ اور مسلمانوں پر نرا بہتان ہے +

خداوند تعالیٰ جہت فوق میں ہے

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنیوں میں کرامیہ فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالےٰ جہت فوق میں ہے (یعنی اوپر ہے) مگر وہ نہیں جانتے کہ جو چیز کسی جہت میں ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے اور اس جہت کی محتاج ہوتی ہے تو کرامیہ کے عقیدے کے بموجب خدا حادث بھی ہوا اور محتاج بھی +

جواب

اس حملے کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ قول نہ کرامیہ کا ہے نہ کسی اور کا کہ اللہ تعالےٰ موجود جہت میں ہے اور وہ جہت اسکا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ اسکا محتاج ہے بلکہ کرامیہ وغیرہ اسپر

موجود تھا جب وہ عرش سے پہلے موجود وقائم بنفسہ تھا تو اسکا عرش سے مستغنی ہونا صاف ظاہر ہوگیا اسکے عرش کے اوپر ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ عرش کا محتاج ہے علم کو اس نے اوپر نیچے پیدا کیا ہے مگر اوپر کے حصے کو نیچے کے حصے کا محتاج نہیں بنایا مثلاً ہوا زمین پر ہے مگر زمین کی محتاج نہیں ہے اسیطرح بادل ہوا پر ہیں اور اسکے محتاج نہیں ہیں علی ہذا القیاس آسمان پر نظر کرو ستاروں اور سیاروں اور کل کائنات کو دیکھو ایکدوسرے کا محتاج نہیں ہے پھر علیؔ الاعلیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا محض اسوجہ سے اپنی مخلوق کا محتاج کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے اوپر ہے یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے عرش اور حاملین عرش میں جو کچھ قوت ہے اسکا بھی خالق وہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ حاملین عرش فرشتوں کے افعال کا خالق وہی ہے بس جب ان سب کا خالق وہی ہے تو اس کو غیر محتاج ہونا یقیناً ممتنع ہے اگرچہ شیعی علمار کے سلف میں سے علی بن یونس قمی وغیرہ نے اسپر حجت کی ہے جو کہتے ہیں کہ عرش کو خدا ہی خود اٹھا رہا ہے مگر یہ قول سنیوں پر حجت نہیں ہوتا کیونکہ ان کا قول ہے کہ خداوند عالم غیر کا محتاج ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ عرش وغیرہ ہر چیز سے ہمیشہ بے پروا اور بے نیاز ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر ہمیشہ سے قادر ہے جب ہم نے اسکو سب پر قادر مان لیا تو پھر اس کمال اقتدار کے ساتھ نا واجب ہے کہ اغیار کیطرف محتاج ہونے کے ساتھ اسے متصف کیا جائے۔

ابھی ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ جہت کے لفظ سے کبھی امر موجود مراد ہوتا ہے اور کبھی امر معدوم پس جنے یہ کہا کہ اللہ کل عالم کے اوپر ہے تو اس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ کسی موجود جہت میں ہے ہاں اگر جہت سے عرش مراد لیا جائے اور جہت میں ہونے سے عرش پر ہونا مقصود بیان کیا جائے تو یہ ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "امنتم من فی السماء" کی تفسیر میں علی السمار کہا گیا ہے پس جب وہ کل موجودات کے اوپر اور ان سے بے پروا ہے تو اسکے نزدیک یہ جہت کوئی وجود نہیں رکھتا جسپر یہ کہا جاسکے کہ وہ اس جہت میں ہے چہ جائے کہ وہ جہت کا محتاج ہو۔ اگر جہت سے مراد ما فوق العالم ہے تو یہ کوئی چیز نہیں ہے نہ یہ امر وجودی ہے جس کی بابت یہ کہہ سکیں کہ وہ اسکا محتاج ہے یا محتاج نہیں ہے۔

ان لوگوں نے جہت کے لفظ کو مشترک سمجھا ہے جس سے انہیں یہ وہم ہوگیا ہے کہ جب وہ جہت میں ہے تو ضرور کسی دوسری ہی چیز میں ہے جیسا کہ انسان اپنے گھر میں ہوتا ہے اسی بنا پر انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ غیر کا محتاج ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کل ماسوے سے بے پروا ہے اور یہ

مقدمے باطل ہیں۔ اسیطرح شیعی علمار کا یہ کہنا جو چیز جہت میں ہو وہ حادث ہوتی ہے اسپر انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی ان کے مذکورہ بیان سے زیادہ سے زیادہ یہ نکلتا ہے کہ اگر اللہ جہت میں ہے تو جسم ہے اور ہر جسم حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ جسم حوادث سے خالی نہیں ہوتا پس اللہ حادث ہوا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان سب مقدمات میں نزاع ہے۔ بعض کہتے ہیں کبھی جہت میں ایسی چیز بھی ہوتی ہے جو جسم نہیں ہوتی۔ جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کہنا خلاف عقل ہے تو وہ جواب دیتے ہیں مانا خلاف ہی سہی مگر ان لوگوں کے قول سے پھر بھی اقرب الی العقل ہے جو کہتے ہیں کہ وہ نہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے اگر عقل اسکو تسلیم کریگی تو پھر اسے بدرجہ اولیٰ تسلیم کرے گی اور اگر وہ خلافِ عقل ہوگا تو یہ بدرجہ اولےٰ خلافِ عقل ہوگا بعض لوگ اسے بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ہر جسم حادث ہے شیعوں کے سلف کا یہی قول ہے نہ وہ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جسم حوادث سے خالی نہیں ہوتا بلکہ ان کے نزدیک جسم کا ہر حادث اور حرکت سے خالی ہونا جائز ہے اکثر متکلمین اور فلاسفہ کا اس کہنے میں نزاع ہے کہ جو چیز حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے ان مقامات میں سے ہر مقام ایسا ہے جسمیں شیوخ رافضہ اور معتزلہ اپنے متقدمین بھائیوں کے مقابلے میں اپنے قول کو ثابت کرنے سے عاجز ہیں چہ جائیکہ یہ اور فرقوں کے مقابلے میں اسے ثابت کرسکیں۔

بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مقدور پر قدرت نہیں رکھتا شیعوں نے اس خیال سے سہارا لیکے مسلمانوں پر طعن کیا ہے [illegible] جواب میں ہم اپنے دوست شیعی علمار سے کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی باریک مسئلہ ہے اہل سنت والجماعت کے ساتھ اسے کچھ خصوصیت نہیں ہے اور ہر خلفاء ثلٰثہ کے خلافت کے قائلین کا بھی اسپر اتفاق نہیں ہے ہاں بعض قدریہ ایسا کہتے ہیں۔ باقی اہل سنت والجماعت جو قدر کو مانتے ہیں ان میں اسکا کوئی قائل نہیں ہاں شیوخ قدریہ میں سے جو توحید و عدل کے مسائل میں متاخرین امامیہ کے مشیوخ ہیں وہ بیشک اسکے قائل ہیں۔ مثلاً ابن النعمان موسوی الملقب بہ مرتضیٰ اور ابو جعفر طوسی وغیرہ یہ بیشک اسکے قائل ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر میں صفات اور قدر وغیرہ کی آیتوں میں جو کچھ ذکر کرتے ہیں وہ سب معتزلہ کی تفاسیر سے منقول ہوتا ہے اسکے ناقلین جبائی۔ عبد الجبار بن احمد ہمدانی۔ رمانی اور ابو مسلم اصبہانی وغیرہ ہیں۔ قدمائے امامیہ

ایک حرف بھی منقول نہیں کیا جاتا نہ اصول عقلیہ ہیں نہ قرآن کی تفسیر میں اب اگر یہ مسئلہ اسی صورت سے حق ہے تو یقیناً ان کے سارے متقدمین گمراہ تھے اور اگر یہ غلط اور گمراہی ہے تو ان کے متاخرین گمراہ ہیں +

اللہ افعال قبیحہ کرتا ہے

شیعی علماء کا ایک اور زبردست حملہ

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اکثر سنیوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالےٰ افعال قبیحہ کرتا ہے تمام اقسام کے معاصی کفر ہر قسم کا فساد اُسی کی قضاء و قدر سے ظہور میں آتا ہے بندے کی اسمیں کوئی خطا نہیں ہوتی۔ نہ بندے کے افعال میں اللہ کی کوئی غرض ہے نہ وہ بندوں کی مصلحت کے لیے کوئی فعل کرتا ہے۔ وہ کافر سے معاصی کرانے کا ارادہ کرتا ہے اِس سے طاعت کرانے کا ارادہ نہیں کرتا اسی سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں فقط (شیعی علماء کا قول ختم ہوا) +

جواب

اسکے دو جواب ہیں پہلے یہ کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل کو امامت کے مسائل سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ یہ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ اکثر آدمی خلفاء ثلاثہ کی امامت کا اقرار کرتے ہیں اور قضاء و قدر میں انکا قول وہ ہے جو ان شیعی علماء کا ہے اکثر آدمی اسکے بالعکس ہیں خلفاء ثلاثہ کی امامت کا اقرار نہ کرنے پر بھی ان کے قول کے مخالف ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ ان میں ایکدوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

امامیہ کی بابت یہ بیان پہلے ہو چکا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں یا نہیں اسمیں ان کے دو قول ہیں اسیطرح زیدیہ کے بھی دو قول ہیں۔ اشعری نے لکھا ہے کہ افعال کے مخلوق ہونے میں زیدیہ کے دو فرقے ہیں پہلے فرقے کا قول یہ ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں اسی نے ان کو پیدا کیا۔ اسی نے ان کو نہ ہونے کے بعد ابداع و اختراع کیا دوسرے فرقہ والے یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں نہ وہ اسکی ایجاد کردہ ہیں بلکہ وہ بندوں کا کسب ہے بندوں ہی نے ان افعال کو ایجاد کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اکثر سینوں کی طرف سے شیعی علمار کا یہ نقل کرنا کہ کفر و معاصی میں بندے کی کوئی تاثیر نہیں ہے بالکل غلط ہے بلکہ کل مسلمان یا بالفاظِ دیگر جمہور اہل سنت والجماعت جو قضار و قدر کو مانتے ہیں وہ سب یہی کہتے ہیں کہ بندہ حقیقۃً فاعل ہے اُس کی قدرت اور استطاعت حقیقی ہے وہ اسبابِ طبعیہ کی تاثیر کا انکار نہیں کرتے بلکہ جس پر عقل دلالت کرتی ہے اُس کا اقرار کرتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ ہوا سے ابر کو پیدا کرتا ہے اور ابر سے بارش ہوتی ہے اس بارش سے گھاس وغیرہ نباتات اُگتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ قوی طبعیہ جو مخلوقات میں موجود ہیں ان میں کچھ تاثیر نہیں ہے بلکہ ان کی تاثیر کا وہ لفظاً اور معنیً ہر طرح اقرار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اثر کا لفظ کلام اللہ میں بھی آیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ” ونکتب ما قدموا وآثارھم“ اگرچہ وہاں تاثیر اس سے عام ہے جو اس آیت میں ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہی وہ تاثیر ہے جو اس بات کی مسببات میں ہوتی ہے۔ سبب و مسبب دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے باوجود اس کے کہ وہ سبب کا خالق ہے مگر اُس کے لیے دوسرا سبب ہونا ضروری ہے۔

ہاں یہ قول جو شیعی علمار نے حکایت کیا ہے مثبتین قدر میں سے بعض کا ضرور ہے۔ مثلاً اشعری امام مالک۔ شافعی۔ امام احمد کے اصحاب میں سے ان فقہار کا جو اشعری کے موافق ہیں یہی قول ہے وہ مخلوقات میں قوی طبائع ثابت نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ان قوی کے وقت خدا خود فعل کرتا ہے۔ نہ کہ ان کے ذریعہ سے یہ بھی ان کا قول ہے کہ فعل میں بندے کی قدرت کی ذرا تاثیر نہیں ہوتی۔ اشعری اس سے بھی آگے بڑھ گیا ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کے فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ کہ بندے کا عمل بندے کا فعل نہیں ہے بلکہ وہ اس کا کسب ہے اور وہ فعل فقط اللہ ہی کا ہے۔ مگر اہل سنت والجماعت کے جمہور اس کے خلاف ہیں انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقتاً فاعل ہے۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی مصلحت کے لیے کوئی فعل نہیں کرتا جیسا کہ سُنّیوں کا عقیدہ ہے اس کی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ قول سُنّیوں میں کے بہت تھوڑے آدمیوں کا ہے مثلاً اشعری کا اور اس گروہ کا جو ایک جگہ مخالفت کرتا ہے اور ایک جگہ موافقت باقی جمہور اہلِ سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں حکمت ہے ان کا قول ہے کہ خداوند تعالیٰ بندوں کے نفع اور ان کی مصلحت کے لیے ہر فعل کرتا ہے مگر ہاں یہ نہیں کہتے جیسے معتزلہ اور ان کے موافقین کا خیال ہے کہ جو چیز مخلوق کے حق میں اچھی ہے وہی اللہ کے لیے بھی اچھی ہے اور جو مخلوق کے

حق میں بُری ہے وہ اللہ کے حق میں بھی بُری ہے -

پھر غرض کا لفظ ہے جسے معتزلہ اور بعض مثبتین الی السنۃ اطلاق کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی غرض کے لیے فعل کرتا ہے اس غرض کے لفظ سے ان کی مراد حکمت ہے - اہل سنت والجماعت ہمیشہ غرض کی جگہ حکمت کا لفظ لاتے ہیں - غرض کا لفظ وہ کبھی نہیں بولتے -

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ کافر سے سنیوں کے عقیدے کے بموجب اللہ تعالےٰ معاصی کرانے کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے طاعت بجالانے کا ارادہ نہیں کرتا یہ قول بے شک ان میں سے ایک گروہ کا ضرور ہے اور وہ گروہ وہ ہے جو قدریہ کا موافق ہے یہ چھوٹی سی جماعت مشیت - ارادے - محبت اور رضا کو ایک ہی چیز جانتی ہے ان کے خیال میں محبت - رضا - اور غضب کے معنی ارادے کے ہیں - اشعری کا بھی یہی مشہور قول ہے پھر اس کے اصحاب اور امام مالک - شافعی اور احمد کے اصحاب میں سے ان کے موافقین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت اور اصحاب اشعری میں سے اکثر ارادے - محبت - اور رضا میں فرق کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ گو اللہ تعالےٰ معاصی کرانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن نہ ان سے محبت رکھتا ہے نہ ان سے خوش ہوتا ہے بلکہ انہیں مبغوض رکھتا اور ناراض ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ اللہ کی مشیت اور محبت میں بڑا فرق سمجھتے ہیں یہی قول کل سلف صالحین کا ہے ؂

ابو المعالی جوینی نے ذکر کیا ہے کہ قدمائے اہل سنت کا یہی قول ہے اگرچہ اشعری نے ان کی مخالفت کر کے ارادے - اور محبت کو ایک کر دیا ہے مگر اہل سنت یہ کہتے ہیں جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو اس نے نہ چاہا نہیں ہوا اور جو اس نے چاہا وہی پیدا کر دیا -

ان میں سے محققین کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں ارادے کی دو قسمیں ہیں ایک ارادۂ قدریہ کونیہ دوسرا ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ اسی ارادۂ شرعیہ دینیہ میں محبت اور رضا شامل ہے اور ارادۂ کونیہ میں مشیت جس میں جمیع حوادث آ گئے - پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اس عقیدے سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ اللہ سب ظالموں سے بڑھ کے ظالم ہوا کیونکہ وہ کافر سے خود ہی کفر کراتا ہے اور کفر کی خود ہی سزا دیتا ہے اس میں ایمان لانے کی قدرت نہیں پیدا کرتا اسی طرح اگر وہ اس کے رنگ یا طویل قد ہونے یا کوتاہ قد ہونے پر اس پر عذاب کرے تو یہ صریح ظلم ہے کیونکہ جیسے

وہ ظلم کرتا ہے اس میں قدرت نہیں دی کہ وہ اس سے بچ جاتا پھر اسی طرح خداوند تعالیٰ اس صورت میں بھی ظالم ہوگا جب اسے ایسی معصیت میں عذاب کرے جو اُس نے خود اس میں پیدا کی ہے ہم کہتے ہیں ظلم کی بابت پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو جمہور قضا و قدر کو مانتے ہیں۔ ان کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ ظلم ممتنع لذاتہ غیر مقدور ہے جیسا اشعری۔ قاضی ابو بکر۔ ابو المعالی۔ قاضی ابو یعلی۔ اور ابن الزاغونی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے وہ کہتے ہیں کہ کذب اور ظلم وغیرہ قبیح افعال سے اللہ کو موصوف ٹھیرانا یقیناً ممتنع ہے اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اس کو متصف کہنا ہرگز درست نہیں ہے اللہ سے تو ان چیزوں کا وقوع ہی محال ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کی بُرائی اللہ نے ضروری قرار دی ہے ظلم اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ کسی ایسی چیز میں تصرف کرے جس کا مالک اور اس میں تصرف کرنے کا حقدار اس سے زیادہ دوسرا شخص ہو اور یہ اللہ کے حق میں ہونا محال ہے کیونکہ اس کا کوئی فعل ایسی چیز میں نہیں ہوتا جس میں تصرف کرنے کا اللہ سے زیادہ کوئی اختیار رکھتا یا حقدار ہوتا ہو لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے حق میں ظلم تصور کرنا ہی محال ہے۔

حقیقت الامر یہ ہے وہ صاف طور پر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ بُرائی اُس شخص کی کیجا سکتی ہے جو دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرے کیونکہ ظلم کے معنے ہی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کے ہیں یا جو ایسے امر کا خلاف کرے جو اس پر پورا کرنا لازم ہو اللہ کے لیے کسی غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا یقیناً ممتنع ہے کیونکہ ہر چیز کا وہی مالک و مختار ہے اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ قیمتی علماء نے اس قول کے بطلان کی کوئی دلیل نہیں دی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ظلم مقدور ہے اور اس سے اللہ منزہ ہے قضا و قدر ماننے اور نہ ماننے والوں میں سے جمہور کا یہی قول ہے کرامیہ وغیرہ میں سے بھی اکثر کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ اور امام احمد وغیرہ کے اصحاب میں سے بھی اکثر یہی کہتے ہیں اور یہی قول قاضی ابو حازم ابن قاضی ابو یعلی وغیرہ کا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک انسان کو دوسرے کے گناہ کی بابت عذاب دیا جائے یعنی گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے مگر وہ اس سے منزہ و مبرا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

ومن یعمل من الصالحات وھو مؤمن فلا یخاف ظلما ولا ھضما ۔ یعنی جو کوئی نیک کام کرے

اور وہ ایماندار ہو تو (قیامت کے دن) نہ وہ ظلم کا خوف کرے گا نہ نقصان کا ان لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ انسان اپنے اختیاری اور غیر اختیاری افعال میں نظری طور پر فرق کرنے کا عادی ہے وہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی کرنے پر قدر سے حجت لانے کا بطلان بداہتہ عقل سے صاف معلوم ہوتا ہے مثلاً دوسرے پر ظلم کرنے کا اگر قدر سے حجت کرے تو اس پر بھی ظلم کرنے والا قدر سے حجت کرے گا اسی طرح سے دونوں کی حجت کا دارومدار قدر پر ہوا اور اگر ایک کی حجت قدر پر نہیں ہے تو دوسرے کی بھی نہیں ہونے کی پہلے قول والے بھی اس سے حجت کرنے کو منع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے حجت کرنا باتفاق کل اہلِ مذاہب رذوی العقول کے باطل ہے ہاں قبائح اور مظالم پر اس سے ایسا شخص حجت کر سکتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش کا پیرو ہو اور اس کے افعال خود متناقض ہوں اگر فواحش و مظالم کرنے والے کے لیے قدر حجت ہو تو پھر ایک کا دوسرے کو ملامت کرنا یا ایک کا دوسرے کو سزا دینا ٹھیک نہیں ہو سکتا ہر شخص دوسرے کی عزت آبرو اور جان و مال میں جو مظالم و قبائح چاہے کرکے یہ حجت کر سکتا ہے کہ تیری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص علانیہ شرارت کرے اور پھر اتنی سی بات کہہ کے بچ جائے کہ تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا تقدیر کسی حالت میں بھی حجت نہیں ہو سکتی اگر تقدیر حجت ہوا کرتی تو ابلیس۔ فرعون۔ اور تمام کفار کے لیے حجت ہوتی یہ بات فیصلہ ہو چکی ہے کہ افعال اختیاری جنہیں خود انسان کسب کرتا ہے صفاتِ محمودہ اور صفاتِ مذمومہ ہیں اب رہا رنگ یا لمبا اور کوتاہ قد یہ انسان کا کسبی فعل نہیں ہے پس علم نافع۔ عمل صالح۔ صدقِ مقال۔ اور اخلاص عمل وغیرہ امور دل میں صفاتِ محمودہ پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ نیکی کرنے سے دل میں نور چہرے پر رونق رزق میں وسعت بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن گناہ کرنے سے دل میں ظلمت۔ چہرے پر سیاہی۔ بدن میں سستی۔ رزق میں کمی اور مخلوق کے دلوں میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے پس نیکی کرنے سے نفس اور خارج دونوں میں آثار محمودہ نمایاں ہوتے ہیں یہی حال گناہ کرنے سے آثار مذمومہ کا ہے جس طرح خداوند تعالےٰ نے زہر کھانے کو بیماری اور موت کا سبب ٹھیرایا ہے۔ اسی طرح نیکیوں کے کرنے کو آثارِ محمودہ کا سبب اور گناہوں کے کرنے کو آثارِ مذمومہ کا سبب قرار دیا ہے یاد رکھو کہ توبہ اور اعمال صالحہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور دنیا میں مصائب و تکالیف کا پیش آنا گناہوں کا بدلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ زہر کا

اثر بعض اوقات کسی دوا سے رفع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس سے کوئی معمولی تکلیف بیماری کی ہوئے صحتِ کلی حاصل ہو جاتی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ایک فعل کو اور اس پر عقوبت حاصل ہونے کو پیدا کرنا ظلم ہے تو یہ بمنزلہ اس کہنے کے ہے کہ زہر پیدا کرنا اور پھر اس سے موت کا ہونا ظلم ہے حالانکہ ظلم ایک چیز کو غیر موقعہ رکھدینے کا نام ہے اس فاعل کا اپنے اس فعل کے اثر کا مستحق ہونا جو اللہ کی معصیت ہے مثل اس اثر کے استحقاق کے ہے کہ جب یہ بندگانِ خدا پر برابر ظلم کرتا رہے اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایک فعل کو پیدا کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے خواہ یہ کہا جائے کہ ظلم اللہ کی طرف سے ممتنع لذاتہ اور غیر مقدور ہے یعنی اس کی قدرت ہی میں نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ ممکن لذاتہ اور مقدور ہے یعنی اللہ کی قدرت میں ہے کیونکہ وہ ظلم جو فی حقیقت ظلم ہے یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے فعل اور عمل پر تکلیف دی جائے باقی اسے اس کے اختیاری فعل پر تکلیف دینا یا ظالموں سے مظلوموں کا انصاف کر دینا تو اللہ کے کمال عدل و انصاف میں ہے۔

پھر شیعی علماء کا یہ اعتراض کرنا کہ سینوں کے عقیدے میں اللہ نے بندے کے اندر ایمان لانے کی قدرت ہی نہیں پیدا کی یہ اعتراض ان لوگوں پر ہو سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فعل کرنے کی قدرت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر جس نے کوئی فعل نہ کیا وہ اس پر قادر ہی نہیں بلکہ اس سے عاجز ہے ان کا قول ہے کہ جس فعل سے بندہ عاجز ہو اللہ اُس کے کرنے کی اسے تکلیف نہیں دیتا بلکہ اس کی تکلیف دیتا ہے جس پر بندہ قادر ہو ان کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی واجب ترک کر دے وہ اس پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ اور ان جمہور اہل سنت کا یہ قول نہیں ہے جو بندے کے لیے قدرت ثابت کرتے ہیں جو امر و نہی کی علت ہے جو کبھی فعل سے پہلے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا فعل کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے قدرت اور ارادے کے معدوم ہونے پر فعل کا وجود کسی طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ فاعل کے معدوم ہونے پر نہیں ہو سکتا۔ قدریہ کا قول یہ ہے کہ یہ قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے ان کے مقابلہ میں مثبتین کہتے ہیں کہ وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے ائمہ اور جمہور کا قول بین بین ہے کہ قدرت کا فعل کے ساتھ ہونا تو ضروری ہے باوجود اس کے کبھی فعل سے بھی پہلے مجت ہوتی ہے جیسے مامور عاصی کی قدرت ہے کیونکہ یہ فعل سے پہلے پر مقدم ہوتی ہے اس لیے یہ ایسے شخص کے واسطے ہوتی ہے جو اطاعت نہ کرے مثلاً خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔

"واللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا"

یعنی اللہ کے لیے ایسے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج کرنا فرض ہے جن میں وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو اللہ نے طاقت رکھنے والے پر حج فرض کیا ہے۔ جب حج کا مدار طاقت پر ٹھیرا تو جس میں طاقت نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہ ہوگا اس بنا پر حج نہ کرنے کے باعث کسی کو عذاب نہ ہونا چاہیئے اور یہ اس کے بالکل خلاف ہی جو دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے فرمایا ہے

"فاتقوا اللہ ما استطعتم" ۔ یعنی جہاں تک تم سے ہو سکے تم اللہ سے ڈرو پس اللہ نے جسب طاقت ڈرنا واجب کر دیا ہے اب اگر یہ ہو کہ جو شخص نہ ڈرے وہ ڈرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا پس ڈرنا اسی پر واجب ہوگا جو ڈرتا ہو اور ایسے شخص کو عذاب نہ ہوگا جو نہ ڈرتا ہو کیونکہ یہ اسپر واجب ہی نہیں ہے۔ غرض ایسا خیال یا عقیدہ دین اسلام کے بالکل خلاف ہے یہ ان لوگوں نے اس لیے کہا ہے کہ قدریہ معتزلہ اور شیعہ وغیرہ کا قول ہے کہ قدرت فعل سے پہلے نہیں ہوتی تاکہ وہ کرنے پر یا نہ کرنے دونوں کے لیے صالح ہو اب رہے اہل سنت والجماعت ان کا قول یہ ہے کہ فعل کے وقت فاعل کے لیے قادر ہونا ضروری ہے ان کے ائمہ کہتے ہیں کہ فاعل فعل سے پہلے قادر ہوتا ہے انہیں میں سے ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ فاعل فعل کے وقت ہی قادر ہوتا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں قدرت ضدین کے لئے۔ یعنی کرنے اور نہ کرنے دونوں کے لیے صالح نہیں ہوتی کیونکہ جو قدرت فعل کے مقارن ہو وہ اس فعل ہی کے لیے صالح بھی ہوتی ہے اور اسی کے لیے مستلزم بھی ہوتی ہے وہ فعل بغیر اس کے نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ اگر یہ قدرت بدلے کے طور پر ضدین کے لیے صالح ہو تو پھر ضدین میں سے ایک کے نہ ہونے پر بھی اس قدرت کا وجود ممکن ہوگا حالانکہ جو قدرت کسی چیز کو مقارن اور مستلزم ہوتی ہے وہ اس چیز کے معدوم ہونے پر کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ملزوم کا وجود بغیر لازم کے ممتنع ہے۔ قدریہ نے جو کچھ کہا ہے اس میں انہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور جو قاعدہ انہوں نے اس کا بنایا ہے وہ بھی غلط ہے یعنی ان کا غلط قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مومن اور کافر نیک اور فاجر کو قادر کرنا یکساں ہے یعنی چاروں کو اس نے یکساں قدرت دی ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ اللہ نے مومن مطیع کو ایک اعانت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جس کے وسیلہ سے ایمان حاصل ہو جاتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے مطیع اور عاصی کی اعانت یکساں ہے لیکن مطیع نے بذات خود طاعت کو ترجیح

دی لی ہے اور عاصی نے بذاتِ خود معصیت کو ترجیح دے لی ہے مثلاً ایک باپ نے اپنے دو بیٹوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک تلوار دی ایک بیٹے نے تو اس تلوار سے مظلوموں اور بیکسوں کی جان بچائی اور ہمیشہ ظالموں سے ان کی مدافعت کی دوسرے نے اس تلوار سے رہزنی کا کام لیا یہ قول بہ اتفاق تمام اہلِ سنت والجماعت کے غلط اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ مومن مطیع بندے پر اللہ کا بہت بڑا دینی احسان ہے جو اللہ نے خاص اسی پر کیا ہے کافر پر نہیں کیا اور وہ طاعت پر اس کی ایسی اعانت کرتا ہے کہ کافر کو وہ اعانت نصیب نہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ہم الراشدون ۔ یعنی ولیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دیدی ہے کفر کو بدکاریوں کو اور نافرمانی کو تمہارے آگے بُرا کر دیا ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ پس اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا اور ان کے دلوں میں اسے زینت دیدی اس پر قدریہ کہتے ہیں کہ یہ محبوب بنانا اور زینت دینا ساری مخلوق کے لیے تھا یا یہ دلائل حق کو ظاہر کرنے کے معنی میں ہیں۔ مگر آیت یہ چاہتی ہے کہ یہ حکم مؤمنین کے ساتھ خاص ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے علاوہ کوئی ہدایت یافتہ نہیں ہے اللہ نے اپنے بندوں کو اس طرح دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دعا غیر حاصل اور آئندہ ہی چیز کے لیے ہوتی ہے بلکہ وہ اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے اور یہ مطلوبہ ہدایت اس ہدایت سے علیحدہ ہے ایسی مثالیں قرآن وحدیث میں بہت سی ہیں جن سے ہدایت ایمان اور نیک عمل کے ساتھ اللہ کی مسلمان بندوں کے ساتھ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

قدریہ کے قول کی اصل یہ ہے کہ اعانت اور اقتدار میں طاعات ادا کرنے اور نہ کرنے والا دونوں برابر ہیں تو ان کے قاعدے پر یہ نہیں ہو سکتا کہ فعل کے ساتھ ایک مخصوص قدرت ہو کیونکہ جو قدرت فعل کے ساتھ مخصوص ہوگی وہ ترک فعل کے لئے نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ قدرت اس

ہی کی طرف سے ہوتی ہے جب انہوں نے دیکھا کہ قدرت کا فعل سے پہلے ہونا ضروری ہے تو اس وقت کہنے لگے کہ قدرت فعل کے ساتھ نہیں ہوتی کیونکہ در اصل فعل ترک قدرت ہی سے ہوتا ہے مگر وجود فعل کے وقت ترک فعل کا ہونا ممتنع ہے اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے مگر ان کا یہ کہنا یقیناً باطل ہے کیونکہ اثر کا وجود مع اس کی بعض وجودی شرطوں کے معدوم ہونے کے ممتنع ہے بلکہ فعل کے ساتھ ہی قدرت کا ہونا ضروری ہے اس میں اہلِ اثبات کے دو فرقے ہیں ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے ان کا یہ گمان ہے کہ قدرت ایک ہی چیز ہے اس میں دو ضدوں کے سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے ایک یہ کہتا ہے کہ قدرت عرض ہے وہ دو زمانوں میں موجود نہیں رہ سکتی لہذا فعل سے پہلے اس کا وجود ممتنع ہے مگر حق بات جس پر ائمہ فقہ اور اہلِ سنت والجماعت ہیں یہ ہے کہ قدرت دو قسم کی ہے ایک مصحح للفعل جس کے ہوتے فعل اور ترک دونوں ممکن ہیں۔ اور یہی وہ قدرت ہے جس سے امر و نہی کو تعلق ہوتا ہے یہ مطیع اور عاصی دونوں میں ہو سکتی ہے۔ فعل کے موجود ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور فعل کے ظہور میں آنے تک برابر رہتی ہے۔ جو لوگ اعراض کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک تو قدرت ہی خود ایک قوت ہے اور جو اس کے قایل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں تجدد و امثال کے ذریعے سے قدرت پیدا ہوتی ہے اور اس میں دونوں ضدوں کی صلاحیت موجود ہے اللہ اسی قدرت سے اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے۔ یعنی پہلے اس میں قدرت عطا کرتا ہے اور پھر حکم کرتا ہے اور اگر کسی بندے میں وہ قدرت نہیں ہے تو اللہ اُسے مکلف نہیں کرتا۔ اس کی ضد عجز ہے اور یہی اللہ کے اس قول میں مذکور ہے۔

"لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات الآیۃ"، اسی طرح کفارے کے بارے میں یہ آیت موجود ہے۔

"فصیام شہرین متتابعین فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا"۔ یہاں ایسے شخص کی قدرت کی نفی ہے جو نہ کر سکے۔ یہ قدرت فعل کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اسی طرح عمران بن حصین سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

"صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب"۔ یہاں حضور انور نے استطاعت کی نفی کے مقابلہ میں فعل کی نفی کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ استطاعت جو شرع میں مکلف ہونے کی

شرط ہے وہ اس استطاعت سے خاص ہے جس کے عدم کے وقت فعل ممتنع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات استطاعت شرعیہ کے نہ ہونے پر بھی فعل متصور ہو جاتا ہے۔ مثلاً مریض میں بعض اوقات باوجود زیادتی مرض اور صحت میں تاخیر ہونے کے کھڑے ہونے کی استطاعت ہوتی ہے۔ لیکن شرع میں یہ اس تکلیف کے حاصل ہونے کی بابت غیر مستطیع ہے۔ اگرچہ لوگ اسے مستطیع کہیں لیکن شارع استطاعت شرعیہ فقط امکان فعل کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر اس کے لوازم کی طرف ہوتی ہے پس اگر باوجود کسی تکلیف کے فعل ممکن ہو تو یہ استطاعت شرعیہ نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص بدنی یا مالی تکلیف کے بغیر حج کر سکتا ہو یا باوجود زیادتی مرض کے کھڑے ہو کے نماز پڑھ سکتا ہو۔ پس جب شارع نے فعل کے ادا ہونے میں غالبًا تکلیف نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے تو وہ باوجود عاجز نہ ہونے کے مکلف کیسے کر سکتا ہے مگر ہاں یہ قوت اور استطاعت باوجود فعل کے وقت تک باقی رہنے کے فعل کے موجود ہونے میں کافی نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کافی ہو تو پھر کرنے والے کے ہو گا بلکہ اس میں ایک دوسری اعانت ہونی ضرور ہے۔ مثلاً یہ کہ اس قدرت کے ساتھ اس فاعل کا ارادہ بھی کر دیا جائے کیونکہ فعل بغیر قدرت اور ارادہ کے پورا نہیں ہوتا اور جو استطاعت فعل کے مقارن ہوتی ہے اس میں پختہ ارادہ داخل ہوتا ہے بخلاف اس استطاعت کے جو مکلف ہونے میں شرط ہے کیونکہ اس میں ارادہ شرط نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو فعل کا حکم کر سکتا ہے جو اس فعل کا ارادہ نہ رکھتا ہو ہاں ایسے شخص کو حکم نہیں کرتا جو اس کا ارادہ کرنے پر اس سے عاجز ہو۔ اس بارے میں یہ فرق ہی فصل خطاب ہی۔

بعض شیعی عقاید

خداوند تعالیٰ کے ذات وصفات کی بحث میں جو کچھ آپ پڑھ چکے ہیں اس سے آپ کو یہ ضرور ثابت ہو گیا ہو گا کہ شیعی علماء کیا اعتراض کرتے ہیں اور خود ان اعتراضوں کے ان کے پاس کیا جواب ہیں۔ خود ان میں کتنے فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے اعتقادات کیا ہیں۔ آیا جو نکتہ چینیاں انہوں نے سنیوں پر کی ہیں وہ خود ان ہی پر ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ اپنے یہاں کے بہت سے مسلمہ امور انہوں نے الفاظ بدل کے سنیوں کے سر چپیک دیئے ہیں۔ ناواقف دھوکا کھائے

ہیں اور بڑے بڑے دانت پیستے ہیں۔ کسی کے عقاید کی گہرائی میں پہنچنا اصل میں اس کے مافی الضمیر کا پتہ لگانا ہے اور یہ اس قدر محال معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس میں ہاتھ ڈالتا ہوا جھجکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعی اصحاب کے معتقدات کی آج تک کوئی کتاب ترتیب نہ دے سکا۔ عقاید دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک کتابی اور ایک عملی۔ عملی عقاید اکثر چھپ کے کیے جاتے ہیں۔ جن کی خبر سوائے کرنے والوں کے دوسرے کو مشکل سے ہوتی ہے کتابی عقاید بھی عام نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔ کیونکہ کوئی کتاب تو ایسی ہے نہیں کہ اس میں الف سے لے کے یے تک کل عقاید بالتفصیل درج ہیں۔ چند کسی کتاب میں ملیں گے چند کسی کتاب میں اسی طرح سمجھ لیجیے۔ پھر کتابوں کا ملنا۔ دیکھنا اور عقاید کی علٰحدہ فہرست بنانا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ آپ مجھے دیکھیں کہ شیعی کتب کے مطالعہ کے میرا نصف کنبہ یعنی ددیال شیعی مذہب رکھتی ہے۔ میں ایک عرصہ تک ان میں رہا۔ ان کی ہر ہر بات کو دیکھا پھر بھی بعض رازدارانہ عقاید ایسے پائے جن کا کھوج مجھے اب تک نہ لگ سکا ہاں ہم جس قدر مجھے معلوم ہے وہ عام آگاہی کے لیے بہت کافی ہے۔ جس کا ذکر اختصار کے طور پر میں یہاں کروں گا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شیعی عقاید پر ابتدا سے باطنیہ کا اتنا بڑا اثر پڑا ہے کہ کل عقاید قریب قریب ان لوگوں کے وہی ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ باطنیہ نے ہمارے شیعی علماء کی مدد کی ہے۔ باطنیہ وہ گروہ ہے جس کے عقاید کو اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ باطنیہ کا دارومدار صابئہ فلاسفہ پر ہے جو پیغمبروں کی متابعت سے بالکل خارج ہیں۔ یہ لوگ دین اسلام کی پیروی کو ضروری نہیں خیال کرتے ساتھ ہی اور ادیان باطلہ کی پیروی کو حرام قرار نہیں دیتے۔ بلکہ وہ کل مذہب کو بمنزلہ ان سیاسیات کے ٹھیراتے ہیں جن کا اتباع جایز ہے اور کہتے ہیں کہ نبوت سیاست عادلہ کی ایک قسم ہے جو دنیا میں مصلحت عامہ کی غرض سے مقرر کی گئی ہے۔ یہ لوگ نبوت کی مطلقاً تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کے بعض احوال پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض کا انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناواقف آدمیوں پر ان کا راز نہیں کھلتا۔ ان عقائد کی تائید میں سب سے پہلی کتاب منہاج الکرامہ ہے۔ جو خدا بندہ نامی بادشاہ کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس عجیب کتاب میں بشرطیکہ اسے غور سے دیکھا جائے بہت سے چھپے ہوئے رازوں کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مثلاً جا بجا منقول میں ایسی چیز کی تصدیق

کی گئی ہے جسے تمام علماء بالاضطرار غلط جانتے ہیں۔ اسی طرح اس صریح اور متواتر حدیث کی ہر مقام پر تکذیب کی گئی ہے جو ہر زمانہ میں تواتر کے درجہ پر رہی ہر جگہ دیکھ لیجیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مذکور کتاب میں ناقلین علم اور رواۃ احادیث میں ذرا بھی تمیز نہیں کی گئی۔ اسی طرح نہ کسی جھوٹ بولنے والے کی پروا کی گئی اور نہ کسی عادل حافظ علم و آثار کے یاد رکھنے والے پر توجہ کی گئی بنفس الامر میں ان لوگوں کے اعتقاد و مذہب کا دارو مدار محض تقلید پر ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے خیالات میں اپنے عقاید کا دار مدار برہانیات پر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ محض تقلید کی وجہ سے کہیں انہیں معتزلہ اور قدریہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے اور کبھی مجسمہ اور جبریہ کی۔ نظریات میں یہ ان سب فرقوں سے زیادہ کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے دین کے نزدیک یہ ان فرقوں سے جادہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں جو مسلمانوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے دین میں وہ فساد پھیلایا ہے جسے رب العباد کے سوا اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ مشرکین اور دشمنان اسلام کو بسا اوقات اسلام پر چڑھائی کرنے میں انہوں نے ہی مدد دی ہے۔ جس سے مسلمانوں کے شہر تاخت و تاراج ہوئے۔ عورتیں قید کر لی گئیں۔ مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا ہزارہا بے گناہ آدمی قتل کر دیے گئے۔ غرض یہ ہے کہ ان لوگوں نے امت مرحومہ اور اسلامی شہروں کو اس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔ جس کا پوسکندہ بیان الفاظ میں ہونا محال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہب کی اصل ان زنادقہ منافقین کی ایجاد ہے جنہیں حضرت علی نے اپنی زندگی میں سخت سزا دی تھی بعض کو آگ میں جلا دیا تھا بعض کو قتل کر دیا تھا اور بعض علی کے پنجے سے بچ کے نکل گئے تھے۔ حضرت علی سے متعدد طریقوں سے متواتر مروی ہے کہ آپ نے کوفہ میں ممبر پر کھڑے ہو کے یہ فرمایا تھا۔

"خیر ھذہ الامۃ بعد نبیہا ابو بکر ثم عمر"

یعنی اس امت میں اس کے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابو بکر اور پھر عمر ہیں۔ اسی طرح حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ سے مروی ہے جس کو بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں علماء حنفیہ نے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے متقدمین شیعہ جو حضرت علی کی صحبت میں رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں تھے انہوں نے ابو بکر و عمر کی تفضیل میں کبھی نزاع نہیں کی ہاں علی اور عثمان کی تفضیل میں ان کا بیشک نزاع تھا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اوائل و اواخر میں اکابر علماء شیعہ بھی اس کا اقرار کرتے

ہیں۔ ابوالقاسم بلخی اس کا گواہ موجود ہے۔ وہ کہتا ہے ایک شخص نے شریک بن عبداللہ سے پوچھا کہ ابوبکر افضل ہیں یا علی انہوں نے جواب دیا ابوبکر۔ سایل بولا۔ ہائیں۔ آپ شیعہ ہوکے ایسا کہتے ہیں فرمایا ہاں جو ایسا نہ کہے وہ شیعہ نہیں ہے۔ دیکھو میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ علی اس ممبر پر چڑھے اور علی الاعلان یہ فرمایا

"اَلَا اِنَّ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر"

اب تو ہی بتا کہ ہم ان کے ارشاد کو کس طرح رد کر سکتے ہیں۔ کس طرح ان کی تکذیب کریں خدا کی قسم وہ جھوٹے نہیں تھے (یہ مقولہ عبدالجبار ہمدانی نے کتاب تثبیت النبوۃ میں نقل کیا ہے۔)

وہ فرقہ جو باطنیہ۔ قدریہ۔ معتزلہ۔ مجسمہ اور صابئہ سے بنا ہے اس کی نسبت شعبی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ کوئی لا یعقل نہیں دیکھا اگر یہ پرندے ہوتے تو ضرور کرگس بنائے جاتے اور اگر چوپائے ہوتے تو ضرور گدھے ہوتے میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر میں ان سے ایک گھر بھرا ہوا سونا مانگوں محض اس بات کے لیے کہ میں علی پر تہمت رکھوں گا کہ انہوں نے ابوبکر و عمر کو ایسا ایسا کہا ہے تو وہ بخوشی مجھے دیدیں گے لیکن واللہ باللہ میں کبھی ان پر جھوٹ نہ بولوں گا۔

ابوحفص بن شاہین نے کتاب اللطف بالسنہ میں مالک بن مغول سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں شعبی فرماتے تھے کہ میں تمہیں ان خواہش پرست گمراہوں سے علٰحدہ رہنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہ اسلام میں اہل اسلام کو ستانے اور ان پر ظلم کرنے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے انہیں آگ میں جلا دیا تھا اور بہت سوں کو جلاوطن کر دیا تھا منجملہ ان کے ایک عبداللہ بن سبا صنعا کا رہنے والا یہودی ہے جسے آپ نے ساباط بھیجد یا تھا۔ دوسرا عبداللہ بن یسار ہے جسے خازر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ ان دونوں کے معتقدین کا طور طریق بالکل یہودیوں کا سا ہے۔ جیسا یہود کہتے ہیں کہ بادشاہت کے لائق سوائے آلِ داؤد کے اور کوئی نہیں ہے اسی طرح سبائی اور یساری کہتے ہیں کہ امامت کے لائق سوائے اولاد علی کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہود مغرب کی نماز جب تک ستارے نہ جگمگا جائیں نہیں پڑھتے۔ اسی طرح یہ دو مذکور گروہ بھی کرتے ہیں۔ یہود نماز میں قبلہ سے کسی قدر ہٹ جاتے ہیں۔ نماز میں کپڑے کو لٹکا لیتے ہیں۔ یہود عورتوں کے لیے عدت کے قائل نہیں ہیں۔ یہود نے توریت میں تحریف کر دی ہے۔ یہود مسلمانوں کو سلام علیک نہیں کہتے بلکہ السلام علیکم کہتے ہیں (سام کے معنی موت کے ہیں) یہود مرجری۔ مرماہی اور ذناب کو نہیں

کھاتے۔ یہود جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں کہتے۔ یہود سب کے مال کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں۔ یہود نماز میں قرون پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہود جبرائیل کو بے وقوف بتاتے اور کہتے ہیں کہ فرشتوں میں سے یہ ہمارا دشمن ہے وغیرہ وغیرہ۔ بالکل یہی عقاید عبداللہ بن سبا کے متبعین کے ہیں جنہیں جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ابوالقاسم طبری نے شرح اصول السنہ میں وہب بن بقیہ واسطی کی حدیث سے اسی طرح نقل کیا ہے +

رافضہ کے لفظ کی تحقیق

یہ بات سخت معیوب ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اپنے مخالف گروہ کے نام چڑانے یا تحقیر کے لئے خود رکھ لیے ہیں مثلاً بدعتی۔ رافضی۔ خارجی۔ مقلد اور غیر مقلد وغیرہ مگر ان میں بعض نام وہ ہیں جو ایک گروہ نے خود اپنے لئے آپ تجویز کر لئے ہیں اور اس پر اس گروہ کے پیشواؤں نے صاد کر دی ہے منجملہ ان کے ایک لفظ رافضہ ہے۔ یہ لفظ اُس وقت سے مشہور ہوا ہے کہ جب ان لوگوں نے ہشام کی خلافت میں زید بن علی بن حسین کو رفض کر دیا۔ (رفض کے معنی چھوڑنے کے ہیں) یعنی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ زید بن علی کا واقعہ ۱۲۱ھ ہجری یا ۱۲۲ھ ہجری ہشام کی خلافت کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے ابوحاتم سبتی نے لکھا ہے کہ زید بن علی بن حسین ۱۲۲ھ ہجری میں قتل کرکے ایک لکڑی پر لٹکا دیئے گئے تھے۔ یہ اہل بیت کے افاضل اور علماء میں سے تھے۔ جب انہوں نے خروج کیا ہے تو شیعوں کے دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک کا نام رافضہ تھا اور دوسرے کا زیدیہ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ زید بن علی سے کسی نے ابوبکر اور عمر کی بابت کچھ دریافت کیا۔ انہوں نے بہت اچھے الفاظ میں ان دونوں کی تعریف کی تو اسی وقت کچھ لوگ ان سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ زید نے یہ دیکھ کے ان کی طرف خطاب کرکے کہا "رفضتمونی" تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ بس اسی وقت سے اس گروہ کا نام رافضی پڑ گیا۔ وہ شیعہ جنہوں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اخیر میں زیدیہ کہلائے۔

شعبی کا انتقال ہشام کی خلافت کے شروع میں یا ہشام کے بھائی یزید بن عبدالملک کی خلافت کے اخیر میں ۱۰۵ھ ہجری یا اُس کے قریب میں ہوا ہے۔ اس وقت تک رافضہ کا لفظ مشہور نہیں ہوا تھا۔ اسی بنا پر ہم ان روایتوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جن میں رافضہ کا لفظ موجود ہے۔ ہاں اس وقت یہ لوگ

خشبیہ وغیرہ اور ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ شعبی سے بھی بعض روایات میں اسی طرح مروی ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ وہ کہتا ہے "ما رأیت احمق من الخشبیۃ" عقل باور کرتی ہے۔ دلائل موجود ہیں۔ تاریخی واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ان ہی خشبیہ کو اخیر میں رافضہ کہا گیا۔ ہاں یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جب یہ کہا جائے کہ رافضی ایسا کرتے ہیں تو اس سے یہ کبھی نہ سمجھا جائے کہ کل رافضی ایسا کرتے ہیں جیسے خداوند تعالے فرماتا ہے +

"قالت الیہود عزیز ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ وقالت الیہود ید اللہ مغلولہ غلت ایدیھم"۔

یہ بات سب یہودیوں نے نہیں کہی تھی بلکہ اس کے کہنے والے بعض تھے۔ اسی طرح زید بن علی بن حسین کے ساتھ چھوڑنے والوں میں بعض کے یہ عقاید اور خیالات ہو گئے تھے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے دو نمازوں کا جمع کر لینا جایز ہے۔ فقط تین وقت کی نماز پڑھنا کافی ہے۔ بغیر گواہ مقرر کے طلاق نہیں ہو سکتی مسلمان اور اہلِ کتاب کے جسم ناپاک ہیں۔ ان کے ذبیحہ حرام ہیں اگر ان کا پانی کسی چیز کو لگ جائے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔ جھوٹے برتنوں کو سامرہ گروہ کی طرح دھوتے ہیں۔ تقیہ کرتے اور دلوں میں عداوت رکھتے ہیں۔ یہ اس نہر کا پانی نہیں پیتے جو یزید نے کھدوائی تھی حالانکہ خود حضور انور اور آپ کے ساتھی ان نہروں اور کوؤں کا پانی پیتے تھے جو مشرکین نے کھدوائے تھے۔ وہ مشرکین کفار کا بنا ہوا پنیر نہیں کھاتے حالانکہ حضور انور اور آپ کے صحابہ اس پنیر وغیرہ کو بے تکلف کھا لیتے تھے جو کفار کے ممالک سے بن کے آیا کرتا تھا۔ کفار کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے بلکہ ان کا زیادہ تر لباس کفار ہی کا بنا ہوا ہوتا تھا۔

علے ہذا القیاس۔ عشرہ کا لفظ بہت ہی نامبارک سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی عمارتوں میں دس ستون نہیں بناتے۔ غرض اسے بہت برا جانتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ جن صحابہ کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ نے دی ان کی تعداد دس تھی۔ مثلاً ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی طلحہ۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعید بن زید بن عمر بن نفیل۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابو عبیدہ بن جراح +

ان میں سے علی کے سوا سب سے ناراض ہیں۔ اور ساتھ ہی سابقین اولین من المہاجرین والانصا

سے جنھوں نے حضور انور سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی سخت غصہ میں ہیں یہاں تک غصہ و دشمنی کی حد تک پہنچ گیا ہے ان درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ قرآن مجید میں ان صحابہ کے لیے بشارت موجود ہے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں ان سے خوش ہوں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں جابر سے مروی ہے کہ حاطب بن بلتعہ کے غلام نے حضور انور سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں قسم کھاتا ہوں حاطب ضرور دوزخ میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ کس طرح دوزخ میں جائے گا وہ جنگ بدر اور جنگِ حدیبیہ میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ اور تماشا دیکھیے کہ بجائے دس کے نو کا لفظ ان لوگوں میں بہت محبوب ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے نو ہی ان کے معتوبین میں سے ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا عشرہ مبشرہ میں سے جب علی کو نکال دیا تو صرف نو ہی رہ گئے۔ ان ہی سے ہمارے دوست بہت خفا ہیں۔ خفگی یہاں تک ہے کہ اپنے یا اپنے بچوں کے نام ان ناموں پر نہیں رکھتے۔ حالانکہ حضور انور کا یہ طریقہ نہ تھا وہاں تو کفار اور مومنین کے نام یکساں تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی وہی نام قائم رہتا تھا۔ صحابہ میں عمرو نامی لوگ تھے اور کفار میں بھی اسی نام کے کئی آدمی تھے۔ مثلاً عمرو بن ود اور عمرو بن ہشام صحابہ میں خالد بن سعید بن عاص سابقین اولین میں سے تھے اور مشرکین میں خالد بن سفیان ہذلی موجود تھا۔ صحابہ میں ہشام بن حکیم تھے۔ مشرکین میں ابوجہل کے باپ کا نام ہشام تھا۔ صحابہ میں ایک کا نام عقبہ تھا مثلاً ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری دوسرے عقبہ بن عامر الجہنی تھے اسی طرح مشرکین میں عقبہ بن ابو معیط تھا۔ صحابہ میں علی اور عثمان تھے مشرکین میں بھی ان ناموں کے کئی آدمی تھے۔ مثلاً علی بن امیہ بن خلف جو جنگ بدر میں حالت کفر میں کام آیا۔ دوسرا عثمان بن طلحہ تھا جو اسلام لانے سے پہلے قتل ہو چکا تھا۔ ایسی مثالیں بہت سی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضور انور اور آپ کے صحابہ ان ناموں میں کسی نام کو اس وجہ سے برا نہیں سمجھتے تھے کہ یہ نام کسی کافر کا رکھا جا چکا ہے کافروں کے ناموں کو کبھی مکروہ نہیں جانا گیا۔

اب یہ بات زیادہ مزے کی ہے کہ جن صحابہ سے یہ سخت بیزار ہیں ان کے نام یہ لوگ نہیں رکھتے مگر حضرت علی نے وہ نام اپنے بچوں کے رکھے تھے۔ علی کی اولاد نے بھی اسی طرح اپنی اولاد کے وہ نام رکھے۔ لیکن ہمارے احباب اس بارے میں نہ حضرت علی کی متابعت کرتے ہیں نہ حسنین کی۔

امام منتظر

ہمارے دوستوں نے اپنے امام منتظر کے قیام کے لئے مختلف مقامات قرار دے رکھے ہیں مثلاً سرداب جو سامرا میں ہے اُس کا نشیمن بیان کیا جاتا ہے ان کا خیال ہے کہ امام یہاں چھپا ہوا بیٹھا ہے اس کے اور قیامگاہوں کا پتہ دیا گیا ہے جہاں امام منتظر تشریف رکھتے ہیں۔ خوش اعتقاد اصحاب ان مقامات کے آگے گھوڑا یا خچر یا گدھا لا کے کھڑا رکھتے ہیں کہ جب امام باہر نکلے تو فوراً اس پر سوار ہو جائے صبح شام چند ساعت ان مقامات میں جا کے خود بھی اپنے امام کے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں بعض اوقات گھبرا گھبرا کے آوازیں لگاتے ہیں۔ "یا مولینا اخرج" یعنی حضرت باہر تشریف لائیے۔ اُس وقت یہ لوگ مسلح ہوتے ہیں۔ مگر مولینا اندر سے جنبش نہیں کھاتے۔ بعض خوش اعتقاد اپنا زیادہ وقت وہیں گزارتے ہیں۔ نماز کے نماز نہیں پڑھتے محض اس خوف سے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ باہر نکل آئے اور پھر ہم اس کا کافی استقبال نہ کر سکیں۔ جو لوگ امام منتظر کے مسکن سے دُور کے فاصلہ پر رہتے ہیں وہ زیادہ تر رمضان کے آخری دس دن میں مشرق کی طرف مونہ کر کر کے صبح شام یہ غل مچاتے رہتے ہیں۔ "یا مولینا اخرج"۔ اگر مان بھی لیں کہ کوئی شخص چھپا ہوا کہیں بیٹھا ہوا ہے اور وہ ایک وقت خاص کا منتظر ہے تو آوازیں دے دے کے اس بیچارے کو بتنگ کرنا اور قبل از وقت اس کے نکالنے کی کوشش کرنا عقلِ سلیم کے تو بالکل خلاف ہے۔ جب خدا کا حکم ہوگا وہ خود نکل آئے گا نہ اُسے پکارنے کی ضرورت ہے نہ خچر اور گدھے کی۔ جب وہ نکلے گا سواری کا انتظام خدا ہی کی طرف سے ہو جائے گا۔ مگر یہ ساری دل خوش کن باتیں ہیں نہ کسی امام منتظر کی ضرورت ہے اور نہ وہ غاروں میں چھُپ کے بیٹھ سکتا ہے مگر ہمارے دوست اس معدوم امام کے عقیدہ کو اپنے مذہب کا بہت بڑا جزو خیال کرتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ امام معدوم پر ایمان لائے بغیر دین کامل نہیں ہوتا۔ بعض مشرکین بھی اپنے معبودوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

"ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملئکۃ والنبیین ارباباً ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون"۔

یعنی کسی آدمی کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور فہم اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے کہے تم اللہ کو چھوڑ کے میرے بندے بن جاؤ ہاں یہ کہنا زیبا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھاتے اور خود پڑھتے رہتے ہو اور نہ وہ تمہیں یہ حکم کرے کہ تم فرشتوں کو یا نبیوں کو خدا بناؤ۔ بھلا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد وہ تمہیں کفر کا حکم کر سکتا ہے۔

پس جب فرشتوں اور نبیوں کو خدا سمجھنے والوں کی یہ حالت ہے تو اس کی کیا حالت ہوگی جو ایسے معدوم کو امام سمجھے جس کا کہیں وجود ہی نہ ہو۔ ترمذی وغیرہ میں عدی بن حاتم کی حدیث ہے انہوں نے حضور انور سے دریافت کیا تھا یا رسول اللہ مشرکین کی پرستش کرنے کی کیا صورت ہے حضور انور نے جواب دیا جن کے ان لوگوں نے بت بنا لئے ہیں انہوں نے بعض چیزیں اپنے لیے حلال اور بعض حرام کرلی تھیں پھر انہوں نے ان کی پیروی کی۔ بس یہ ان کا پیروی کرنا ہی ان کی پرستش ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے موجودہ آدمیوں کو خدا سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح ہمارے احباب معدوم امام کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں اور حرام و حلال کو اسی پر معلق رکھتے ہیں۔ جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے پھر اس معدوم پر ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے یہ چیز حلال کی ہے اور یہ حرام اور اسی اصول پر ان کا عمل ہے۔ اگرچہ وہ کتاب سنت اور اجماع سلف امت کے بالکل ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جب ان کے فرقہ میں اختلاف ہو کے دو قول ہو جائیں تو ان کے نزدیک حق قول وہ ہے جس کا قائل معدوم ہو بس یہی معصوم و معدوم امام کا قول ہے ایسے ہی شخص کی حلال و حرام کی ہوئی چیزوں کو یہ حلال و حرام سمجھتے ہیں۔ جس کے موجود ہونے کی بابت ایک بھی شہادت نہ ہو۔

احباب کے دیگر معتقدات

لال بکری کا نام عائشہ رکھنا اور آستے تکلیف دے دے کے قتل کرنا اسی طرح دو گدھوں کا نام ابوبکر و عمر رکھنا اور انہیں بھوکا پیاسا رکھ کے مارنا اس کا مفصل ذکر کتاب شہادت کے پہلے صفحوں میں آچکا ہے۔ ان میں زیادہ جدت پسند لوگ اپنے کتوں کے نام ابوبکر و عمر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے کتوں کے نام دوزخیوں کے ناموں پر ہیں۔ اسی طرح ابو لؤلؤ مجوسی کو بابا شجاع

کا لقب دیا اور محض فاتل فاروق اعظم ہونے سے اس کی تعظیم کرنی یہ ہمارے دوستوں کا روز مرہ ہے۔ اب خیال کیجیے کہ بعض جانوروں کے صحابہ پر نام رکھنے اور انہیں ایذا دینے سے صحابہ کی روحوں پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو مسلمان فرعون۔ ابولہب اور ابوجہل جن کے شدید کافر ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے جانوروں کے نام رکھ لیتے اور ان بے زبان جانوروں کو تکلیف دیتے اور اس میں اپنی بڑی فتح سمجھتے کہ مسلمانوں کے ہاں تو یہ ہے کہ اگر غیر مسلم میدان جنگ میں مارا جائے تو اسے مثلہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ یعنی نہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے نہ ہاتھ کان کاٹے جائیں اور نہ کسی عضو کی قطع برید کی جائے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں بریدہ سے مروی ہے کہ حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی لشکر یا رسالے پر کوئی افسر مقرر کرتے تھے تو اول اسے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتے تھے اور پھر یہ فرماتے تھے کہ اپنے ہمراہی مسلمانوں سے اچھا برتاؤ کیجیو اور پھر سہ بارہ یہ فرماتے تھے اللہ کے منکر جو تم سے لڑنے کے لیے آئیں ان سے لڑنا مقتولین کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا۔ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا +

حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات خطبے میں صدقے کا حکم دیتے اور ساتھ ہی مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ آپ اسے سخت وحشی پن اور بزدلی خیال فرماتے تھے وہ شخص جو اپنی مدافعت نہ کر سکتا ہو اس پر ہاتھ اٹھانا سخت بزدلی ہے اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ جن لوگوں سے ہمارے احباب بغض رکھتے ہیں اگر بفرض محال وہ کافر بھی تھے اور اب وہ مر چکے ہیں تو ان کے مرجانے کے بعد ان کے جسموں کو مثلہ کرنا ان کو مارنا ان کے پیٹ چاک کرنا ان کے بال اکھیڑنے کسی طرح بھی جائز نہیں ہیں۔ اور۔ ان کے نام کسی بے زبان جانور کے رکھ لینے اور ان جانوروں پر یہ ستم توڑنا سخت وحشیانہ اور نا انسانیت کا فعل ہے ایک بیچاری بکری جسے محض اس لیے ایذا دی جاتی ہے کہ اس کا نام عائشہ رکھا ہے کس قدر خلاف انسانیت فعل ہے۔ اسلام میں کسی جانور یا انسان کو ناحق ایذا دینا حرام مطلق ہے۔

مُردوں کا ماتم

جنہیں قتل ہوئے یا مرے ہوئے صدہا برس گزر گئے ہمارے احباب ان کا ماتم کرتے ہیں حالانکہ اس قسم کا ماتم اور نوحہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول نے قطعی حرام کر دیا ہے۔ اگر قتل یا وفات کے وقت ایسا ہوتا تو بھی نوحہ کرنے والوں کی ایک حد تک معذوری سمجھی جاتی مگر صدہا سال کے بعد اسی طرح ان کا نوحہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول نے قطعی حرام کر دیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضور انور سے ثابت ہے آپنے فرمایا جو شخص کسی کے مرنے پر اپنا منہ پیٹے گریبان چاک کرے اور زمانہ جاہلیت کی طرح واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حالقہ۔ صالقہ اور شاقہ سے میں بیزار ہوں۔ حالقہ وہ ہے جو مصیبت کے وقت اپنے بال مونڈے اور صالقہ وہ ہے جو مصیبت کے وقت واویلا کرے اور شاقہ وہ ہے کہ جو کپڑے پھاڑے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس پر واویلا کیا جائے اُسے عذاب دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں اگر ہم امام حسین کو شہید مان لیں تو انبیار اور غیر انبیار میں سے ظلماً ایسے ایسے آدمی قتل ہوئے ہیں کہ وہ حسین سے بدرجہا افضل ہیں حضرت علی حسین کے باپ ظلماً قتل کئے گئے وہ حسین سے یقیناً افضل ہیں۔ عثمان بن عفان بھی ظلماً قتل کئے گئے ان کا قتل ہونا سب سے بڑا اور ان فسادوں میں سب سے پہلا فساد تھا جو حضور انور کی وفات کے بعد ہوئے تھے۔ غرض ان کے قتل ہونے پر ایسے ایسے فساد برپا ہوئے جو اور کسی کے قتل کے فسادوں سے بدرجہا زیادہ تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے آدمی قتل بھی ہوئے اور اپنی موت سے بھی مرے مگر ایک مدت مدید اور عرصہ دراز کے بعد ان میں سے کسی میت اور کسی مقتول پر ہی مسلمانوں نے کبھی نوحہ اور ماتم نہیں کیا۔ ایک لکڑی چپلو کی قسم سے ہے ہمارے احباب اُسے اس لئے نہیں جلاتے کہ اس پر امام حسین کا خون پڑ گیا تھا۔ یہ عجیب اعتقاد ہے کہ ایک لکڑی پر خون گرا اور اس سے کل لکڑیاں حرام ہو گئیں۔ خداوند تعالےٰ نے انقطاعی طور پر اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تمہیں مالوں۔ جانوں۔ اور پھلوں کے نقصانات کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں تو تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۝

یعنی اور البتہ ہم تمہیں کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں کے اور جانوں کے اور پھلوں کے

نقصان سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو (یا نہیں) اور (اے محمد) ایسے صبر کرنے والوں کو خوشخبری سُنا دو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے (تو) کہتے ہیں بے شک ہم تو اللہ کے ہیں (اسے اختیار ہے چاہے جو کچھ کرے) اور بیشک ہمیں اُس کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

اس آیت نے تمام ماتموں کا خواہ مقتول پر کیے جائیں یا میت پر فیصلہ کر دیا سوائے اس کے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے اور کوئی حکم نہیں ہے۔

مسئلۂ امامت

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ مسئلہ امامت مسلمانوں کے اشرف مسائل میں سے ہے امامت کے حاصل ہونے پر کرامت کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ارکان ایمان میں سب سے بڑا رکن ہے اس کے سبب سے انسان جنتی بھی ہو جاتا ہے اور اللہ کے غضب سے نجات پانے کا مستحق بھی بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا ہے "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ" یعنی جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں جانتا تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا وغیرہ وغیرہ

پہلا جواب

جو شخص یہ کہے کہ مسئلۂ امامت احکام دین میں اہم مطالب اور مسلمانوں کے اشرف مسائل میں ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے۔ اس کے غلط اور جھوٹ ہونے پر سنی شیعہ دونوں کا اتفاق ہے بلکہ یہ کہنا ہمارے خیال میں کفر ہے۔ کیونکہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا مسئلہ امامت سے زیادہ اہم ہے اور یہ دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کافر اس وقت تک مسلمان اور مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس بات کی شہادت نہ دے کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ علی کو جب حضور انور نے خیبر بھیجا۔ تو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ تم ان لوگوں پر تلوار نہ اُٹھانا جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیں نماز پڑھتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں امامت کا کبھی کچھ تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین" یعنی اگر وہ کفر سے توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں بس توبہ کر لینے پر انہیں دینی بھائی ٹھیرا دیا ہے حضور انور کے زمانے میں جب کافر اسلام قبول کر لیتے تھے تو ان پر

اسلام کے احکام جاری کر دیئے جاتے تھے ساما مست کا توان سے کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ اہل علم میں سے کسی نے اسے حضور انور سے نقل کیا نہ بطور نقل خاص کے نہ عام کے۔ ہم بالاضطرار یقیناً جانتے ہیں کہ حضور انور نے اس وقت کہ جب لوگ دین خدا میں داخل ہوتے تھے امامت کا مطلق ذکر نہیں کیا نہ کنایۃً نہ وضاحۃً۔ پھر بھلا یہ احکام دین کے مسائل میں کس طرح داخل ہو سکتا ہے اس کی اور زیادہ تشریح اس سے ہو جاتی ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امامت سے واقفیت ہوتی ضروری ہے تو بھی اس کی ان صحابہ کو ضرورت نہیں ہو سکتی جو حضور انور رسول خدا کے زمانہ حیات ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ نہ اس کے حکم کے التزام کی انہیں ضرورت ہے جو حضور انور کے زمانہ میں زندہ تھے سوائے حضور انور کی وفات کے بعد کے جب یہ کیفیت ہے۔ پھر یہ مسلمانوں کے اشرف مسائل اور احکام دین کے اہم مطالب میں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ باوجودیکہ حضور انور کے زمانہ میں اس کی کسی کو بھی ضرورت نہ ہوئی۔ کیا وہ لوگ جو حضور انور کی زندگی میں آپ پر ایمان لائے تھے۔ اور ظاہر و باطن ہر طرح آپ کی پیروی کرتے تھے اور مرتد وغیرہ نہیں ہوئے تھے وہ بالاتفاق سنی شیعہ تمام مخلوق سے افضل نہیں ہیں؟ پھر بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ افضل المسلمین کو دین کے اہم مطالب اور مسلمانوں کے اشرف مسائل کی ضرورت نہ ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور اپنی زندگی میں خود ہی امام تھے دوسرے امام کی ضرورت آپکی وفات کے بعد ہوئی ہے اس لئے حضور انور کی زندگی میں یہ مسئلہ دین کا اہم مسئلہ نہ تھا بلکہ یہ آپ کی وفات کے بعد اہم مسئلہ ہوا ہے تو اس پر چند باتیں غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ اگر یہ بات صحیح بھی ہو پھر بھی یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہ علے الاطلاق دین کا اہم مسئلہ ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کسی وقت میں ہے اور کسی وقت میں نہیں ہے اور بہترین اوقات میں نہ وہ احکام دین میں سے اہم مطالب ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے اشرف مسائل ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کا مسئلہ ہر وقت اور ہر جگہ اس مسئلہ امامت سے بڑھا ہوا ہے۔ لہذا یہ کسی وقت بھی نہ اہم رہا نہ اشرف رہا۔

تیسرے حضور انور کی طرف سے آپ کے بعد آپ کی زندہ رہنے والی امت کے لئے اس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ ان کے لئے حضور انور نے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کے امور بیان کر دیئے اور

اللہ پر ایمان لانے اس کی توحید اور آخرت پر یقین کرنے کو آپ نے خاص طور پر بیان کر دیا۔ پھر کیوں کہیں اور نے امامت کا مسئلہ بیان نہیں کیا۔ قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ میں امامت کے مسئلہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ امامت ہر زمانے میں اہم ہے حضور انور نبی بھی تھے۔ اور امام بھی آپ پر ایمان لانے والے سب اس بات کو جانتے تھے کہ آپ اس زمانہ کے امام ہیں۔ یہ عذر کرنا چند وجہ سے باطل ہے۔ اول یہ کہ قائل کے اس کہنے سے کہ امامت احکام دین میں اہم مطالب ہے یا تو اثنی عشری کی امامت مراد ہے یا ہر زمانے کے خاص خاص امام کی امامت مراد ہے اس طرح کہ ہمارے زمانہ میں محمد منتظر کی امامت پر ایمان لانا اہم ہو اور خلفاء اربعہ کے زمانے میں شیعوں کے نزدیک علی کی امامت پر ایمان لانا اہم ہو یا امامت کے احکام پر مطلقاً ایمان لانا مراد ہو یعنی کسی کی کچھ تخصیص نہ ہو۔ یا کوئی چوتھے معنی مراد ہوں بہرحال کچھ ہو۔ اب سنیے پہلے معنی کی نسبت تو ہر شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں یہ امامت ہرگز شائع و ذائع نہیں تھی بلکہ خود شیعہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اثنی عشر میں سے ہر شخص یکے بعد دیگرے اس طرح مقرر ہوتا تھا کہ پہلا اسکے لیے نص کر جاتا تھا کہ میرے بعد وہ امام ہوگا۔ اس سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مسئلہ امامت امور دین کے اہم مطالب میں نہیں ہے۔ باقی دوسرے معنی مراد لینے کی حالت میں ہر زمانہ میں اسی زمانہ کے امام پر ایمان لانا اہم مطالب ہوگا شیعوں کے نزدیک جو کہ ہمارے اس زمانہ کا امام ۲۶۰ھ ہجری سے لیکے اب تک کہیں چھپا ہوا بیٹھا ہے جسکا نام محمد بن حسن ہے۔ بیشک اس زمانہ سے اب تک برابر اس محمد بن حسن پر ایمان لانا اہم ہے اور یہ ایمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے۔ اللہ پر اللہ کی کتابوں پر۔ اس کے فرشتوں پیغمبروں پر۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔ نماز روزے۔ حج۔ زکوٰۃ اور واجبات پر ایمان لانے سے بہت بدرجہا بڑھ کے ہے۔ باوجود اس کے کہ دین اسلام سے اس کا باطل اور بے اصل ہونا آفتاب کی طرح روشن ہے۔

لطف یہ ہے کہ امامیہ کا بھی یہ قول نہیں ہے وہ علی کی امامت کو اس غایت منتظر کی امامت سے بڑھ چڑھ زیادہ مہتم بالشان کہتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دین کے معاملہ میں امامیہ کیسے فائدہ میں ہیں کیونکہ انہوں نے امام معصوم اسی امام کو ٹھیرا رکھا ہے جو معدوم ہے نہ اس سے انہیں دین کا کوئی فائدہ ہے نہ دنیا کا۔ اور اگر ہمارے دوست یہ کہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حکم امامت پر مطلقاً ایمان لانا امور دین میں سب سے زیادہ اہم ہے تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اسکے مقابلہ

میں اور امور دین ایسے اہم ہیں جنکے آگے اس کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اور معنی مراد ہیں تو وہ بتانے ضروری ہیں تاکہ ان پر اسی وضاحت سے بحث کی جائے۔

دوسرا جواب

یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ لوگوں پر حضور انور کی طاعت آپ کے امام ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہی بلکہ رسول ہونے کی وجہ سے واجب ہی۔ اور طاعت کا یہ وجوب نہ صرف آپ کی زندگی کے لئے ہے بلکہ وفات کے بعد بھی اسی طرح قائم رہتا ہے۔ مثلاً جو لوگ آپکے زمانہ زندگی میں آپکے سامنے موجود تھے ان پر آپ کے اوامر و نواہی کی طاعت اسی طرح واجب تھی جو آپ کے بعد ہوئے اور جنہوں نے نہ آپ کو دیکھا نہ آپکے اوامر و نواہی اپنے کانوں سے سُنے۔ مگر ائمہ میں سے یہ بات کسی کو نصیب نہیں ہے امامت اور رسالت میں بعد المشرقین ہی۔ دیکھو حضور انور نے چند احکام معین لوگوں کو دیئے اور چند بالکل خاص خاص آدمیوں کو دوسرے حکم دیئے اس پر بھی آپ کے احکام نہ معین اشخاص کے ساتھ اور نہ دوسرے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہونگے۔ بلکہ وہ اپنے نظائر و امثال میں سب آدمیوں کے لئے قیامت تک جاری رہیں گے۔ چنانچہ حضور انور کا حاضرین سے یہ ارشاد کرنا کہ مجھ سے پہلے تم رکوع یا سجدہ میں نہ چلے جایا کرو ایک ایسا حکم ہے جو ہر امام کے مقتدی کے لئے ثابت ہے کہ وہ اپنے امام سے پہلے رکوع اور سجدہ میں کبھی نہ جائے۔ اسی طرح ایام حج میں کسی نے حضور انور سے دریافت کیا تھا کہ حضرت میں نے رمی کرنے سے پہلے بےخبری میں سر منڈوالیا۔ ارشاد ہوا کوئی حرج نہیں اب رمی کرلو۔ دوسرے نے عرض کیا۔ حضرت میں نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کرلی ہی ارشاد ہوا کوئی حرج نہیں۔ اب سر منڈوالو۔ غرض ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ بخلاف امام کے کہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہیں

یہ بات زیادہ غور و توجہ سے سُننے کی ہی کہ حضور انور کے بعد کے خلفاء آپ کے امر و نہی کے جاری کرنے میں مثل ان خلفاء کے ہیں جو حضور انور کی زندگی میں تھے۔ لہذا جس حاکم کی کسی حکم میں طاعت کرنی واجب ہو۔ اسکی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ حکم رسول اللہ کا ہے۔ یہ حاکم فقط اس کا اجرا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے لوگوں کی طرف فقط رسول ہی کو بھیجا ہے۔ اسی کی طاعت ان پر فرض کی ہی۔ رسول کی طاعت ہرگز اسلئے نہیں کی جاتی کہ وہ امام ہے۔ اُس کے بہت سے معین و مددگار ہیں اسکا رعب چھایا ہوا ہی یا اس کی امامت کا لوگوں نے اس سے عہد و پیمان کر لیا ہے۔ مگر ائمہ کی طاعت کے لئے ان کل اسباب

اور لوازمات کی ضرورت ہے۔ اور ان ہی پر ان کی طاعت موقوف ہے۔ اب رسول کی طاعت تو ہر حالت میں ضروری ہے اگرچہ اسکے ساتھ ایک بھی آدمی نہ ہو۔ حالانکہ اکی سب ہی نے تکذیب کردی ہو۔ ہمارے رسولِ مقبول کی طاعت آپ کے ان انصار و مددگار ہونے سے پہلے بھی ضروری تھی جنہوں نے آپکے ساتھ ہو کے جہاد کیا ہے پس وہ بعینہ ایسے ہیں جیسا ان کی بابت اللہ نے فرمایا ہے۔

ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علے اعقابکم ومن ینقلب علے عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین۔

اسکا ما حصل یہ ہے کہ رسول کا وفات پانا یا قتل ہونا رسالت کے حکم میں ذرا فرق نہیں ڈال سکتا جیسا کہ ائمہ کے مرنے کے یا قتل ہونے سے امامت کے حکم میں فرق آجاتا ہے۔ رسول ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ رہے کبھی نہ مرے کیونکہ وہ خدا نہیں ہے بلکہ وہ رسول ہے اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ اس نے اپنی رسالت پوری کردی۔ امانت ادا کردی نصیحت کردی اور کل حقوق ادا کردیئے لہذا اس کی طاعت اس کے مرنے کے بعد بھی ایسی ہی واجب ہے جیسی اسکی زندگی میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ اس کے مرنے سے دین بالکل کامل اور مستقر ہو گیا ہے اب اس میں کسی حکم کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رہا۔

شیعی اصحاب جو یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اپنی زندگی میں امام تھے۔ اور آپ کے بعد دوسرا امام ہو گیا۔ اس سے اگر ان کی یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد والا آپ کے برابر ہو گیا اور اسکی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسی رسول اللہ کی جاتی تھی تو یہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر ان کی یہ مراد ہے کہ وہ رسول اللہ کا امر و نہی جاری کرنے میں آپ کے خلیفہ کا قایم مقام ہو گیا ہے تو اس سے کچھ مطلب نہیں نکل سکتا کیونکہ ایسا تو حضور انور کی زندگی میں بھی ہوتا تھا جب کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تھے تو آپ کا خلیفہ وہاں رہتا تھا اور اگر ہمارے دوست یہ فرمائیں کہ رسول اللہ اپنی وفات کے بعد کسی خاص آدمی کو حکم نہیں کر سکتے۔ بخلاف آپ کی زندگی کے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور انور کی طاعت واجب ہونے میں آپ کا کسی خاص کو حکم کرنا شرط نہیں ہے بلکہ جسے آپ کے امر و نہی کی خبر ہو جائے اسی پر آپ کی اطاعت کرنی ایسی ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ کے کلام سننے والے پر ضروری ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حاضر کو چاہیئے کہ وہ غیر حاضر کو سب احکام پہنچا دیا کریں کیونکہ لبا اوقات سُنے والے سے نہ سُننے والا زیادہ

یاد رکھنا ہے پس جب یہ کہا جائے کہ حضور انور امام تھے اور اس سے ایسی امامت مراد لی جائے جو رسالت سے خارج ہو یا ایسی امامت جس میں وہ شرطیں ہوں جو رسالت میں نہیں ہیں یا وہ امامت کہ اسمیں رسول کی طاعت کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ جو امور قابل اطاعت ہیں وہ سب رسالت میں داخل ہیں اور جن امور میں رسول کی اطاعت کیجاتی ہے وہ اسی لیے کیجاتی ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول فقط امام ہی ہے تو اسکی اطاعت اسوقت تک نہ کی جائے گی جب تک اسکی اطاعت کرنی کسی دوسرے رسول کی اطاعت میں داخل نہ ہوگی کیونکہ اطاعت تو اللہ کی اور اللہ کے رسول ہی کی واجب ہے یا ان کی جن کی اطاعت کا رسولوں نے حکم دیا ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ میں اس کی امامت کی اس طرح اطاعت کرتا ہوں کہ یہ اسکی رسالت میں داخل ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا بالکل بے سود ہے کیونکہ اسکی اطاعت واجب ہونے میں محض اسکی رسالت ہی کافی ہے۔ بخلاف امام کے اس لئے کہ وہ ان اعوان ہی کے سبب سے امام ہوتا ہے جو اُس کے حکم کو جاری کرتے ہیں ورنہ وہ مثل ایک عالم دیندار کے ہے۔ اس پر اگر کوئی کہے۔ جب مدینہ میں رسول اللہ کا تسلط ہو گیا تھا تو آپ رسول ہوئے پر امام بھی ہو گئے یہ کیا بات ہوئی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضور انور کے رسول ہوتے ہی آپ کے اعوان و انصار ہو گئے تھے جو آپ کے حکم کو جاری کرتے تھے اور آپ کے مخالفوں سے لڑتے تھے۔ اور جب تک آپ اس زمین پر رہے تمام مسلمان آپکے ایسے ہی اعوان اور انصار تھے۔ باینہمہ آپ کو اعوان سے ایسا فائدہ نہیں ہوا جسکو رسالت کے ساتھ ملانے کی ضرورت ہو جیسا کہ امام یا حاکم کو ہوتی ہے کیونکہ یہ سب امور ان کی رسالت میں داخل تھے۔ ہاں اعوان ہونے سے قدرت و طاقت کی تکمیل بیشک ہوئی جسکی وجہ سے جہاد وغیرہ کے احکام ایسے ضروری ہو گئے جو بلا قدرت و استحکام کے ایسے ضروری نہ تھے اس میں شک نہیں کہ قدرت اور عجز۔ علم اور عدم علم کے احوال مختلف ہونے سے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ جیسا غنی اور فقیر صحت اور مرض کے اختلاف سے ان میں اختلاف آجاتا ہے لیکن مومن ان سب اعمال میں اللہ کا اللہ کے رسول کا مطیع ہی ہوتا ہے۔ بلکہ حضور انور بھی ان سب امور میں اللہ کے مطیع ہیں۔

اگر امامیہ یہ کہیں کہ بخلاف رسالت کے امامت از روئے عقل کے واجب ہے اس اعتبار سے امامت رسالت سے زیادہ اہم ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب عقلی اختلافی مسئلہ ہے۔ اور وجوب

عقلی کے قول پر امامت جو واجب ہوتی ہے وہ واجبات عقلیہ کے اجزا میں ایک جزو ہے - امامت کے سوا اور چیزیں اس سے بھی زیادہ واجب ہیں۔ مثلاً توحید - صدق اور عدالت وغیرہ یہ سب واجبات عقلیہ ہیں اسکے علاوہ جس شخص کو یہ ثابت ہو جائے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی اطاعت و پیروی بموجب ہو اس یقین کے بعد حتی الوسع اس نے آپ کی طاعت کی تو اب اگر اسے جنتی کہا جائے تو یہ مسئلہ امامت سے بالکل مستغنی ہو گیا - اور اگر یہ کہا جائے کہ جنتی نہیں ہے تو یہ کہنا نصوص قرآن مجید کے صریح خلاف ہے کیونکہ خداوند تعالٰی نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی ہے کئی موقع پر جنت دینی واجب کر دی ہے - چنانچہ ارشاد خالق ہوتا ہے -

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین و الشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقاً - پھر فرمایا ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وذلک الفوز العظیم۔

اس کے علاوہ یہ صاحب زمانہ جن کا ہمارے احباب بہت شور مچاتے ہیں لوگوں کے لئے اس سے واقف ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے نہ کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیں کسی چیز کا امر کرتا ہے - کس چیز سے منع کرتا ہے - اور ہمیں کیا کیا خبریں دیتا ہے - اور اب اگر کسی کے سعید ہونے کا دارومدار اسی کی طاعت پر ہے جس کا نہ امر معلوم ہوتا ہے نہ نہی کی خبر ہوتی ہے - تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نجات و سعادت اور اللہ کی طاعت کا طریق کسی کی قدرت میں نہ ہو سب اس سے عاجز و مجبور ہوں یہ درحقیقت اعلیٰ درجہ کی تکلیف مالایطاق اور لوگوں کو سب سے بڑے محال میں دھکیلنا ہے - اور اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اسی چیز کا امر کرتا ہے جس پر امامیہ ہیں کہ اسی بنا پر اسکے وجود شہود کی اصلا ضرورت نہیں ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو حاضر ہو یا غائب ہو اور جب بغیر اس انتظار والے امام کے اللہ کے ان احکام کی معرفت ممکن ہے جنکا حکم اسنے مخلوق کو دیا ہے تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اب اس امام کے موجود ہونے کی کسی کو کچھ حاجت نہیں ہے نہ اسپر اللہ کی طاعت موقوف ہے نہ اسپر کسی کی نجات اور سعادت کا دارومدار ہے - اور اسوقت ایسے شخص کی امامت کو جائز کہنا ممتنع ثابت ہوتا ہے چہ جائیکہ کوئی ایسے کی امامت کے وجوب کا قائل ہو - سمجھدار آدمی کے لئے تو یہ صاف ظاہر ہے - خواہ ہمارے عزیز دوست امامیہ اسپر غور فرمانے کی تکلیف نہ برداشت کریں - دوسرے واجبات عقلیہ اور شرعیہ کا کرنا اور مستقبحات عقلیہ اور شرعیہ کا نہ کرنا یا تو اس

منتظر کے امر و نہی معلوم ہونے پر موقوف ہوگا یا نہ ہوگا - اگر موقوف ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے
اور یہ بھی کہ واجبات کا کرنا اور محرمات کا نہ کرنا ایک ایسی شرط پر موقوف ہے جس پر عام لوگ تو در کنار ان
میں سے ایک آدمی بھی کسی طرح قادر نہیں ہے - سچ مچ روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جو اس بات کا
سچا دعویٰ کرے کہ میں نے اس منتظر کو دیکھا یا اسکا کلام سنا - ہاں اگر اسپر موقوف نہیں ہے تو واجبات
عقلیہ اور شرعیہ کا کرنا اور قبائح عقلیہ اور شرعیہ کا نہ کرنا اس منتظر کے بغیر ممکن ہے تو اب اس کی کوئی
حاجت نہیں ہے نہ اس کا وجوب واجب ہے - نہ اس کے شہود کی ضرورت ہے تعجب تو اس بات کا ہے
کہ ہمارے احباب نے غریب مخلوق کی نجات - اسکی سعادت اللہ اور اللہ کے رسول کی طاعت کو ایسی ممتنع
الوجود شرط پر معلق کر دیا ہے - جس پر ان میں سے کسی کو کچھ قدرت نہیں ہے - ہمارے دوست لوگوں سے کہتے
ہیں کہ ہم میں یا بغیر اسکے اللہ کے عذاب سے کوئی نجات نہیں پا سکتا نہ بغیر اسکے کوئی مومن ہو سکتا ہے نہ بغیر اسکے
کوئی سعید ہو سکتا ہے - لہذا ہمارے امامیہ دوستوں پر دو باتوں میں سے ایک بات ضرور لازم آتی ہے یا تو
ان کا یہ کہنا غلط اور جھوٹ ہے یا اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نا امید کر دیا ہے اور ساری مخلوق
پر خواہ وہ مومن ہو یا غیر مومن اپنا عذاب لازم کر دیا ہے - اس تقدیر پر ہمارے دوست عذاب کی کس حد
تک پہنچتے ہیں - اسکا اندازہ لگا لیا جائے - کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی اس امام کی حالت کے معلوم کرنے کا طریقہ
معلوم نہیں ہے جس کی نسبت عقیدہ ہے کہ وہ موجود غایب ہے - نہ اس کے امر و نہی کی کسی کو خبر ہے - نہ اسکی
کیفیت کسی کو معلوم ہے بلکہ ان کے پاس وہ اقوال ہیں - جو شیوخ رافضہ سے منقول ہیں جن کی بابت یہ بیان
کرتے ہیں کہ یہ اس منتظر سے بھی پہلے ائمہ سے منقول ہیں - لیکن اس منتظر سے یہ ایک حرف بھی نقل نہیں کرتے
اس صورت میں اگر یہ اقوال کافی ہیں تو اس منتظر کی کوئی حاجت نہ رہی اور اگر کافی نہیں ہیں تو خود ان کا
اپنی زبانوں تریں حالت کا اقرار ہو گیا کیونکہ ان کی سعادت ایسے امر پر موقوف ہے جس کے امر کرنے وغیرہ
کی انہیں ذرہ برابر خبر نہیں ہے حتی بڑے بڑے شیوخ رافضہ کہتے ہیں کہ جب امامیہ میں اختلاف ہو کے دو قول
ہو جائیں جن میں سے ایک کا قائل معلوم ہو اور دوسرے کا معلوم نہ ہو تو بس حق قول یہی ہے کہ جسکا قائل
معلوم نہیں ہے اسی کا اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ منتظر معصوم اسی گروہ میں ہے - اب آپ خود ہی اس
عقل و دانش پر غور فرمائیں بر تقدیر اس منتظر معصوم کے موجود ہونے پر بھی کوئی نہیں جانتا کہ کیا اسکا قول
ہے اس لئے کہ اس سے کسی نے کچھ نقل نہیں کیا نہ اسکے ناقلین سے کسی نے کچھ نقل کیا لہذا اسپر کس طرح یقین

ہوسکتا ہے کہ یہ اسی کا قول ہے کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسرا قول بعینہ اس کا ہو اور وہ اپنے پوشیدہ ہونے اور ظالموں سے ڈرنے کی وجہ سے اسے ظاہر نہ کرسکتا ہو جیسا کہ اس کی بابت شیعی علمار اس کا دعوے کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعوں کے دین کا دار و مدار بقول ان کے ایک مجہول اور معدوم چیز پر ہی انکا گمان ہی کہ ہمارا امام موجود معصوم ہی حالانکہ وہ مفقود اور معدوم ہی اور اگر بفرض محال وہ موجود بھی ہے تو اسکا یہ خود اقرار کرتے ہیں کہ اسکے امر و نہی کو ہم نہیں جان سکتے جیسا کہ اپنے بزرگوں کے امر و نہی جانتے ہیں حالانکہ امام کے ہونے سے اسکے حکم کی طاعت مقصود ہوتی ہے اور جب اسکے ہونے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسکا حصول ممتنع ہے تو پھر اسکے وسیلہ کے ثابت کرنے میں ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہی۔ بلکہ ایسا وسیلہ ثابت کرنا جس سے مقصود نہ حاصل ہوتا ہو باتفاق تمام اہل شرع اور باتفاق ان عقلار کے جو تحسین عقول کے قائل ہیں بلکہ باتفاق تمام عقلار کے مطلقاً بیوقوفی عبث اور عذاب قبیح میں داخل ہی کیونکہ جب انہوں نے قبیح کی تفسیر مضر چیز سے کی ہی تو وہ سب اسپر متفق ہیں کہ مضر چیز عقل سے معلوم ہو جاتی ہی اور اس امام پر ایمان لانا جس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہی بلکہ عقل نفس، بدن اور مال وغیرہ سب کا نقصان ہی تو یہ شرعاً اور عقلاً ہر طرح قبیح ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس امام کی پیروی کرنے والے ہیں وہ سب سے زیادہ عقلمند اور مصلحت دین سے سب سے زیادہ خوش قسمت رہتے ہیں اور یہ خوش قسمتی ان کی وہ خوش قسمتی ہی جسکی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے دوست اس منتظر معصوم امام کا وجود اس لئے ثابت کرتے ہیں کہ اس کے بغیر انکے خیال میں دین و دنیا کی مصلحت حاصل نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ ہر شخص جانتا ہی اور وہ خود بھی اس کی شہادت دینگے کہ ابھی تک انہیں دین و دنیا کی کوئی مصلحت اس منتظر امام سے حاصل نہیں ہوئی اور جو لوگ اس منتظر امام کے وجود کے منکر ہیں ان کی دینی یا دنیاوی کوئی مصلحت ابھی تک فوت نہیں ہوئی بلکہ وہ دین و دنیا میں اس معصوم امام کی پیروی کرنے والوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں بھلا ایسی حالت میں انہیں کرامت کا شعبہ کیسے ہوسکتا ہے اور یہ چونکہ ان کے نزدیک دین کے اعلیٰ مطالب میں سے ہیں اسلئے یہ لوگ دین کے مطالب میں حق اور ہدایت سے جس طرح محروم اور دور رہتے ہیں اسکا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا اور اگر یہ دین کے اعلےٰ مطالب میں سے نہیں ہیں تو اسوقت بھی انکے دعوے کا بطلان صاف ظاہر ہوگیا۔ غرض دونوں تقدیر پر ان کے دعوے کا بطلان ثابت ہوتا ہی اور یہی مقصود ہی۔

غوث وقطب وغیرہ کی بحث

اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہمارا اس منتظر معصوم پر ایمان لانا بعینہ ایسا ہے جیسا اکثر شیوخ زاہد اور دیندار الیاس۔ خضر۔ غوث۔ قطب۔ اور رجال غیب وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں جن کے وجود کو وہ کسی طرح نہیں جانتے نہ انہیں یہ خبر ہے کہ وہ کس چیز کا امر کرتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں پس جو شخص ان لوگوں کی موافقت کرتا ہو وہ ہمارے دعوے سے کیونکر انکار کر سکتا ہے۔

جواب

اوّل یہ کہ ان لوگوں کے وجود پر ایمان لانا علماء مسلمین اور فقہاء معروفین میں سے کسی کے نزدیک واجب نہیں ہے اگرچہ بعض غلاۃ اپنے شاگردوں پر ان کے وجود پر ایمان لانا ضروری ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ مومن ولی اللہ وہی ہوتا ہے جو ان لوگوں کے وجود پر ایمان رکھتا ہو مگر یہ قول بالکل مردود ہے اور اُسے کسی نے نہیں تسلیم کیا۔

دوسرا جواب

اس قسم کی کہانیاں چند پیرزادوں یا چند جہلا میں جاری و ساری ہیں یا شعرا نے خضر وغیرہ کا زیادہ ذکر کر کے جہلا کی فطروں میں اس کے وجود کو قایم کر دیا ہے حالانکہ نہ کوئی خضر ہے نہ غوث وقطب ہے نہ رجال غیب ہیں جہلا سے روپیہ اینٹھنے کے لئے ایسی باتیں بنالی ہیں۔ علماء مسلمین میں سے ایک عالم نے کبھی اسکی تصدیق کبھی نہیں کی پھر بھلا چند جہلا یا چند عبد الدرہم پیروں کا ان پر ایمان لانا شیعوں کے امام منتظر پر ایمان لانے سے کیونکر حجت ہو سکتا ہے۔

تیسرا جواب

معتقدین میں سے بعض آدمیوں کا یہ گمان ہے کہ ان کی تصدیق کرنے سے آدمی کے ایمان اور حسنات میں ترقی ہو جاتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق کرنے والا بہ نسبت اس شخص کے جو ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتا اللہ کے نزدیک اکمل اشرف اور افضل ہو جاتا ہے یہ قول من کل الوجوہ شیعوں کے قول کے مشابہ نہیں ہے ہاں بعض وجوہ سے مشابہ ہے کیونکہ یہ لوگ اسے دین کے کمال کو موقوف رکھتے ہیں بخلاف ہمارے دوست شیعوں کے کہ ان کا اصل دین ہی امام معدوم کے وجود کا اقرار کرنے پر موقوف ہے اسوقت

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باتفاق تمام علماء مسلمین اور ان کے ائمہ کے یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ واجبات اور مستحبات کو جاننا اور ان سب کو ادا کرنا ان لوگوں کی تصدیق پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ اہل سنت۔ اہل زہد اور عام لوگوں میں جو شخص یہ گمان کرے کہ دین اسلام کا کوئی واجب یا مستحب ایکے وجود کی تصدیق پر موقوف ہے تو وہ باتفاق اہل علم۔ اہل ایمان اور واقفین کتاب وسنت کے یقیناً جاہل اور گمراہ ہے اسلئے کہ دین اسلام سے بالاضطرار یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے ان لوگوں کے وجود کی تصدیق کرنے کو مشروع نہیں فرمایا اور نہ حضور انور کے صحابہ اس کو دین میں شمار کرتے تھے نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے بھی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے معروف سند کے ساتھ اتنا بھی نقل کیا ہو کہ ان میں سے ایک نام بھی حضور انور نے اپنی زبان سے نکالا ہو نہ آپکے صحابہ میں سے کسی صحابی نے کبھی غوث قطب وغیرہ کا نام لیا ہو ہاں ابدال کا لفظ بعض سلف کی زبان سے سنا گیا ہے اور اس کے بارے میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک ضعیف حدیث بھی روایت کیجاتی ہے مگر اسے بھی آپ ایک کہانی سمجھیے معروف سند کے ساتھ حضور انور یا آپ کے صحابہ سے کسی نے بھی ان میں سے کوئی نام نقل نہیں کیا۔

چوتھا جواب

جو لوگ ان امور کے قائل ہیں ان میں سے بعض نے ان غوث وقطب وغیرہ کی طرف ایسی چیزیں منسوب کردی ہیں جو بشر میں سے کسی کی طرف منسوب کرنی جائز نہیں ہیں۔ مثلاً بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ غوث یا قطب وہ ہے جو اہل زمین کی ہدایت۔ نصرت اور رزق کو بڑھا دے اور یہ باجماع کل مسلمانوں کے باطل ہے۔ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اللہ کے ہر ولی کو جانتا ہے خواہ وہ پیدا ہوچکا ہو یا ہونے والا ہو اسکا نام اسکے باپ کا نام اور اسکے مرتبہ کی مقدار جو اللہ کے ہاں سے اسے مل چکی ہے یا ملیگی ان سب باتوں کا علم اسے ہوتا ہے یہ اور اسکے سوا اور بھی ایسی بے اصل اور جھوٹی باتیں ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کے بعض خصائص میں بعض بشر بھی شریک ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالےٰ ہر شے سے واقف ہے یا ہر چیز پر قادر ہے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ بعض لوگ نبی اور اپنے شیوخ کی بابت کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا علم اللہ کے علم پر اور اسکی قدرت اللہ کی قدرت پر منطبق ہے اسلئے جو اللہ جانتا ہے وہ بھی جانتا ہے اور جتنی اللہ میں قدرت ہے اس میں بھی قدرت ہے۔ بس یہ اور اس قسم کی اور سب باتیں حضرت علی

کے غالیہ فرقہ کے اقوال کی طرح ہیں اور یہ باجماع کل مسلمانوں کے باطل ہے نہ کوئی قطب ہے نہ کوئی ابدال ہے نہ کوئی غوث ہے نہ خضر ہے نہ رجال غیب ہیں کچھ بھی نہیں محض جاہلوں کے خوش کرنے کے لئے چالاک آدمیوں نے کہانیاں بنالی ہیں ایسی حالت میں شیعی علمار کا ان چانڈو خانے کی باتوں سے استدلال کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

اب ایک بات یہ دیکھنے کی ہے کہ جو لوگ ان امور کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جسکا وجود معلوم نہیں ہے ایسی حالت میں یہ لوگ اس معدوم شخص کی طرف نسبت کرنے میں غلطی پر ضرور ہیں مگر ان کی یہ غلطی مثل اس شخص کی غلطی کے ہے جو یہ اعتقاد کرے کہ فلاں شہر میں بہت سے آدمی اولیار اللہ ہیں حالانکہ اس شہر میں ایسا ایک بھی نہ ہو یا کوئی شخص چند معین آدمیوں کی بابت یہ عقیدہ کر لے کہ یہ سب اولیار اللہ ہیں اور درحقیقت وہ ایسے نہ ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک طرح کی خطا جہالت اور گمراہی ہے جس میں اکثر آدمی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن امامیہ کی خطا اس سے بدرجہا زیادہ اور قبیح ہے۔

پانچواں جواب

اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر محققین علمار کا یہ قول ماننا پڑے گا کہ الیاس اور خضر دونوں مر چکے ہیں اور یہ کہ مخلوق میں کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو اللہ کے پیدا کرنے رزق دینے ہدایت اور مدد کرنے میں انمیں اور مخلوق میں ذریعہ ہو سکے یہاں تک کہ پیغمبر بھی فقط تبلیغ رسالت ہی میں وسائط اور ذرائع ہیں باقی اللہ کے پیدا کرنے وغیرہ پر سوائے اسکے اور کسی کو قدرت نہیں ہے لہٰذا یہ امور پیغمبروں کے زندہ اور باقی رہنے پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ مخلوق کی مدد کرنا اور انہیں رزق دینا پیغمبروں کے وجود پر کسی طرح بھی موقوف نہیں ہے اسکے علاوہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اشرف مسائل اور دین کے اہم مطالب کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ اللہ کی کتاب میں اسکا ذکر اور سب چیزوں کے بیان کرنے سے اولیٰ ہو حالانکہ قرآن شریف اللہ کی توحید۔ اسمار۔ صفات۔ زیارات۔ فرشتوں۔ انکی کتابوں۔ پیغمبروں۔ روز قیامت۔ قصص۔ امر و نہی حدود اور فرائض کے ذکر سے بھرا ہوا ہے بخلاف امامت کے کہ اس کا کہیں بھی کچھ ذکر نہیں ہے کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید اہم اور اشرف چیز کے علاوہ

دوسری چیزوں سے بھرا ہوا ہو دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سعادت کو ایسی چیز پر معلق کیا ہے جس میں امامت کا کچھ بھی ذکر نہیں ہے مثلاً اللہ نے قرآن شریف میں یہ بیان کر دیا کہ جس شخص نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کر لی وہ آخرت میں سعید ہوگا اور جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی وہ شقی ہے اُسے آخرت میں عذاب ہوگا سعدا اور اشقیا میں یہی فرق ہی یہاں اللہ نے امامت کا کچھ ذکر نہیں کیا اب اگر کوئی یہ کہے کہ امامت اللہ اور اللہ کے رسول کی طاعت میں داخل ہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کہنے کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ امامت بھی مثل اور واجبات کے ہی یعنی مثل نماز روزے۔ حج۔ زکواۃ وغیرہ کے ہے جو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی طاعت میں داخل ہیں اسپر بھی اکیلی امامت مسلمانوں کے اشرف مسائل اور دین کے اہم مطالب میں کیسے ہو سکتی ہی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم سے امام کی طاعت بغیر رسول کی طاعت نہیں ہو سکتی کیونکہ شرع کو امام ہی پہچانتا اور جانتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں قرآن شریف سے ایسا کہیں ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ اس سے دین کے اور تمام اصول ثابت ہوتے ہیں اصل یہ ہے کہ وہ امام جسکا ہمارے دوست دعویٰ کرتے ہیں اس سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں معدوم امام تو امام حضور انور کے لائے ہوئے احکام کو جاننے کے لئے ائمہ میں سے بھی کسی کی کچھ حاجت نہیں ہی۔

جواب کی دوسری صورت یہ ہے کہ امامیہ کے نزدیک دین کے اصول چار ہیں۔ توحید۔ عدل۔ نبوت اور امامت۔ پہلے تینوں اصول مقدم ہیں اور امامت کا مرتبہ سب سے اخیر ہے۔ ساتھ ہی یہ لوگ توحید میں صفات کی نفی ہی کو نہیں بلکہ اس عقیدہ کو بھی داخل کرتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہی اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا عدل میں قدرت کی تکذیب کو داخل کرتے اور کہتے ہیں اللہ میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ جسے چاہے ہدایت کر دے جسے چاہے گمراہ کر دے اور یہ کہ وہ ایسی بات چاہتا ہی جو ہوتی نہیں اور جو وہ نہیں چاہتا وہ ہو جاتی ہی وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہی کہ یہ لوگ اسکے قایل نہیں ہیں کہ اللہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہی اور نہ یہ بات ہی کہ جو وہ چاہے ہو جائے اور جو وہ نہ چاہے نہ ہو۔

اس بحث کو تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ شیعی توحید کیا ہے اور امامیہ عدل کسے کہتے ہیں۔ اب آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ جب کھُلم کھلا توحید کو مقدم رکھا گیا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ امامت اشرف اور اہم کیونکر بنائی گئی اور اگر اسکا یہ جواب دیا جائے کہ ہم امامت کو اسلئے واجب کرتے ہیں کہ یہ وجوب وسائل

کا وسیلہ ہے اور واجبات کے لئے ایک ضامن ہے تو عقل باور نہیں کرتی کہ وسیلہ اصل مقصود سے اشرف اور اہم ہو جائے گا۔

جواب کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ امامت دین کے مطالب میں اہم اور مسلمانوں کے مسائل میں اشرف ہے تو اس اہم اور اشرف سے سب سے زیادہ دور خود ہمارے مہربان ہی ہیں۔ کیونکہ امامت میں ان کا قول سب سے زیادہ کمزور عقل و دین کے اعتبار سے سب سے زیادہ فاسد اور غلط ہے۔ اتنا ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ امامت سے ہمارے احباب کا مطلوب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا معصوم سردار ہو جس سے دینی اور دنیاوی مصلحتوں میں ان کی مطلب برآری ہو کیونکہ سوائے اس معصوم سردار کے نہ قرآن مجید انھیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ اقوال رسول مقبول۔ مگر تماشا یہ ہے کہ یہ معصوم سردار نہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ کانوں میں اسکی آواز آتی ہے یہانتک کہ تخیلہ کوئی صورت بھی اسکی نگاہوں کے آگے نہیں بنا سکتی نہ اسکی کچھ خبر ہے کہ وہ کہاں ہے کس جگہ ہے اور کیا کرتا ہے اور اسپر کیا گزر رہی ہے۔ پھر بھلا اسکی امامت سے ہمارے احباب کا مقصود کیونکر حاصل ہو سکتا ہے ان کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص ایسا امام فرض کرے جو دین و دنیا کی بعض مصلحتوں میں اُسے فائدہ پہنچائے تو وہ اس امام سے یقیناً بہتر ہے جس سے امامت کے فائدوں میں سے کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب امامت کا فائدہ انھیں حاصل نہیں ہوتا تو یہ بے دینوں اور ظالموں کی طاعت میں داخل ہو کے اپنے بعض مقاصد کے پورا کرنے کا فکر کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ معصوم امام کی طاعت کی طرف لوگوں کو بلائیں بے دینوں اور ظالموں کی طاعت میں آنے کا لوگوں کو امر کرتے ہیں۔

ایک اور لطف ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف علی کے لئے معصوم ہونے کا دعوے کیا گیا ہے اور سوائے علی کے کسی دوسرے کے لئے عصمت کا ابھی تک دعوے نہیں ہوا اسپر سب شیعوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ ایک طرف تو اسپر اجماع ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ علی نے حسن پر نص کر دی تھی اور حسن نے حسین پر آخر یہ سلسلہ محمد بن حسن منتظر تک پہنچ گیا جو سرداب میں پوشیدہ ہے۔

مذہبی تعصب کو علیحدہ رکھ کے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ہمارے احباب جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جو شخص اس منتظر پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہے تو کیا اس منتظر کو کسی نے دیکھا ہے یا کوئی ایسے شخص سے ملا ہے جس نے اس منتظر کو دیکھا ہے یا اسکی کچھ خبر سنی ہے یا کوئی ایسی بات معلوم ہے جو خاص اسی نے کہی ہو یا کسی بات کا امر کیا ہو یا کسی چیز سے منع کیا ہو اور یا اس سے اس طرح اخذ ہو جیسے ائمہ سے اخذ ہوتا ہے اسکا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا۔ جب یہ کیفیت ہے تو اسپر ایمان لانے میں کیا فائدہ ہے اور اس سے ہمیں کونسا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شخص کی طاعت کا حکم دے جسکے امر و نہی کو بالکل نہ جانتے ہوں اور نہ ہمارے لئے اسکے معلوم کرنے کی کوئی صورت ہو۔ ادہر تو یہ بات ہے اور ادہر ہمارے دوست شیعہ تکلیف مالا یطاق کے انکار کرنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کیا اس سے بھی زیادہ کوئی تکلیف مالا یطاق ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ اسکا ثابت کرنا خاص مقدمات پر مبنی ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ ہمارا مقصود ان مقدمات سے وہی ہے جسے ہم سے تعلق ہو ورنہ جب اس کے امر و نہی کو ہم سے کچھ تعلق نہیں تو ہمارے ذمہ کچھ نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس منتظر پر ایمان لانا جہالت اور گمراہی ہے۔ اس میں تو لطف و مصلحت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امامیہ کے ہاں جو کچھ ائمہ موتی سے منقول ہے اگر وہ حق ہے تو ان ہی کے ذریعہ سے سعادت حاصل ہو سکتی ہے پھر انھیں اس منتظر کی کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر وہ باطل ہے تو اسکے رد کرنے میں انھیں اس منتظر سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لہذا اس سے نہ حق کے ثابت کرنے میں کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ باطل کی نفی کرنے میں نہ امر بالمعروف کرنے میں نہ نہی عن المنکر کرنے میں نہ اسکے ذریعہ ان میں سے کسی کو کوئی لطف یا مصلحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے کاموں کو مجہولات پر معلق کرتے ہیں مثلاً رجال غیب۔ قطب۔ غوث اور خضر وغیرہ پر باوجودیکہ وہ جاہل گمراہ ہیں کیونکہ خضر کو دیکھنے وغیرہ سے کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے اگرچہ اس اعتقاد میں غلطی ہوتی ہے کہ خضر یہی ہے بعض آدمیوں کو جنگل میں خیالی یا اصلی کوئی شخص مل جاتا ہے اور انھیں راستہ بتا دیتا ہے وہ اسے غلطی سے خضر سمجھ بیٹھتے ہیں۔ مگر اپنی غلطی کو محسوس نہیں کرتے ان کا یقین ہوتا ہے کہ نہیں یہی خضر تھا

جو ہمیں پانی کا چشمہ بتا گیا اور راستہ دکھا دیا۔ بعض کا خیال ہے ہر زمانہ کا ایک خضر ہوتا ہے بعض کہتے ہیں ہر ولی خضر ہے۔ بہر حال جو بے وقوف خضر وغیرہ کے قایل ہیں وہ یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یا ہمارے دوست نے یا فلاں شخص نے خضر کو دیکھا اس سے باتیں کیں برخلاف ہمارے احباب کے کہ ان کے منتظر کو نہ کسی نے دیکھا نہ اس سے کچھ سنا نہ اس سے کوئی حکایت مشہور ہے نہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی نے آج تک اُسے دیکھا۔ جب وہ سرداب میں داخل ہوا تو چھوٹا سا بچہ تھا جو سن تمیز کو بھی نہیں پہنچا تھا اسپر بھی جو جو باتیں یہ اس بچہ کی نسبت قبول کرتے ہیں وہ خضر وغیرہ کے معتقدین کے قبول کرنے سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ کتاب سنت کا اقتدار کرنے سے ان کا اعراض خضر کے ماننے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیار مسلمین سے جو کچھ ان کی کدوکاش ہے وہ عیاں ہے۔ امامت کی خوبیوں کے فقط خواب دیکھتے ہیں لیکن عملی فوائد سے محروم ہیں اور انھیں ان ہی کے قول کے مطابق دین کا اہم اور اشرف مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

جواب کی چوتھی صورت یہ ہے جیسا ہمارے احباب فرما۔تے ہیں کہ امامت ایسی چیز ہے کہ اسکے ادراک اور معلوم کرنے کے سبب سے درجہ کرامت حاصل ہو جاتا ہے یہ بالکل غلط ہے کیونکہ فقط اپنے امام وقت کے معلوم کر لینے سے اگر اس کے حکم کی موافقت نہ کی جائے کیونکر کوئی کرامت کا مستحق ہوسکتا ہے ص اسکے مقابلہ میں دوسرا پہلو لیجے اگر کوئی شخص حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور پھر آپ کی نافرمانی کی۔ فرائض ادا نہ کیئے۔ اور حدود خداوندی سے تجاوز کیا تو امامیہ اور مسلمانوں کے سب فرقوں کے نزدیک ایسا شخص وعید کا ضرور مستحق ہے تو پھر امام کو جاننے والا وعید کا کیسے مستحق نہ ہوگا حالانکہ وہ فرائض کو ترک کرتا اور حدود سے ہمیشہ تجاوز کرتا ہے۔ شیعوں میں اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ علی سے محبت رکھنا ایسی نیکی ہے کہ اسکے ہوتے کوئی گناہ مضر نہیں ہوسکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر علی کی محبت ہوتے ہوئے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا تو پھر اس معصوم امام کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ اسکے نہ ہونے کی صورت میں سیأت اور معاصی ہونگے پس اگر علی کی محبت کافی ہے تو اسکا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

جواب کی پانچویں صورت یہ ہے جیسا کہ شیعی علما فرماتے ہیں کہ امامت ایمان کے ارکان میں سے ایسا رکن ہے جسکے سبب سے آدمی جنتوں میں رہنے کا ہمیشہ مستحق ہو جاتا ہے۔ سو یہ بھی بالکل غلط ہے۔

ص ۳-۱۔ امام وقت کی معرفت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت سے ہرگز زیادہ نہیں ہے حالانکہ جیسے [illegible] یہ معلوم ہوگیا کہ یہ محمد ہیں مگر وہ نہ ان پر ایمان لایا نہ انکے ارشاد کی تعمیل کی کس طرح وہ شخص کرامت کا مستحق ہوسکتا ہے۔

سے ایمان کا رکن سوائے ان لوگوں کے جنکی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے کوئی نہیں ٹھیراتا۔

مومنین اور ان کے احوال اللہ نے بھی بیان کیے ہیں اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کی تفسیر کی اور اس کی شاخیں ذکر کی ہیں۔ مگر ایمان کے ارکان میں امامت کو نہ کہیں اللہ نے ذکر کیا نہ اسکے رسول نے۔ ایک صحیح حدیث میں جبریل کا قصہ آیا ہے کہ جب وہ اعرابی کی صورت میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور نے اسلام۔ ایمان اور احسان کو پوچھا تو آپ نے یہ جواب دیا۔ اسلام یہ ہے کہ تم اسکی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے۔ نماز پڑھو۔ زکوۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اسکے فرشتوں پر اسکی کتابوں اس کے پیغمبروں پر۔ قیامت کے دن پر مرنے کے بعد جی اٹھنے پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ یعنی اسکی تصدیق کرو۔ یہاں بھی امامت کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس خلوص سے عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ تم سے نہ ہو سکے تو خیال رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ فقط۔ اس حدیث کے صحیح اور قابل قبول ہونے پر سب کا اتفاق ہے اُسے اصحاب صحیح نے بہت سے طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ابو ہریرہ کی سند سے بھی یہ متفق علیہ ہے ہمارے دوست اگرچہ ان حدیثوں کی صحت کا اقرار نہیں کرتے لیکن کمال یہ ہے کہ وہ خود ایسی حدیثوں سے حجت کرتے ہیں جنکے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام اہل معرفت کا اتفاق ہے۔ اگر ہمارے دوست روایت ہی کو سرے سے بالکل ترک کر دیں تو پھر ہمیں بھی محبت میں روایتوں کا لانا کچھ ضروری نہیں ہے لیکن جب یہ روایت پیش کرتے ہیں تو ہمیں مجبوراً روایت سے روایت کا معارضہ کرنا پڑتا ہے۔ اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے روایت کو چھوڑتے ہیں صرف قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں کہ خداوند تعالے نے ایمان والوں کی کیا تعریف کی ہے سنئے خداوند تعالی فرماتا ہے۔

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون ۝ الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون ۝ اولئک ھم المؤمنون حقا لھم درجات عند ربھم ومغفرۃ ورزق کریم ۝

ان لوگوں کے حق میں اللہ نے ایمان کی شہادت دی ہے مگر امامت کا ذکر تک نہیں کیا۔ پھر

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون۔

دیکھو ان لوگوں کو اللہ نے صادقین فرمایا ہے اور امامت کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر تیسری جگہ فرماتا ہے۔

الٓمّٓ۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ وبالاٰخرۃ ھم یوقنون اولٰئک علٰی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون ۝

دیکھو اللہ نے انھیں مہتدین اور مفلحین ٹھیرایا ہے اور امامت کا ذکر نہیں کیا۔ اسکے علاوہ محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جسوقت لوگ مسلمان ہوتے تھے تو آپ نے ان کے ایمان کو امامت کی معرفت ہونے پر کبھی موقوف نہیں کیا نہ اسکی بابت حضور انور نے کبھی ان سے کچھ ذکر کیا حالانکہ ایمان کا جو بھی رکن ہو اسکو اہل ایمان کے لئے بیان کردینا رسول پر ضروری ہے تاکہ اس سے لوگوں کا ایمان کامل ہوجائے اور کسی قسم کا نقص نہ رہے۔ پس جب یقیناً معلوم ہوگیا کہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اسکو ایمان میں حضور انور نے شرط نہیں ٹھیرایا تو اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اب اسے شرط ٹھیرانا اہل بہتان کا قول ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ عموم نص میں داخل ہے یا ایسا امر ہے کہ اسکے بغیر واجب پورا نہیں ہوتا یا یہ کسی اور نص سے ثابت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہ سب باتیں صحیح ہوں تو ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ بھی دین کے فروعات میں داخل ہے نہ یہ کہ ایمان کے ارکان میں سے ہے کیونکہ ایمان کا رکن تو وہ ہے کہ اسکے بغیر ایمان حاصل ہی نہیں ہوتا جس طرح جب تک آدمی یہ گواہی نہ دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتا۔ پس اگر امامت ایمان کا رکن ہوتی تو واجب تھا اسے بھی حضور انور اسیطرح عام طور پر بیان کرتے کہ پھر کسی کا کچھ عذر نہ چل سکتا جیسا کہ حضور انور نے شہادتین کو فرشتوں اور آسمانی کتابوں کو پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان رکھنے کو بیان کیا تھا اور اب یہ کیسے رکن ہوسکتی ہے۔ حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جو لوگ فوج فوج آپ کے دین میں داخل ہوتے تھے ان میں سے کسی ایک کے ایمان میں بھی آپ نے امامت پر ایمان لانا شرط نہیں ٹھیرایا۔ نہ عام طور پر نہ خاص طور پر۔

جواب کی چھٹی صورت یہ ہے جیساکہ شیعی علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قول ہے کہ جو شخص مرجائے اور اسے اپنے زمانہ کے امام کی خبر نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔ فقط

اول تو ہم اپنے احباب سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ ان الفاظ سے اس حدیث کو کس نے نقل کیا ہے اسکی اسناد کہاں ہیں اور یہ کس طرح جایز ہے کہ حضور انور کی نقل سے اس طریقہ کے بیان کئے بغیر حجت کی جائے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضور انور نے ایسا فرمایا ہے۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ جب اہل علم کو اس حدیث کا نام معلوم نہ ہو۔ یہ حدیث ان لفظوں سے بالکل معروف نہیں ہے بلکہ معروف وہ ہے جو مسلم نے اپنی صحیح میں نافع سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب حرہ کا واقعہ ظہور میں آیا تو عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے۔ ابن مطیع نے انھیں دیکھتے ہی اپنے خادموں سے کہا کہ ابو عبدالرحمن کے لئے قالین بچھادو۔ آپ نے فرمایا قالین کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تمہارے پاس بیٹھنے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث بیان کرنے آیا ہوں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے۔

من خلع یدا من طاعة لقی الله یوم القیامة لا حجة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة

یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کچھ حجت نہ ہوگی اور جو شخص باغی ہو کے مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

یہ وہ حدیث ہے جو عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن مطیع بن اسود سے اسوقت بیان کی تھی کہ جب انھوں نے اپنے حاکم وقت یزید کی طاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ باوجودیکہ لوگ یزید کو ظالم بھی کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث بھی اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے جس پر باقی آیندہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان حاکموں پر خروج نہ کرنا چاہیئے اور ان کے خلاف ہرگز ہرگز تلوار نہ اٹھانا چاہیئے۔ اس پر اگر کوئی شخص حاکموں کا مطیع نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور یہ ہمارے احباب شیعوں کے قول کی سراسر ضد ہے کیونکہ ان سے مسلمان حاکموں کی مخالفت ہمیشہ سرزد ہوتی رہی ہے۔ کبھی فرماں برداری کرنے کا تو نام ہی نہیں لیا۔ ایسی غلط اور دور از کار روایتوں نے بدنصیب جہال کو سخت مغالطہ میں ڈال رکھا ہے۔ وہ لوگ جو ہم میں پڑھے لکھے مشہور ہیں ایسی دور از کار موضوع، مردود اور غلط روایت اپنی سند میں پیش کر دیتے ہیں۔ بدنصیبوں کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ ہم رسول مقبول پر اپنی نادانی سے بہتان اٹھاتے ہیں۔

ساتویں۔ بفرض محال ہم اسے تسلیم بھی کرلیں کہ یہ کلام حضور انور رسول خدا ہی کا ہے پھر بھی ہمارے احباب کے مفید مطلب اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ حضور انور نے یہ فرمایا ہے کہ وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا جس نے اپنے امام وقت کو نہیں پہچانا۔ ہمارے احباب نے تو شاید ہی اپنے امام وقت کو کبھی پہچانا ہو۔ قریب قریب ہر امام کو اتہام لگایا گیا کسیکو غاصب کسی کو بد دین بتایا گیا یہاں تک کہ ان پر طعن کرنا اصول دین قرار دیدیا گیا، ہمیشہ یہی دعوی رہا کہ ہم تو اپنا امام غائب منتظر محمد بن حسن کو مانتے ہیں جو ۲۶۰ھ ہجری میں سرداب سامرا میں چلا گیا تھا اور اسوقت اسکی عمر دو سال یا تین سال یا زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ برس کی تھی۔ نہ وہ معصوم بچہ وہاں سے واپس آیا نہ اسکی کچھ خبر کہ کہاں ہے کہاں چلا گیا ہمارے احباب کے خیال کے مطابق اب اسکی عمر ایک ہزار برس کی ہوگئی ہوگی۔ کس قدر ضعیف ہوگیا ہوگا سر کے سفید بالوں نے سارے جسم کو ڈہانک لیا ہوگا۔ ناخن اتنے بڑے بڑے ہوگئے ہونگے جو زمین پر ٹکے رہتے ہونگے۔ پوست استخواں کے سوا اور کچھ نہ رہا ہوگا۔ گردن ڈورا سی ہلتی ہوگی۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہوگی غرض ایسی حالت ہوئی ہوگی کہ اگر انسان دیکھ لے تو مارے خوف کے اسکے بدن میں لرزہ پیدا ہوجائے۔ بایں ہمہ نہ اس بیچارے کا کہیں پتہ ہے نہ کوئی اسکی خبر سنتا ہے غرض ہمارے احباب میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس معدوم امام کی ذات و صفات سے کچھ بھی واقف ہو۔ بلکہ ماننے والے خود ہی یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص جسے کسی نے نہیں دیکھا نہ اسکی کسی نے کچھ خبر سنی وہی ہمارے زمانہ کا امام ہے۔ پھر بھلا اس امام کی معرفت کیونکر ہوسکتی ہے۔

آپ خود ہی دل میں انصاف کریں کہ اس صفت دشمنا اور اس ماہیت میں اس سے امامت کا کیا خاک فائدہ کوئی اٹھا رہا ہے کیونکہ امام کی معرفت جس سے آدمی جہالت سے نکل جاتا ہے یہ ہے کہ اس سے طاعت اور جماعت حاصل ہو بخلاف اس طریقہ کے جسپر اہل جاہلیت تھے۔ کیونکہ ان کا کوئی امام ایسا نہ تھا جو ان میں تفرقہ نہونے دیتا۔ جب اللہ نے حضور انور کو بھیجا تو آپ نے انھیں طاعت کرنے اور جماعت میں بنے رہنے کی ہدایت کی مگر اس منتظر کی معرفت سے نہ طاعت حاصل ہوتی ہے اور نہ جماعت کا فائدہ ہوتا ہے بلکہ جو اسکی طرف منسوب ہیں وہ جاہلیت میں سب فرقوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔

نویں۔ حضور انور نے ان ائمہ کی طاعت کا حکم دیا ہے جو موجود اور معلوم ہیں جن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ لوگوں پر حکومت کرسکیں۔ برخلاف اسکے آپ نے معدوم اور مجہول کی طاعت کا کبھی حکم نہیں دیا نہ ایسے

شخص کی طاعت کا حکم دیا جس میں کسی قسم کی قدرت نہ ہو۔ چنانچہ حضور انور نے اجتماع اور ائتلاف کا حکم دیا ہے اور تفرقہ اور اختلاف سے منع فرمایا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ائمہ کی مطلقاً طاعت کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اللہ کی طاعت میں ان کی طاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی معصیت میں اطاعت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ جنکی طاعت کا حضور انور نے حکم دیا ہے وہ معصوم نہیں ہیں

صحیح مسلم میں عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے تمہارے بہترین ائمہ وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے لئے دعا کرو وہ تمہارے لئے دعا کریں اور تمہارے بدترین ائمہ وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں تم انپر لعنت بھیجو وہ تمپر لعنت بھیجیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسوقت ہم بیعت توڑ نہ دیں فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے سامنے نمازیں پڑھے جائیں۔ یاد رکھو جسپر کوئی حاکم مقرر کر دیا گیا اور پھر اس نے اس میں اللہ کی کوئی معصیت دیکھی تو یہ اس معصیت کو برا تو سمجھے۔ مگر اس کی فرمانبرداری سے دست کش نہ ہو۔

صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ آپ حضور انور سے روایت کرتے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا بنی اسرائیل میں یکے بعد دیگرے پیغمبر ہوتے تھے جب ایک پیغمبر کا انتقال ہوتا تھا تو دوسرا پیغمبر اسکا جانشین ہو جاتا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ہاں میرے بعد بہت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا پہلے خلیفہ کی بیعت پوری کرنا پھر جو اسکے بعد ہو علی ہذا الترتیب اور ان کے حقوق ادا کرتے رہنا۔ اللہ تعالےٰ ان سے اسکا حساب کتاب لیگا اور تم سے تمہارا۔

غرض یہ ہے کہ حضور نے خود ہی یہ بیان کر دیا کہ میرے بعد بہت سے خلیفہ ہونگے اور انکی یکے بعد دیگرے بیعت پوری کرنے اور ان کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ اب اگر شیعی علماء یہ فرمائیں کہ ہمارے اس کہنے سے کہ امامت دین میں اہم مطالب اور مسلمانوں کے لئے اشرف مسائل ہے وہ مطالب مراد ہیں۔ جن میں رسول اللہ کی وفات کے بعد امت کا نزاع ہوا ہے اور وہی مسئلہ امامت ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جو کچھ آپ صاحبوں نے ذکر کیا ہے وہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ ان لفظوں سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ امامت دین میں مطلقاً اہم مطالب اور مسلمانوں کے لئے مطلقاً اشرف مسائل ہے۔ اس سے یہ مراد لینا یا بالفاظ دیگر یہ مراد ہونے کی تقدیر پر

یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ حضور انور کے بعد جن مسائل میں مسلمانوں کا نزاع ہوا ہے وہ اس سے بدرجہا اشرف
واعلیٰ ہیں اور اگر اسکا اشرف ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس بارے میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یہ ابطل مذاہب
اور افسد مطالب ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ امامت میں نزاع فقط علی کی خلافت میں ظاہر ہوا ہے باقی خلفاء
ثلثہ کے عہد میں اسکا نام ونشان بھی نہ تھا۔ سوائے ایک یوم سقیفہ کے لیکن جبتک اس میں سب کا اتفاق
نہ ہو گیا وہ وہاں سے نہیں اٹھے۔ مگر یاد رکھو ایسا واقعہ نزاع نہیں شمار کیا جاتا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ
حضور انور کی وفات کے متصل ہی اس میں نزاع ہوا تھا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جو نزاع وفات کے متصل
ہو وہ اس نزاع سے سنگین ہو جو حضور انور کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد ہوا ہو تو جب اس طرح ہے تو
یہ صاف ظاہر ہے کہ توحید۔ صفات۔ اثبات۔ تنزیہ۔ قدر۔ تعدیل۔ تجویز۔ تحسین اور تقبیح کے مسائل امامت
کے مسائل سے یقیناً اشرف اور اہم ہیں علیٰ ہذا القیاس اسماء۔ احکام۔ وعدے۔ وعید۔ عفو۔ شفاعت اور
تخلید کے مسائل امامت کے مسائل سے بیشک اہم ہیں۔ اسیوجہ سے جو شخص اُصول دین میں کوئی تصنیف
کرتا ہے وہ امامت کے مسائل کو آخر میں ذکر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ امامیہ بھی توحید عدل اور نبوت کے مسائل کے
بعد امامت کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ساری امت کو اس امامت کے بغیر مقصود دینی ودنیاوی فوائد
پہنچ جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے امام زیر بحث کی بابت خود شیعی علماء اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کا امام
مفقود ہے اس سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ایک ہزار برس کے قریب ہو گئے ہیں اس عرصہ میں اسکی
امامت سے لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ نہ دین کا نہ دنیا کا بلکہ ہمارے احباب کا یہ بھی مقولہ ہے کہ ہمارے
شیعی دوستوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ دین کی اہم اور اشرف چیز سے یقیناً محروم ہیں ساتھ
ہی یہ توحید وعدل سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ وہ فائدہ ان کے آگے مفقود امامت سے ناقص
ہے۔ پس اس صورت سے یہ عذاب کے مستحق ہونگے کیونکہ یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مفقود امامت فروع
شرعیہ میں سے ہے باقی اصول عقلیہ میں امام کی حاجت نہیں ہے اور یہی اہم اشرف ہے۔ ان کا بیان ہے کہ
معدوم امام اپنے باپ کے انتقال کے بعد سرداب میں گیا تھا اسوقت اسکی عمر دو یا تین یا پانچ سال کی
تھی۔ اتنی عمر کا لڑکا نص قرآن سے یتیم ہے اسکے بالغ ہونے تک اسکے مال کی حفاظت کرنی واجب ہے
اور اسکے قرابت داروں میں جو اسکی پرورش کرنے کا مستحق ہو وہ اس کی پرورش کرے اور جب وہ سات برس
کا ہو جائے تو اس سے وضو کرائے اور نماز پڑھوائے اور جو نہ وضو کرے اور نہ نماز پڑھے اور اپنے دلی کی

پرورش میں ہو اگرچہ وہ موجود آنکھوں سے نظر آتا ہو لیکن اسے اہل ایمان کا امام ہونا جائز نہیں ہے پھر بھلا معدوم یا اسقدر عرصۂ دراز کا مفقود کس طرح امام ہو سکتا ہے۔ حالانکہ جب کسی عورت کا ولی مفقود الخبر ہو جائے تو حاکم یا دوسرا موجود ولی اسکا نکاح کر دیتے ہیں تاکہ اس ولی کے مفقود ہونے سے اس عورت کی مصلحت فوت نہ ہو تو پھر اس مفقود الخبر امام کی وجہ سے امامت کی مصلحت اتنی مدت تک کیونکر فوت ہو سکتی ہے۔

خداوند تعالیٰ کے افعال اور نبوّت و امامت

شیعی علمار اپنے مذہب کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل حکیم ہے وہ قبیح فعل نہیں کرتا نہ واجب کو چھوڑتا ہے اسکے تمام افعال کسی غرض صحیح اور حکمت سے واقع ہوتے رہتے ہیں وہ نہ ظلم کرتا ہے نہ عبث فعل کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے وہ ان کے حق میں وہی کرتا ہے جو ان کے لئے بہت ہی فائدہ مند ہو۔ اس نے بندوں کو جبراً مکلف نہیں کیا بلکہ ان کے اختیار سے کیا ہے اپنے انبیا اور پیغمبروں کی زبانی انھیں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور عذاب کی وعید فرمائی۔ وہ انبیار اور پیغمبر ایسے معصوم ہیں کہ ان سے بھول۔ خطا اور معاصی ہونی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر انکے اقوال و افعال پر اعتماد نہیں ہو سکتا جس سے بعثت کے فائدہ کی نفی ہوئی جاتی ہے۔ پھر اللہ نے رسول کی وفات کے بعد ہی۔ رسالت کے ساتھ امامت مقرر کر دی۔ اولیاء معصومین منصوصین کو قایم کیا تاکہ لوگ ان کی غلطی اور سہو و خطار سے مطمئن رہیں اور ان کے اوامر کی پیروی کریں جس سے دنیا خدا کے لطف و کرم سے خالی نہ رہے۔

(پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کے بھیجا تو آپ نے ثقل رسالت کو قایم کیا اور اسپر نص کر دی کہ میرے بعد علی بن ابو طالب خلیفہ ہے۔ علی کے بعد ان کا بیٹا حسن زکی اس کے بعد حسین شہید۔ پھر علی بن حسین زین العابدین پھر محمد بن علی باقر پھر جعفر بن محمد صادق پھر محمد بن موسیٰ کاظم۔ علی بن موسیٰ رضا۔ محمد بن علی جواد۔ علی بن محمد ہادی۔ حسن علی عسکری پھر خلف حجت محمد بن حسن مہدی۔

(پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات امامت کی وصیت کئے بغیر نہیں ہوئی مگر اہل سنت والجماعت ان سب باتوں کے مخالف ہیں وہ اللہ کے افعال میں علم و حکمت کو ثابت نہیں کرتے

اور قبیح کا کرنا۔ واجب میں خلل ڈالنا اسپر جایز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند تعالی اکسی غرض اور کسی حکمت کے لئے کوئی فعل نہیں کرتا۔ وہ ظلم وعبث کرتا ہے۔ فقط ایسا ہی فعل نہیں کرتا جو بندوں کے حق میں بہتری ہو بلکہ ایسا بھی کرتا ہے جو حقیقت میں فساد ہو کیونکہ کل معاصی اور قسم قسم کے کفر وظلم اور فساد کی وہ کل قسمیں جو جہان میں واقع ہیں سب اللہ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

(پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں اسنی یہ بھی کہتے ہیں مطیع ثواب کا مستحق نہیں ہوتا نہ عاصی عقاب کا بلکہ کبھی اللہ ایسے شخص کو بھی عذاب دیدیتا ہے جو ساری عمر اس کی اطاعت اور اوامر کے پیروی کرنے میں کوشش کرتا رہا ہو جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ایسے عاصی کو ثواب عطا کرتا ہے جو اپنی ساری عمر قسم قسم کے معاصی اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا رہا ہو جیسے ابلیس و فرعون۔ سنی یہ بھی کہتے ہیں انبیاء معصوم نہیں بلکہ بعض اوقات ان سے بھی بھول چوک۔ فسق اور لغزشیں صادر ہو جاتی ہیں۔

سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی امام پر نص نہیں کی اور بلا وصیت گئے آپ انتقال کر گئے۔ اور کہتے ہیں رسول اللہ کے بعد ابو بکر بن ابی قحافہ امام ہے اسوجہ سے کہ عمر بن خطاب نے چار آدمیوں کے راضی ہو جانے پر اس سے بیعت کر لی تھی اور وہ چار یہ ہیں۔ ابو عبیدہ بن جراح۔ سالم مولے ابو حذیفہ۔ اسید بن حضیر۔ بشر بن سعد بن عبادہ۔ پھر ابو بکر کے بعد عمر بن خطاب کو امام کہتے ہیں محض اسوجہ سے کہ ابو بکر نے اسپر نص کر دی تھی۔ پھر عثمان بن عفان کو کیونکہ عمر نے امامت کے لئے چھ آدمی منتخب کئے تھے منجملہ ان کے ایک عثمان بھی تھے اور بعض نے عثمان ہی کو اختیار کر لیا تھا۔ پھر علی بن ابو طالب کو اس وجہ سے کہ ساری خلقت نے ان سے بیعت کر لی تھی (بقول شیعی علماء) اسکے بعد ان میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں علی کے بعد حسن امام ہیں بعض کہتے ہیں معاویہ بن ابو سفیان پھر سنیوں نے امامت کو بنی امیہ میں پہنچا دیا۔ مگر جب بنی عباس کی خونریزی ظاہر ہوئی تو اسوقت امامت اسکے حوالہ کر دی۔ پھر یہی امامت اسکے بھائی منصور کی طرف منتقل ہوئی اسکے بعد بنی عباس میں معتصم کی طرف منتقل ہوئی فقط

جواب

ہمارے شیعی علماء نے گویا سنی عقاید کی نقل اپنا خلاصہ کیا ہے۔ مگر بہت سا حصہ تو نرا افترا پردازیوں کا ہے۔ اور بہت سے حصہ میں تحریف کر دی گئی ہے جس کا بیان آپ عنقریب دیکھیں گے۔ پہلے ہم قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل کو اس

باب میں داخل کرنا جانبین پر اتہام ہے اس لئے کہ اہل سنت اور شیعہ کے بہت سے فرقے ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے قائل ہیں۔ چنانچہ شیعہ کے بہت سے فرقے قدر کو مانتے اور تعدیل و تجویز کے مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ابوبکر و عمر و عثمان کی خلافت کا اقرار کرتے ہیں ان میں بہت سے فرقے اس مذکور تعدیل و تجویز کے قایل ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس قول کے اصل معتزلہ ہی ہیں اور شیوخ رافضہ مثلاً مفید۔ موسوی۔ طوسی اور کراجکی وغیرہ نے بھی یہ قول معتزلہ ہی سے اخذ کیا ہے ورنہ متقدمین شیعہ کے کلام میں اس میں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔ اگرچہ اس بارے میں جو کچھ ہمارے مہربان شیعہ علمانے بیان کیا ہے اسے امامیہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اسے مسئلہ امامت میں ذکر کرنا بمنزلہ ان اختلافی مسائل کے ہے جن میں بعض مسلمانوں نے بھی موافقت کی ہے جیسے عذاب قبر، منکر نکیر، حوض کوثر، میزان عمل۔ شفاعت اور اہل کبائر کے دوزخ سے نجات پانے وغیرہ کے مسائل ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مسائل قدر کو مسائل امامت میں داخل کرنا یا تو جہل ہے یا تجاہل ہے۔

دوسرے یہ کہ شیعی علمانے جو کچھ سنیوں کی طرف سے نقل کیا ہے اسے پورے طور سے نقل نہیں کیا۔ کیونکہ امامیہ کے جس قول کی حکایت کی گئی ہے اسکا تتمہ ہے کہ حیوان کے افعال میں سے اللہ تعالیٰ نے کچھ پیدا نہیں کیا نہ فرشتوں کو نہ انبیاء کو نہ اور کسی کو بلکہ یہ سب حوادث ہیں جو بغیر اسکی قدرت اور خلق کے پیدا ہو جاتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی گمراہ کو ہدایت کرنے اور کسی ہدایت یافتہ کو گمراہ کرنے کی اللہ تعالیٰ میں قدرت نہیں ہے اور نہ مخلوق میں سے کسیکو اسکی ضرورت ہے کہ اللہ اُسے ہدایت کرے بلکہ اللہ اسے بیان ہدایت کی ہدایت کر دیتا ہے باقی ہدایت کے حاصل ہونے میں اسکی اعانت کی ضرورت نہیں وہ خود بخود حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح گمراہی کو سمجھ لو۔ پھر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت مومنین اور کفار کے لئے برابر ہے دین کے اعتبار سے مسلمانوں پر اسکا احسان اس سے زیادہ نہیں ہے جو کافروں پر ہے بلکہ اس نے جیسے علی بن ابوطالب کو ہدایت کی تھی ویسی ہی ابوجہل کو بھی کی تھی۔ خداوند تعالیٰ بمنزلہ باپ کے ہے جسکے کئی بیٹے ہیں اور سب بیٹوں کو یکساں چاہتا اور یکساں دیتا ہے۔

تیسری وجہ۔ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے معصومین اولیاء مقرر کردیے ہیں تاکہ دنیا اسکی مہربانی اور رحمت سے خالی نہ رہے۔ فقط

ہم دریافت کرتے ہیں اولیاء کے مقرر کرنے سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں پر حکومت کرنے کی قدرت وطاقت عطا کر دی ہے تاکہ ان کی حکومت سے لوگ فائدہ اٹھائیں تو یہ صریح جھوٹ ہے رافضی اس کے ہرگز قایل نہیں ہے بلکہ وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارے ائمہ مقہورین۔ مظلومین اور عاجز تھے نہ ان کی حکومت تھی نہ ان میں کسی قسم کی قدرت وطاقت تھی اور وہ خود بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلطنت اور ولایت عطا نہیں کی۔ جیسا کہ اس نے مومنین یا صالحین یا کفار و فجار کو عطا کی تھی۔ علاوہ اس کے اللہ نے بعض انبیاء کو بھی سلطنت عطا کی تھی جیسا کہ ارشاد باری ہوتا ہے۔

وقتل داؤد جالوت وآتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء پھر فرمایا۔

ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکا عظیما پھر فرمایا وقال الملک ائتونی بہ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی سلطنت نہیں دی کہ جیسی انبیاء اور صالحین کو دی گئی تھی۔ یا ان کے سوا اور بادشاہوں کو دی گئی تھی۔ اس سے یہ قول صاف باطل ہو گیا کہ ان معصوموں کو اللہ تعالیٰ نے اس طریق پر مقرر کیا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ انھیں مقرر کرنے سے یہ مراد ہے کہ خلقت پر ان کی طاعت کرنی اللہ نے واجب کر دی ہے پس جب لوگ ان کی طاعت کریں گے تو وہ ہدایت پر ہو جائیں گے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ فقط اتنی سی بات سے نہ تو عالم میں مہربانی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ رحمت بلکہ اس سے لوگوں کو ان کی تکذیب اور معصیت حاصل ہوتی ہے۔

اسکے علاوہ جو لوگ اس منتظر پر ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا نہ انھیں کبھی رحمت نصیب ہوتی ہے اور نہ کوئی اور مصلحت باوجودیکہ وہ اس سے محبت رکھتے اور موالات کرتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ اس امام کے ذریعہ سے نہ لطف حاصل ہوتا ہے نہ مصلحت نہ ایسے شخص کو جو اسکی امامت کا اقرار کرتا ہے نہ اسے جو اسکا انکار کرتا ہے۔ پس اب یہ قول یا خیال یا عقیدہ یقینا باطل ہو گیا کہ اس معصوم کے سبب سے عالم میں لطف و رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور بالبدیہ معلوم ہو گیا کہ عالم میں اس منتظر سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا نہ انھیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں نہ انھیں جو اسکا انکار کرتے ہیں بخلاف رسول اور اسکے نبی کے جسے اللہ نے مبعوث فرمایا ہو اور قوم نے اسکی تکذیب کر دی ہو۔ کیونکہ اس سے ان لوگوں کا بڑا فائدہ

ہوتا ہے۔ جو اسپر ایمان لائے ہوں اور اسکی اطاعت کی ہو ایسے مطیع مومن کے حق میں وہ رحمت ہوتا ہے اور رہا نافرمان تو وہ حد سے بڑھنے والا ہوتا ہے۔ اس نیک نہاد منتظر سے نہ کبھی مومن کو فائدہ ہوا نہ کافر کو۔ اسکے سوا باقی اثنی عشر ائمہ میں ایک ایک سے ویسا ہی فائدہ ہوا جیسے اسکے امثال اہل علم اور اہل دین سے ہوا ہے یعنی حدیث کی تعلیم اور فتوے دینا وغیرہ۔ باقی وہ منفعت جو ذی حکومت ائمہ سے مطلوب ہوتی ہے ان میں کسی سے بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہو گیا کہ ان ائمہ کی بابت جو لطف و مصلحت کا شیعی علما نے ذکر کیا ہے۔ یہ محض تلبیس اور کذب محض ہے۔

چوتھی وجہ۔ شیعی علما جو یہ فرماتے ہیں کہ سنیوں نے عدل و حکمت کو قائم نہیں رکھا اور اللہ پر قبیح کا کرنا اور واجب میں خلل ڈالنا جائز کر دیا ہے۔ یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے اسکی دو وجہ ہیں۔ اول یہ کہ اکثر اہل سنت والجماعت جو خلافت میں علی پر نص ہونے کے قایل نہیں ہیں۔ اور نہ اثنی عشر کی امامت کے قایل ہیں وہ اس مذکورہ عدل و حکمت کو اسی طریق پر ثابت کرتے ہیں جیسا کہ شیعی علما اور ان کے شیوخ نے کہا ہے غرض کہ ان تمام اہل سنت سے جو انکی اصطلاح میں ہیں یا سوائے شیعہ کے عام لوگوں کی اصطلاح میں ہیں اس قول کو نقل کرنا یقینا جھوٹ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ تمام اہل سنت والجماعت جو قدر کا اقرار کرتے ہیں ان میں کوئی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ عادل نہیں ہے نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ حکیم نہیں ہے نہ ان میں کسی کا یہ قول ہے کہ اللہ امر واجب کو چھوڑ دے اور قبیح کو کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا کہ اسپر باتفاق جمیع مسلمانوں کے وہ کافر شمار ہو ہاں یہ تقدیر کا مسئلہ ہے اور اس میں مسلمانوں میں نزاع چلا آتا ہے۔ باقی جو قدر کے منکر ہیں مثلاً معتزلہ وغیرہ ان کا قول وہی ہے جو متاخرین امامیہ کا مذہب ہے اور جو قدر کو مانتے ہیں وہ جمہور امت اور اسکے ائمہ ہیں۔ مثلاً صحابہ۔ تابعین اور اہلبیت وغیرہ۔ سوان کا اللہ کے عدل۔ اسکی حکمت اور اسکے ظلم کی تفسیر میں بے شک اختلاف ہے جس سے اللہ کو منزہ سمجھنا واجب ہے علیٰ ہذا القیاس اسکے افعال و احکام وغیرہ کی علت بیان کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ اللہ سے ظلم ہونا ممتنع بلکہ غیر مقدور اور لذاتہ محال ہے جیسا نقیضین کو جمع کرنا محال ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ممکن مقدور کسی طرح بھی ظلم نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مطیعین کو عذاب دے اور عاصیوں پر احسان کرے تو یہ ظلم نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ظلم دوسرے کی چیز میں تصرف کرنے

یا کسی کے حکم کی مخالفت کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالے چونکہ ہر چیز کا مالک ہے اسلئے اسکا کوئی حکم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ قول ان متکلمین کا ہے جو قدر کو مانتے ہیں اور ان کا بھی جو ائمہ فقہاء اربعہ میں سے ان کے موافق ہیں یہی قول ہے۔ ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ ظلم ممتنع نہیں ہے بلکہ مقدور ممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے انصاف کی وجہ سے اسے نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی مدح کی ہے کہ میں آدمیوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا۔ رہی مدح وہ ایسی چیز کے ترک کرنے سے ہوتی ہے جو مقدور میں ہو نہ کہ ایسی چیز کے ترک کرنے پر جو مقدور سے باہر اور ممتنع ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا یخاف ظلما ولا ھضما۔

وہ کہتے ہیں ظلم سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کے گناہ کسی کے ذمہ رکھدیئے جائیں اور ہضم سے یہ مقصود ہے کہ کسی کی نیکیاں بھسم کر لی جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما ظلمناھم ولکن ظلموا انفسھم۔

اس سے یہ بیان کر دیا کہ جب اللہ لوگوں کو ہلاک کرتا ہے تو ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کے گناہوں کے سبب سے انھیں ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔

"ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا"، یعنی لوگوں کی نیکیوں میں کسی طرح کی کمی نہ کی جائے گی اور نہ بغیر گناہوں کے انھیں عذاب دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ظلم سے اللہ منزہ ہے۔ اس میں شک بھی نہیں کہ اللہ نے اپنی ذات کو ایسی چیز سے منزہ کیا ہے جس پر وہ قادر ہے نہ ایسی چیز جو ممتنع لذاتہ ہے۔ قرآن مجید ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے انصاف چاہتا ہے ان میں انصاف ہی سے فیصلہ کرے گا۔ ان میں بغیر انصاف کے فیصلہ کرنا ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے۔ وہ ایک کا گناہ دوسرے کے ذمہ نہ رکھے گا۔

صحیح میں حضور انور سے ثابت ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا" یعنی اے میرے بندوں میں نے ظلم کرنا اپنے پر حرام کر لیا ہے اور اسے تم میں بھی حرام قرار دیتا ہوں پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو فقط

غرض یہ ہے کہ خداوند پاک نے اپنے اوپر ظلم کرنا حرام کر لیا ہے جیسا کہ رحمت اسکے مقابلہ میں اپنے اوپر فرض کر لی ہے چنانچہ فرمایا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق

کا فیصلہ کریگا تو عرش پر اسکے پاس ایک کتاب رکھی ہوگی جس میں یہ لکھا ہوگا ان رحمتی غلبت علی غضبی"
یعنی میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

جس امر کو اللہ نے اپنے اوپر فرض کرلیا یا حرام کرلیا تو وہی ہوتا ہے جو اسکے مقدور میں ہو ورنہ جو خود ہی ممتنع ہے اسے نہ کوئی اپنے اوپر فرض کرتا ہے نہ حرام۔ یہ قول اکثر اہل سنت۔ اہلحدیث۔ تفسیر، فقہ کلام اور اہل تصوف میں سے ان لوگوں کا ہے جو قضا و قدر کو مانتے اور ائمہ اربعہ وغیرہ کی پیروی کرنے والوں میں سے ہیں، پس یہ لوگ جو اللہ کے انصاف اور احسان کے قایل ہیں یہ قدریہ کے ان لوگوں سے کم ہیں جو کہتے ہیں جب کسی نے کبیرہ گناہ کرلیا تو اسکا ایمان بالکل نیست و نابود ہوگیا مگر یہ تو اللہ کی طرف سے ایک قسم کا ظلم ہے جس سے اللہ نے اپنے کو منزہ کیا ہے اور خود فرمایا ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ"

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مسلمانوں پر اللہ کا یہ احسان کرنا کہ انھیں ہدایت کردی اور کفار کو نہ کی اسکا ظلم ہے یہ قول سراسر جہالت پر مبنی ہے اور اسکی دو وجہیں ہیں اول تو اسوجہ سے کہ یہ اللہ کا فضل ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صادقین"

یعنی بلکہ اللہ تمپر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان لانے کی ہدایت کردی اگر تم سچے ہو۔ پھر انبیا کا قول دیکھو۔

ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ"

یعنی بیشک ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ لیکن اللہ تعالے نے اپنے بندوں میں سے جسپر چاہتا ہے احسان کردیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک شخص کو ایمان کے ساتھ مخصوص کرلینا بعینہ ایسا ہے جیسا کسی کو علم، قدرت صحت اور مال وغیرہ زیادہ دینے کے ساتھ مخصوص کرلیا جاتا ہے اور جب ایک شخص کسی ایسی قوت اور طبیعت کے ساتھ مخصوص کرلیا گیا جو غذاء صالح کو مقتضی ہے تو وہ غذا اپنی مناسب اور عافیت پیدا کرے گی۔ اگر دوسرے شخص کو یہ چیزیں عطا نہیں ہوئیں تو اس میں نقص رہ کے نقاہت اور ضعف ہوجائیگا یہ ہم پہلے کئی مرتبہ بتا چکے ہیں کہ ظلم کے معنی ایک چیز کو بے موقع رکھدینے کے ہیں اللہ تعالیٰ تو عذاب کو اسی موقع پر رکھتا ہے جو اسکا مستحق ہو۔ وہ پاک پروردگار محسن کو کبھی عذاب نہیں کرتا۔ اس سے یہ بات معین ہوگئی کہ اللہ تعالے انصاف اور احسان کرتا ہے اسکا فعل ان دونوں وصفوں سے کبھی خارج نہیں ہوتا۔ اسیوجہ سے

علما نے کہا ہے کہ اللہ کی ہر نعمت اسکا فضل ہے اور ہر نقمت اسکا انصاف ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا انما ھی اعمالکم احصیہا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ تعالیٰ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ۔

یعنی اے میرے بندو میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اسے تم میں بھی حرام کر دیا ہے لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ کیونکہ تمھیں تمہارے افعال ہی سے تکلیف پہنچتی ہے جنہیں میں تمہارے لئے احتیاط سے رکھ کے پھر تمھیں ان کا پورا پورا بدلہ دیتا ہوں پس اگر کسیکو راحت پہنچے تو اسے اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور اگر اسکے خلاف ہو تو اسے اپنے ہی کو ملامت کرنی چاہیئے۔ پھر شیعی علما کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ تعالےٰ کے لئے قبیح فعل کا کرنا اور واجب کو نہ کرنا جایز کر دیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اللہ تعالےٰ قبیح فعل کرتا ہے اور واجب کو ترک کرتا ہے ہاں معتزلہ وغیرہ اور وہ شیعہ جو ان کے موافق ہیں اور قضا و قدر کا انکار کرتے ہیں وہ بیشک اللہ پر وہی امور واجب کرتے ہیں جو بندوں پر واجب کرتے ہیں اور وہی امور اسپر حرام کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ اللہ کو اسکی مخلوق پر قیاس کر کے اسکے لئے ایک شریعت گھڑتے ہیں۔ مگر وہ اہلسنت اور شیعہ جو قضا و قدر کو مانتے ہیں۔ وہ سب اسپر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اسکے افعال میں مخلوق پر ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اسکی ذات و صفات میں مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسکی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ اسکی ذات میں نہ اسکی صفات میں نہ اسکے افعال میں۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو حکم ہم میں سے کسی پر واجب ہو ویسا ہی اللہ تعالیٰ پر بھی واجب ہو نہ یہ کہ جو چیز ہمپر حرام ہو ویسی اللہ پر بھی حرام ہو نہ یہ کہ جو فعل ہمارے لئے قبیح ہو وہی اللہ عز و جل کے لئے بھی قبیح ہو نہ یہ کہ جو اللہ کے لئے اچھا ہو وہی ہمارے لئے بھی اچھا ہو۔ ہم میں کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب کر دیں یا اسپر کوئی چیز حرام کر دیں۔ پس یہ ان کے اس قول کی اصل ہے جسپر ان سب نے اتفاق کر لیا ہے۔ علاوہ اسکے ان کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب اللہ نے اپنے بندوں سے کسی چیز کا وعدہ کر لیا ہے تو اس وعدہ کا پورا ہونا بحکم اس وعدہ کے واجب ہے کیونکہ اللہ اپنی خبر میں یقیناً سچا ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ان کا اسپر بھی اتفاق ہے کہ اس نے اپنے نبیوں اور نیک بندوں پر عذاب نہیں کریگا بلکہ انہیں جنت میں داخل کریگا کہ اسکا وعدہ کیا ہے لیکن دو مسئلوں میں انکا نزاع ہے اول یہ کہ کیا بندے اپنی عقلوں کے ذریعہ سے یہ بیان کر سکتے ہیں کہ ان افعال میں سے یہ افعال اچھے ہیں اور اللہ تعالے اس فعل کے ساتھ

متصف ہے یا یہ کہ انمیں بعض افعال برے ہیں اور اللہ تعالےٰ اس سے منزہ ہے۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فعل کا حسن و قبح یعنی اچھا برا ہونا عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا نہ اللہ کے حق میں نہ بندوں کے حق میں۔ اللہ کے حق میں نہ معلوم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے قبیح فعل سرزد ہونا لذاتہ ممتنع ہے۔ باقی بندوں کے حق میں نہ معلوم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ حسن و قبح بغیر شرع کے ثابت نہیں ہوسکتا یہ قول اشعری۔ اسکے اتباع امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے اکثر فقہار کا ہی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اکثر افعال کا حسن و قبح اللہ کے حق میں اور بندوں کے حق میں عقل سے معلوم ہوجاتا ہے۔ یہ قول باوجودیکہ معتزلہ کا ہے لیکن یہی قول کرامیہ اور ان کے سوا اکثر فرقوں کا ہے اور یہی جمہور حنفیہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد کے اکثر شاگردوں میں سے ابوالحسن تمیمی اور ابوالخطاب کلوازی کا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعی کے شاگردوں میں سے ابوعلی بن ابوہریرہ اور ابوبکر قفال وغیرہ کا ہے اور یہی قول اکثر ائمہ اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے پہلے قول کو اہل بدعت کے اقوال میں سے شمار کیا ہے جیساکہ ابونصر سنجری نے اپنے مشہور رسالہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی مسئلہ میں ایک تیسرا قول ہے جو امام رازی نے اپنی آخری تصنیفات میں اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حسن و قبح بندوں کے حق میں عقلی ہے یعنی عقل سے معلوم ہوجاتا ہے مگر اللہ کے حق میں عقلی نہیں ہے

دوسرا مسئلہ۔ اس میں علمار کا اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کرسکتے ہیں کہ اس نے اپنے اوپر کوئی چیز واجب یا حرام کرلی ہے۔ یا واجب ہونے سے فقط یہ مراد ہے کہ اسکے ظہور میں آنے یا نہ آنے کی اس نے خبر دیدی ہے اور اسکی خبر کا پورا ہونا ضروری ہے۔

ایک گروہ کا یہ دوسرا قول ہے کہ نہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے نہ کوئی شئے حرام ہے۔ دوسرے گروہ کا یہ قول ہے کہ نہیں اللہ نے اپنے اوپر خود واجب اور حرام کرلی ہے چنانچہ قرآن و حدیث اسکے شاہد ہیں اللہ فرماتا ہے "کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ" اور فرمایا "وکان حقا علینا نصر المومنین" اب رہی یہ بات کہ اللہ پر واجب اور حرام بندے کرتے ہیں یہ کل اہلسنت والجماعت کے نزدیک ممتنع ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے یا حرام کرلیا ہے تو یہ وجوب اور تحریم آیا سماعت ہی سے معلوم ہوتا ہے یا عقل سے بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ اس میں اہلسنت کے دو قول ہیں

اور جب یہ سب اقوال اہلسنت کے لئے بلکہ ان میں سے ہر ایک مذہب والے کے لئے بھی مشہور ہیں مثلاً ائمہ میں سے امام احمد وغیرہ کے لئے تو اب اہلسنت میں سے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ نہ اسپر کوئی چیز حرام ہے تو اس کے نزدیک اللہ کا واجب میں مخل ہونا اور قبیح فعل کا مرتکب ہونا بالکل ممتنع ہے۔ اور جو یہ کہے کہ اسنے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے یا حرام کر لیا ہے۔ تو ان سب کا اسپر اتفاق ہے کہ اس نے اپنے اوپر جو کچھ لکھ لیا ہے۔ اسمیں کمی نہیں کرتا اسیوجہ سے وہ اس فعل کو نہیں کرتا جو اس نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اہلسنت والجماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اللہ پر واجب میں کمی کرتا ہے یا قبیح فعل اسپر تھوپتا ہے۔ لیکن ہمارے شیعی علمانے اپنے ہمخیالوں کی طرز اختیار کر لی ہے اور زبردستی اہلسنت والجماعت کے سر چپکتے ہیں کہ وہ اللہ پر واجب میں کمی اور فعل قبیح کہنے کو جایز رکھتے ہیں اور ان کی یہ حکایت ان دو فرقوں میں سے ایک کو الزام دینے کے طریق پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے لہذا وہ ہر چیز میں کمی کر سکتا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کوئی فعل قبیح نہیں ہوا کرتا۔ یعنی جو فعل بندوں کے نزدیک قبیح ہو یا بندوں کے افعال میں سے جسکا کرنا قبیح ہو اسکا اللہ کو کرنا ان کے نزدیک جایز ہے۔

اسکے علاوہ اہلسنت والجماعت قضا و قدر پر اور اسپر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور یہ کہ ہدایت اسکے فضل سے ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے قدریہ کہتے ہیں اللہ پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر بندہ کے ساتھ وہ کرے جسے وہ واجب خیال کرتے ہوں اور اس کی ضد اسپر حرام ہے۔ غرضکہ یہ اللہ پر بہت سی چیزیں واجب کرتے ہیں اور بہت سی حرام کرتے ہیں۔ حالانکہ اسنے اپنے اوپر انھیں واجب نہیں کیا۔ نہ ان کا واجب ہونا شرع و عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر جو کوئی انھیں اللہ پر واجب نہ کہے اسکے ذمہ قدریہ یہ چسپاں کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ امر واجب کو پورا نہیں کرتا اور یہ دراصل نقل مذہب میں تلبیس بلکہ تحریف ہے۔ ان قدریہ کے قول کی اصل یہ ہے کہ یہ افعال میں اللہ کو مخلوق کے مشابہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تمثیل یقیناً باطل ہے۔

باقی شیعی علما کا یہ کہنا کہ سنی یہ کہتے ہیں اللہ تعالےٰ کسی غرض کے لئے کوئی فعل نہیں کرتا بلکہ اسکے کل افعال بغیر کسی غرض اور بلا کسی حکمت کے صادر ہوتے ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کے افعال واحکام کو کسی علت اور حکمت سے کہنے میں اہل سنت والجماعت کے دو قول مشہور ہیں۔ اسکے علاوہ مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب میں نزاع ہے۔ فقہ وغیرہ میں گفتگو ہونے کے وقت ان میں اکثر تعلیل ہی کے قایل ہوتے ہیں۔ ہاں اصول میں بعض تعلیل کی تصریح کرتے ہیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ کی امامت کے قایل ہیں باقی فقہا وغیرہ کے نزدیک اس لفظ سے ایک طرح کا نقصان ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نقصان ظلم ہو یا احتیاج۔ کیونکہ اکثر آدمی جب یہ کہتے ہیں کہ اس میں فلاں شخص کی کوئی غرض ہے یا اس نے یہ کام اپنی کسی غرض کے لیئے کیا ہے تو اس سے ان کی یہ مراد ہوتی ہے کہ اس نے یہ کام اپنی خواہش کے لئے کیا ہے اور اسکا مقصود اچھا نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ اس سے منزہ ہے وہ اپنی خواہش اور غرض کے لئے کوئی کام نہیں کرتا پس اہل سنت والجماعت نے اسکو حکمت۔ رحمت اور ارادہ وغیرہ کے ایسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ جو نص سے ثابت ہو چکے ہیں۔ ہاں قضا وقدر کے ماننے والوں میں سے بھی ایک فرقہ معتزلہ کے لوگ اسے غرض کے لفظ سے تعبیر کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہر فعل کسی غرض کے لئے کرتا ہے جیسا کہ منتسبین الی السنتہ میں کے ایک فرقہ کے کلام میں ایسا پایا جاتا ہے۔

باقی شیعی علما کا سنیوں کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور عبث کام کرتا ہے ان پر سخت بہتان باندھنا ہے۔ اہل اسلام میں ایسا کوئی نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اللہ ظلم اور عبث کام کرتا ہے جو اسکی طرف سے ظلم ہو یا عبث ہو وہ پاک پروردگار اس سے یقیناً ارفع واعلیٰ ہے۔ بلکہ اہلسنت اور شیعہ میں سے جو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے بندوں کے افعال بھی اسی نے پیدا کیئے ہیں کیونکہ یہ افعال بھی منجملہ اشیاء کے ہیں۔ مخلوقات میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض لوگوں کے لئے مضر ہیں علے ہذا القیاس بعض افعال ایسے ہیں جو اپنے فاعل یعنی کرنے والے کی طرف سے ظلم ہوتے ہیں اگرچہ اپنے خالق کی طرف سے ظلم نہیں ہوتے۔ مثلاً خداوند تعالےٰ نے بندہ کے ایک فعل یعنی روزہ (صوم) کو پیدا کیا اس پیدا کرنے سے وہ خود روزہ دار نہیں ہوا اور جب اس نے بندہ کے اس فعل کو پیدا کیا جو حج ہے تو وہ خود طائف نہیں ہوا۔ اور جب اس نے بندہ کے اس فعل کو پیدا کیا جو رکوع وسجود ہے تو وہ خود راکع اور ساجد نہیں ہوا اور جب اس نے بندہ کی بھوک پیاس کو پیدا کیا تو اس سے وہ خود بھوکا پیاسا نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے کسی محل میں کوئی صفت

یا کوئی فعل پیدا کر دیا تو اسکے ساتھ وہ خود متصف نہیں ہوتا۔

اب اس بحث کو دوسرے رنگ میں دیکھئے۔ جہمیہ، معتزلہ اور شیعہ اکابر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام اور کوئی نہیں ہے۔ سوائے اسکے جو اس سے منفصل ہے۔ ان کے نزدیک نہ اللہ کے ساتھ کوئی فعل قایم ہوتا ہے نہ قول انھوں نے اللہ کے اس کلام کو جو اس نے فرشتوں یا اپنے اور بندوں سے لیا ہے جو اس نے موسےٰ اور مریم سے کیا تھا اور جو اس نے اپنے نبیوں پر نازل کیا ہے وہ ان ہی کا کلام ٹھیرایا ہے یعنی ان ہی کی ذات میں پیدا کر دیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب ایک صفت ایک محل کے ساتھ قایم ہو جاتی ہے تو اس صفت کا حکم اس محل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً جب اللہ نے ایک محل میں حرکت پیدا کر دی تو اب اس حرکت کسے متحرک یہ محل ہی ہوگا اس کا خالق اس سے متحرک نہیں ہو سکتا اسیطرح جب اس نے کسی محل میں کوئی رنگ یا خوشبو یا علم یا قدرت پیدا کر دی تو اب اس رنگ سے رنگین اور اس خوشبو سے خوشبودار۔ اس علم سے عالم اور اس قدرت سے قادر یہی محل ہوگا جس میں یہ چاروں چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ اسی طرح اللہ نے کسی محل میں کلام پیدا کر دیا تو اس کلام سے متکلم یہی محل ہوگا اور یہ کلام اسی محل ہی کا کلام ہوگا نہ کہ اپنے خالق کا پس وہ کلام جو موسےٰ نے سنا تھا اگر مخلوق تھا تو اس درخت ہی کا کلام تھا نہ کہ اللہ کا۔ یہاں معتزلہ اور ان کے متبعین شیعہ نے افعال سے حجت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب ایسے عدل و احسان سے عادل اور محسن ہے جو دوسرے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں تو اسی طرح وہ ایسے کلام سے متکلم بھی ہے جو دوسرے کے ساتھ قایم ہے۔ یہ اشعری وغیرہ میں سے ان لوگوں پر حجت ہے جن کے نزدیک کوئی ایسا فعل نہیں ہی جو اسکے ساتھ قایم ہو بلکہ وہ کہتے ہیں کہ خلق ہی مخلوق ہے۔ یہ قول امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے بہت سے شاگردوں کا ہے۔ قاضی ابو یعلی کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ لیکن جمہور یہ کہتے ہیں خلق اور چیز ہے اور مخلوق اور شئے ہے۔ یہی مذہب حنفیہ کا ہے جس کو بعضوں نے اہلسنت والجماعت کی طرف سے نقل کیا ہے اور اسی کو ابو بکر کلاباذی نے کتاب التعرف لمذہب التصوف میں صوفیہ سے نقل کیا ہے۔ چونکہ یہ قول اشعری وغیرہ کا ہے اور وہ معہ اہلسنت کے اسکے قایل ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے تو اسپر یہ کہنا لازم آتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ ہی کے افعال ہیں۔ کیونکہ اشعری کے

نزدیک اللہ کا فعل اور مفعول ایک ہی ہے حالانکہ مشہور قول میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وہ بندوں کے افعال ہیں اگر کہا بھی ہے تو بطور مجاز کے ایسا کہا ہے۔ بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ وہ بندوں کا کسب ہے باقی اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بندوں کے افعال حقیقت میں ان ہی کا فعل ہے ایک قول اشعری کا بھی یہی ہے اور وہ جمہور جو خلق و مخلوق میں فرق ہونے کے قایل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال اللہ کی مخلوق و مفعول ہیں۔ نفس فعل نہیں ہیں نہ یہ کہ افعال اسکی وہ خلق ہیں جو اسکی صفت کے ساتھ قائم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان خرافات سے اہلسنت والجماعت کے عقاید بالکل پاک ہیں۔ ہاں مثبتہ میں سے ایک فرقہ یعنی اشعری وغیرہ پر ان سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر شیعی علمار کا اہلسنت کی طرف سے یہ کہنا کہ اللہ ظلم اور عبث کرتا ہے اگر انھوں نے واقعی اس سے ظلم اور عبث ہونا مراد لیا ہے تو یہ یقینا بہتان ہے اور اگر انھوں نے الزام کے طور پر کہا ہے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ظلم ہے۔ ان کے ہاں ظلم کی تفسیر میں اختلاف ہے جسپر ہم مشرح گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں۔ اور اگر شیعی علمار نے اس سے بندہ سے ظلم و عبث ہونا مراد لیا ہے تو اسکو اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جمہور علمار یہ نہیں کہتے کہ یہ ظلم و عبث اللہ کا فعل ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ فعل تو بندہ ہی کا ہے مگر پیدا کیا ہوا اللہ کا ہے جیسا کہ بندہ کی قدرت۔ سماعت اور بصارت اللہ کی مخلوق ہیں مگر یہ قوتیں اللہ کی نہیں شمار ہو سکتیں۔

باقی اہلسنت والجماعت کی بابت شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ان کے عقیدہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالے وہ فعل نہیں کرتا جس میں اسکے بندوں کی بہتری ہو بلکہ وہ کرتا ہے جس میں ان کا نقصان ہو مثلاً معاصی اور طرح طرح کے فساد کی وہ تمام قسمیں جو جہان میں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ سب اسی کی طرف مستند ہیں تعالی اللہ عن ذلک فقط

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات اگرچہ متکلمین اہل اثبات میں سے ایک گروہ نے کہی ہے لیکن یہی قول متکلمین شیعہ میں سے بھی ایک گروہ کا ہے۔ مگر ائمہ اہلسنت اور ان کے جمہور یہ نہیں کہتے جو شیعی علمار نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار ہے اسکی ملک اسکی خلق اور اسکی قدرت سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی۔ اسی میں تمام حیوانوں کے افعال بھی داخل ہیں

وہ فرشتوں مومنین اور بندوں کی تمام حرکات کا خالق ہے مگر قدریہ اسکی ملکیت سے اعلیٰ درجہ کی چیزوں کو خارج کرتے ہیں اور وہ اعلیٰ درجہ کی چیزیں انبیاء، فرشتوں اور مومنین کی طاعت ہے وہ کہتے ہیں کہ انھیں اللہ نے پیدا نہیں کیا نہ وہ بندوں سے انہیں استعمال کرا سکتا ہے نہ بندے کو اسکا الہام کرتا ہے نہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ جو انھیں ادا نہ کرے اس سے کرا دے اور اس طاعت کا اسے فاعل بنا دے حالانکہ خلیل نے یہ دعا کی تھی۔

"ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک"

یہاں خلیل نے اللہ سے یہ دعا کی ہے کہ مجھے اور میری اولاد میں سے ایک بہت بڑی جماعت مسلمان کر دے یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اللہ دوسرے کو ایک شئے کا فاعل بنا دیتا ہے۔ پھر فرمایا۔

"رب اجعلنی مقیم الصلوة ومن ذریتی" یہاں خداوند تعالےٰ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو نمازی کر دے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ بندے کو نمازی کر دیتا ہے اسکے علاوہ بدن کی کھالوں اور جوارح کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جنسے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ وہ فعل نہیں کرتا جمیں بندوں کی بھلائی ہو یا وہ بندوں کی مصلحتوں کی رعایت نہیں کرتا اسمیں علماء کا اختلاف ہے قضاؤ قدر کے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کا یہ مذہب بھی ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے پیدا کرنے اور حکم دینے کا محض مشیت سے تعلق ہوتا ہے کسی مصلحت وغیرہ پر موقوف نہیں ہوتا یہی قول جہمیہ کا ہے مگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اللہ بندوں کو وہی حکم دیتا ہے جسمیں انکی بھلائی ہو اور اسی چیز سے منع کرتا ہے جسمیں انکا نقصان ہو، مامور کے کرنے میں کرنے والے کے لئے عام مصلحت ہے علیٰ ہذا القیاس پیغمبروں کو بھیجنا بھی عام مصلحت کے لئے ہے اگرچہ اسمیں بعض لوگوں کو انکی نافرمانی کرنے کے باعث ضرر بھی پہنچتا ہے کیونکہ جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے خداوند تعالےٰ کے عرش پر یہ لکھا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ یہ اس معبود برحق کی فطرت ہے کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ مطیع یعنی اللہ کی طاعت کرنے والا ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ عاصی عذاب کا مستحق ہوتا ہے بلکہ کبھی اللہ ایسے مطیع کو عذاب دیدیتا ہے جسنے اپنی ساری عمر اسکے اوامر کی پیروی کرنے میں بے انتہا کوشش کی ہو جیسے انبیاء ہوتے ہیں کبھی وہ ایسے عاصی کو ثواب عطا کرتا ہے

جس نے اپنی ساری عمر قسم قسم کے گناہ کئے ہوں جیسے ابلیس اور فرعون ہے اسے یاد رکھنے کہ شیعی علمار کا یہ کہنا اہل سنت والجماعت پر نرا اتہام ہے ان میں یہ کوئی نہیں کہتا کہ اللہ نبی کو یا مطیع کو عذاب دے گا نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ ابلیس اور فرعون کو ثواب عطا کرے گا بلکہ وہ عاصی کو بھی اسکی معصیت پر ثواب عطا نہیں کرنے کا ہاں مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ مومنین میں سے وہ کسی گنہگار کا قصور معاف کردے اور کبیرہ گناہ والوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دیدے اور اہل توحید میں سے کیسکو دوزخ میں نہ رہنے دے دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نجات عطا کر دے جنکے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو خود امامیہ بھی اس بارے میں اہل سنت کے موافق ہیں اب رہا استحقاق کا مسئلہ بیشک سنی علمار کا قول ہے کہ بندہ خود ہی اللہ سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ بندے کے یہ لایق ہے کہ وہ خود ہی یا کسی کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کے ذمے کوئی چیز واجب کردے اہل سنت صاف کہتے ہیں کہ مطیعین کو ثواب عطار ہونا ضروری ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا ہے اور وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتا ہم یقینا جانتے ہیں کہ ثواب کا وقوع اسوجہ سے ہوگا کہ اسنے اسکا ہم سے وعدہ کرلیا ہے باقی اسکو اللہ پر واجب ٹھیرانا اور عقل کے ذریعہ اس سے واقف ہونا اس بارے میں سنیوں میں تزاع ہے اسپر ہم پہلے بحث کرچکے ہیں پس شیعی علمار کا یہ کہنا کہ سنیوں کا عقیدہ ہے کہ مطیع ثواب ملنے کا مستحق نہیں ہوتا اگر ان کا اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ خود اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں کردیتا تو بے شک اہل سنت ایسا ہی کہتے ہیں اور اگر شیعی علمار کا یہ مطلب ہے کہ مطیع ثواب کا حقدار نہیں ہوتا تو یہ محض غلط ہے اور اگر انکا یہ مقصود ہے کہ اللہ نے اسکو اپنے وعدے کی وجہ سے پیدا نہیں کیا۔ تو یہ بھی اہل سنت پر اتہام ہے اور اگر شیعی علمار مطیع کو اللہ کے ثواب نہ دینے کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اسے اللہ نے اپنے اوپر واجب اور فرض نہیں کرلیا تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اسکا بیان بھی ہم پہلے کرچکے ہیں اب رہا خداوند تعالے کا وعدہ کہ اللہ نے ثواب کا وعدہ کرلیا ہے یا ثواب عطا کرنا اپنے اوپر واجب کرلیا ہے اسکا خلاف ہونا یقینا ممتنع ہے اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ جسے چاہے گا عذاب دیگا تو اسے منع کرنے والا کوئی نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

"وقل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا"

یعنی اے نبی ان سے کہدو اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح اور ان کی ماں بلکہ تمام ان لوگوں کو جو زمین میں ہیں

ہلاک کرنا چاہے تو اللہ سے کون کچھ اختیار رکھتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت خداوند تعالےٰ کسی چیز کا ارادہ کرے یا اسے کر گزرے کس کی مجال ہے کہ وہ ہوں ناں کر سکے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے عمل کے سبب سے جنت میں نہ جائیگا صحابہ نے عرض کیا اور آپ یا رسول اللہ فرمایا نہ میں ہاں اگر اللہ اپنی رحمت اور فضل میں مجھے چھپا لے ایک اور حدیث میں ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے اگر اللہ آسمانوں اور زمین کے سب باشندوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ عذاب دے سکتا ہے اور یہ اسکی طرف سے انپر ظلم نہ ہوگا اور اگر وہ انپر رحم کرے تو اسکی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہے۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ سنی انبیار کو معصوم نہیں سمجھتے تو یہ ان سے علی الاطلاق نقل کرنا یقیناً باطل ہے کیونکہ وہ سب اسپر متفق ہیں کہ انبیار ان امور میں معصوم ہوتے ہیں. جنکی وہ اللہ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور یہی رسالت کا مقصود ہے کیونکہ رسول وہی ہے جو اللہ کی طرف سے اسکے امر و نہی وغیرہ کی تبلیغ کرے اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ رسالت کی تبلیغ میں انبیار ایسے معصوم ہوتے ہیں کہ اس بارے میں انکا خطار پر عملدر آمد ہونا جائز ہی نہیں ہے۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا سنیوں کے عقیدے کے مطابق کبھی ان سے خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اہل سنت سب اسپر متفق ہیں کہ انبیار دینی خطا پر کبھی قائم نہیں رہ سکتے نہ فسق پر نہ جھوٹ پر اصل یہ ہے کہ وہ کل امور جنسے انبیار کی نبوت میں اور اللہ کی طرف سے ان کے تبلیغ کرنے میں خرابی آتی ہے ان کی بابت سب اہل سنت والجماعت کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ اس سے منزہ ہیں عام جمہور جو ان سے صغیرہ گناہ ہونے جائز رکھتے ہیں ان کا بھی یہ قول ہے کہ ان پر عملدر آمد کرنے سے انبیار بے شک معصوم ہیں ان سے ایسا گناہ سرزد نہیں ہوتا جس سے انہیں ضرر ہو جیسا کہ ایک اثر میں آیا ہے کہ داؤد نے خطا کرنے کے بعد جب توبہ کی تو وہ بہ نسبت پہلے کے یعنی قبل از خطا کرنے کے بہت اچھے تھے خداوند تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے بہت محبت رکھتا ہے یہ بھی آیا ہے کہ بندہ بعض گناہ ایسے کرتا ہے کہ اگر اس نے توبہ کر لی تو خداوند تعالےٰ اسے بخشدیتا ہے یہ بات بھی سمجھنی ہے کہ نماز میں سہو و نسیان انبیار سے بھی ہوتا ہے اور اس سہو و نسیان کی غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے

ایک جدید تعلیم کا باب کھل جائے چنانچہ موطا امام مالک میں مروی ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسلئے بھوتا یا بھلایا جاتا ہوں کہ لوگ میرا اقتدا کیا کریں اور فرمایا کہ میں بھی تم جیسا ایک بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں اور جب میں بھولوں تم مجھے یاد دلادیا کرو یہ روایت صحیحین میں ہے مگر ہمارے دوست ایک حد تک نصارٰی کی مشابہت کرنے کا زیادہ مذاق رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ نے سب کو پیغمبروں کے حکم کی پیروی کرنے اور ان کی خبروں کی تصدیق کرنے کا حکم دیا تھا اور ساری مخلوق کو غلو کرنے اور اللہ کا شریک ٹھیرانے سے منع فرمایا تھا نصاری نے اللہ کے دین کو بدلکر مسیح میں یہانتک غلو کیا کہ انہیں اللہ کا شریک ٹھیرادیا ان کے دین کو بدل ڈالا ان کی نافرمانی کی جسکی وجہ سے وہ نافرمان ہوگئے آخر یہاں تک بڑھے کہ دین کی دونوں اصلوں سے خارج ہوگئے اور وہ دونوں اصلیں اللہ کی وحدانیت اور پیغمبروں کی رسالت کا اقرار کرنا ہے اس غلو میں اخیر وہ تثلیث تک جا پہنچے اور پیغمبروں کی طاعت و تصدیق سے یہانتک خارج ہوئے کہ جب پیغمبر نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کو کہا تو اسکی صاف تکذیب کردی ایسے ہی ہمارے احباب نے پیغمبروں میں بلکہ ائمہ میں یہانتک غلو کیا کہ انہیں اللہ کے برابر کردیا اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی اس عبادت کو چھوڑدیا جسکی پیغمبروں نے انہیں ہدایت کی تھی ان کی مساجد سے ان تمام باتوں کا تم مشاہدہ کرسکتے ہو بہ نسبت مقبروں کے ان کی مسجدیں ویران ہیں ان کا رجحان بالکل مقبروں کی طرف ہے وہاں وہ حجروں میں بیٹھتے ہیں ان کا حج کرنے کے لئے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے ہیں بعض ان میں خانہ کعبہ کے حج سے وہاں کا طواف افضل سمجھتے ہیں بلکہ ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے جو ان مشاہد کا حج کرکے اس حج کی ضرورت سمجھتے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور اپنی اس روش کو خدا کی عبادت سے بدرجہا افضل سمجھتے ہیں. حالانکہ صحاح میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا کہ ان یہود و نصاری پر اللہ لعنت کرتا ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت خانہ بنایا تھا. آپ کو اسکا اسقدر خیال تھا کہ اپنے وصال سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنایا تھا دیکھو تم قبروں کو کبھی مساجد نہ بنانا میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں (یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے) ایک اور روایت میں ہے حضور انور نے یہ دعا کی تھی خداوندا میری قبر پر بت پرستی نہ کی جائے. ان لوگوں پر اللہ کا عتاب ہوتا ہے جو اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنالیتے ہیں (یہ حدیث امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے).

شیعوں کے شیخ ابن النعمان نے جو ان میں مفید کے نام سے مشہور ہے اور یہی موسوی اور طوسی کا

استاد ہے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام اس نے مناسک الشاہد رکھا ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے۔ کہ مخلوق کی قبروں کا ایسا ہی حج کیا جائے جیسے کعبہ بیت الحرام کا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیت الحرام کعبہ ہی کو ٹھیرایا ہے اور وہی سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیئے بنایا گیا ہے لہذا اسکے سوا نہ اور کسیکا طواف کیا جائے نہ اور کسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑہی جائے۔ نہ کسی مقام کا حج کیا جاسکے۔ یہ دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان مشاہد وغیرہ کا حکم نہیں دیا اور نہ انبیاء اور صالحین پر عبادت کرنا اپنی امت کے لئے جائز قرار دیا۔ یہ طریقہ ان مشرکین کے دین کا ہے جنکی بابت اللہ نے یہ فرمایا ہے۔

"وقالوا لا تذرن آلھتکم ولا تذرن ودّا ولا سوٰعا ولا یغوث ویعوق ونسرا"

ابن عباس وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ودّ اور سواع وغیرہ نوح کی قوم میں نیک آدمی تھے جب یہ مر گئے تو لوگ ان کی قبروں پر بیٹھ گئے۔ جب اسے ایک زمانہ گذر گیا تو ان کی شکلوں کے بت بنا کے ان کی پرستش کرنے لگے تھے۔

حضور انور رسول خدا سے ثابت ہے آپ نے فرمایا نہ قبروں پر بیٹھا کرو نہ ان کی طرف مونہ کرکے نماز پڑہا کرو پھر صحیح مسلم وغیرہ میں ابو الہیاج اسدی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب نے فرمایا تھا کیا میں تمھیں اسی کام پر نہ بھیجوں جسپر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا وہ یہ کہ جو قبریں اونچی دیکھوں اسے ضرور زمین کے ہموار کر دوں اور جو تصویر دیکھوں اسے فوراً مٹا دوں، پس آپ نے تصویروں کو مٹانے اور قبروں کو زمین کے برابر ہموار کرنے میں برابر رکھا ہے۔ اسوجہ سے کہ دونوں شرک کا ذریعہ ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ ام المومنین ام سلمہ اور ام حبیبہ نے حضور انور سے ایک گرجہ کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اسکی تصاویر اور نقاشی کی بہت تعریف کی تھی حضور نے فرمایا جن لوگوں کا یہ گرجا ہے جب ان میں کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے تو یہ اسکی قبر پر مسجد بنا کے اسکی تصویر بنا لیتے ہیں۔ دیکھو یاد رکھنا قیامت کے دن اللہ کے ہاں یہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہوں گے فقط

یہ وہ موقع ہے کہ یہ دونوں بی بیاں حضور انور کے مرض الموت میں حبشہ سے آئی تھیں۔ اسوقت شدت مرض بہت تھی۔ یہ دونوں بی بیاں آپ کے پاس بیٹھ گئیں چونکہ ایک نئے شہر سے آئی تھیں انھوں نے اس ملک کے عجائبات بیان کئے منجملہ اسکے گرجوں۔ قبروں اور خانقاہوں کی بھی تعریف کی حضور انور کو سخت ناگوار

گزرا آپ نے تنبیہاً کچھ فرما کے کہا دوات قلم لاؤ۔ تاکہ میں تمہیں وہ لکھدوں کہ تم گمراہ نہ ہو۔ فاروق اعظم۔ علی بن ابو طالب سمجھ گئے کہ حضور انور گور پرستی کی مذمت کرنا اور اس سے اپنی امت کو روکنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ساری باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ایسے شدت مرض میں آپ کو ایک لمبی چوڑی تحریر کی تکلیف دینی غیر ضروری ہے۔ آپ کو فقط قبروں کی تعریف سن کے غصہ آیا تھا لہذا فاروق اعظم کا یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن مجید بس ہے اور علی کا خاموشی سے تائید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اور کسی بات کے لئے آپ نے دوات قلم نہیں منگوایا تھا۔

خداوند تعالےٰ نے اپنی کتاب میں مساجد کی تعمیر کا تو بیشک حکم دیا ہے مگر مشاہد کا کہیں کچھ ذکر نہیں کیا یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے۔ ہمارے احباب کو مساجد کی مطلق پروا نہیں ہاں مشاہد پر ان کی تمام قوت اور توجہ صرف ہو جاتی ہے یہ تو علانیہ مومنین کی مخالفت اور دوسرے فریق کی مشابہت ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "واقیموا وجوھکم عند کل مسجد" خیال کرو کہ عند کل مشہد نہیں فرمایا۔ اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ماکان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ شاھدین علیٰ انفسھم بالکفر ط اولٰئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خالدون ہ انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسٰی اولٰئک ان یکونوا من المھتدین ہ

یہاں بھی اللہ نے مشاہد اللہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ مشاہد بنانے والے غیر اللہ سے ڈرتے اور غیر اللہ ہی سے امیدیں رکھتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا، یہاں بھی "وان المشاھد للہ" نہیں فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں مساجد کا ذکر اور ان کی تعریف ہے مگر مشاہد کا کہیں کچھ ذکر نہیں ہے۔ اسکے علاوہ نقل متواتر اور دین اسلام سے بالاضطرار یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ نے اپنی امت کے لئے فقط مسجدوں کا بنانا مشروع کیا ہے کہ ان میں پانچوں وقت کی۔ جمعہ کی اور عیدین کی نمازیں پڑھی جائیں۔ آپ نے اپنی امت کے لئے کسی کی قبر پر سہرا یا مشہد بنانا ہرگز ہرگز مشروع نہیں کیا۔ خواہ نبی کی قبر ہو یا کسی نیک آدمی کی۔ اہلبیت میں سے ہو یا اور کسی خاندان میں سے۔ اسلام میں حضور انور کے زمانہ میں کوئی مشہد ایسا نہ تھا جو کسی نبی وغیرہ کی قبر پر بنا ہوا ہو نہ ابراہیم کی قبر پر نہ اور کسی کی قبر پر۔ جب مسلمان کئی مرتبہ شام گئے جن میں عمر بن خطاب۔ عثمان بن عفان۔ علی بن ابو طالب وغیرہ بھی تھے تو ان میں ایک صحابی بھی ابراہیم خلیل کی قبر پر نہیں گیا حالانکہ وہاں کوئی مشہد

نہیں تھا صرف ایک غار پر ایک گول حضیرہ بنا ہوا تھا جسکا حضور انور کے حجرے کی طرح کوئی دروازہ نہ تھا۔ یہ حضیرہ بنی امیہ اور بنو عباس کی خلافت میں جوں کا توں بنا رہا یہانتک کہ پانچویں صدی کے اخیر میں اہل شہروں کے نصاریٰ مالک بن گئے اور انھوں نے اسے گرجا بنالیا اور اس میں دروازہ بھی پھوڑ لیا۔ مگر جب یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو کسی نے اس عمارت کو مسجد میں منتقل کر دیا۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جب کیسکو کسی قبر پر مسجد بناتا دیکھتے تھے تو اسے منع کر دیتے تھے مثلاً جب تستر میں دانیال پیغمبر کی قبر ظاہر ہوئی تو ابو موسےٰ اشعری نے فاروق اعظم کو لکھا کہ اب اس پیغمبر کی قبر کیسی بنوائی جائے آپ نے جواب دیا کہ دن کو تیرہ قبریں کھدواؤ۔ اور شب کو کسی ایک قبر میں دانیال کو دفن کردو تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ دانیال کس قبر میں مدفون ہے اسلئے کہ لوگ اس قبر سے فتنہ میں پڑنے سے بچ جائیں گے۔

فاروق اعظم جب دیکھتے کہ مسلمان باری باری سے ایک خاص جگہ اسلئے نماز پڑھتے ہیں کہ اس جگہ حضور انور نے نماز پڑھی تھی تو آپ اس سے بھی مسلمانوں کو منع فرمادیا کرتے تھے اور کہتے تھے تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کے آثار کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے دیکھو جسے جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز پڑھ لیا کرے۔ غرض خدا پرستی قایم کرنے کا یہ زبردست خیال تھا جو یہ صحابہ قائم کرتے تھے۔ اس میں خدا و رسول کی پوری پیروی تھی۔ ہمارے مذہب کا دارومدار دو باتوں پر زیادہ تر مبنی ہے ایک یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں دوسرے یہ کہ ہم جائز طریقہ سے عبادت کریں۔ بدعت نہ کریں۔

اب رہی بزرگوں کی تعظیم جس طرح حضرت مسیح کے حواری پجنے لگے اور نصاریٰ انھیں ابراہیم موسےٰ وغیرہ انبیاء اور مرسلین سے بہتر سمجھنے لگے اور کہنے لگے حواری بھی رسول ہیں اللہ نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی ہے اسی طرح ہمارے احباب بھی ائمہ اثنیٰ عشر کو سابقین اولین من المہاجرین والانصار سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے غالیہ تو یہانتک بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ اثنیٰ عشر کو انبیاء سے بھی افضل سمجھتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان کے معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ نصارےٰ مسیح کی بابت عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ان کا قول ہے کہ دین احبار اور رہبان کے سپرد کر دیا گیا ہے جس چیز کو وہ حلال کہیں حلال ہے اور جسے حرام کردیں حرام ہے اور دین وہی ہے جو انھوں نے ایجاد کیا ہے اسیطرح ہمارے شیعی احباب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ دین ائمہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ حلال کہیں حلال ہے اور جس چیز کو حرام

بنا دیں وہ حرام ہے غرض اصل دین وہی ہے جو ان ائمہ نے ایجاد کیا ہے۔

اب رہے غالی شیعہ مثلاً وہ اسماعیلیہ جو حاکم اور غیر ائمہ کے خدا ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد بن اسمٰعیل محمد بن عبد اللہ کی شریعت کا ناسخ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کو غور سے دیکھیے اور اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہمارے احباب کی ہو بہو مشابہت کن سے ہوتی ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ شیعوں پر کیا معترض ہے شرک و بدعت وغیرہ سنیوں میں بھی موجود ہے کیونکہ اکثر سنی اپنے مشائخ میں غلو کرتے۔ انھیں شریک ٹھیراتے۔ غیر مشروعہ عبادتیں ایجاد کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سے ایسے شخص کی قبر پر قصداً جاتے ہیں جسپر انھیں حسن ظن ہو یا تو اس لئے کہ اس سے اپنی حاجتیں مانگیں یا اس لئے کہ اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ یا اس خیال سے کہ اسکی قبر کے پاس والی مسجد میں اگر دعا کی جائے گی تو جلدی مقبول ہوگی۔ بعض سنی ایسے بھی ہیں کہ اپنے شیوخ کی قبروں کی زیارت کرنے کو حج بیت اللہ پر شرف دیتے ہیں یا اس سے افضل سمجھتے ہیں۔ بعض سنی قبروں پر روتے ہوئے اور زاری کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں حالانکہ یہ رقت مساجد میں نہیں ہوتی۔

اکثر سنی مثل شیعوں کے ایسے قصے نقل کرتے ہیں جو عجائب و غرائب سے پر ہوتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اگر کوئی کسی پتھر پر حسن ظن کرے تو اللہ اسی کے ذریعہ سے اُسے فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ یا مثلاً جب زیادہ پریشانیاں تمھیں گھیر لیں تو اصحاب قبور کا اقتدا کیا کرو۔ اور یہ کہ فلاں قبر پر تریاق مجرب ہے اسی طرح اپنے بعض شیوخ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے اپنے مریدوں سے کہا تھا جب تمھاری کوئی حاجت ہو ہماری قبر پر آیا کرو۔ اور ہم سے فریاد کیا کرو۔ غرض یہ ہے کہ سنی اپنے مشائخ کے مرنے کے بعد بھی ان سے ایسا برتاؤ رکھتے ہیں جیسا ان کی زندگی میں ان سے رکھتے تھے پس اسی قسم کے افعال نصاریٰ اپنے شیوخ سے اور عرب۔ ہند۔ ترک وغیرہ کے بت پرست اپنے اپنے شیوخ سے کرتے ہیں لہذا ان میں اور سنیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب

یہ کل باتیں بیشک ایسی ہیں کہ ان سے اللہ نے اور اللہ کے رسول نے منع کر دیا ہے اور جس سے اللہ نے اور اللہ کے رسول نے منع کر دیا ہو وہ یقیناً مذموم اور منہی عنہ ہے۔ خواہ اسکا کرنے والا سنی ہو۔

یا شیعہ۔ مگر یہاں وہ مذمومہ امور جو قرآن و حدیث دونوں کے مخالف ہیں وہ شیعوں میں سنیوں سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ دونوں کی خوبیاں اور برائیاں اگر وزن کی جائیں گی تو بڑا فرق نکلے گا۔ اسی طرح خداوند تعالےٰ نے اہل کتاب کی خوبیاں اور برائیاں مسلمانوں کی خوبیوں اور برائیوں سے وزن کرکے دکھائی ہیں تو اس ضمن میں مسلمانوں کی خوبیاں زیادہ اکثر ہیں اور برائیاں کم۔ اللہ سبحانہ تعالےٰ مشرکین اور اہل کتاب سے کفار کا مناظرہ برابر ذکر کرتا ہے جب یہ لوگ مسلمان کی کوئی برائی یا عیب ذکر کرتے ہیں تو اللہ اس سے مسلمانوں کو بری نہیں کرتا بلکہ یہ بیان کر دیتا ہے کہ کفار کے عیوب ان سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر" پھر فرمایا۔

وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل"

یعنی اے نبی تم سے یہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کی بابت دریافت کرتے ہیں تم کہدو اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اسے نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اسکے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے یا اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب تھا کہ ایک اسلامی لشکر نے میدان جنگ سے آکے یہ بیان کیا تھا کہ ابن حضری ہمارے ہاتھ سے رجب کے اخیر میں مارا گیا اسپر کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم شہر حرام میں بھی خونریزی کرنے سے نہیں چوکتے اسوقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی جگہ اسی طرح آیا ہے۔ یہ ساری باتیں اوپر والی بحث کے متعلق ہیں کہ اگر ایسی برائیاں سنیوں میں تسلیم کی جائیں تو ہمارے احباب میں ان سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حافظ ابو عبداللہ بن عبدالواحد مقدسی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اسکا نام النھی عن سب الاصحاب وما ورد فیہ من الذم والعقاب" رکھا ہے اس میں بہت سی حکایتیں اسی قسم کی ذکر کی ہیں جو اس بارے میں مشہور ہیں۔

حضور انور نے ابوبکر کی امامت پر نص نہیں کی

اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی امامت پر نص نہیں کی۔ اسکا جواب یہ ہے

کہ اہلسنت کے بہت سے فرقے اسپر متفق ہیں کہ ابوبکر صدیق کی امامت بے شک نص سے ثابت ہوتی ہے۔ امام احمد وغیرہ ائمہ کے مذہب میں اس مسئلہ میں نزاع مشہور ہے۔ قاضی ابویعلی وغیرہ نے امام موصوف سے دو روایتیں کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابوبکر کی امامت احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ محدثین۔ معتزلہ اور اشعریہ میں سے ایک بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے۔ قاضی ابویعلی وغیرہ نے بھی اسیکو اختیار کیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ امامت نص خفی اور اشارہ سے ثابت ہوتی ہے حسن بصری اور محدثین میں سے ایک جماعت کا اور بکر بن اخت عبدالواحد کا یہی قول ہے اسکے استاد ابوعبداللہ بن حامد کہتے ہیں کہ اہل بیت اور صحابہ میں سے فقط ابوبکر صدیق کا خلافت پر استحقاق قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔

اب اس میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے کہ خلافت باعتبار نص کے لی گئی ہے یا باعتبار استدلال کے ان میں سے ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ خلافت نص سے لی گئی ہے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسپر نص کر کے اپنے سامنے ہی اسکا قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ ابن حامد کہتے ہیں اسکے نص سے ثابت ہونے کی دلیل بہت سی حدیثیں ہیں منجملہ ان کے ایک گروہ ہے جو امام بخاری نے جبیر بن مطعم سے مسنداً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت حضور انور رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور انور نے اسے یہ حکم دیا کہ اب تم جاؤ پھر آنا۔ وہ بولی یہ تو فرمائیے اگر میں آئی اور آپ نہ ملے دگویا اسے حضور انور کی وفات ہو جانے کا خیال ہوا) آپ نے فرمایا اگر میں نہ ملوں تو ابوبکر کے پاس آنا۔ اسیطرح ابن حامد نے اور بہت سی حدیثیں اور سیاق ذکر کئے ہیں اور پھر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ابوبکر کی امامت پر نص صریح ہے۔

دوسری حدیث حذیفہ بن یمان کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر" یعنی میرے بعد ابوبکر و عمر ان دونوں کا اقتدا کرنا پھر امام بخاری نے ابوہریرہ سے مسنداً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوئیں پر کھڑا ہوں۔ اسپر ڈول پڑا ہوا ہے پہلے اس کوئیں سے جسقدر اللہ کو منظور تھا میں نے پانی کھینچا پھر مجھ سے وہ ڈول ابوبکر نے لے لیا اور انھوں نے ایک یا دو ڈول کھینچے لیکن ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی خدا ان کی کمزوری کو بخشد ے گا پھر وہ ڈول چرس بنگیا تو اسے

عمر بن الخطاب نے لے لیا اور اس طرح پانی کھینچ کر بینے ایسا قوی بہادر لوگوں میں اور کوئی نہیں دیکھا کہ جو عمر کی طرح کھینچتا ہو۔ یہانتک کہ لوگوں کے اونٹ پانی لے جانے سے تھک گئے فقط

ابن حامد کہتے ہیں کہ یہ امامت کے بارے میں نص ہے اور اسپر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ہم سے ابوبکر بن مالک نے بیان کی ہے۔ اور انھوں نے بالاسناد عبد الرحمن بن ابوبکرہ سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ تم میں کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے دیکھا ہے گویا ایک ترازو آسمان سے لٹکائی گئی ہے اس میں اول آپ ابوبکر سے تولے گئے تو آپ بھاری رہے پھر ابوبکر عمر سے تولے گئے تو ابوبکر بھاری رہے پھر عمر عثمان سے تولے گئے تو عثمان ہلکے رہے پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اسپر حضور انور نے فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے جو تمھیں ترازو کے پیرائے میں دکھائی گئی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بادشاہت دیدیتا ہے۔

ابوداؤد نے جابر انصاری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ نے فرمایا ایک صالح شخص نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ابوبکر رسول اللہ کے ساتھ باندھا گیا پھر عمر کو ابوبکر کے ساتھ پھر عثمان کو عمر کے ساتھ جابر کا قول ہے جب ہم رسول اللہ کے پاس سے چلے آئے تو ہم سب کا یہ قول تھا کہ وہ صالح شخص تو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے بند۔ ھنا یہ ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے اس کام کے والی ہوں گے جو اللہ نے اپنے نبی کو دیکے بھیجا ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث صالح بن کیسان کی ہے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں جس روز رسول اللہ کو تکلیف شروع ہوئی تو آپ میرے ہاں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ تم اپنے باپ اور بھائی کو یہاں بلالو تاکہ میں ابوبکر کے لئے ایک تحریر لکھ دوں پھر خود ہی فرمایا بس کچھ ضرورت نہیں اللہ اور مسلمان خود ہی ابوبکر کو مقرر کردیں گے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کام میں کوئی طامع طمع نہ کرے گا۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے

ابو داؤد طیالسی نے ابن ابی ملیکہ سے انھوں نے عایشہ صدیقہ سے اس طرح روایت کی ہے. آپ فرماتی ہیں جب رسول اللہ کی بیماری زیادہ بڑھ گئی تو حضور انور نے (عایشہ صدیقہ کہتی ہیں) مجھ سے فرمایا تم اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو یہاں بلوا لو تاکہ میں ابوبکر کے لئے ایک رقعہ لکھ دوں جسپر آیندہ کچھ جھگڑا نہو پھر فرمایا معاذ اللہ مسلمان کہیں ابوبکر کے بارے میں جھگڑا کر سکتے ہیں (ہرگز نہیں) فقط

ابن حامد نے اسی طرح نماز کی حدیث اور اسکے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں مگر ہم انھیں یہاں درج کرنا ضروری نہیں سمجھتے. اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ واقعات کی بنا پر ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا.

ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب الملل و النحل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ کے بعد امامت میں اختلاف ہوا تو ایک گروہ نے یہ کہا رسول اللہ نے کسیکو خلیفہ نہیں کیا مگر دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ جب نماز پر ابوبکر کو خلیفہ کردیا تھا تو یہی اس امر کی دلیل ہے کہ امامت سکے لئے اور نبوت کے خلیفہ ہونے کے لئے سب سے زیادہ لایق ابوبکر ہیں. بعض نے کہا نہیں ابوبکر چونکہ سب میں افضل ہیں لہذا ان ہی کو مقدم رکھو. پھر ایک گروہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ نے اپنے بعد ابوبکر کے خلیفہ بنانے میں نص جلی کردی تھی.

اسکے بعد ابو محمد لکھتے ہیں کہ چند براہین ہونے کے باعث ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ کی خلافت کے مستحق اور قابل ابوبکر ہی تھے ان میں سے ایک برہان تو کلام خدا کی ہے جسپر سب کا اتفاق ہے. چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے.

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله ط اولئك هم الصادقون"

یعنی ان مہاجر فقیروں کے لئے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دئے گئے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ کے دین کی اور اسکے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں.

پس جن لوگوں کے سچے ہونے کی اللہ نے گواہی دیدی ہے ان سب کا اور ان کے بھائی انصار کا اسپر اتفاق ہوگیا کہ خلیفہ رسول اللہ ابوبکر ہی کا نام رکھنا چاہیئے. لغت میں خلیفہ اُسے کہتے ہیں

جب کسی نے اپنا قایم مقام کیا ہو نہ کہ جو بغیر کسی کے قایم مقام کیے خودہی ہو گیا ہو یہ مسئلہ مسلمہ اور بلا خلاف ہے کہ لغت میں خلیفہ کے معنے اسکے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ اگر کوئی کسی کے بلا قایم مقام کیئے ہو جائے تو اسکا نام خالف ہے خلیفہ نہیں ہے۔ اور یہ بات محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ اس سے ابوبکر کا نماز پر خلیفہ ہونا مراد لیں اسکے محال ہونے کی صریح دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ نبی کی زندگی میں ابوبکر عام طور پر اس نام کے کبھی مستحق نہیں ہوئے اور اس وقت یعنی حضور انور کی وفات کے وقت وہ خلیفہ ہیں۔ اس سے یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی کہ ابوبکر کی وہ خلافت جس سے ان کا نام خلیفہ ہو گیا تھا وہ نماز کی خلافت نہیں تھی۔

دوسری برہان یہ ہے کہ جن لوگوں کو رسول اللہ نے اپنی زندگی میں خلیفہ کیا تھا مثلاً علی کو غزوۂ تبوک میں ابن ام مکتوم کو غزوۂ خندق میں۔ عثمان بن عفان کو غزوۂ ذات الرقاع میں انکے علاوہ اور بہت سے صحابی جنھیں حضور انور نے یمن۔ بحرین اور طائف وغیرہ کے شہروں میں خلیفہ کیا تھا ساری امت کا اسپر اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کبھیں رسول اللہ کا خلیفہ کہلانیکا مستحق نہیں ہوا۔ پس ایسی حمایت سے جس میں شک وشبہ ہو ہی نہیں سکتا یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی کہ اس سے وہی خلافت مراد ہے جو آپ کے بعد آپ کی امت پر ہوئی ہے اور یہ بات محالات سے ہے کہ سب صحابہ کا اسپر بغیر اسکے اجماع ہو گیا ہو کہ خود حضور انور نے انھیں خلیفہ نہ کیا ہو۔ اور اگر یہاں سوائے نماز کے خلیفہ کرنے کے اور کوئی وجہ خلافت کی نہ ہوتی تو مذکورین صحابہ کو چھوڑکے اکیلے ابوبکر کا یہ نام لیا جانا کبھی ٹھیک نہ ہوتا۔

اسکے علاوہ یہ روایت صحیح طور سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک عورت نے حضور انور سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ بتایئے اگر میں آئی اور آپ نہ ملے اسکا مطلب یہ تھا شاید اس عرصہ میں آپ کا وصال ہو جائے آپ نے فرمایا ابوبکر کے پاس آجانا دیہی حدیث ابھی اوپر بھی ذکر ہو چکی ہے ااس سے زیادہ ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر اور کونسی نص جلی ہو سکتی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور انور نے خلیفہ نہیں کیا انھوں نے اس روایت سے حجت کی ہے جو عبداللہ بن عمر سے منقول ہے وہ حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا اگر میں کسی کو خلیفہ کر دوں تو کر سکتا ہوں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی ابوبکر) انھوں نے خلیفہ کیا تھا۔

اور اگر میں نہ کروں تو اس میں بھی کوئی برائی نہیں اس لئے کہ انھوں نے خلیفہ نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ پھر دوسری حجت عایشہ صدیقہ کی روایت سے کی ہے آپ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر رسول اللہ خلیفہ بناتے تو کسے بناتے۔ بس اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے کسیکو خلیفہ نہیں کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان صحابہ کا اجماع جسکا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور وہ دونوں صحیح اثر جو بلفظ رسول اللہ تک مسند ہیں ان کا ایسے دو اثروں سے مقابلہ کرنا جو عمر اور عایشہ صدیقہ پر موقوف ہیں ایساہی کہ اس سے حجت ظاہرہ قایم نہیں ہوسکتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اثر حضرت عمر کو معلوم نہیں ہوا جیساکہ حضور انور کے بعض اور امور بھی انھیں معلوم نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً استیذان وغیرہ۔ عمر فاروق کا مقصود یہ تھا کہ ابوبکر کی خلافت کا کوئی عہدنامہ نہیں لکھا گیا تھا۔ اسکا ہم بھی اقرار کرتے ہیں کہ بیشک وہ خلافت عہدنامہ کے ذریعہ سے نہیں ہوئی تھی۔ باقی اس بارے میں عایشہ صدیقہ کی حدیث بھی ایسی ہی تھی دوسرے یہ کہ اگر کوئی حجت ہوسکتی ہے تو ان دونوں کی روایت سے ہوسکتی ہے نہ کہ ان کے قول سے۔

ابوبکر وغیرہ کی خلافت ثابت کرنے میں ہم کامیاب ہوچکے ہیں اور ہم نے اپنی کتاب کے گزشتہ صفحات میں مشاہدہ کے طور پر یہ بات ثابت کردی ہے کہ ابوبکر وغیرہ کی خلافت پر یقیناً نص جلی ہے۔ مگر یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس خلافت کے بارے میں علماء کیا کہتے ہیں یا اسپر کوئی نص جلی یا خفی ہے یا اس نص سے یہ خلافت ثابت ہوتی ہے یا حل و عقد کے باشندوں نے اسے اختیار کیا ہے۔ ہمارے بیان سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ بہت سے علماء سلف اور خلف میں سے اس میں نص جلی اور خفی ہونے کے قایل ہیں۔ لہذا ایسی حالت میں شیعی علماء کا اس قول سے قدح کرنا یقیناً باطل ہوگیا جیساکہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے کسی کی امامت پر نص نہیں کی تھی اور آپ بغیر وصیت کئے انتقال فرماگئے۔ اسیطرح یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ قول جو شیعی علماء نے نقل کیا ہے سب اہل سنت کا نہیں ہے پس اگر یہ حق ہے تو بعض اہلسنت اسکے قایل ہیں اور اگر اسکی ضد حق ہے تو اسکے بھی اہلسنت قایل ہیں لہذا دونوں تقدیر پر حق اہل سنت سے خارج نہیں ہے۔

اسکے علاوہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نص ہی کہنا حق ہے تو اسمیں شیعہ کی کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ راوندیہ عباس پر نص ہونے کو کہتے ہیں جیساکہ ہمارے احباب علی پر نص ہونے کو کہتے ہیں۔ قاضی ابو یعلے وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس میں راوندیہ کا اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ رسول اللہ نے عباس کا نام لیکے خود انپر نص کی تھی اور اسکا اعلان بھی کرا دیا تھا اور صاف طور پر کہدیا تھا لیکن امت نے اس نص کا انکار کر دیا تھا۔ اور وہ مرتد ہو گئی۔ اور عناد کی وجہ سے رسول اللہ کے حکم کا خلاف کیا۔ مگر بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں کہ نص عباس پر تھی اور ان کے بعد قیامت تک کے لئے ان کی اولاد در اولاد پر لیکن نص خفی تھی۔ غرض یہ دونوں قول راوندیہ کے ایسے ہی ہیں جیسے شیعوں کے ہیں۔ کیونکہ امامیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے علی بن ابو طالب پر تصریح کے ساتھ نص کر دی تھی اور نام لیکے یہ فرما دیا تھا کہ میرے بعد یہی امام ہے پس تم سنو اور اسکی پیروی کرو۔ مگر زیدیہ اس میں ان کے مخالف ہیں بعض تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنے اس قول سے علی پر نص کی تھی (وہ قول یہ ہے)

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ وانت منی بمنزلۃ ھرون من موسٰے"

اور ایسی ہی اور نص خفی بھی ہے جنکے معنی میں تامل کرنا پڑتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ نص میں راوندیوں کا دعوے شیعوں کے دعوے کی طرح ہے۔ امامیہ میں اسکے متعلق گوناگوں اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں جو امامت کو قریشی لوگوں میں محدود کرتے ہیں۔ بہت اختلاف ہے چنانچہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ فہر بن مالک بن نضر کی ساری اولاد میں امامت ہونی جائز ہے۔ یہی قول اہلسنت والجماعت اور جمہور مرجیہ اور بعض معتزلہ کا ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سوائے عباس بن عبد المطلب کی اولاد کے اور کسی میں خلافت ہونی جائز نہیں ہے اسکے قائل جیساکہ ابھی اوپر بیان ہوا۔ راوندیہ ہیں۔ پھر ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ سوائے علی بن ابو طالب کی اولاد کے اور کسی میں خلافت ہونی جائز نہیں ہے اور یحیےٰ بن حارث بن عبد المطلب کے ایک شخص کا قول ہماری نظر سے گزرا ہے وہ کہتا ہے سوائے بنی عبد المطلب کے اور کسی کے لئے خلافت نہیں ہے اور بنی عبد المطلب سے ابو طالب عباس اور حارث سب مراد ہیں۔ اسیطرح اندلس کے ایک شخص کا قول ہماری نظر سے گزرا ہے

کہ سوائے بنی عبدشمس کے اور کسی میں خلافت ہونی جایز نہیں اس شخص نے ایک ضخیم کتاب اس بارے میں تالیف بھی کی ہے۔ جس میں اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے خاص ابوبکر اور عمر کی اولاد کے اور کسی میں خلافت ہونی جایز نہیں ہے۔ باقی امامت پر تو ہم پوری بحث کر چکے ہیں یہاں مقصود فقط یہ بیان کرنا ہے کہ شیعوں کے خود اپنے نظائر ہی معارض ہیں کیونکہ ان کا علی پر نص ہونے کا دعوے کرنا دوسروں کے عباس پر نص ہونے کے دعوے کرنے کی مثل ہے اور یہ دونوں قول ایسے ہیں کہ ان کا غلط ہونا اضطرار کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں قولوں میں سے اہل علم نے کبھی کچھ نہیں کہا بلکہ یہ بعض غیر ذمہ دار آدمیوں نے گھڑ لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عباس اور علی کی اولاد میں سے دین دار لوگوں نے یہ دعوے ہرگز نہیں کیا۔ بخلاف ابوبکر پر نص ہونے کے کیونکہ اس کے قایل بہت سے علماء ہیں۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے احباب کی دلیلیں اور حجتیں سب ایسی ہیں کہ جیسی موارد و نزاع میں متدین کی ہوتی ہیں۔ یہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ابوبکر پر نص ہونے کے قائلین میں بعض نص جلی کہتے ہیں اور بعض نص خفی۔ اس کے علاوہ ابن بطہ نے اسناد کے ساتھ مبارک بن فضالہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے محمد بن زبیر حنظلی کو امام حسن کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا تھا کہ کیا رسول اللہ نے ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا امام حسن نے تعجب سے کہا ہاں کیا تمہیں اس بارے میں شک ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں رسول اللہ نے بیشک ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا۔ ابوبکر کی ہرگز یہ شان نہیں ہے کہ وہ خود بخود خلیفہ ہو جاتے۔ ابن مبارک کہتے ہیں رسول اللہ کے خلیفہ کرنے سے آپ کا لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا خلافت کی تفویض کا حکم رکھتا ہے اور امام حسن کے نزدیک یہی خلیفہ کرنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ابوبکر کو یا خلیفۃ اللہ کہہ کے پکارا تھا اس پر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں خلیفہ رسول اللہ ہوں اور مجھے یہی کافی ہے۔ اصلی مقصود یہاں یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت بیشک نص سے ثابت ہوتی ہے اور وہ اس کی ایسی حدیثوں سے سند دیتے ہیں جو مشہور اور صحیح ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کا قول ان کے قول سے بدرجہا بہتر اور صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ علی یا عباس کی خلافت نص

سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس سوائے غیر ذمہ دار لوگوں کے اقوال کا بطلان احوال اسلام کے واقف کاروں کو آنا فاناً میں بالبداہتہ معلوم ہو جاتا ہے وہ اپنا استدلال ایسے الفاظ سے کرتے ہیں جو اس مطلب پر مطلق دلالت نہیں کرتے۔ مثلاً غزوہ تبوک میں علی کو خلیفہ کرنے کے قصے جن کا کچا چٹھا ہم گزشتہ صفحات میں کھول چکے ہیں۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنانے پر سارے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اپنے بہت سے اقوال و افعال کے ذریعہ سے انمیں پوری ہدایت کر دی تھی اور ان کی خلافت کی صاف صاف الفاظ میں خبر دیدی تھی اور اسپر ایک دستاویز لکھدینے کا ارادہ کر لیا تھا پھر آپ یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا اسپر خود ہی اجماع اور اتفاق ہو جائے گا اس لئے اس کے تحریر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ پھر آپ نے اپنی بیماری میں جمعرات کے دن بھی اسکا ارادہ کیا مگر جب بعض مسلمانوں کو اس میں شک ہوا کہ آیا حضور کا یہ ارشاد مرض کی شدت کی وجہ سے ہے یا ایسا ارشاد ہے جسکا اتباع کرنا لازمی ہو تو حضور انور نے پھر اس دستاویز کا تحریر کرنا ملتوی کر دیا اور اسے کافی سمجھا جو آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالےٰ ابوبکر ہی کو پسند کرے گا اور ان کی خلافت سارے مسلمان بخوشی منظور کر لیں گے۔ اب اگر یہ تعیین امت پر مشتبہ ہوتی تو ضرور تھا کہ رسول اللہ اسے اس طرح بیان فرماتے جس میں کسیکو کچھ عذر کرنے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن چونکہ آپ متعدد دلیلیں اسکی بتا چکے تھے کہ ابوبکر ہی متعین ہیں اور سب صحابہ بھی اسے خوب سمجھ گئے تھے تو مقصود حاصل ہو گیا۔

اسی وجہ سے عمر بن خطاب نے اپنے اس خطبہ میں جو انھوں نے کل مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں پڑھا تھا یہ فرمایا تھا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جسکی طرف ابوبکر کی طرح سب کی گردنیں جھک جائیں۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں فاروق اعظم سے مروی ہے کہ آپ نے مہاجرین و انصار کے سامنے سقیفہ کے دن ابوبکر سے یہ کہا تھا "انت خیرنا و سیدنا و احبنا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ سن کے سب خاموش ہو رہے اور حاضرین میں سے کسی نے بھی انکا انکار نہیں کیا، نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ ابوبکر کے سوا فلاں آدمی خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ نہ ان کی خلافت میں کسی نے نزاع کیا سوائے بعض انصار کے مگر وہ ابوبکر میں

کچھ قدح نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو۔ اور یہ ایسی مہمل اور لغویات تھی جسکا بطلان اس نصوص سے ثابت ہو چکا ہے جو حضور انور تک متواتر ہیں۔ اسکے علاوہ کل انصار نے ابوبکر سے بیعت کر لی سوائے سعد بن عبادہ کے جو دوسرا خلیفہ بنا چاہتا تھا۔ صحابہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رسول اللہ نے ابوبکر کے سوا اور کسی پر نص کی ہے نہ عباس پر نہ علی پر نہ کسی اور پر۔ نہ عباس نے یہ دعوے کیا نہ علی نے نہ ان میں سے کسی نے جو ان دونوں میں سے ایک کی خلافت ہونا چاہتے تھے نہ یہ کہا کہ یہ منصوص علیہ ہے۔ بلکہ صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ قریش میں کوئی ایسا شخص ہے جو خلافت کا ابوبکر سے زیادہ مستحق ہے۔ نہ بنی ہاشم میں نہ غیر بنی ہاشم میں۔ یہ باتیں روز روشن کی طرح کھلی ہوئی ہیں اور انھیں سب جانتے ہیں۔ جو علماء آثار سنن اور حدیث پر عمل کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ باتیں بالاضطرار معلوم اور مشہور ہیں۔

ہاں بعض بنی عبد مناف مثلاً ابوسفیان اور خالد بن سعید سے منقول ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ خلافت سوائے بنی عبد مناف کے اور کسی میں نہ ہو اور اپنا یہ خیال عثمان و علی سے ظاہر کیا تھا۔ مگر انھوں نے ان کی اس رائے پر ذرا التفات نہیں کیا کیونکہ انھیں اور سب مسلمانوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس قوم میں ابوبکر جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انصار یا بنی عبد مناف میں جس کسی کی بابت یہ منقول ہے کہ اس نے ابوبکر کے سوا دوسرے کی خلافت ہونی چاہی تھی ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی دینی شرعی حجت اپنے ادعا کے ثبوت میں ذکر نہیں کی نہ یہ کہا کہ ابوبکر کے سوا فلاں شخص اسکا زیادہ حقدار ہے اور وہ ابوبکر سے افضل ہے بلکہ اسکی یہ خواہش یا اظہار خواہش محض اپنی قوم یا اپنے قبیلہ کی محبت کی وجہ سے ہوا وہ چاہتا تھا کہ امامت میرے ہی قبیلہ میں رہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ ارادہ اور خیال ادلہ شرعیہ اور طرق دینیہ سے ہرگز نہیں ہے نہ اسکی پیروی کرنے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے بلکہ یہ شعبۂ جاہلیہ اور انساب و قبائل کے لئے ایک نوع عصبیت ہے جسے چھوڑنے اور نیست و نابود کرنے کے لیئے خداوند تعالٰے نے محمد بن عبداللہ رسول امین کو بھیجا تھا۔ صحیحین میں ثابت ہے حضور انور نے فرمایا میری امت میں جاہلیت کی ایسی چار باتیں ہونگی کہ میرے امتی انھیں کبھی نہ چھوڑیں گے اور وہ یہ ہیں۔

"الفخر بالاحساب والطعن فی الانساب والنیاحۃ علی المیت والاستسقاء بالنجوم"

یعنی حسب پر فخر کرنا۔ نسب میں طعن کرنا۔ میت پر نوحہ کرنا اور ستاروں کے ذریعہ بارش چاہنا۔

سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اب تم سے اللہ نے جاہلیت کے فخر و تکبر کو بالکل کھو دیا ہے اب آدمی دو طرح کے ہیں۔ مومن متقی ہیں یا فاجر شقی ہیں۔

بات تو صرف یہ ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے کوئی نص نقل نہیں کی نہ اپنی زبان سے یہ کہا کہ قریش میں فلاں شخص ایسا ہے جو اللہ کے دین اور شرع کی رو سے ابوبکر سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے اسکا تمام اصحاب کو ایسا یقین تھا کہ ان کے دلوں سے اسکا رفع ہونا ممکن نہ تھا وہ جانتے تھے مسلمانوں کے نزدیک یہ بات امور مشہورہ میں سے ہے کہ ابوبکر سب سے مقدم اور افضل ہیں اور بیشک ان سب کے نزدیک نبوت کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ابوبکر ہی تھے۔ ان کے نزدیک یہ ایسی ظاہر باہر بات تھی کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا۔ اسیو جہ سے رسول اللہ نے فرما دیا تھا کہ ابوبکر کے سوائے ورمسلمان سب کا انکار کر دیں گے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ان صحابہ کو جو ابوبکر کے افضل اور مقدم ہونے کا علم تھا وہ انھوں نے حضور انور سے حاصل کیا تھا۔ ان امور کے ذریعہ سے جو انھوں نے حضور انور سے خود سنے اور آنکھوں سے دیکھے تھے ان سے انھیں یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے نبی کی خلافت کے ساری امت سے زیادہ حقدار اور ہمارے نبی کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ابوبکر ہی ہیں اور ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کی برابری کر سکے چہ جائے کہ اس میں مناظرہ کرنے کی ضرورت ہو صحابہ میں تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ عمر یا عثمان یا علی یا اور کوئی ابوبکر سے افضل ہیں یا خلافت کے ان سے زیادہ مستحق ہیں اور وہ کہتے بھی تو کس طرح کہہ سکتے تھے جبکہ وہ خود دیکھتے تھے کہ حضور انور ابوبکر کو سب سے مقدم اور افضل رکھتے اور خصوصیت کے ساتھ ان کی وہ تعظیم کرتے تھے کہ عام خاص لوگوں میں سے کبھی ایسی تعظیم کسی کی کی نہ کبھی کسی کے ساتھ اس طرح اظہار فرمایا ہے یہاں تک کہ مشرکین۔ اہل کتاب اور منافقین تک یہ بات جانتے تھے کہ ابوبکر کو ایسی خصوصیت حاصل ہے چنانچہ احد کے دن ابوسفیان بن حرب نے تین مرتبہ ابوبکر کو آواز دی تھی جسکا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

بہت سے خلاق اور منافقین یہ کہا کرتے تھے کہ محمدؐ نے بہت ہی دانائی سے کام لیا عقلمندی سے اپنی ایک ریاست قایم کرلی ہے اور رازدار ابوبکر کو بنایا ہے۔ وہ محمدؐ کے سارے بھید جانتا ہے بخلاف عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے۔ غرض یہ ہے کہ عامہ خلایق پر یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ ابوبکر کو محمدؐ سے سب سے زیادہ خصوصیت حاصل ہے پس یہ نبی ہیں اور وہ ان کے صدیق ہیں جب محمد افضل الانبیاء ہیں تو آپ کے صدیق افضل الصدیق ہیں لہذا ابوبکر کی خلافت کی صحت اور ثبوت پر نصوص صحیحہ دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور رسول اللہ کے رسول کے اس سے راضی ہونے پر بھی اور مسلمانوں کو ان سے بیعت کرلینے اور انھیں ابوبکر کے فضیلت دینے کے بارے میں اپنے نبی سے حاصل ہوا تھا اور یہ کہ اس خلافت کے اللہ اور رسول اللہ کے رسول کے نزدیک سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں۔ اسلئے وہ خلافت نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہوگئی جو کسی عہدنامہ کے لکھے جانے سے بدرجہا زیادہ ہے کیونکہ اسوقت اسکے ثبوت کا طریق سوائے عہدنامہ کے اور کچھ نہ ہوتا لیکن جب مسلمانوں نے بغیر عہدنامہ کے ابوبکر کو اختیار کرلیا اور نصوص نے ان کے اس طرز عمل کے ٹھیک ہونے پر دلالت کی اور اللہ اور رسول اللہ کا رسول اس سے راضی ہوگئے تو یہ اس امر پر بہت پختہ دلیل ہے کہ ابوبکر میں ایسے فضائل ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ سب سے ممتاز ہیں۔ ان کے سبب سے سارے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں لہذا اس میں کسی خاص عہد کی کچھ ضرورت نہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنی یہ کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کے راضی ہوجانے اور عمرؓ کے ابوبکر سے بیعت کرلینے کی وجہ سے رسول اللہ کے بعد ابوبکر امام بنگئے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ائمہ سنت کا یہ قول نہیں ہے اگرچہ بعض اہل کلام یہ کہتے ہیں کہ امامت چار آدمیوں کے بیعت کرلینے سے ہی منعقد ہوجاتی ہے یہ تو یہ انمیں سے بعض کا قول یہ ہے کہ دو آدمیوں کے بیعت کرلینے سے بھی امامت منعقد ہوجاتی ہے بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک ہی آدمی کے بیعت کرلینے سے امامت کا انعقاد ہوجاتا ہے مگر ائمہ اہلسنت والجماعت کا یہ قول نہیں ہے بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ جب تک اہل شوکت کا اتفاق نہ ہو امامت قایم نہیں ہوسکتی۔ آدمی اسوقت تک امام نہیں ہوتا جبتک وہ اہل شوکت موافق نہ ہوجائیں جنکی اطاعت کرلینے سے امامت کا مقصود حاصل ہوجائے۔ یہ اچھی طرح سمجھ

سمجھے کہ مقصود امامت قدرت اور حکومت سے حاصل ہوتا ہے پس جب کسی سے ایسی بیعت کر لی گئی جسکے سبب سے قدرت اور حکومت حاصل ہوگئی تو وہی امام ہوگا۔ اسی واسطے ائمہ سنت نے کہا ہے کہ جس شخص کو اتنی قدرت اور حکومت حاصل ہو جائے کہ اسکے ذریعہ سے وہ ولایت کا مقصود ادا کر دے وہی شخص ٹھیک امام بن سکتا ہے۔ امامت اصل میں بادشاہت اور حکومت کا نام ہے۔ ایک یا دو یا چار آدمیوں کے موافق ہونے سے آدمی کبھی بادشاہ نہیں بن سکتا ہاں یہ بات اور ہے کہ دو چار ایسے اشخاص کا بیعت کر لینا جن کی بیعت قوم کی بیعت سمجھی جائے اور صرف ان ہی کی بیعت کر لینے سے اسکی بادشاہت تمام قوم میں مسلم ہو جائے تو اسوقت زیادہ بیعت کرنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں ابوبکر، عمر اور عثمان کی امامت پر چسپاں ہوتی ہیں مگر علی کی امامت پر ان میں سے ایک بات بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ جن لوگوں نے علی سے بیعت کی تھی ان کی تعداد انگلیوں پر ہے۔ وہ ایسے اہل شوکت نہیں تھے کہ انکی بیعت کل قوم کی بیعت تصور کیجاتی اسی وجہ سے جھگڑے ٹنٹے پیدا ہو گئے اور اخیر علی سارا ملک ہاتھ سے دے بیٹھے۔ اور ان کی حکومت کوفہ میں محدود ہو کے رہ گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کا افسر قاضی یا والی وغیرہ ان امور میں سے ہونا جن کا دارمدار قدرت اور حکومت پر ہے جب ان سے وہ فائدہ حاصل ہو جائے جو قدرت اور حکومت سے ہوتا ہے تو یہ بھی حاصل ہو جائیں گے ورنہ نہیں ہونے کے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے ایسے کاموں کا کرنا مقصود ہوتا ہے جو بغیر قدرت کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور جب ایسی قدرت حاصل ہو گئی کہ اسکے ذریعہ سے ان کا کرنا ممکن ہے تو وہ ضرور حاصل ہو جائیں گے ورنہ نہیں ہونے کے اسکی مثال بالکل بکریوں کے چرواہے کی ہے۔ یعنی جب بکریاں ایسے اس طرح حوالے کر دی گئیں کہ وہ انھیں چرا سکتا ہے تو بے شک وہ ان کا چرواہا اور نگہبان ہے ورنہ کسی کام پر قدرت ہوئے بغیر وہ کام نہیں ہو سکتا۔ پس جس میں کسی کام کی قدرت نہ ہوگی۔ وہ اسکا عامل نہ ہوگا۔ اسی طرح سمجھئے کہ لوگوں پر حکومت کرنے کی قدرت یا تو خود ان کے مطیع ہو جانے سے ہوتی ہے یا خود حاکم کے زبردستی کرنے سے جب وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ حکومت کرنے پر قادر ہو گیا تو بے شک صاحب حکومت ہے وہ اللہ کی طاعت کے موافق حکم کرے گا

اس کی اطاعت ضرور کی جائے گی۔ اب یہ بات اور سمجھ لیجئے کہ خلقت کا خود بخود مطیع ہونا حاکم کی زبردست مسلم قوت اور اثر سے مخلوق کا مطیع ہو جانا یہ دونوں باتیں غیر غیر نہیں ہیں۔ ہر حالت میں حاکم کو حکومت کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اطاعت اسی شخص کی کی جائے گی جسکی قوت اور اثر مسلم ہوگا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی تنہا شخص بغیر کسی قوت کے اور اثر کے بادشاہ بن بیٹھے۔ اور لاکھوں آدمی اس کے حلقہ بگوش بن جائیں۔

امام کی تعریف امام احمد نے نہایت عمدہ کردی ہے اور وہ یہ ہے۔ اسحٰق بن منصور کی روایت میں ہے کہ کسی نے امام احمد سے حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معنی دریافت کئے "من مات ولیس لہ امام مات میتۃ جاھلیۃ" یعنی جو شخص مرگیا اور اسکا کوئی امام نہ تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔ آپ نے جواب دیا تو جانتا ہے امام کون ہے امام وہ ہے جسپر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے سب اسے امام کہنے لگیں تو یقیناً ایسا امام سوائے ابوبکر، عمر اور عثمان کے اور کوئی نہیں ہوا جسپر کل مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا ہو۔ اگر اوپر والی حدیث یوں ہی ہے تو ان تینوں خلفاء کے زمانہ پر اسکا مصداق ہوتا ہے۔

اسوقت یہاں دو باتوں میں بحث ہے ایک تو ابوبکر کے امامت کے مستحق ہونے میں اور یہ کہ صحابہ کا ان سے بیعت کر لینا ان امور میں سے ہے جسے اللہ اور اللہ کا رسول پسند کرتے ہیں۔ پس یہ تو نصوص اور اجماع دونوں سے ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ امام ہو گئے تو یہ امام ہونا محض اس سبب سے تھا کہ اہل شوکت نے ان سے بیعت اور ان کی اطاعت کرلی تھی۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انھوں نے ابوبکر کے عہد کو پورا نہیں کیا تھا نہ عمر سے بیعت کی تھی تو اس تقدیر پر وہ امام نہ ہوں گے خواہ یہ جائز ہو یا ناجائز ہو۔ کیونکہ علت و حرمت افعال سے متعلق ہے باقی نفس ولایت اور حکومت قدرت حاصلہ سے عبارت ہے۔ یہ قدرت کبھی ایسی صورت سے حاصل ہو جاتی ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول کے پسند ہو جیسے خلفاء ثلثہ کی قدرت اور حکومت تھی اور کبھی ایسی صورت سے حاصل ہوتی ہے کہ اُس میں معصیت ہوتی ہے جیسے کسی جابر کی حکومت اور قدرت ہے۔

پھر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عمر نے اور ان کے ساتھ چند آدمیوں نے ابوبکر سے بیعت

کر لی تھی اور کل صحابہ نے نہیں کی تھی تو وہ اس سے امام نہیں ہوئے کیونکہ امام تو ان جمہور صحابہ کے بیعت کر لینے سے ہوتا ہے جو اہل قدرت اور ذی شوکت ہوں اسیوجہ سے اکیلے سعد بن عبادہ کا بیعت سے رہجانا کچھ مضر نہیں ہوا کیونکہ اس سے مقصود ولایت میں کچھ خرابی نہیں آئی اس لیے کہ مقصود تو اس قدرت اور ولایت کا حاصل ہونا ہے جسکے ذریعہ امامت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور یہ حصول اسیوقت ہوگا جب جمہور کا اسپر اتفاق ہو جائے۔ پس جو شخص یہ کہے کہ ابوبکر ایک یا دو یا چار آدمیوں کی موافقت سے امام ہو گئے تھے اور وہ لوگ صاحب قدرت اور ذی شوکت نہ تھے تو اسکا یہ کہنا باطل غلط ہے جیساکہ اس شخص کا گمان غلط ہے جو یہ سمجھے کہ ایک یا دو یا دس آدمیوں کا بیعت نہ کرنا بیعت کے لئے مضر ہوتا ہے۔ یاد رکھو ابوبکر سے تو ان تمام مہاجرین اور انصار نے بیعت کر لی تھی جو رسول اللہ کے رازدار تھے اور جن کے ذریعہ سے اسلام کو قوت اور عزت حاصل ہو گئی تھی۔ مشرکین مغلوب و مقہور ہو گئے تھے جنکے ہاتھوں سے جزیرہ نمائے عرب فتح ہو گیا تھا۔ پس وہ جمہور جنھوں نے رسول اللہ سے بیعت کی تھی۔ انھوں نے ہی ابوبکر سے کی تھی۔

باقی عمر یا اور کسیکا بیعت کی طرف سبقت کرنا کچھ خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر بیعت میں ایک سبقت کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ اسپر بھی بغرض محال یہ مان لیا جائے کہ بعض آدمیوں کو وہ بیعت ناگوار تھی تو یہ بات اسکے مقصود میں کچھ خرابی نہیں پیدا کر سکتی۔ کیونکہ بیعت کا نفس استحقاق تو ایسی ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے جو اس بات پر دال ہیں کہ خلافت و امامت کے سبب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں اور باوجود ادلۂ شرعیہ قایم ہونے کے کسی کی مخالفت مضر نہیں ہو سکتی اور اسکا نفس حصول اور وجود اس قدرت اور حکومت کی وجہ سے ثابت ہے جو ذی شوکت لوگوں کے اطاعت کرنے کے سبب سے حاصل ہوئی تھی کیونکہ دین حق میں ہادی کتاب اور ناصر تلوار کا ہونا ضروری ہے جیساکہ خداوند تعالے نے فرمایا ہے۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ۚ وانزلنا الحدید فیه باس شدید ومنافع للناس ولیعلم الله من ینصره ورسله بالغیب"۔

یعنی ہم نے اپنے پیغمبر واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور انصاف

کی ترازو نازل کی تھی. تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی کا سامان ہے اور لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں تاکہ اللہ اس شخص کو معلوم کرے جو اسکی اور اُسکے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اللہ کی کتاب اسکے اوامر و نواہی کو ظاہر کرتی ہے اور تلوار اسکی مدد اور تائید کرتی ہے. لہٰذا ابوبکر کی بابت قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ ان کی بیعت کا حکم دیا تھا اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی وہ صاحب تیغ اور اللہ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ اس لئے صدیق کے حق میں نبوت کی خلافت کتاب اور تلوار دونوں سے منعقد ہو گئی۔

اب رہے عمر انھیں ابوبکر نے اپنا ولیعہد کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے بعد سب مسلمانوں نے ان سے بیعت کر لی تھی اور جب ان کی بیعت سے انھیں قدرت اور حکومت حاصل ہو گئی تو وہ امام ہو گئے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں کے نزدیک عمر کے بعد خلیفہ عثمان بن عفان ہیں اسلئے کہ عمر نے چھ آدمیوں پر نص کر دی تھی جن میں سے ایک عثمان بھی تھے پھر بعض آدمیوں نے انھیں اختیار کر لیا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ عثمان فقط بعض آدمیوں کے اختیار کر لینے سے امام نہیں ہو گئے بلکہ سب آدمیوں کی بیعت کر لینے سے امام بنے تھے. عثمان سے تو کل مسلمانوں نے بیعت کر لی تھی ان کی بیعت سے تو ایک آدمی بھی نہیں رہا تھا. امام احمد نے حمدان بن علی کی روایت میں کہا ہے کہ عثمان کی بیعت سے جو کچھ اس قوم میں ہوا۔ وہ سب کے اجماع اور اتفاق سے ہوا تھا. جب ذی شوکت اور ذی قدرت لوگوں نے ان سے بیعت کر لی تو وہ امام ہو گئے ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان سے عبدالرحمٰن نے بیعت کر لی تھی اور علی نے نہیں کی تھی اور نہ ذی شوکت صحابہ میں سے اور کسی نے کی تو وہ امام نہیں ہوئے. لیکن جب عمر نے خلافت کا شورہ چھ آدمیوں میں مقرر کر دیا یعنے عثمان. علی. طلحہ. زبیر. سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف اسکے بعد طلحہ. زبیر اور سعد اپنے اختیار سے علیحدہ ہو گئے اور عثمان. علی اور عبدالرحمٰن رہ گئے

اور تینوں کا اپنے اختیار سے اسپر اتفاق ہوگیا کہ عبدالرحمن بن عوف خلیفہ نہیں گے اور ان دونوں میں ایک کو خلیفہ کیا جائے گا۔ عبدالرحمن تین دن برابر پھرتے رہے اور خود کہتے ہیں کہ میں دن رات برابر گشت لگاتا پھرا اور مطلق نہیں سویا۔ کبھی آپ سابقین اولین اور تابعین سے مشورہ کرتے تھے کبھی امرائے انصار سے مشورہ کرتے تھے ان سب نے اس سال عمر کے ساتھ حج کیا تھا۔ عبدالرحمن کو سب مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ عثمان کو خلیفہ بنادیا جائے اور یہ بیان کیا کہ ہم سب عثمان ہی کو مقدم سمجھتے ہیں پھر سب نے آپ سے بیعت کرلی۔ عثمان نے نہ انہیں کوئی لالچ دیا نہ ان میں پھرے نہ کوئی سفارش پہنچائی۔ جو کچھ تھا اللہ کے واسطے تھا اور ہر شخص اپنی رائے میں بالکل آزاد تھا نہ عثمان ایسے قوی تھے کہ وہ ان کی قوت سے ڈر گئے تھے۔ اسی بنا پر سلف اور ائمہ میں سے بہت سوں نے مثلاً ایوب سختیانی، احمد بن حنبل اور دار قطنی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ جس نے علی کو عثمان پر فضیلت دی اور مقدم سمجھا اس نے مہاجرین اور انصار پر عیب لگایا۔ خوب سمجھ لو یہ معاملہ ان ادلہ میں سے ہے جو اسپر دال ہیں کہ عثمان افضل ہیں کیونکہ کل مہاجرین اور انصار نے متفق ہوکے انہیں مقدم کیا تھا۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ عثمان کے بعد علی خلیفہ ہیں اسوجہ کر ان سے ساری مخلوق نے بیعت کرلی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلقت کی بیعت کر لینے کے ساتھ صرف علی کو مخصوص کرنا اور ابوبکر و عمر و عثمان کو اس خصوص سے خارج کرنا ظاہر البطلان نہیں تو اور کیا ہے۔ جو شخص ان لوگوں کی سیرت سے واقف ہے اسے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ ابوبکر۔ عمر اور عثمان کی بیعت پر صحابہ کا اتفاق علی کی بیعت پر ان کا اتفاق ہونے سے بدرجہا زیادہ تھا۔ جنھوں نے عثمان سے اول ہی دفعہ بیعت کرلی تھی وہ ان سے یقیناً افضل تھے۔ جنھوں نے علی سے بیعت کی تھی۔ کیونکہ عثمان سے علی۔ عبدالرحمن بن عوف۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبداللہ بن مسعود۔ عباس بن عبدالمطلب اور ابی بن کعب وغیرہ نے اپنے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اور مسلمانوں میں تین دن تک مشورہ ہونے کے بعد بیعت کی تھی بخلاف علی کے کہ ان سے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بیعت کی گئی تھی۔ اسوقت سب کے دل مضطرب اور پریشان تھے۔ اکابر صحابہ سب متفرق ہوگئے تھے۔ طلحہ بھی صرف بلانے سے آئے تھے یہانتک کسی نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ طلحہ کو

زبردستی لائے ہیں۔ اور خود طلحہ نے کہا تھا کہ میں تو مجبوراً بیعت کرتا ہوں مجھے تو فساد ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب مفسدوں نے عثمان کو قتل کیا تو اسوقت مدینہ میں ان کا بہت زور تھا۔ ان کے قتل سے سب میں بہت بڑا تفرقہ پڑ گیا تھا۔ علی سے عبد اللہ بن عمر جیسے بہت سے صحابہ نے بیعت نہیں کی تھی۔ اسوقت تین قسم کے آدمی تھے ایک وہ جنھوں نے علی کا ساتھ دیا۔ دوسرے وہ جنھوں نے علی کا مقابلہ کیا۔ تیسرے وہ جنھوں نے نہ علی کا مقابلہ کیا نہ ان کا ساتھ دیا۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ علی کی بیعت پر تو یہ بیان کیا جائے کہ کل مخلوق جمع و متفق ہوگئی تھی اور خلفاء ثلثہ کی بیعت کی نسبت کل مسلمانوں کا اتفاق نہ تسلیم کیا جائے حالانکہ ان سے بیعت کرنے میں ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔ خاصکر عثمان کی بیعت سے۔ ہاں ابوبکر کی بیعت سے فقط سعد بن عبادہ رہ گیا تھا۔ وہ خود انصار کا امیر بننا چاہتا تھا۔ مگر جب اسکی یہ مراد برنہ آئی تو اُس نے ابوبکر سے کچھ معارضہ نہیں کیا نہ حق کو دفع کیا نہ خلاف بات پر کسی کی اعانت کی بلکہ امام احمد بن حنبل نے حمیری سے روایت کی ہے کہ صدیق نے انسے فرمایا کہ اے سعد تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے تمہارے سامنے یہ فرمایا تھا۔

"قریش ولاۃ ھذا الامر فبر الناس تبع لبرھم وفاجرھم تبع لفاجرھم"

یعنی اس خلافت کے مالک قریش ہی ہیں نیک لوگ ان کے نیکوں کے تابع ہیں اور برے انکے بروں کے۔ اسپر سعد نے ابوبکر کو یہ جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں ہم وزراء ہیں اور تم امراء ہو۔ یہ روایت مرسل حسن ہے شاید حمیری نے ان صحابہ سے سنی ہو جو اس قصہ کے وقت وہاں موجود تھے۔ اس میں ایک بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ سعد بن عبادہ امارت کا دعوے کرنے میں اپنے درجہ سے اتر آئے تھے اور صدیق کے لیئے امامت اور خلافت ہونے کا انھیں بھی یقین ہوگیا تھا۔ اسکے مقابلہ میں علی کی خلافت کو لو اس میں ایسے مضطرب اقوال تھے کہ پناہ بخدا بعض کہتے تھے علی بھی امام ہیں اور امیر معاویہ بھی اور یہ ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا اس صورت میں جائز ہے کہ جب ایک امام پر اجماع اور اتفاق نہ ہو۔ یہ کرامیہ وغیرہ سے حکایت کیا گیا ہے ایک گروہ کا قول ہے کہ اس زمانہ میں امام عام کوئی نہ تھا بلکہ وہ فتنہ و فساد کا زمانہ تھا یہ قول بصرہ کے محدثین میں سے ایک گروہ کا ہے۔ اسی وجہ سے جب امام احمد نے علی کی

خلافت کو چوتھے درجہ پر قرار دیا اور یہ کہا جو شخص اسے چوتھے درجہ کی خلافت نہ سمجھے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف اور گمراہ ہے تو اسپر محدثین کے ایک گروہ نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ علی کی خلافت کا ایسے لوگ انکار کر چکے ہیں جنکی شان میں گدھے سے زیادہ نادان اور گمراہ ہونا کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ان کی مراد ان صحابہ سے تھی جنھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ ساتھ ہی امام احمد وغیرہ نے علی کی خلافت پر سفینہ کی حدیث سے حجت کی ہے وہ حضور انور سے یہ روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا "تکون خلافة النبوة ثلاثین سنة ثم تصیر ملکا" یعنی نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی پھر بادشاہت ہو جائیگی اس حدیث کو اہل سنن مثلاً ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ امام علی ہی تھے اور انھوں نے جس سے جنگ کی وہ اپنی جنگ میں حق پر تھے۔ اسیطرح وہ صحابہ بھی جنھوں نے علی سے جنگ کی مثلاً طلحہ و زبیر یہ سب کے سب مجتہد مصیب تھے یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے مثلاً بصرہ کے معتزلہ ابوالہذیل۔ ابو علی ابو ہاشم اور اشعریہ میں سے ان کے موافقین مثلاً قاضی ابوبکر اور ابو حامد۔ ابوالحسن اشعری سے بھی یہی مروی ہے اور یہ لوگ امیر معاویہ کو بھی ان کی جنگ میں مجتہد مصیب قرار دیتے ہیں۔ یہ قول امام احمد کے فقیہ شاگردوں میں سے ایک گروہ کا ہے۔ اسے ابو عبداللہ بن حامد نے ذکر کیا ہے۔ ایک چوتھا گروہ ہے وہ فقط علی کو امام قرار دیتا ہے اور جنگ کے معاملہ میں ان ہی کو مجتہد مصیب سمجھتا ہے اس کے نزدیک علی کے مقابلہ میں مجتہد مخطی تھے یعنی ان سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی۔ اب رہے اہل کلام اور اہل رائے یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے اکثر کا یہی قول ہے۔

پانچواں گروہ یہ کہتا ہے کہ باوجود علی کے خلیفہ ہونے کے امیر معاویہ اقرب الی الحق تھے علی کے لیئے اس جنگ کو ترک کرنا اولی تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دونوں فریق اس سے باز رہتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ حضور کا ارشاد موجود ہے۔ "فتنة القاعد فیها خیر من القائم والقائم خیر من الساعی" یعنی ایک ایسا فساد ہوگا کہ اس میں بیٹھنے والا

کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضور انور نے امام حسن کی نسبت یہ فرمایا تھا۔ ان ابنی ھذا سید وسیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المومنین" یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اللہ تعالے اس کے ذریعہ سے عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صلح کرانے پر حضور انور نے امام حسن کی تعریف کی ہے۔ اگر یہ جنگ واجب یا مستحب ہوتی تو اسے ترک کرنے والیکی حضور تعریف نہ کرتے۔

علماء کہتے ہیں اللہ نے باغیوں سے اول ہی جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا نہ ہر باغی کو قتل کرنیکا حکم دیا بلکہ یہ فرمایا ہے۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما الایۃ۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے سے جنگ کی جائے۔ وہ کہتے ہیں اسی سبب سے علی کی جنگ سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جو حکم اللہ نے دیا اسکی مصلحت اسکی برائی پر غالب ہونی بے شک ضروری ہے۔

سنن ابو داؤد میں ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں حذیفہ کہا کرتے تھے جس کسی پر کوئی فتنہ آتا ہے مجھے اسکا سب سے زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ ان سے فرماتے تھے کہ تمھیں کوئی فتنہ ضرر نہ دے گا یہ حدیث اس بات کو صاف ظاہر کرتی ہے کہ حضور انور نے محمد بن مسلمہ کو یہ خبر کر دی تھی کہ انھیں کوئی فتنہ ضرر نہ دیگا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو علی کی جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے نہ انھوں نے علی کا ساتھ دیا نہ امیر معاویہ کا جیسا سعد بن ابی وقاص۔ اسامہ بن زید۔ عبداللہ بن عمر۔ ابوبکرہ۔ عمران بن حصین اور اکثر سابقین اولین علیحدہ ہو گئے تھے۔ یہ گویا اس امر کی دلیل ہے کہ وہاں کوئی ایسی لڑائی نہ تھی جو واجب یا مستحب ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو اسکے نہ کرنے والے کی تعریف نہ کی جاتی بلکہ جو واجب یا مستحب کو کرتا وہ نہ کرنے والے سے افضل ہوتا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ لڑائی فتنہ فساد کی لڑائی تھی۔

اسکے علاوہ بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسکا نہ کرنا جانبین کے حق میں

کرنے سے بہتر تھا اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کے جمہور علماء اسی پر ہیں یہی مذہب مالک ثوری اور احمد وغیرہ کا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو علی۔ طلحہ۔ زبیر اور معاویہ کو اچھے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ باقی ان کے سوا خوارج۔ روافض اور معتزلہ کے اقوال کا صحابہ کی شان میں دوسرا رنگ ہے مثلاً خوارج علی۔ عثمان اور ان کے ساتھیوں کو برملا کافر قرار دیتے ہیں۔ روافض جمیع صحابہ مثلاً خلفاء ثلثہ اور ان کے ساتھیوں کو کافر اور فاسق کہتے ہیں، ساتھ ہی علی سے لڑنیوالوں کو بھی کافر بتاتے اور یہ کہتے ہیں کہ علی امام معصوم ہیں برخلاف اسکے مروانیہ کا ایک گروہ علی کو فاسق بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ یقیناً ظالم تھے۔ معتزلہ میں ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ علی خود فاسق ہیں یا ان سے لڑنے والے فاسق ہیں۔ اسکی تعیین معلوم نہیں ہوسکتی۔ ان ہی میں سے دوسرا گروہ امیر معاویہ اور عمر فاروق کو فاسق کہتا ہے اور طلحہ۔ زبیر اور عائشہ صدیقہ کی تعریف کرتا ہے۔

بات یہ ہے کہ علی کی خلافت اور ان کی لڑائیوں میں اس درجہ اختلاف ہے کہ سلف اور خلف میں اچھی طرح مشہور ہے تو ان سے خلقت کا بیعت کرنا ان سے پہلے خلفاء ثلثہ سے خلقت کے بیعت کرنے سے بڑھ کر کیونکر ہوسکتا ہے۔ اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ علی کی خلافت خلقت کے ان سے بیعت کر لینے کی وجہ سے ہوئی نہ کہ نص کے سبب سے اس میں شک نہیں اہل سنت والجماعت اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ علی کے خلفاء راشدین میں سے ہونے کی بے شک نص ہے کیونکہ حضور انور نے فرمایا تھا کہ نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی وہ علی کے سوا اوروں کی خلافت کے صحیح ہونے میں بہت سی نصوص روایت کرتے ہیں۔ اور اہل حدیث کے نزدیک یہ بات مشہور ہے وہ خلفاء ثلثہ کی خلافت صحیح ہونے میں نصوص کثیرہ روایت کرتے ہیں بخلاف علی کی خلافت کے کہ اسکے نصوص بہت ہی کم ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خلفاء ثلثہ پر ساری امت کا اجماع اور اتفاق ہوگیا تھا اس لئے ان کے ذریعہ سے امامت کا مقصود حاصل ہوگیا تھا ان کے ذریعہ سے کفار سے جنگ ہوئی بہت سے شہر فتح ہوئے۔ مگر علی کی خلافت میں نہ کسی کافر سے جنگ ہوئی اور نہ کوئی شہر فتح ہوا بلکہ خانہ جنگیوں سے اسوقت آنکھ اٹھانے

کی فرصت نہ ہوئی۔

اب رہی وہ نص جسکا شیعی علمار دعوے کرتے ہیں وہ مثل اس نص کے ہے جسکا راوندی عباس کی بابت دعوے کرتے ہیں۔ مگر اہل علم کے نزدیک دونوں کے دعوے یقیناً غلط ہیں۔ اسکی مفصل کیفیت اوپر آچکی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ علی کی خلافت کا اگر یہی ثبوت ہے تو ان کی امامت کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتی جیساکہ اسکی نظیر سے عباس کی امامت ثابت نہیں ہوتی پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ علی کے بعد سنیوں میں اختلاف ہوگیا بعض نے کہا علی کے بعد حسن امام ہے بعض نے کہا معاویہ امام ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ حسن سے ان کے والد کی جگہ اہل عراق نے بیعت کر لی ہے۔ اہل شام پہلے ہی سے معاویہ کے ساتھ ہیں۔

پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ پھر سنیوں نے امامت بنی امیہ میں پہنچا دی اور اسکے بعد بنی عباس میں۔ ہم کہتے ہیں اہل سنت والجماعت کبھی یہ نہیں کہتے کہ ان بنی امیہ یا بنی عباس میں کوئی ایسا تھا کہ سب کو چھوڑ کے اُسے خلیفہ کرنا واجب تھا۔ نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں کسی کی اسکے کل اوامر میں اطاعت کرنی واجب تھی بلکہ اہلسنت واقعی باتوں کی خبریں دیتے اور امر واجب کو ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلیفہ جنھیں قدرت اور حکومت دونوں حاصل تھیں ولایت کے مقاصد ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ یعنی حدود قایم کرنے۔ اموال تقسیم کرنے عہدے مقرر کرنے۔ دشمن سے جہاد کرنے حج۔ عیدین اور جمعہ وغیرہ اَدَا کرنے کی۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ ان میں سے ایک کی اور ان کے نائبوں وغیرہ کی اللہ کی معصیت میں اطاعت کرنی جایز نہیں ہے بلکہ اللہ کی اطاعت میں ان کی شرکت کی جائے۔ ان کے ساتھ ہوکے کفار سے جہاد کیا جائے۔ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی جائے۔ حج ادا کیا جائے۔ حدود قایم کرنے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے وغیرہ میں مَدد کی جائے۔ غرض یہ ہے کہ اہلسنت بھلائی اور تقوے پر ان کی اعانت کرتے ہیں نافرمانی اور ظلم پر ان کی اعانت نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شام میں بنی امیہ اور بنی علی میں سے بہت سے خلیفہ ہوئے ہیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بغیر حاکموں کے خلقت میں امن نہیں رہ سکتا اور یہ کہ اگر ان کے سوا

ظالم بادشاہوں میں سے کوئی خلیفہ ہو جائے تو اسکا ہونا نہ ہونے سے یقیناً بہتر ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ساٹھ برس ظالم حاکم کے ساتھ رہنا ایک دن بلا حاکم کے رہنے سے بہتر ہے خود علی کہا کرتے تھے لوگوں پر حاکم ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد کسی نے کہا نیک کے ہونے کا فائدہ تو ہمیں بھی معلوم ہے لیکن بد کے ہونے کا کیا فائدہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اسی کے سبب سے راستوں میں امن رہے گا۔ حدود قایم کی جائینگی دشمن سے جہاد کیا جائے گا اور غنیمت کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ علی کے اس قول کو علی بن معبد نے کتاب الطاعة والمعصیة میں ذکر کیا ہے۔ بہرحال بات یہ ہے کہ خلیفہ خواہ کیسا ہی ہو مگر وہ اس معدوم منتظر سے یقیناً بہتر ہے جسکی بابت ہمارے دوست شیعی علماء فرماتے ہیں کہ وہ خلف حجت ہے۔ خیال تو کیجیے کہ اسکی فرضی امامت سے آجتک کوئی مصلحت کبھی حاصل ہوئی یا کوئی فائدہ پہنچا سوائے اسکے کہ وہی بھول بھلیوں میں ساری عمر بھٹکتے پھریے اور کچھ نہیں کچھ آسمانی انتظام ہی اول دن سے ایسے ہیں کہ بغیر حاکموں کے گھڑی بھر بھی چارہ نہیں ہے حاکموں کے نہ ہونے سے خدا کی مخلوق ایسی تتر بتر ہو جاتی ہے جیسے شیرازے کے ٹوٹنے سے کتاب کے ورق اب بتائیے کہ خلقت کے کاموں کی اصلاح ایسے امام سے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جسے نہ کوئی پہچانتا ہے نہ جانتا ہے کہ وہ امام کیا کہتا ہے نہ وہ امامت کے امور میں کچھ کر سکتا ہے بلکہ وہ خود معدوم محض ہے وہ تو وہ اسکے باپ دادا کو بھی امامت کی کبھی قدرت اور طاقت نہیں ہوئی وہ ہمیشہ اس سے عاجز رہے۔ خواہ وہ حکومت کرنے کے لایق تھے یا نہ تھے۔ انھیں قدرت اور حکومت کی طاقت حاصل نہ ہونے کے باعث ان سے ولایت کا مطلوب کبھی حاصل نہ ہوا اور اگر کسی مومن مسلمان نے ان کی اطاعت کر لی تو ان کی اطاعت سے وہ مصلحتیں کبھی حاصل نہ ہوں گی جو ائمہ کی اطاعت سے ہوتی ہیں۔ یعنی دشمنوں سے جہاد کرنا۔ مستحقین کو ان کا حق پہنچانا اور حدود کا قایم کرنا وغیرہ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ائمہ ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ انھیں حاکم بنانا واجب ہے اور لوگوں نے انھیں حاکم نہ بنا کے نافرمانی کی ہے تو یہ بات بمنزلہ اس قول کے ہے کہ فلاں شخص قاضی ہونے کا مستحق ہے لیکن ظلماً اور عداوۃً اسے قاضی نہیں کیا گیا

لہذا ایسے قاضی نہ کرنے والے ایسے اور ویسے ہیں۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو جب وہ قاضی نہیں ہوا اسکا عدم وجود خلق اللہ کیلیے برابر ہے خواہ وہ کسی طرح قاضی نہ ہوا ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اسمیں نزاع نہیں ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد اہل شوکت نے ایسے لوگوں کو حاکم کر دیا تھا کہ ان کے سوا اور لوگ ان عہدوں کے زیادہ لایق تھے۔ مثلاً عمر بن عبد العزیز اپنے بعد قاسم بن محمد کو حاکم کرنا چاہتے تھے لیکن یہ ان سے نہ ہو سکا کیونکہ اہل شوکت کا اسپر اتفاق نہیں ہوا تھا پس اسوقت وہ اہل شوکت جنھوں نے مرجوح کو مقدم رکھا راجح کو ترک کیا اور جو اپنی قوت بازو یا اپنے اتباع کی امداد سے ظلماً حاکم اور خلیفہ ہوگیا تو اسکا گناہ اسی پر رہے گا جنھے باوجود خلاف کرنے کی قدرت ہونے کے واجب کو ترک کیا یا ظلم پر اعانت کی۔ اور رہا وہ شخص جس نے نہ ظلم کیا نہ ظالم کی اعانت کی بلکہ نیکی اور بھلائی پر اعانت کی تو اسکے ذمہ اس میں سے کچھ نہ ہوگا۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مؤمنین صالحین ظلم و فساد پر اعانت نہیں کرتے تھے بلکہ نیکی اور بھلائی پر اعانت کرتے تھے وہ بمنزلہ اس امام کے ہوئے جسے شریعت میں اسکے اقرا اور اعلم بالسنۃ اور ہجرت و عمر میں سب سے مقدم ہونے کی وجہ سے امام بنانا واجب ہے پس اگر ذی شوکت لوگوں نے اس کم درجہ کے آدمی کو امام بنا دیا تو جو نمازی اسکے پیچھے ہیں یعنی جو اور کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے ان کے ذمہ اسکا کیا گناہ ہو سکتا ہے۔ اسیطرح جب کسی جاہل یا ظالم حاکم سے کسی مظلوم نے اپنا انصاف کرانا یا اپنے حق کا فیصلہ کرانا یا اپنی میراث تقسیم کرانا یا کسی لاوارث عورت سے نکاح کرانا چاہا تو اسکے کرنے میں اسی حاکم کے ذمہ کونسا گناہ ہے خداوند تعالے فرماتا ہے "فاتقوا اللہ ما استطعتم" یعنی حتے الوسع تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ پھر حضور انور ارشاد کرتے ہیں "اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم" یعنی جب تمہیں کسی کام پر میں حاکم کر دوں تو حتی الوسع تم اسے انجام دیا کرو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔

یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شریعۃ حتی الامکان مصالح کی تحصیل اور مفاسد کی تقلیل و تعطیل کے لئے آئی ہے۔ اہلسنت بے شک یہ کہتے ہیں کہ حتی الوسع ایسے آدمی کو خلیفہ کرنا لایق ہے جو اسکے لئے سب سے زیادہ قابل ہو اکثر کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے

بعض کے نزدیک مستحب ہے اور جو باوجود اپنی قدرت کے محض اپنی خواہش نفسانی کے باعث اس سے عدول کرے تو وہ بیشک ظالم ہے۔ اور جو باوجود اسے دل سے چاہنے کے نہ کر سکے وہ معذور ہے۔ ان کا قول ہے کہ جو شخص خلیفہ ہو جائے تو اس سے حتی الوسع اسکی اطاعت پر اعانت طلب کیجائے اور اسکی طاعت ہی پر اُسکی اعانت کیجائے نہ اسکی معصیت پر اُس سے اعانت طلب کیجائے نہ اسپر اُسکی اعانت کی جائے کیا امامت میں اہلسنت والجماعت کا قول ان لوگوں کے قول سے بہتر نہیں ہے جو ایک معدوم یا عاجز و ناچار کی طاعت کرنے کا حکم کرتے ہیں جس سے اس اعانت کا حصول ممکن نہیں ہے جو ائمہ سے مطلوب ہوتی ہے۔ اسی لئے جب شیعہ اہلسنت والجماعت کے مذہب سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ائمہ مسلمین کی اعانت نہیں کرتے اور نہ ان سے اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں تو اسوقت یہ نامسلمانوں کی اعانت کرنے اور ان ہی سے اعانت طلب کرنے لگتے ہیں بظاہر توان کا دعوے امام معصوم پر ہے مگر ظاہر میں کوئی ایسا امام نہیں رکھتے جس کا یہ اقتدا کریں سوائے نامسلمانوں کے۔

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ جس نص کا شیعہ دعوے کرتے ہیں وہ حق اور موجود ہے۔ اور لوگوں نے اس منصوص علیہ کو خلیفہ نہیں کیا تو ایک امر واجب کے تارک ہوئے مگر وہ امام جو مقصود امامت پر قایم ہو گیا ہے خلیفہ وہی ہے نہ کہ وہ ممنوع و مقہور۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ خلیفہ کئے جانیکا مستحق تھا لیکن جب یہ خلیفہ نہیں بنایا گیا تو اسکا گناہ اسکے ذمہ ہے جس نے اسکی حق تلفی کی ہے یا اسپر ظلم کیا ہے نہ کہ اسپر جس نے اسکی حق تلفی نہیں کی نہ اسپر ظلم کیا۔

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ امام مقرر کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں بندوں کے لئے لطف و مصلحت ہے۔ پس جب اللہ اور اللہ کا رسول اس بات کو جانتے تھے کہ جس خاص آدمی کے خلیفہ کرنیکا حکم دیا جائے گا وہ اُسے خلیفہ نہ کریں گے نہ اسکی خلافت سے وہ کچھ فائدہ اٹھائیں گے تو انھیں اسی کو خلیفہ کر دینے کا حکم دیدینا تھا جسکو ان کا منشار خلیفہ بنانے کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا تھا جیسا کہ نماز وغیرہ کی امامت میں کیا گیا ہے لیکن اس صورت میں یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ وہ نص جو پیش کی جاتی ہے سراسر غلط اور بہتان ہے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ حضور انور نے اپنے بعد کے تمام واقعات اور اختلافات کے ہونے کی اپنی امت کو خبر دیدی تھی پس جب آپ نے ایک خاص شخص کی امامت پر اپنی امامت کے لئے نص کردی تھی جسے آپ جانتے تھے کہ اس شخص کو یہ خلیفہ نہ کریں گے بلکہ اُسے چھوڑ کے اور کسی کو کریں گے جسکی خلافت سے انھیں خلافت کا مقصود حاصل ہوگا اور جب اس منصوص کی باری آئے گی تو امت میں ایسی ہولناک خونریزی ہوگی جو اس غیر منصوص سے نہیں ہوئی نہ اس سے خلافت کے وہ مقاصد حاصل ہونگے جو اس غیر منصوص سے ہوئے تھے تو حضور انور کو اس منصوص سے عدول ہی کرلینا واجب تھا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک خلیفہ کے پاس دو آدمی ہیں اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اگر میں ان میں سے ایک کو حاکم کروں تو اس کی فرمانبرداری کی جائے گی اور ملک فتح ہوں گے۔ دشمن مغلوب ہوں گے اور اگر دوسرے کو کروں تو نہ اسکی کوئی اطاعت کرے گا نہ کوئی ملک فتح ہوگا بلکہ اور رعیت میں فتنہ وفساد برپا ہوجائے گا۔ ہر شخص یہ سمجھ سکتا اور شہادت دے سکتا ہے کہ اسے اسی شخص کو حاکم کرنا چاہیئے۔ جس کی بابت اُسے یہ امید ہو کہ اسکی حکومت سے منفعت اور بھلائی حاصل ہوگی نہ کہ اسکو جس کی حکومت سے رعیت میں بدامنی اور خونریزی کے سوا کچھ نہ ہو کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس علم کے بعد اللہ اور اللہ کا رسول خلفاء ثلثہ کی خلافت کا تو نص نہ کرتے اور کرتے تو ایسے شخص کی خلافت کا جسکا کوئی بھی کہا نہ مانے بلکہ اس سے اسقدر جنگ وجدال کیا جائے کہ نہ وہ دشمنوں کو مغلوب کرسکے نہ اپنے ساتھیوں کی اصلاح کرسکے۔

قصہ مختصر یہ کہ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ امام اور خلیفہ وہ صاحب حکومت ہوتا ہے جو موجود ہو جس میں خلافت وامامت کے مقصود ادا کرنے کی قدرت ہو جیسا کہ نماز کا امام وہ ہے جو لوگوں کو نماز پڑھائے اور نمازی اسی کی اقتدا کریں۔ نماز کا امام وہ نہیں ہوسکتا جو نماز پڑھانیکا مستحق ہو۔ مگر کسیکو نماز نہ پڑھاتا ہو۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے وہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

من رأى من اميره شيئا يكرهه فليصبر عليه فانه ليس احد من الناس يخرج عن السلطان

شبرا فمات علیہ الا مات میتة جاھلیة"

یعنی جو شخص اپنے حاکم کی کوئی خلاف بات دیکھے تو اسپر اسے صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو کوئی اپنے بادشاہ کے کہنے سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوکے اسی پر مر گیا تو وہ جاہلیۃ کی موت مرے گا۔ اب خیال کیجئے کہ رسول اللہ نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے یا بادشاہ کا کہنا ماننے کو ایسا خوفناک اور اہم امر قرار دیا ہے کہ اسلام اور کفر کا مدار اسی پر کر دیا۔ جاہلیۃ کی موت مرنے کے معنی خاتمہ بخیر کے نہیں ہیں۔ مسلمان کو کبھی جاہلیۃ کی موت نہیں آتی نامسلمان ہمیشہ جاہلیت کی موت مرا کرتے ہیں۔ اب انصاف سے شہادت حسین کے قصوں کو پڑھیئے اور اس صحیح حدیث سے موازنہ کرکے دیکھئے تو آپ کو صاف طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ شہادت کے فسانے ماننے پر امام حسین پر کیسی زد آتی ہے۔ بہر حال اسکی بحث نفس کتاب میں مفصل ہوگی۔ انشاء اللہ حضور نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ اگر حاکم کی کوئی بات خلاف دیکھو تو اسپر صبر کرو۔ ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ آپ نے کسی سلطان یا حاکم کی تخصیص نہیں کی۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ نے فرمایا۔ من خرج من الطاعة و فارق الجماعة ثم مات مات جاھلیة" یعنی طاعت سے خارج ہونے اور جماعت سے باہر ہونے اور پھر اسی حالت میں مر جانے کو جاہلیت کی موت کہا ہے گویا حد درجہ آپنے ایسے شخص کی برائی بیان فرمائی۔ اہل جاہلیت ہمیشہ شتر بے مہار کی طرح زندگی بسر کرتے تھے نہ ان کا کوئی حاکم تھا نہ انھوں نے کسی کی اطاعت قبول کی اور یہی سب میں زیادہ برائی ہوتی ہے۔ حضور انور ہمیشہ ضرورت ہوتے ہی حاکم مقرر فرما دیا کرتے تھے یہانتک کہ سفر کی بابت بھی آپ کا یہ حکم ہے کہ جب تین آدمی سفر میں چلیں تو وہ بھی اپنے میں سے ایک کو افسر مقرر کرلیں حالانکہ تین کا عدد جمع کے اعتبار سے ادنے درجہ کا ہے۔ فقط

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ بعض صحابہ نے طالب دنیا کو قابل بیعت خیال کرکے سخت بے پروائی اور غفلت سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی انھوں نے بڑی بے توجہی سے حق کو اپنے ہاتھ ہی سے نہیں کھویا بلکہ آخرت کے دین دار سے

کیونکہ غیر مستحق کو انھوں نے دوسرے کا حق دیدیا ہے۔ اس میں اللہ ان سے مواخذہ کریگا بعض نے محض اپنی کم فہمی کی وجہ سے تقلید کرلی۔ اور ایک جم غفیر کو دیکھ کے آنکھ بند کرکے اسی کے پیچھے ہولئے اور انھیں یہ شبہ ہوگیا کہ کثرت ہی میں صواب ہے یا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے حالانکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "وقلیل من عبادی الشکور" یعنے میرے شکر گزار بندے کم ہیں۔ فقط

جواب

شیعی علماء نے صحابہ کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایک تو طالب دنیا تھے۔ دوسرے وہ تھے جنھوں نے غور نہیں کی۔ تیسرے ایسے تھے۔ جو غور ہی کرنے سے عاجز تھے۔ کیونکہ برائی گیا تر فساد کا قصد کرنے سے حاصل ہوتی ہے یا جہل کی وجہ سے اور جہل یا تو غور نہ کرنے سے ہوتا ہے یا اس سے مجبور ہونے کی وجہ سے غرض یہ تینوں باتیں بقول شیعی علماء صحابہ میں موجود تھیں۔ شیعی علماء سے اگر اسکی دلیل پوچھی جائے گی کہ تم نے یہ باتیں کہاں سے لکھدیں تو یقیناً وہ جواب نہ دے سکیں گے۔ یہ بے شک صحابہ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ بغیر علم کے کوئی بات کہنی اللہ نے حرام کردی ہے۔ شیعی علماء کے قول کی ضد ایسی مشہور و معروف ہے جس سے ان کا قول خود بخود حرام مطلق بن جاتا ہے کتنے غضب کا مقام ہے کہ ہم تو ادہر صحابہ کے احوال سے ناواقف ہیں اور اُدھر اُن کی نیت پر حملہ کرکے ان کی بدنیتی۔ جہالت اور غفلت کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ بات بھلا کس طرح جایز ہے۔ اللہ فرماتا ہے "ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا" یعنی جس چیز کا تمھیں علم نہ ہو اسکے تم پاس بھی نہ کھڑے ہو کیونکہ کان۔ آنکھ دل اور سب کا حساب لیا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے "ھا انتم ھؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم" یعنی دیکھو تم ہی وہ ہو جس میں تمھیں کچھ علم تھا اس میں تم جھگڑ ہی چکے اور جس کی تمھیں خبر نہیں اس میں تم کیوں جھگڑتے ہو۔ خیال تو فرمایئے یہ کیونکر ممکن ہے جب ہم اپنے ایمان و یقین اور مشاہدہ سے یہ پاتے ہیں کہ عقل۔ علم اور دین کی رو سے امت مرحومہ میں وہ سب سے کامل تھے عبداللہ بن مسعود نے سچ کہا ہے

کہ تم میں سے جو شخص کسی کے طریقہ پر چلنا چاہے تو وہ ان لوگوں کے طریقوں پر چلے جو گزر چکے ہیں کیونکہ موجود پر فتنہ و فساد کی طرف سے اطمینان نہیں ہوسکتا یاد رکھو اسکے قابل اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قسم ہے اللہ کی وہ اس ساری امت سے افضل ہیں ان کے دل ساری امت سے اچھے ان کا علم ساری امت سے بڑھا ہوا اور ان میں تکلف ساری امت سے کم تھا۔ وہ ایسے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنا دین قایم کرنے کے لیے برگزیدہ کر لیا ہے۔ پس تم ان کی عزت کرو۔ ان کی پیروی کرو اور حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کے دین سے تمسک کرو کیونکہ وہ یقیناً صراط مستقیم پر ہیں۔ فقط (یہ روایت بہت سے محدثین نے نقل کی ہے) اسکے علاوہ ابن بطہ نے اسانید معروفہ کے ساتھ ایک روایت زرین جبشی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے کہ اللہ نے سب بندوں کے دلوں کو دیکھا تھا ان میں سب سے بہتر محمدؐ کا دل پایا اور انھیں اپنے لئے برگزیدہ کر کے اپنی پیغمبری کے لئے مقرر فرمالیا۔ پھر بندوں کے دلوں پر نظر کی تو سب سے بہتر آپ کے صحابہ کے دل پائے جنھیں رسول پاک کا وزرار بنا دیا کہ دین الٰہی کے قایم کرنے کے لئے جانیں دیں گے۔ جو چیز مسلمان اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے یہ بری خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ ہوں مسلمان بس یہ شرط ہے اسکے علاوہ ایک اور اثر ہے جسکے راوی ابوبکر بن عیاش۔ عاصم بن ابی النجود اور زر بن جیش ہیں انھوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ کے سب صحابہ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ ابوبکر ہی کو خلیفہ بنایا جائے پس عبداللہ بن مسعود کا یہ کہنا کہ انکے دل ساری امت کے دلوں سے اچھے اور ان کا علم ساری امت کے علم سے زیادہ اور ان کا تکلف ساری امت کے تکلف سے کم تھا ایک جامع کلام ہے جس میں انھوں نے ان کے دل اچھے ہونے سے ان کی نیک نیتی کو اور ان کا علم زیادہ ہونے سے ان کے کمال معرفت کو اور ان میں تکلف کم ہونے سے بلا علم کوئی بات نہ کہنے کو بیان کر دیا ہے اور یہ اسکے بالکل خلاف ہے جو شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان میں اکثر طالب دنیا تھے اور بعض جاہل اور بعض مجبور تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے جو کچھ کہا ہے یہ بالکل حق ہے کیونکہ وہ بہترین امت ہیں جیساکہ حضور انور کی متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا "خیر القرون القرن الذی بعثت فیہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم" یعنی سب زمانوں سے بہتر زمانہ یہ ہے جسمیں میں مبعوث کیا گیا ہوں پھر جو اسکے بعد ہو پھر جو اسکے بعد ہو اس کے علاوہ اعتبار عقلی بھی اسپر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو شخص محمد کی امت میں اور پھر یہود و نصاریٰ صابئین۔ مشرکین اور مجوس کے احوال میں غور کرے تو اُسے اس امت کی تمام امتوں پر فضیلت علم نافع اور عمل صالح میں ضرور ہی روشن ہو جائے گی قرآن و حدیث۔ اجماع اور قیاس کی رو سے صحابہ اس میں اکمل الامت ہیں یہی وجہ ہے کہ اعیان امت میں سے کیسکو بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو اپنے اور اپنے امثال پر صحابہ کی فضیلت کا معترف نہو اس میں تو آج تک کسی نے نزاع نہیں کیا سوائے شیعی علماء کے۔ آپ اگر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان ائمہ فقہ میں جو معتمد علیہ سمجھے جاتے ہیں کوئی بھی شیعہ صاحب نہیں نظر آتے اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ائمہ حدیث ائمہ زہد و العبادت میں نہ ان افسران سپاہ میں جنکی من جانب اللہ تائید و نصرت کی گئی ہے نہ ان بادشاہوں میں جنھوں نے اسلام کی مدد کی اور اسے قایم کیا اور اسلام کے دشمنوں کو پسپا کیا نہ ان وزراء میں جو سیرت محمودہ میں مشہور و معروف ہیں۔

اب بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ جن لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی تھی وہ ایسے ہی تھے جیسا شیعی علماء فرماتے ہیں یعنی طالب دنیا یا جاہل لیکن قرون امت میں انکے بعد بھی ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی پاکبازی اور ذکاوت کا ہر شخص معترف ہے اور ابوبکر و عمر کی فضیلت پر تو سب کا اتفاق ہے۔ ان دونوں کی تقدیم پر اہل مدینہ کا اجماع منقول ہے حالانکہ اہل مدینہ کا بنی امیہ کی طرف میلان بالکل نہ تھا جیساکہ اہل شام کا تھا بلکہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے دست کشی کرکے حرہ کے سال اس سے جنگ کی تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی علی سے قتال نہیں کیا بلکہ وہ علی کو مدینہ سے جانے کے بعد بھی علماء مدینہ میں شمار کرتے رہے ہیں بایں ہمہ ابوبکر و عمر کی تقدیم پر سب متفق ہیں بیہقی نے معہ اسناد کے امام شافعی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ ابوبکر و عمر کو سب سے مقدم

بیچ میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف نہیں ہوا۔ شریک بن ابی ثمر سے کسی نے پوچھا تھا کہ ابوبکر افضل ہیں یا علی انھوں نے جواب دیا کہ ابوبکر۔ سایل نے تعجب سے کہا تم شیعہ ہو کے یہ کہتے ہو انھوں نے کہا ہاں شیعہ وہی ہے جو اسکا قائل ہو دیکھو میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ علی نے اس منبر پر کھڑے ہو کے علی الاعلان یہ فرمایا تھا یاد رکھو اس امت میں سب سے بہتر اسکے نبی کے بعد ابوبکر و عمر ہیں کیا ہم ان کے قول کو رد کریں یا ہم انھیں جھوٹا کہیں میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ وہ جھوٹے نہیں تھے۔ قاضی عبدالجبار نے اپنی کتاب تثبیت النبوۃ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ پھر بھلا کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ جنھوں نے ابوبکر سے بیعت کی تھی وہ طالب دنیا یا جاہل تھے باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے خلافت اپنے لئے حق کے ساتھ طلب کی اور اس سے بہت تھوڑے لوگوں نے بیعت کی یعنی جنھوں نے دنیا اور اسکی زیب و زینت سے اعراض کر لیا تھا اور انھیں حق کے ادا کرنے میں کسی کی ملامت وغیرہ کا خوف نہ تھا بلکہ انھوں نے خلوص دل سے اسی کی اطاعت کی جو مقدم ہونے اور اطاعت کئے جانے کا مستحق تھا حالانکہ سب مسلمان اس بلا میں مبتلا ہو گئے تھے تو ہر ایک پر واجب تھا کہ حق میں غور کر کے انصاف کرتا اور حق کو اسکے موقع پر رکھ کے اسکے مستحق پر ظلم نہ ہونے دیتا کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "الا لعنة الله علی الظالمین" یعنی یاد رکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

جواب

عجب تماشہ کی بات ہے یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ شیعی علمار کو تو یہ کہنا واجب تھا کہ جب ایک گروہ نے ایسا کیا اور دوسرے گروہ نے ایسا کیا تو یہ دیکھنا واجب ہے کہ دونوں قولوں میں کونسا حق ہے لیکن جب ایک گروہ نے اتباع حق کو اور دوسرے نے اتباع باطل کو اختیار کر لیا اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اسمیں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہی اور اگر یہ ظاہر نہیں ہوا تھا تو اسکے ظہور تک یہ کہنا نہیں چاہیئے۔

دوسرے ہم شیعی علمار سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے خلافت

اپنے لئے حق کے ساتھ طلب کی تھی اور اس سے بہت تھوڑے لوگوں نے بیعت کی یہ علی پر نرا اتہام ہے کیونکہ انھوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان کی خلافت میں اپنے لئے خلافت کبھی نہیں چاہی وہ تو عثمان کے شہید ہونے پر بھی خلافت سے برابر انکار کرتے رہے اور انھوں نے صاف طور پر یہ کہا کہ میں خلافت کے لئے نہیں بلکہ وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوں جیسا کہ نہج البلاغتہ میں بالتصریح موجود ہے۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ علی نے ابوبکر و عمر و عثمان کے زمانہ میں کبھی اپنی خلافت پر لوگوں کو دعوت نہیں دی۔ مگر شیعی علماء یہ کہتے ہیں کہ علی کی نیت تو ضرور تھی کہ ابوبکر و عمر کی جگہ میں خلیفہ بنا دیا جاؤں مگر مجبوراً انھوں نے اپنی نیت کو چھپا لیا تھا۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں پھر بھی ان کے حق میں یہ بات مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انھوں نے اپنے ارادہ کا اظہار ہی نہیں کیا تو کیونکر کوئی شخص ان کی پیروی کر سکتا تھا۔

اسیطرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی سے بہت کم لوگوں نے بیعت کی سراسر غلط اور علی پر اتہام ہے ابوبکر و عمر و عثمان کے زمانہ میں ایک شخص نے بھی علی سے بیعت نہیں کی تھی نہ ایسا کوئی موقع تھا کہ بیعت کرنے کی نوبت آتی۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دو ایک آدمی ایسے تھے کہ علی سے بیعت کرنے کی خواہش رکھتے تھے مگر اس فرضی خواہش سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ علی کی ہر دلعزیزی تو یہانتک تھی کہ جب علی خلیفہ ہوئے ہیں تو صحابہ کا ایک بڑا گروہ معاویہ کی خلافت کو پسند کرتا تھا۔ بعض ایسے تھے جو ان دونوں کے سوا تیسرے کی خلافت چاہتے تھے۔ علی ہذا القیاس جب عثمان سے بیعت کی گئی تو ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو دوسرے کی خلافت چاہتا ہو۔

یہ کئی بار اوپر ذکر آ چکا ہے کہ جن لوگوں نے علی سے بیعت کر لی تھی اور جو خاص آپ کے شیعہ تھے وہ خود علی سے بیزار تھے اور علی ان سے بیزار تھے ساری نہج البلاغت اسی رونے پیٹنے سے بھری ہوئی ہے علی دق ہو ہو کے انھیں کوستے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے اور سخت تنگ تھے۔ چنانچہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے "اللھم انی سئمتھم وسئمونی فابدلنی بھم خیرا منھم وابدلھم بی شرا منی" یعنے اے اللہ بیشک میں ان سے تنگ آگیا ہوں

اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں بس مجھے ان کے بدلہ ان سے بہتر آدمی عطا کر اور انھیں میرے بدلہ میں مجھ سے بدتر دے۔

علی کے شیعہ جن سے وہ اتنے نالاں تھے ہمیشہ علی کو دہوکا دیتے ان کے دشمنوں سے پوشیدہ خط کتابت کرتے اور ولایات واموال میں ان کی خیانت کرتے رہے ہیں۔ اسوقت یہ رافضی نہیں کہلاتے تھے بلکہ ان کا نام شیعۂ علی اسوقت ہوا ہے جب دو فرقے ہوگئے ایک فرقہ عثمان کا طرفدار ہوگیا دوسرا علی کا اور یہ لوگ بہتر شیعہ تھے مگر علی ہی نہیں بلکہ حسن اور حسین سے جو کچھ ان کے معاملے ہوئے وہ ظاہر ہیں۔ ان صاحبزادوں پر کیا کیا ستم توڑے گئے اور کیا کیا تکلیفیں دی گئیں۔ میدان قادسیہ میں کس طرح مسند سے گھسیٹ کے امام حسن کو مارا گیا یہ سارے ذکر اپنی جگہ پر آئیں گے پھر بھلا سوائے اصحاب ثلثہ سے بیعت کرنے والوں کے اور کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جنھیں دین کے آگے کسی کی ملامت کی پروانہ ہو اور جنھوں نے اللہ کے احکام بجالانے میں کبھی کسیکا خوف نہیں کیا وہ سب سے زیادہ زاہد اور آخرت کے سب سے زیادہ شایق تھے بتاؤ تو سہی وہ کون ہیں جو دنیا میں زاہد ہوئے ہیں اور اظہار حق پر انھیں کسی کی ملامت مانع ہوئی ہو ہمیں تو ایسے ایک شخص کا بھی پتہ نہیں لگتا کہ جسنے ابوبکر و عمر عثمان سے بیعت نہ کی ہو اور علی سے بیعت ہونے پر اس میں یہ صفتیں آگئی ہوں۔ یہ بارہا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے منحرف ہو کے ان کی مخالفت اور علی کی موافقت ظاہر کرتا ہو۔ کل مسلمان خلفاء ثلثہ سے خوش تھے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بعض ان میں سے علی کی تقدیم کو چھپاتے تھے لیکن ان لوگوں کا یہ حال نہیں ہوتا جو اللہ کے احکام ادا کرنے میں کسی کی ملامت کا خوف وخیال نہیں کرتے۔ یہ تو علی کے ساتھیوں کا حال دیکھنا ہے کہ بیچارے اپنی خلافت میں اپنے ساتھیوں پر کس کس طرح دانت پیستے تھے۔ جنگ میں سستی کرنے بلکہ صاف انکار کر دینے پر کس شدت سے ملامت کرتے تھے پس ان شیعوں کو خلفاء ثلثہ کے اصحاب سے نسبت ہی کیا ہے لاحول ولاقوۃ۔

اگرچہ ابوذر۔ عمار۔ سلمان وغیرہ پر نرا اتہام لگایا جاتا ہے لیکن متواتر روایتوں سے

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ابوبکر و عمر کی سب سے زیادہ تعظیم اور پیروی کرنے والوں میں سے تھے۔ بعض کی طرف سے عثمان کے برخلاف ہونا نقل کیا جاتا ہے لیکن ابوبکر و عمر سے تو ان کی مخالفت کا کہیں بھی مطلق بیان نہیں ہے۔

اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صدیق اکبر۔ فاروق اعظم اور عثمان غنی کی خلافتوں میں شیعہ کوئی بھی نہیں کہلاتا تھا۔ اور نہ شیعہ کا لفظ کسی کی طرف نسبت کیا جاتا تھا نہ عثمان کی طرف نہ علی کیطرف جب عثمان شہید ہو گئے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ اسوقت کچھ لوگ عثمان کے طرف دار ہوئے کچھ علی کے اور پھر ان دونوں جماعتوں میں لڑائی ہو گئی۔ عثمان کے شیعوں نے علی کے شیعوں کو قتل کر دیا۔

صحیح مسلم میں سعد بن ہشام سے مروی ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں مدینہ رہا کروں اور فی سبیل اللہ جہاد کیا کروں چنانچہ انھوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنی زمین فروخت کر کے اس روپے سے ہتیار اور اونٹ وغیرہ خرید کر لئے جائیں اور مرتے دم تک رومیوں سے جہاد کیا جائے انھوں نے اپنا یہ ارادہ پورا کر لیا۔ اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور جب مدینہ آئے وہاں کے رہنے والوں سے ملے تو انھوں نے سعد کو اس ارادہ سے منع کیا اور کہا کہ رسول کی زندگی میں چھ آدمیوں نے ایسا ارادہ کیا تھا انھیں آپ نے منع کر دیا اور یہ فرمایا کیا تم میرا اقتدار نہیں کرتے؟ جب سعد نے یہ حدیث سنی تو اپنی بیوی سے رجعت کرلی۔ پھر ابن عباس کے پاس آئے اور ان سے رسول اللہ کے وتروں کو دریافت کیا انھوں نے جواب دیا کیا میں تمھیں ایسا عالم نہ بتا دوں جو رسول اللہ کے وتروں سے تمام روئے زمین کے آدمیوں سے زیادہ واقف ہو۔ سعد نے پوچھا وہ کون بتایا۔ عایشہ صدیقہ تم ان ہی کے پاس جاؤ اور ان ہی سے دریافت کرو۔ جو کچھ وہ جواب دیں اسکی مجھے بھی خبر کر دینا۔ سعد کہتے ہیں کہ میں صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے پہلے حکیم بن افلح کے پاس گیا تاکہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں جب سعد حکیم کے پاس پہنچے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا نہیں میں تو صدیقہ کے پاس کبھی نہ جاؤنگا کیونکہ میں نے انھیں منع کر دیا تھا کہ دونوں فرقوں کے شیعوں کے بارے میں وہ کچھ مداخلت نہ کریں

لیکن انھوں نے نہ مانا اور بڑا خلت کی۔ سعد کہتے ہیں میں نے حکیم کو قسم دی کہ تمھیں ضرور چلنا ہوگا اخیر انکے اصرار سے وہ راضی ہو گئے اور ہم دونوں صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مطلب دریافت کریا۔

ایک دن معاویہ نے ابن عباس سے پوچھا "انت علی ملة علی" یعنی کیا تم علی کے مذہب پر ہو۔ انھوں نے جواب دیا "لا علی ملة علی ولا علی ملة عثمان انا علی ملة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی نہ میں علی کے مذہب پر ہوں نہ عثمان کے مذہب پر میں تو رسول اللہ کے مذہب پر ہوں وہ شیعہ جو علی کے صحبت یافتہ تھے۔ ابوبکر و عمر کو علی پر مقدم کرتے تھے۔ نزاع اگر تھا تو فقط اس بات میں تھا کہ عثمان مقدم ہیں یا علی جسے ہم کئی بار مختلف موقعوں پر لکھ آئے ہیں۔ اسوقت نہ کوئی امامی کہلاتا تھا نہ شیعہ یہ سارے الفاظ خیر القرون کے بعد کے تراشے ہوئے ہیں سب مسلمان تھے اور مسلمان ہی کہہ کے پکارے جاتے تھے۔

انبیا کو بے حجت کرنا

یہ بحث اور بھی زیادہ دلکش ہوگی۔ رات دن جو تقدیر کا رونا رویا جاتا ہے وہ سب اس سے جاتا رہے گا دوسرے دہریوں۔ ملحدوں اور آریوں کے اعتراض مونہ کے بل آپڑیں گے۔ جو خداوند تعالیٰ کی قدرتوں پر کرتے ہیں۔ جبر و قدر کے باریک مسائل پر گزشتہ صفحات میں پوری بحث ہو چکی ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ ادھر شیعی احباب کے اعتراضوں کا جواب دیں اور ادھر علمی رازوں پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اٹھا دیں۔ اگر ہم سے یہ خدمت بن پڑی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے انسانی فرض ایک حد تک ادا کیا۔ یہ بحث فی الحقیقت بہت دقیق ہے۔ یہاں غزالی اور رازی کے بھی پر جلتے ہیں۔ اور محقق طوسی کے تو تن بدن میں لرزہ پیدا ہوتا ہر شخص کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسی دقیق بحث کو اٹھائے اور اخیر تک نبھاتا چلا جائے۔ چند ہما شما جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں وہ ہمارے مکتب کے معمولی طلبہ سے زیادہ علمی وجاہت نہیں رکھتے۔ لہذا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تحریروں اور تحقیق و تنقید کا مقابلہ طوسی۔ ابن رشد۔ رازی اور غزالی وغیرہ سے کیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ آسمان پر علم کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے

خداوند تعالےٰ ہر عصر میں اپنے ایک بندہ کو اپنے کام کے لئے چن لیتا ہے اور پھر اپنا کام اُسی سے پورا کرالیتا ہے۔ نہ اس میں کوئی مبالغہ ہے اور نہ خلاف۔ سچی بات ہے۔ شک کی مطلق گنجایش نہیں۔ فقط

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ منجملہ دیگر شکوک کے ایک یہ ہے کہ انبیاء کا ساکت اور بے حجت کرنا لازم آتا ہے اسلئے کہ جب ایک نبی نے کافر سے کہا کہ تو مجھپر ایمان لا اور مجھے سچّا جان تو وہ جواب میں کہتا ہے تم مجھ سے کیا کہتے ہو اس سے کہو جس نے تمھیں نبی بناکے بھیجا ہے کہ وہ مجھ میں ایمان پیدا کر دے یا کوئی ایسی موثرہ قوت عطا کرے جسکی وجہ سے میں ایمان لانے کے قابل ہو جاؤں اور تمپر ایمان لے آؤں ورنہ مجھ میں بلا ایسی قوت ہوئے آپ مجھے ایمان لانے پر کیسے مجبور کرتے ہیں کیونکہ اللہ نے تو میرے اندر کفر پیدا کیا ہے اور میں اللہ کا مقابلہ اور اس سے زبردستی نہیں کر سکتا یہ سُن کے انبیا ساکت ہو جائیں گے اور ان سے کچھ جواب بن نہ آئے گا۔ ہم جب جانیں کہ سُنّی انبیا کی طرف سے اسکا ایسا مدلل جواب دیں کہ کافر ہونٹ چاٹتے ہی رہ جائیں۔

جواب

یہ ہمارے شیعی احباب کا ایک بہت بڑا طعنہ ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ سوائے شیعوں کے اسکا جواب باصواب کوئی سنی نہیں دے سکتا۔ حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ ہم نے باوجود تلاش بسیار کے شیعوں کے ایک عالم کو بھی ایسا نہیں پایا جس نے اس اعتراض کا کوئی جواب دیا ہو یقیناً ہم ہی اسکا جواب دیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم سے بہتر اسکا کوئی جواب دے بھی نہیں سکتا۔ سنیئے اور غور سے سنیئے۔ یہ مقام ایسا ہے کہ اس میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جب انھیں وہ امور بتائے جائیں جو انپر واجب ہیں تو تقدیر کا حیلہ حوالہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور یہ کہنے لگتے ہیں جب تک اللہ ہمیں قدرت نہ دے اور حکم نہ کرے یہ امور ہم سے ادا نہیں ہو سکتے۔ علی ہذا القیاس جب انھیں کسی حرام فعل سے منع کیا جاتا ہے۔ تو فوراً بول اٹھتے ہیں۔ کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں ایسا ہی لکھدیا ہے ہم مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔ غرض اسی قسم کی اور بھی باتیں بناتے ہیں

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دنیا کے دانش مندوں۔ مدبروں اور کل اہل مذاہب نے کبھی تقدیر کے حیلہ حوالہ کو تسلیم نہیں کیا اور اسے سخت لغو اور بیہودہ بات جانی۔ شریروں نے جرم سے بچنے اور اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے تقدیر کا حیلہ نکالا ہے ارادتاً تو شراب خواری کر رہا ہے۔ لوگوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ جھوٹی گواہیاں دے رہا ہے۔ پرائی بہو بیٹیوں سے زنا کر رہا ہے اور جب ان افعال شنیعہ پر ڈانٹا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کیا کروں میری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ وہی باتیں جو وہ اوروں کے ساتھ کر رہا ہے اور اگر اسکے ساتھ کی جائیں اور پھر تقدیر کا عذر کر دیا جائے تو وہ کبھی اس عذر کو تسلیم نہیں کرے گا اور جان لینے اور جان دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ تقدیر کے ساتھ حیلہ حوالہ کرنا محض بے سود اور بے دلیل بات ہے۔ یہ دعوے ایسی بیکار دلیل کے ساتھ کبھی قبول نہ کیا جائے گا۔ خاصکر اسوقت جب منہیات کے کرنے اور حقوق واجبہ کے چھوڑنے پر حجت کی جائے۔ ہر مذہب میں مجرم کو ہمیشہ سزا ملی ہے۔ خود خداوند تعالٰے گنہگار کو سزا دیتا ہے زمین سے لیکر آسمان تک ایک ہی انتظام کا سلسلہ قایم ہے اور اس سلسلہ سے کسیکو بھی مفر نہیں۔

اب اسکا علمی پہلو دیکھو یہ شبہ ایسا ہے جیسا فلسفیوں کو بھی علوم میں پیش آجاتا ہے اور تم انکے شبہات کو غلط جانتے ہو اسیطرح ایسا ہی شبہ یہ ہے جو اعمال میں پیش آتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ شبہ تصدیق اور عدل وغیرہ کے وجوب کو ساقط کرنے اور کذب وظلم وغیرہ کے مباح کرنیکی کافی دلیل ہے۔ لیکن دل میں سب کا یقین ہے کہ شبہ محض بیکار ہے۔ اسیوجہ سے تحقیق کے وقت اسے کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی اُسے حجت بناتا ہے ہاں جسے اپنے افعال کی کوئی حجت معلوم نہ ہو اور پھر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس فعل کا کرنا ہی مصلحت ہے اور یہی مامور ہے اور یہی کرنا بھی چاہیئے تو وہ شخص تقدیر سے کبھی حجت نہیں کرتا۔ اسی طرح جب اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ جو فعل میں نے نہیں کیا وہ کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ یا اسکے کرنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے یا وہ مامور بہ نہیں ہے تو بھی وہ تقدیر کے ساتھ اسپر حجت نہیں کرتا بلکہ تقدیر سے حجت اسوقت کی جاتی ہے جب کوئی شخص

اپنی خواہش نفسانی کا پیرو ہو جاتا ہے۔ اور اسوقت وہ محض اپنی جہالت اور علم سے تقدیر کے ساتھ حجت لانے لگتا ہے۔ یہی وجہ تھی جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین نے یہ کہا تھا۔

"لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباءنا ولا حرمنا من شیء"

یعنی اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کر سکتے تھے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے اسکے جواب میں آسمان سے یہ آواز بلند ہوئی۔

هل عندکم من علم فتخرجوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون"

یعنی کیا تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل ہے اگر ہے تو ہمارے سامنے لاؤ نہیں تو تم اپنے خیال پر اڑتے اور فضول اٹکل پچو باتیں بناتے ہو۔ مشرکین کو کیا دنداں شکن جواب دیا گیا ہے جسکا جواب لاجواب ہونا ناممکن ہے وہ یہ سنکے اپنا سا مونہ لیکے رہ گئے۔ مشرکین اپنے خیال میں یہ نہ سمجھے تھے کہ ہماری یہ حجت بالکل بیکار اور بے سود ہے۔ اور ان کے اس سمجھنے کی یہ پوری دلیل ہے کہ اگر کوئی ان ہی میں سے دوسرے پر ظلم کرے یا کسی کا نقصان کردے یا کسی کی عورت سے زنا کرے یا کسی کے بچہ کو مار ڈالے یا اور کسی ظلم و زیادتی پر اڑ جائے اور لوگ اسے ان قبیحہ افعال سے منع کریں اور وہ ان کے جواب میں یہ کہے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں ان افعال قبیحہ کو نہ کرتا۔ تو وہ اسکی حجت اور کہنے کو کبھی تسلیم نہیں کرنے کے اسیطرح دوسرے موقع پر کسی اور کی طرف سے یہ خود بھی تسلیم نہیں کرنے کا۔ ایسی بیکار باتوں کو جو شخص حجت بناتا ہے وہ محض اپنے سے ملامت اور سرزنش رفع کرنے کے لئے بلاوجہ ایسی بیکار حجتیں پیش کرتا ہے جسے عملی طور پر خود بھی قبول نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہوئی کہ خدا کی طرف سے مشرکین سے خطاب کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے اس کہنے کی تمہارے پاس کوئی حجت ہے تو تم ہمارے آگے پیش کرو جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ شرک اور تحریم اللہ ہی کے حکم سے ہے اور یہ کہ اسکا کرنا مناسب اور مصلحت ہے نہیں تم لوگ محض اپنے فاسد خیالات کی پیروی کرتے ہو ورنہ کیا تمہیں یہ خبر نہیں ہے کہ یہ تمہارا خیال ہی خیال ہے اور یہ سب تم اپنی طرف سے باتیں بناتے اور فضول ایجاد کرتے ہو جسکا نفس الامر میں

کچھ پتہ نشان نہیں۔ یاد رکھو اللہ کی مشیت اور قدرت کبھی کسی کے لئے کسی فعل میں حجت نہیں ہوسکتیں نہ ایک کی طرف سے دوسرے پر حجت ہوسکتی ہیں نہ کسی کے لئے باعث عذر بن سکتی ہیں۔ اس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ قضا و قدر میں سب لوگ شریک اور برابر ہیں۔ اگر یہ ایک کے لئے حجت اور دلیل بنجائے تو پھر عادل۔ ظالم۔ صادق۔ کاذب۔ عالم۔ جاہل۔ اچھے اور برے میں کوئی فرق نہ رہے گا نہ یہ معلوم ہوسکے گا انسان کو کونسے امور سنوارتے کونسے بگاڑتے کونسے نفع دیتے اور کونسے نقصان پہنچاتے ہیں۔ مشرکین جنھوں نے اللہ کے پیغمبروں کے ارشادات کو ترک کرنے پر تقدیر سے حجت کی ہے اگر آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کو ساقط کرنے اور ان کے حکم کی مخالفت کرنے میں اسی طرح حجت کریں تو اسے کبھی کوئی قبول نہ کرے گا بلکہ یہ خود ہی اسکے اس فعل کے باعث اس سے دشمنی رکھنے لگیں گے اسی طرح جب حضور انور اس کرۂ ارض میں بھیجے گئے تو بندوں پر جو اللہ کا حق ہے اُسے ادا کرنے اور اُسکے حکم کی پیروی کرنے کی لوگوں کو دعوت دی اسکے جواب میں مشرکین نے تقدیر کے ساتھ حجت کی اور ساتھ ہی اپنے حقیقی مالک کا حق چھوڑنے اور اسکے حکم کی مخالفت کرنے پر حجت پر حجت کرتے رہے اور حجت بھی وہ کی کہ اگر یہی حجت انکا حق نہ دینے اور ان کی مخالفت کرنے میں کی جاتی تو وہ کبھی اُسے تسلیم نہ کرتے۔

صحیحین میں معاذ بن جبل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا اے معاذ تمھیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کتنا حق ہے دیکھو بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اسکی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں اور کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے ان کا حق یہ ہے کہ جب یہ اسکا حق ادا کردیں تو وہ انھیں عذاب نہ کرے۔ فقط خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر کے ذریعے ایسے جاہلوں کا حجت کرنا جنھیں اسکا بھی علم نہ تھا کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں اور کیسے نہیں کرتے اس بضاعت پہ ان کا اپنے خیالات کی کدکرنا اور اپنی ہی طرف سے انشاسید یا ایجاد کرلینا ہے حالانکہ وہ اپنے حقوق میں کبھی ایسا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے خالق کا حق ادا نہ کرنے اور اسکے حکم کی مخالفت کرنے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس قسم کی حجت کرنے والوں کو خواہ وہ کوئی ہوں صوفیہ ہوں فقرا ہوں یا فقہاء غیرہ ہوں تم دیکھوگے

کہ اپنے خیالات کی پیروی کرنے اور خواہشات نفس کو پورا کرنے کے وقت اسطرف کبھی کوشش کرتے ہیں اگر انھیں علم ہوتا اور ہدایت پر ہوتے تو تقدیر سے کبھی حجت نہ کرتے۔ چونکہ علم اور ہدایت انھیں حاصل نہیں ہے۔ اسلئے وہ ایسا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی اصل اور عمدہ بنیاد ہے جو شخص اسے اپنے ذہن نشین کرے گا تو اسے بہت سے لوگوں کی گمراہی اور سرکشی سے آگاہی ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ تم ان مشائخ اور صالحین کو دیکھو گے جو اللہ کے اوامر ونواہی کے پیرو ہیں اور اپنے شاگردوں کو علم شریعت کی بہت ہی تاکید سے نصیحت اور وصیت کرتے ہیں۔ اس لئے بسا اوقات بہت سے امور ایسے پیش آجاتے ہیں کہ ان سے انھیں محبت اور تعلق ہو جاتا ہے جسکے بعد وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور اس میں انھیں یہانتک مبالغہ ہو جاتا ہے کہ دین الٰہی اسی کو سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ ان کے پاس سوائے اس گمان تعلق اور وجدان کے کچھ نہیں ہوتا جسکا انجام کار نفس کی خواہش اور الفت کی طرف نکلتا ہے اسوقت کبھی تو وہ تقدیر سے حجت کرنے لگتے ہیں اور کبھی اس گمان کو آگے کر دیتے ہیں اصل میں دیکھا جائے تو وہ اپنی خواہشوں کے ہی پیرو ہیں۔ ہاں جس وقت انھیں اس علم کی پیروی نصیب ہو گئی جسے شارع علیہ السلام لے کے آئے ہیں۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ وہ اس گمان اور خواہش نفس سے نکل گئے اور اسکے پیرو ہو گئے جو اللہ کی طرف سے ہے اور ہدایت ہے چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

"فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی"

یعنی اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچ جائے تو پھر جس نے اس ہدایت کی پیروی کر لی نہ وہ کبھی گمراہ ہوگا نہ بدنصیب۔ اسکے علاوہ یہی مضمون سورۂ انعام۔ نحل اور زخرف میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"قالوا لو شاء الرحمن ما عبدنا ھم مالھم بذلك من علم ان ھم الا یخرصون"

یعنی یہ مشرکین وغیرہ کہتے ہیں اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم بتوں کی کبھی پرستش نہ کرتے۔ انھیں اس کا بالکل علم نہیں یہ فقط اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ انھیں اس کا بالکل علم نہ تھا وہ اپنی ہی طرف سے باتیں بناتے تھے۔ پھر ملاحظہ ہو سورۂ انعام

میں ہے "قل فللہ الحجۃ البالغۃ"، کہدو بڑی پوری حجت اللہ ہی کی ہے، یعنی پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے اللہ نے اپنی سب کے حجت پوری کردی۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" (یعنی) تاکہ پیغمبروں کے آجانے کے بعد اللہ پر لوگوں کی حجت نہ رہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ فلو شاء لھدٰکم اجمعین" یہاں تو تقدیر کو بھی کھولدیا یعنی پہلے حجت شرعیہ کو ثابت کرکے بعد میں مشیت قدریہ کا بھی بیان کردیا یقینا یہ دونوں حق ہیں۔ پھر سورہ نحل میں فرماتا ہے۔

قال الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما عبدنا من دونہ من شئ نحن ولا آباؤنا ولا حرمنا من دونہ من شئ کذلک فعل الذین من قبلھم فھل علی الرسل الا البلاغ المبین"

اس آیت میں یہ بیان کردیا کہ مشرکین وغیرہ کی یہ باتیں ان احکام کی بابت جو پیغمبر لے کے آئے ہیں پیغمبروں کی تکذیب کرنے میں کبھی حجت نہیں ہوسکتیں بر خلاف اسکے اگر کوئی حجت ہوتی تو ہر حق سے جھٹلانے اور ہر ظلم کے کرنے پر اس سے حجت کی جاتی یہ بات تو صریحًا فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے کہ ایسی ھلکی بات پر حجت کی جائے۔ یاد رکھیئے کسی شخص کا اس سے حجت کرنا اسکی بے علمی اور اتباع ظن کے باعث سے ہوگا یا مثل اُن اشخاص کے جنھوں نے ایسی پوچ مدافعت سے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے۔

یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کسی حاکم نے اپنے ماتحتوں کو پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ یہ کرنا اور یہ نہ کرنا اور ان کے حیلے اور شبہات بھی سب رفع کردیئے لیکن انھوں نے اپنے حاکم کی تعمیل ارشاد نہ کی اور اپنے لیئے نئے طریقے ایجاد کرلئے اور اپنے اعمال کا ستیاناس کردیا اب حاکم کو اختیار ہے کہ انھیں سزا دے یا ان سے انتقام لے۔ اسپر اگر وہ یہ کہیں کہ خدا نے ہمارے مقدر میں ایسا ہی لکھ دیا تھا اگر وہ چاہتا تو ہم کبھی ایسا نہ کرتے تو اسوقت انھیں یہ جواب ملے گا کہ تمہارے پاس اسکی حجت نہیں ہے اور نہ اب تمہارا کوئی عذر چل سکتا ہے لہذا ان فضول باتوں کو ہم سُننا نہیں چاہتے۔ اور دوسری مثال دیکھو کسی حاکم نے دوسرے شہر مال واسباب کو پہنچانے کے لئے ایک قافلہ کے سپرد کیا۔ قافلہ والے اسے لیکے روانہ ہوگئے اور انھوں نے ایک جنگل میں جہاں آدمی کا پتہ نہ تھا اس مال اسباب کو چھوڑدیا

اور آپ آگے نکلے چلے گئے۔ پھر اسی حاکم نے اپنے کسی دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا یہ لشکر بھی اتفاق سے اسی راستہ پر جا نکلا جہاں وہ مال پڑا ہوا تھا۔ لشکر نے اس مال کو لاوارث سمجھ کے اٹھالیا اور محفوظاً اپنے حاکم کے پاس پہنچا دیا کہ یہ مال اپنی مہم میں ہمیں ملا ہے اب حاکم کو چاہیئے کہ پہلے ان قافلہ والوں کو جنکے سپرد یہ مال کیا تھا سزا دے کہ انھوں نے محض شرارت اور غفلت سے ایسا کیا۔ اگر وہ کوئی عذر کریں تو انکے مونہ پر یہ کہہ کے مار دے "عذر گناہ بدتر از گناہ" حاکم یہ کہہ سکتا ہے کہ تم نے میری حکم عدولی کی امانتوں اور ودیعتوں کی طرح اسکی حفاظت نہیں کی مطلب یہ ہے کہ حاکم کی یہ حجت پوری پوری انپر قایم ہو جائے گی اور وہ اُسے ہرگز ظالم نہ کہہ سکیں گے۔ اسیطرح یہ سمجھ لو کہ خداوند تعالےٰ جو کچھ کرتا ہے وہ ہر کام میں بڑا حاکم اور عادل ہے کوئی شے اسکی مشیت اور قدرت سے باہر نہیں ہے۔ جب اس نے اپنے بندوں کو ان ہی کی مصلحت اور بہتری کے لئے حدود شرعی کی حفاظت اور فرائض ادا کرنے کا حکم دیا تو یہ انپر اسکا احسان ہے اور ان کا اسکی حمد کرنا ان ہی کے لیئے مفید ہے۔ پھر اللہ نے اور امور پیدا کیئے اور جب ان امور کے پیدا ہونے کے سبب سے بندوں نے سرکشی کر کے اپنا نقصان کر لیا پھر بھی وہ ان دونوں کے پیدا کرنے اور انھیں حکم دینے میں عادل ہے۔ اگرچہ اس نے بندوں کی ایسی اطلاع یا خبر سے امداد نہیں کی جسکے باعث وہ اس سرکشی اور اپنی جان پر ظلم کرنے سے بچ جاتے خاصکر اس صورت میں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس اطلاع کو پیدا کر دیا تو ایک بڑی مصلحت کا فوت ہونا لازم آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے یہاں کوئی حجت نہیں لا سکتا بلکہ اس حق کا اتباع نہ کرنے کی وجہ سے جو شارع نے بیان کر دیا ہے۔ محض حیلہ کے طور پر کوئی حجت کر سکتا ہے اس لئے کہ انسان حی متحرک بالارادہ ہے اور متحرک بالارادہ ہونا حس اور شعور کے بعد ہوتے ہیں بلکہ اور وہ امور بھی جو اس جنس کے ہیں مثلاً حس علم۔ سمع۔ بصر۔ شم۔ ذوق۔ لمس وغیرہ۔ غرض یہ شعور اور ادراک ارادہ وغیرہ کے مقدمہ ہیں جسوقت کوئی شئے نافع اور بہتر معلوم ہوتی ہے تو انسان اسکا ارادہ کرتا ہے اسے پسند کرتا ہے اور جب کوئی شے مضر معلوم ہوتی ہے تو اس سے نفرت کرتا اور اسے چھوڑ دیتا ہے

لیکن اسکا یہ معلوم ہونا کبھی سچا اور واقعی ہوتا ہے اور کبھی محض اٹکل اور ظن سے اور جب یہ اپنے مقصود سے خوب واقف ہو جاتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ میرے حق میں یہ بے شک مفید ہے اور اسکا کرنا ہی مصلحت ہے تو محض اس یقین اور علم کی وجہ سے ہدایت پر آجاتا ہے اور جب تک کسی کو ایسا علم اور یقین حاصل نہیں ہوتا تو وہ اپنے خیال اور خواہش نفس کا تابع رہتا ہے اور اس بے اصول حالت میں وہ محض جاہل جھگڑالو کی طرح تقدیر سے حجت کرنے لگتا ہے اور اسکا یہ کرنا حق اور علم پر کاربند ہونے کے لئے نہیں ہوتا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ تقدیر کے وسیلے سے نہ کوئی ظاہر میں حجت کر سکتا ہے نہ باطن میں جب یہ بات صاف ہوگئی تو اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص پیغمبروں کے مقابلے میں تقدیر سے حجت لاتا ہے وہ گویا خود ہی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میری اس حجت کی کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے اور یہ باتیں بنانا محض لاعلمی کی وجہ سے ہیں یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے ایک قاعدہ کلیہ ہے جو شخص بلا علم گفتگو کرتا ہے وہ اپنے دعوے اور کلام میں جھوٹا ہوتا ہے اور جو بے علمی سے حجت کرتا ہے اسکی حجت بیکار ہی نہیں بلکہ غلط ہوتی ہے اگر فی الحقیقت وہ جاہل ہے تو اسے لازم ہے کہ علم میں کوشش کرے اور اگر حق بات کو جانتا ہے اور نفسانی خواہش اسے حق بات پر نہیں چلنے دیتی تو اسے چاہیئے کہ حق کی پیروی کرے اور نفسانی خواہش کو چھوڑ دے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کے نفسانی خواہش کا تابع ہے۔

اور جواب کا دوسرا پہلو سنئے۔ اول انبیاء کا ساکت ہونا اسوقت ہو سکتا ہے کہ جب تقدیر سے حجت لانی جائز ہو اور جب یہ حجت صریح باطل ہے یعنی فطرت اور عقل دونوں کے خلاف ہے تو اس صورت میں یہ سوال ہی وارد نہ ہوگا اسی وجہ سے ایسی حجت ہی کرنا جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص اپنا روپیہ اپنے قرضدار سے مانگے تو اسکا یہ جواب دینا کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا کہ میں تمہارا روپیہ اسوقت دونگا جب اللہ تعالے مجھ میں دینے کی قوت پیدا کر دے گا۔ علی ہذا القیاس جب کسی نے اپنے ملازم کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا تو ملازم کا یہ کہنا زیبا نہیں ہے کہ میں اس کام کو نہیں کر سکتا جب تک اللہ اسکے کرنے

مجھ میں قوت پیدا نہ کر دے اسی طرح کسی شخص نے کوئی چیز بیچی اور مشتری سے قیمت طلب کی اسپر مشتری یہ نہیں کہہ سکتا کہ قیمت میں اسوقت دونگا جب اللہ پاک اسکے ادا کرنے کی مجھ میں قوت پیدا کر دے گا یہ انسانی جبلی امر ہے مسلمان ہو یا کافر تقدیر کا مقر ہو یا منکر تقدیر کا اعتراف کرنے کے بعد اس قسم کے اعتراض کبھی کسی کے دل میں نہیں آ سکتے اب آپ انصاف سے سمجھئے کہ جب یہ سوال بدایت عقول ہی میں معروف الفساد ہو گیا تو اب کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی رسول کے مقابلے میں ایسی حجت کرے۔ دوئم ایسے شخص کے جواب میں اللہ کا پیغمبر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کی طرف سے تجھے ہدایت کرنے آیا ہوں اگر تو ہدایت پر آگیا تو تیری نجات ہو جائے گی تو بڑا صاحب نصیب ہو جائے گا اور نہیں تو خدا کی طرف سے تجھے سزا ملے گی تیری روح وزنی اور مصیبت زدہ ہو گی اسکی مثال یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر چڑھے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ سے لوگوں کو للکارا اس آواز کے سنتے ہی بہت سے آدمی جمع ہو گئے اسوقت رسول اللہ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن تمہاری تاک میں لگا ہوا ہے صبح ہوتے ہی وہ تمپر حملہ کرے گا تو کیا تم میرے اس کہنے کا اعتبار کرو گے انھوں نے متفق اللفظ کہا بے شک اسلئے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولے اور جو کچھ آپنے کہا وہ ہمیشہ سچ نکلا ہمیں آپ کے قول پر اعتبار ہے ان کے اس اقرار کے بعد آپنے فرمایا کہ میں تمھیں ایک بڑے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جسکا بندوبست تم اسوقت کر سکتے ہو اور تم مجھے ایسا سمجھو جیسے کوئی اعتبار کرانے اور واقعی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ننگا آیا کرتا ہے اب یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کو ایسے دشمن سے ڈرائے جو اسکی تاک میں لگا بیٹھا ہو تو یہ شخص اس ڈرانے والے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس تو ہی اللہ سے دعا کر کہ دشمن سے بچنے کی وہ مجھ میں قوت پیدا کر دے تاکہ میں بچ جاؤں بلکہ فطرۃً یہ مدافعت کی خود ہی کوشش کرے گا اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو لوگ پیغمبروں کو ایسا جواب دیتے ہیں کہ تم ہی اللہ سے کہو کہ وہ ہم میں یہ بات پیدا کر دے کہ ہم ہدایت پر آجائیں اور حق سمجھنے لگیں یہ احمقانہ جواب نبیوں کے دشمنوں سے ممکن ہے محض چھیڑنے کے لیے ہو

مخالف طرح طرح کی باتیں بناتا ہے اور اسکی باتیں کسی صورت سے بھی پسند نہیں ہوسکتیں سوم پیغمبر ایسے شخص کو یہ جواب دے سکتا ہے کہ میں اللہ سے یہ بات کہہ نہیں سکتا نہ مجھے اس کہنے کی ضرورت ہے میرے ذمے تو فقط اسکے احکام کا مخلوق تک پہنچا دینا ہے جسے میں پورا کر چکا اب جو میں کرونگا میرے لئے ہوگا جو تو کرے گا تیرے لئے ہوگا۔ چہارم پیغمبر یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہمیں یا اور کسیکو اللہ سے یہ کہنے کا مجاز ہرگز نہیں ہے کہ فلاں میں فلاں بات پیدا کر دے۔ اور فلاں میں فلاں بات پیدا کر دے اللہ کے افعال کی علت نہ ہونے میں اب بھی علمار کے دو فریق ہیں ایک فریق کا قول یہ ہے کہ اللہ کے فعل میں حکمت ہونی ضرور نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک و مختار ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسمیں کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا اور جسے جو حکم چاہے کر دے دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ اللہ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور اسی طرح اسکے نہ کرنے میں بھی حکمت ہوتی ہے لہذا اسکے کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے میں بندے کو چون و چرا کرنا لازم نہیں ہے جسکے متعلق صاف حکم موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے "لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون" یعنی اللہ سے اسکے کیے کی کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ اسکے علاوہ اور سب سے باز پرس ہوگی۔

پنجم: پیغمبر یہ جواب دے کہ کسی فعل پر تیری اعانت کرنی تو اللہ کے افعال میں داخل ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے کسی نہ کسی حکمت سے کرتا ہے اور جو نہیں کرتا تو اسمیں کوئی حکمت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتا لیکن محض اطاعت کرنا تو تیرے افعال میں سے ہے اسکا فائدہ تجھ ہی کو ہوتا ہے اب اگر اس نے تیری اعانت کر دی تو یہ اسکا فضل ہے اور اگر اعانت نہ کرے تو یہ بھی اسکا فعل عین انصاف ہے کیونکہ تجھے مکلف بنانے میں اسکی کوئی غرض نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ تیری اعانت کرنے کا محتاج ہو جیسا کہ آقا اپنے کسی فائدہ کی غرض سے اپنے غلام کو حکم کرتا ہے اور جب وہ اسکے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا تو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے اسکی اعانت کرتا ہے۔ مگر اللہ اُس آقا کی طرح نہیں ہے بلکہ اسکا مکلف کرنا اور کسی کام کا حکم دینا بندوں کی ہدایت اور فائدہ کے لیئے ہے کیونکہ وہ ان کے لیئے معرفت کا ذریعہ ہے جسکے باعث معاش و معاد یعنی دنیا و دین دونوں میں فائدہ ہوگا

اور جب کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چیز مجھے فائدہ دے گی اور یہ مضر پڑے گی اور پھر وہ اس چیز کا محتاج بھی ہو تو ممکن نہیں اب وہ یہ کہہ سکے کہ میں اسے حاصل نہیں کرتا جب تک اللہ تعالے مجھ میں اسکی قدرت پیدا کر دے۔ بلکہ ایسے آدمی خداوند تعالے کی عالی بارگاہ میں بہت عجز وانکساری سے التجا کیا کرتے ہیں کہ وہ مفید امر کے حاصل ہونے میں ان کی امداد کرے مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے کہ تیرا دشمن تیرے پیچھے آتا ہے یا کوئی درندہ تجھ پر حملہ کر رہا ہے تو اسکا جواب وہ یہ کبھی نہیں دینے کا کہ میں نہیں بھاگتا۔ جب تک اللہ تعالے مجھ میں بھاگنے اور اس سے بچنے کی قوت پیدا نہ کر دے بلکہ وہ شخص بچنے میں حتے الامکان بہت ہی کوشش کرے گا اور اسپر خداوند تعالے کی اعانت چاہے گا اسی طرح جب کیسکو کھانے پینے یا لباس کی ضرورت ہوگی تو وہ کبھی یہ نہیں کہنے کا کہ میں نہ کھاؤں نہ پیوں نہ لباس پہنوں جب تک اللہ مجھ میں اسکی قدرت نہ پیدا کر دے بلکہ خود ہی اسمیں کوشش کرے گا اور میسر ہونے کی اللہ سے دعا کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے فطرتِ انسانی میں یہ بات ودیعت ہوئی ہے کہ جس چیز کی کسی کو ضرورت ہو اسکی اسے محبت ہو جاتی ہے اور جس چیز سے ضرر ہو اس سے قدرتًا نفرت ہو جاتی ہے ان دونوں حالتوں میں اللہ سے اعانت طلب کی جاتی ہے اور یہ اس فطرت کا اثر ہے جسپر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اسی واسطے اللہ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس سے ایسی دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے حکم کے ادا کرنے میں امداد فرماتا رہے۔

ششم پیغمبر سے ایسا سوال یا تو وہ شخص کرے گا جسکا ارادہ طاعت کرنے کا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس طاعت سے مجھے فائدہ ہوگا اور یا وہ کرے گا جسکا یہ ارادہ نہ ہو؛ ورنہ اسے یہ یقین ہو کہ اس سے مجھے فائدہ ہوگا ایسا سوال کرنا ان دونوں کو منع ہے پہلے کو تو اس لئے کہ جب اس نے طاعت کا ارادہ کر لیا اور یہ یقین کر لیا کہ اس سے مجھے فائدہ پہنچے گا تو جب اسے اس سے کوئی مانع نہ ہو تو وہ ضرور اطاعت کریگا کیونکہ باوجود قدرت ہونے کے طاعت کا ارادہ کر لینا ہی اسکے عمل کو ضروری کر دیتا ہے وجہ یہ ہے کہ باوجود قدرت اور پورا

سبب ہونے کے مقدور شئے کا وجود ضروری ہے اور جب شہادتین ہی کے زبان سے
کہنے پر طاعت کا ظہور ہوجاتا ہے تو جو شخص اسکا پورا ارادہ کرے وہ اسے ضروری کرے گا
اس لئے کہ قدرت اور سبب دونوں موجود ہیں اور جو اسوقت نہیں کرنے کا اسکی نسبت
یہ خیال کیا جائے گا کہ اسکا قصد ہی نہ تھا اگر کسی کا یہ قصد ہی نہ ہو تو اسے رسول اللہ سے ایسا
سوال کرنا ہی کب جائز ہوسکتا ہے کہ اللہ میرے لئے یہ قدرت پیدا کردے اس لئے کہ
رسول اللہ سے اسکا طالب وہی ہوگا جو رسول کو سچا جانتا ہو اور جو سچا جانتا ہے وہ طاعت
کا مصمم ارادہ ضرور رکھا کرتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ایسا سوال بغیر ایسے ارادے کے متصور ہی نہیں ہے اور یہ ہو ہی نہیں
سکتا کہ کوئی اپنے مقدور کے موافق طاعت کا ارادہ کرسکے اور اُسے پورا نہ کرسکے بلکہ ضرور
کرلے گا۔ اور یہ بدیہی بات ہے۔

ہفتم پیغمبر یہ جواب دے سکتا ہے کہ تجھ میں ایمان لانے کی قدرت اور قابلیت ہی
اگر تو چاہے تو لا سکتا ہے اور اگر نہیں لاتا تو اسکی وہ وجہ نہیں ہے کہ تو مجبور ہے تجھ میں
اسکی قدرت نہیں بلکہ اسوجہ سے کہ تیرا ارادہ ہی نہیں ہے۔

ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ امر یعنی حکم میں جو قدرت شرط ہے وہ مطیع اور عاصی دونوں ہی
میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اور مطیع میں امر کے ساتھ بھی ہوتی ہے بخلاف اس قدرت
کے جو مطیع ہی کے ساتھ مخصوص ہے وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور پہلے ہم یہ بھی
بتا چکے ہیں کہ جسنے قدرت کی ایک ہی قسم رکھی ہے اسنے بڑی غلطی کی ہے قدرت کے
معاملے میں چند قول ہیں کہ آیا یہ فعل سے پہلے ہوتی ہے یا اسکے ساتھ ساتھ ہوتی ہے
جو فعل کے ساتھ ہونے کے قائل ہیں وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فعل کو مستلزم ہوتی ہی
اور مستلزم کا اس فعل کے ساتھ ہونا ضروری ہے دوسرے یہ کہ قدرت ایک عرض ہے
اور عرض کا وجود دو زمانوں میں یعنی فعل سے پہلے بھی اور اس کے ساتھ بھی نہیں ہوسکتا
دوسرا قول یہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل کے
لئے علت ہوتی ہے اور علت ساتھ نہیں ہوا کرتی اسکا وجود پہلے ہی ہوجاتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے بھی ہوتی ہے اور ساتھ بھی یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ پھر ان لوگوں میں بعض کا قول یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ اول مصححہ دوم مستلزمہ۔ مصححہ فعل سے پہلے ہوتی ہے جسے بعض علت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مستلزمہ ساتھ ساتھ ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ قدرت تو فقط مصححہ ہی ہوتی ہے اور یہی فعل سے پہلے اور اسکے ساتھ دونوں حالتوں میں قایم رہتی ہے باقی استلزام قدرت سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ارادہ ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے اسلئے قدرت کو مستلزمہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ارادہ قدرت کا جز نہیں ہے یہ قول فی الحقیقت سب سے زیادہ عمدہ اور واضح ہے۔

اس ساری بحث کے بعد اب ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ تو ایمان لانے پر قادر ہے خدا نے تجھ میں اسکی قدرت پیدا کر دی ہے لیکن تو اپنی ہٹ دھرمی سے خود ایمان نہیں لاتا اگر وہ اسکے جواب میں یہ کہے کہ تم خدا سے دعا کرو وہ مجھے ایمان کا شایق بنا دے تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تو یہ دعا چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ تو ایمان کا شایق ہے پھر اسکے لئے دعا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر نہیں چاہتا تو اپنے اس قول میں جھوٹا ہے کہ اللہ مجھے ایمان کا شایق بنا دے۔ اسپر اگر وہ سایل یہ کہے کہ اللہ تعالےٰ مجھے ایسے کام کا حکم کرے جسکا ارادہ مجھ میں اس نے خود پیدا نہیں کیا تو یہ قول ارادہ کی طلب کے لئے نہیں ہے بلکہ محض مخاصمت ہے لہذا ایسی بے فائدہ مخاصمت کا جواب دینا رسول پر لازم نہیں ہوتا۔

ہشتم۔ پیغمبر یہ بھی جواب دے سکتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر بنانے سے اللہ کا مقصود عذاب کی خبر کر دینی ہے ایسے لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے اور نافرمانی کرتے ہیں جیسا موسےٰ اور ہارون نے فرعون سے کہا تھا کہ ہمیں وحی کے ذریعہ سے یہ حکم ہوا ہے "ان العذاب علی من کذب وتولی" یعنی عذاب اسکو ہوگا جو تکذیب کرے اور روگردانی کرے۔ اب اگر وہ سایل یہ کہے کہ مجھ میں اللہ نے کفر پیدا کیا ہے۔ ایمان کا ارادہ ہی مجھ میں نہیں پیدا کیا تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ تجھ میں یہ ارادہ نہ ہونا تجھے ان لوگوں میں ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ جو جھٹلاتے اور روگردانی کرتے ہیں اور اسکے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ

تجھے مومن کر دیتا تو پھر ان لوگوں میں ہو جاتا جنھیں اس نے اس عذاب سے بچانے کا وعدہ کر کے سعادتمند بنایا ہے اور ہم تو پیغمبر ہیں تجھے اللہ کے احکام سنائے دیتے ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرائے دیتے ہیں۔ جب سے ہمارے رسول ہوکے آنے کا مطلب پورا ہو چکا اب تو مکلف ہے ہم سے اس بارے میں تجھے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ حجت تو اپنے اللہ سے کر اس حجت کرنے میں نہ ترا کوئی فائدہ ہے نہ ہمارا کچھ نقصان ہے تو یہ بھی یاد رکھ کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے وہ مالک ہے اس میں چون وچرا کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے اور وہ سب سے باز پرس کرے گا۔

نہم۔ جواب یہ ہے کہ یہ سوال محققین معتزلہ پر اور ان شیعی علمار پر وارد ہوتا ہے جو ابوالحسین بصری کے پیرو ہیں۔ کیونکہ ابوالحسین کا بھی یہ قول ہے کہ سبب اور قدرت کے موجود ہونے کے بعد مقدور کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اسکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ میں سبب اللہ نے پیدا کر دیا ہے لہذا مقدور ہو جانا چاہیئے اور تقدیر کے بارے میں جو قول ابوالحسین اور اسکے متبعین کا ہے وہی محققین اہلسنت والجماعت کا ہے وہ کہتے ہیں اللہ نے بندہ میں قدرت اور ارادہ پیدا کر دیا ہے اور اسکا پیدا کر دینا بندہ کی حقیقت فعل کو متلزم ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں بندہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے۔ یہی قول جمہور اہلسنت کا ہے اور یہی اکثر اصحاب اشعری کا مذہب ہے۔ مثلاً ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو المعالی الجوینی جنکا لقب امام الحرمین ہے اور ان کے سوا اور لوگ بھی اسکے قایل ہیں۔ اور جب یہی قول محققین معتزلہ اور شیعہ کا اور یہی جمہور اہلسنت کا ہے تو اب اختلاف فقط قدریہ جہمیہ اور مجبرہ میں رہا۔ قدریہ تو وہ ہیں جو اسکے قایل ہیں کہ اللہ کے بغیر ارادے اور قدرت کے بندہ کے دل میں ایک سبب پیدا ہو جاتا ہے اور جہمیہ مجبرہ وہ ہیں جو کہتے ہیں بندہ کے فعل میں بندہ کی قدرت اور ارادہ کو کسی قسم کا دخل نہیں نہ بندہ اپنے فعل کا فاعل اور اسکا سبب ہے جیسا کہ جہم بن صفوان امام المجبرہ اور اسکے متبعین کہتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ یا خیال میں ایسے مضبوط ہیں کہ اگر کوئی ان کے آگے یہ ثابت بھی کر دے جب بھی وہ اس کا یقین نہیں کرنے کے نہ اسکے قایل ہوں گے حالانکہ اشعری وغیرہ اسے اچھی طرح

ثابت کر چکے ہیں مگر انھوں نے بایں ہمہ اپنے خیال سے ایک انچ برابر جنبش نہیں کی۔ مطلب یہ ہے کہ قدریہ اور جہمیہ دونوں کے قول صریح باطل ہیں۔ یہ عجیب لطف ہے کہ اکثر شیعی علمار نے جہمیہ کے قول کی موافقت کی ہے لیکن سلف اور ائمہ جو خلفار ثلثہ کی خلافت کے قایل ہیں نہ وہ یہ کہتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں۔ یعنی نہ قدریہ کی موافقت کرتے ہیں نہ جہمیہ کی اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ان ہی اہلسنت کا قول ٹھیک ہے جو خلفار ثلثہ کو برحق خلیفہ جانتے ہیں۔ یہ بات قابل التفات نہیں ہے کہ اگر ان کے تابعین میں سے کسی سے کچھ خطا ہوئی تو ایک انسانی فروگذاشت ہے ورنہ ویسے دیکھا جائے تو شیعہ کی خطا اس سے بدرجہا زیادہ بڑی ہوئی ملے گی۔ مگر یہ سوال اسی سے ہو سکتا ہے جو تقدیر سے حجت لائے گو جایز کہتا ہو۔ اور اپنے یا اور کسی کے خطا کرنے کے بعد یہ عذر سمجھ لیتا ہو کہ مقدر میں یوں ہی ہے اور اپنے اس خیال کو یہ سمجھے کہ بس یہی حقیقت کونیہ کا مشاہدہ ہے ان ہی میں بعض وہ بھی ہیں جنکا یہ دعوے ہے کہ یہ قول ان عارفین اہل توحید کا خاصہ ہے جو توحید خالق میں فنا ہو چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ ربوبیت کے عارف اپنی توحید کے مشاہدہ میں نہ نیکی کو نیکی خیال کرتے ہیں نہ گناہ کو گناہ۔ بعض یہ کہتے ہیں جس نے ارادہ کا مشاہدہ کر لیا اور اپنا ہر کام حتی کہ ایمان لانا وغیرہ بھی مقدر پر چھوڑ دیا تو اس سے امر و نواہی ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ خضر سے تکلیف اسی لئے ساقط ہو گئی ہے کہ انھیں اس ارادہ کا مشاہدہ ہو گیا تھا۔ اس قسم کے متاخرین شیوخ۔ صوفیہ۔ فقرار بلکہ فقہار اور امرار میں بہت سے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب ان شیعہ اور معتزلہ سے بھی بدتر ہیں جو امر و نواہی کا اقرار کرتے اور تقدیر کے منکر ہیں۔ سنیوں میں ان ہی الٹی کھوپری والے لوگوں نے شیعوں کو اعتراضات کی جرأت دی ہے۔ یاد رکھو جسنے امر و نواہی۔ وعدے وعید واجبات کو ادا کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا اقرار کر لیا مگر اسکا قایل نہ ہوا کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے بندہ خلق پر قادر نہیں ہے نہ خدائے تعالے معاصی کو پسند کرتا ہے تو اس نے گویا خدا کے حکم کی تعظیم کی۔ اسے ظلم کرنے سے منزہ سمجھا اپنے اوپر اسکی حجت کو قایم کر لیا

ہاں اتنا نقص رہا کہ یہ اللہ کی تامہ قدرت۔ عامہ مشیت۔ شاملہ خلق۔ عدل وحکمت۔ اوامر ونواہی اور وعدے وعید کو پورے طور سے احاطہ نہ کرسکا گویا اس نے اللہ کی حمد تو کی مگر اسے ہر شے کا مالک نہ سمجھا۔

اسکے علاوہ جنھوں نے اللہ کی قدرت، مشیت اور خلق کو مان کے اسکے اوامر ونواہی اور وعدے وعید کا انکار کیا تو یہ منکر یہود ونصاریٰ سے بھی آگے بڑھ گئے جیسا کہ شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد شیخ حلی نے کہا ہے کیونکہ اور اسکے ہم نوا مجتہدوں کا یہ قول رسولوں کے ساکت کرنے کا بہت بڑا آلہ ہے۔ اگرچہ وہ لوگ مجوس کے مشابہ ہیں لیکن یہ اُن مشرکین کے مشابہ ہیں جو پیغمبروں کو جھٹلاتے اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم مشرک ہوتے نہ ہمارے باپ دادا۔ ہم تو خدا کے حکم بغیر کوئی کام نہیں کرسکتے۔ صحابہ کے اخیر زمانہ میں قدریہ کے عقیدہ کے لوگ کچھ کچھ پیدا ہوتے چلے تھے لیکن تقدیر سے حجت کرنے والوں کا کوئی فرقہ آجتک مسلمانوں میں نہیں سنا گیا قدریہ کی کثرت متاخرین کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اس حجت کا نام حقیقت رکھ لیا ہے۔ اسی مصنوعی حقیقت سے یہ شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس حقیقت وغیبیہ شرعیہ میں جس سے احوال قلوب کا رستہ ملتا ہے اور اس حقیقت کونیہ قدریہ میں یہ لوگ فرق نہیں کرتے۔ آنکھ بند کرکے اسپر ایمان لے آتے ہیں اور معاصی پر اس سے کچھ حجت نہیں کرتے۔ ہاں مصائب کے وقت بالکل رنگ بدل جاتا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کونیہ قدریہ کا مصیبتوں کے وقت مشاہدہ کرے گا اُسے چنداں پریشانی نہ ہوگی اور وہ اپنے گناہوں اور برائیوں سے توبہ واستغفار کرے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ”فاصبر ان وعد اللہ حق واستغفر لذنبك“ اسی بارے میں آدم اور موسٰے میں مباحثہ ہوا تھا جسے ابو ہریرہ کی روایت سے صحیحین نے درج کیا ہے اور یہی روایت ایک اچھی سند کیساتھ فاروق اعظم سے بھی منقول ہے۔ روایت کا مضمون یہ ہے موسٰی نے جناب باری میں دعا کی تھی کہ مجھے آدم کی زیارت ہو جائے جنھوں نے اپنی خطا کے باعث ہمیں بھی بہشت سے نکلوا دیا۔ موسٰی اس دعا کے قبول ہونے پر آدم سے ملے اور دریافت کیا آدم تم ہی ہو کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے تمھیں پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمھیں سجدہ کرایا بھلا پھر تم نے ہمیں اور اپنے کو جنت سے کیوں نکلوا دیا۔ آدم نے جواب میں کہا کیا تم ہی وہ موسٰے ہو کہ تمھیں اللہ نے اپنے کلام سے برگزیدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے تمہارے لیئے تورات لکھی اب تم یہ بتاؤ کہ کلمہ وعصے آدم ربہ

فغوی تمہارے خیال میں کس زمانہ کا لکھا ہوا تھا کہا تمہارے پیدا ہونے سے چالیس برس پہلے۔ اس کہنے سے آدم موسٰے پر غالب آگئے۔

اس حدیث سے بہت سے فرقوں نے یہ گمان کیا ہے کہ آدم نے اپنی خطا سرزد ہونے پر تقدیر سے حجت کی اور اسی سے موسٰی پر غالب آگئے۔ ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا آخرت میں جائز ہے۔ دنیا میں جائز نہیں۔ دوسرے فرقہ کا قول یہ ہے کہ یہ استدلال ان لوگوں کے لیئے ہے جو تقدیر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ خاص ہی خاص ہیں۔ عام لوگوں کے لیئے ہرگز نہیں ہے ایک فریق مثلاً جبائی وغیرہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی سراسر غلط ہے۔ ایک اور فرقہ نے اس حدیث کی بالکل لغو اور بعید تاویل کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس لیئے حجت ہے کہ آدم نے توبہ کرلی تھی۔ دوسرا قول (تاویل میں) یہ ہے کہ آدم اُن کے باپ تھے اور بیٹا باپ کو ملامت نہیں کرسکتا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گناہ ایک شریعت میں تھا اور ملامت دوسری شریعت میں۔ اصل یہ ہے کہ یہ سب اقوال حدیث کے اصلی مقصود سے بہت دُور ہیں کیونکہ حدیث تو تکلیفات کے وقت تقدیر کے تسلیم کر لینے کو متضمن ہے چنانچہ موسٰی نے آدم کو اللہ کے اس حق کی وجہ سے کچھ ملامت نہیں کی جو خطا کرنے میں تھا بلکہ اس وجہ سے کی کہ اُن کی اولاد کو بھی اُس سے مصیبت پہنچی۔ اسیوجہ سے یوں دعا کی الٰہی مجھے وہ آدم دکھا دے جنسے ہمیں اور اپنے کو جنت سے نکلوادیا پھر اُن سے بھی یہی کہا کہ تم نے ہمیں اور اپنے کو جنت سے کیوں نکلوادیا۔ یہ روایت اکثر طریقوں میں اسیطرح مروی ہے اگرچہ سب طریقوں میں اسطرح نہیں ہے اور یہی حق بھی ہے کیونکہ آدم نے اس خطا سے توبہ کرلی تھی اور موسٰے سے ایسے عارف باللہ ہوکے یہ بعید ہے کہ وہ تائب کو ملامت کرتے پھر خود انھوں نے بھی توبہ کی چنانچہ کہا۔ رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی۔ اور کہا "سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین" اور کہا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ انا ھدنا الیک"

اسکے علاوہ گنہگار آدمیوں میں بہت سے ہیں سب کو چھوڑ کے خاص آدم ہی کو ملامت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آدم اور موسیٰ سے یہ بعید ہے کہ ان میں ایک گناہ ہونے پر تقدیر سے حجت کرے اور دوسرا اُسے قبول اور تسلیم کرلے۔ کیونکہ اگر یہ حجت مقبول ہوتی تو ایسی حجت ابلیس کے لیئے بھی ہوسکتی ہے۔ بلکہ قوم نوح۔ عاد۔ ثمود اور فرعون کے لیئے بھی اگر کوئی گناہ ہو جانے پر تقدیر سے حجت

لا کے موسٰی پر غالب آجاتا تو اسیطرح فرعون بھی غالب آسکتا تھا علی ہذا القیاس اگر آدم موسے پر اسلیئے غالب آتے کہ اُنھوں نے تقدیر کے ذریعہ سے اپنی خطاء کی ملامت کو رفع کیا تھا اسیطرح ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے پر خدا کے آگے بھی حجت کر سکتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ قدریہ کھلم کھلا اللہ سے مخاصمت کرتے ہیں۔ اُن کی سب حجتیں مونہہ کے بل گر پڑیں گی۔

وہ لوگ جو تقدیر کے بارے میں غلط سلط باتیں بناتے ہیں تین قسم کے ہیں ایک تو وہ جو اُسے باطل جانتے ہیں دوسرے وہ جو امر و نہی کے منکر ہیں۔ تیسرے وہ جو اللہ پر اُسکے حکم اور تقدیر کو جمع کرنے کے باعث طعن کرتے ہیں۔ یہ لوگ بد نصیب اور گمراہ ہیں اور خاص اس معاملہ میں سب فرقوں سے بدتر ہیں۔ اسی بارے میں ابلیس کا مناظرہ بھی مروی ہے۔

اور جو لوگ امر و نہی کے منکر ہیں وہ اُن سے کم ہیں اور جو مکذبین ہیں۔ اُن کی تعداد ان سے بھی بہت کم ہے۔ سلف کی زیادہ تغلیظ جو مکذبین قدر پر دیکھی جاتی ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ منکرین اسکے ذریعہ سے مقابلہ نہیں کرتے تھے نہ اُن کی تعداد زیادہ تھی۔ اور وہ یقیناً اُن سے بدتر ہیں۔ جیسا کہ اعتقاد میں روافض خوارج سے گئے گزرے ہیں وجہ یہ ہے کہ خوارج کا ظاہر و باطن یکساں ہے جو بات اُنکے دل میں ہے وہی زبان پر ہے برخلاف روافض کے کہ ان کے ہاں تقیہ فرض عین ہے یعنے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ غرض اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آدم نے موسٰی پر تقدیر کے ساتھ اس حیثیت سے حجت قائم کی کہ اُنھیں اور اُن کی اولاد کو تکلیف پہنچی۔ تکلیف سے چونکہ قدرتاً ایک پریشانی ہوتی ہے لہذا اس پریشانی کی وجہ سے سبب تکلیف پر ملامت کی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اُن کے لیئے یہ تکلیف اور سبب پہلے ہی سے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ بندہ مامور ہے کہ تقدیر الٰہی پر صبر کرے اور حکم الٰہی کو تسلیم کرے کیونکہ یہ بھی منجملہ حکم الٰہی کے ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے ﴿ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یومن باللہ یھد قلبہٗ﴾

سلف میں سے ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ایسا آدمی ابن مسعود جیسا ہے کہ جسے کوئی مصیبت پہنچی اور وہ اُسے من جانب اللہ سمجھ کے اُسپر راضی رہا اور اُسے تسلیم کر لیا۔ پس یہ کلام اور اس جیسے اور کلام اسی شخص سے کہے جاتے ہیں جو تقدیر سے معاصی پر حجت لائے پھر معلوم ہو کہ یہ حجت باوجود تقدیر پر ایمان ہونے کے ہر ایک کے نزدیک صریح باطل ہے اور اس حجت کے بطلان سے تقدیر کی تکذیب متصور نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ کل اولادِ آدم کی خلقت میں یہ بات ودیعت ہوئی ہے کہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کریں اور نقصان

سے بچیں۔ ان کے دین و دُنیا کی صلاحیت اور عیش زندگانی بغیر اسکے ہو ہی نہیں سکتا لہذا ضروری ہوا کہ نفع کے حاصل کرنے اور مضرت دفع کرنے کے لیئے وہ مامور ہوں خواہ اُن کی طرف پیغمبر مبعوث ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کا نفع ونقصان کو جاننا اور بُرائی بھلائی کو سمجھنا اپنی اپنی عقل وفہم کے مطابق ہوگا پیغمبروں کے مبعوث ہونے کی یہ غرض ہے کہ لوگ مصالح کو حاصل کرکے اُن کی تکمیل کریں اور مفاسد کو معطل اور کم کریں۔ پیغمبروں کے بعد اُن کے اتباع بھی اس بارے میں سب سے زیادہ کامل ہوئے اُن کے جھٹلانے والوں کے حق میں یہ امر خلاف رہا کہ اُنھوں نے مصالح کی جگہ مفاسد کا اتباع کیا۔ اور مصالح کو معطل رکھا۔ لہذا یہی لوگ سب سے بدتر رہے۔ اسپر بھی ان کے لیئے ضروری ہے کہ بعض امور کو حاصل کریں اور بعض سے اجتناب رکھیں اور یہ کہ سب ملکے ایسی شے سے بچیں جو اُن کے لیئے مضر ہو جیسے ظلم اور فواحش وغیرہ کیونکہ کسی نے اگر کسی کی جان مال یا آبرو میں کچھ ظلم وزیادتی کی اور پھر مظلوم نے اپنا بدلہ لینا اور سزا کرانی چاہی تو اسوقت اہل عقل میں سے کوئی بھی تقدیر سے حجت لانے کو قبول نہیں کریگا اور اگر وہ یہ بکواس کرنے لگے کہ مجھے معاف کرو یہ فعل میرے مقدر میں تھا اس لیئے ہو گیا لوگ اُسے جواب دیں گے اگر تیرے ساتھ ایسا کیا جاتا اور جو شخص تجھپر ظلم کرتا وہ تیری طرح تقدیر کے ساتھ اسیطرح حجت کرتا تو کبھی تُم اُسے قبول نہ کرتا۔ اسکے علاوہ اس حجت کے قبول کرنے سے ایسی خرابی لازم آتی ہے کہ اُسکے ہوتے کبھی صلاحیت نہیں ہو سکتی۔ اور جب تمام لوگوں کی فطرت اور عقل میں تقدیر سے حجت لانا مردود ہو گیا حالانکہ تمام جمہور تقدیر کے مقر ہیں تو معلوم ہوا کہ تقدیر کا اقرار کرنا اسکے ساتھ حجت دفع کرنے کے منافی نہیں ہے بلکہ اسپر ایمان لانا اور اُسکے ساتھ حجت ہونے کو رد کرنا ضروری ہے۔

اب بحث کا دوسرا پہلو لیجئے اور غور فرمائیے کہ جدل کی دو قسمیں ہیں۔ حق اور باطل۔ اسیطرح کلام کی بھی دو قسمیں ہیں حق اور باطل۔ عرب کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک جنس کی دو قسمیں ہوں اور ساتھ ہی ان دونوں میں امتیاز بھی ہو یعنی ایک اشرف ہو تو وہ اشرف کا نام خاص رکھتے ہیں اور دوسری کو عام کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ جائز اور مباح میں ذوی الارحام اور لفظ جواز میں عام وخاص ہوتا ہے۔ لفظ حیوان کو وہ غیر ناطق پر بول دیتے ہیں کیونکہ ناطق اسم انسان ہی کے ساتھ خاص ہے اسلیئے اُنھوں نے لفظ کلام اور جدل میں غلبہ دے لیا۔ اسیوجہ سے جب کوئی بلا علم بھی کلام کرتا ہو تو اُسے صاحب کلام یا متکلم کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نہ اہل کلام سے خوش رہے نہ اہل جدل سے اور

ان دونوں کو بُرا کہتے رہے۔ یاد رکھو جو وقت کلام صحیح حجت کے ساتھ نہ ہوگا تو وہ محض جدل ہی ہوگا پھر تقدیر کے ساتھ حجت لانا اسی باب سے ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت علی سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اور فاطمہ کو رسول اللہ نے دیکھا اور یہ فرمایا تم دونوں اُٹھ کے نماز کیوں نہیں پڑھتے میں نے یہ جواب دیدیا حضرت ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں اگر وہ ہمیں اُٹھانا چاہے تو اُٹھا دے۔ علی کہتے ہیں میرا یہ جواب سنتے ہی آپ یہ فرماتے ہوئے چلے گئے " وکان الانسان اکثر شئی جدلا "

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے انھیں تہجد پڑھنے کا حکم کیا اور علی نے اُس پر تقدیر کے ساتھ حجت کی اور یہ کہ اگر اللہ چاہے تو ہمیں جگا دے اس سے رسول اللہ سمجھ گئے کہ ان کے اس کہنے میں محض جدل ہی ہے اسلئے قرآن مجید کی اُوپر والی آیت پڑھی۔

شیعی علمار کا ایک زبردست طعن

شیعی علمار فرماتے ہیں ان ہی امور میں سے اس امر کا بھی جائز سمجھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید المرسلین کو باوجود ان کی طاعت کرنے کے عذاب کرے اور ابلیس کو باوجود اس کی معصیت کرنے کے ثواب عطا کرے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ کوئی فعل کسی غرض کے لیئے نہیں کرتا لہٰذا اطاعت کرنے والے بے وقوف ہوئے کیونکہ یہ عبادت کے کرنے میں فوراً جھک جاتے ہیں اور نتیجہ کی کچھ خبر نہیں رکھتے اسیطرح مسجدوں اور مسافر خانوں کے بنوانے اور صدقات میں مال ضائع کرتے ہیں کیونکہ اس سے انھیں کچھ نفع نہیں ہوتا اور اگر یہ اُسکے عوض معاصی کی قسموں میں سے وہ فعل کریں جس سے کچھ لذت اور خواہش پوری ہو تو اُسکے باعث کبھی اُنھیں ثواب بھی عطا ہو جائیگا۔ پس پہلے مذہب کا اختیار کرنا ہر عاقل کے نزدیک محض نادانی ہے اور اس مذہب پر عمل کرنا سارے جہان کو تباہ کرنے اور امور شرعیہ محمدیہ وغیرہ کو معطل کر دینے کا باعث ہے۔ فقط

جواب

جو کچھ شیعی علمانے کہا ہے باتفاق تمام مسلمانوں کے باطل اور جھوٹ ہے کیونکہ مسلمانوں میں کوئی بھی اسکا قائل نہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی نبی کو عذاب کرے گا نہ اس بات کا قائل ہے کہ اُسکے انبیار کو کسی وقت میں عذاب ہوگا بلکہ سب اسپر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے انبیار کو یقیناً ثواب عطا کرے گا۔ اسکے سوا اور

کچھ نہ ہوگا کیونکہ اُس نے اُسکا وعدہ اور اقرار کرلیا ہے اور وہ وعدوں میں یقیناً سچا ہے۔ اہلسنت میں سے جو تقدیر کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ یہ وعدہ محض صادق کے بتانے سے معلوم ہوا ہے لہذا یہ فقط دلالت سمعیہ ہے بعض کا قول یہ ہے کہ صادق کے بتانے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ کبھی بلا بتلائے بھی ادلہ عقلیہ سے معلوم ہوجاتا ہے اگرچہ شارع نے بھی اسکی اطلاع دی ہو اور اُس کی ہدایت کی ہو مثلاً جس وقت اللہ کی رحمت حکمت اور عدل معلوم ہوجائے تو اُس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ان سے ایسے شخص کا اکرام واعزاز کیا جائے گا جو ایسی صفات کے ساتھ متصف ہو جو اُن کے مناسب ہوں۔ چنانچہ خدیجۃ الکبریٰ نے حضور انور کے نبی معلوم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا خدا کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہیں کرنے کا۔ آپ اطمینان رکھیں کیونکہ آپ لوگوں کے ساتھ صلۂ رحمی سے پیش آتے ہیں اُن کی مصیبت کے وقت اُنھیں مدد دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور تکلیفات پر اُن کی اعانت کرتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون" یعنی کیا جن لوگوں نے بداعمالیاں کی ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنھیں اُن جیسا کردیں گے جنھوں نے ایمان لاکے نیک عمل کئے کہ اُن کا مرنا اور جینا برابر ہو۔ نہیں یہ لوگ بُرا حکم لگاتے ہیں۔

اس آیت میں یہ استفہام انکاری ہے ان گمان کرنے والوں کے قول کا انکار چاہتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا انکار اسی کے خیال اور گمان پر کیا جاتا ہے جو بالکل خطا اور باطل ہو تاکہ اس خیال اور گمان پر جو باطل نہ ہو۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اہل طاعت اور اہل معصیت میں برابری سمجھنا ایسا ہے کہ اسکا بطلان صاف ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اعلےٰ درجہ کا ظلم ہے اس سے اللہ تعالےٰ کو ضرور ہی منزہ اور مبرا سمجھنا چاہیئے۔

یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ابرار اور فجار مومنین اور ظالمین اہل طاعت اور اہل معصیت میں برابری کا حکم لگانا بالکل باطل ہے۔ اور اللہ کو اس سے منزہ سمجھنا واجب ہے کیونکہ یہ اُسکے عدل وحکمت کے منافی ہے۔

جواب کی دوسری صورت

یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان ہی امور میں اس امر کا جائز سمجھنا بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ انبیاء کو عذاب

دے اور شیاطین کو ثواب عطا کرے تو اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ شیعہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے تو اس کہنے پر تقدیر میں کچھ خلاف لازم نہیں آتا اور اگر ان کی مراد ہے کہ ہمیں شک ہے کہ خدائے تعالےٰ ایسا کریگا یا نہ کریگا تو یہ سب کو معلوم ہے کہ ہمیں اس بارے میں ہرگز شک نہیں بلکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہونے والا نہیں ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ ظالم جب بھی نہیں ہونے کا۔ اور اگر شیعی علمار کی مراد یہ ہے کہ جو اس امر کا قایل ہے کہ اللہ تعالےٰ فعل بلا حکمت کے کرتا ہے تو اُسپر اللہ سے اُسکے وقوع کا جائز سمجھنا لازم آئیگا اور یہ کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول ان ہی لوگوں کا ہے اور اُنھوں نے اسکی تصریح نہیں کی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اکثر اہلسنت اُسکے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طاعت کرنا بے وقوفی ہو ہاں وہ بے وقوفی اُسوقت ہو سکتی ہے کہ اُسکا عدم وجود برابر ہو حالانکہ کل سلمان اسپر متفق ہیں کہ طاعت کے ہونے سے نفع اور نہ ہونے سے مضرت ہے اگرچہ اُن کا اس بات میں تنازع ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں کہ پروردگار اس کے خلاف کرے سو یہ نزاع جواز میں ہے نہ کہ وقوع میں۔

جواب کی تیسری صورت

یہ ہے کہ اگر اس وقوع کے جواز کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی طاعت بے وقوفی نہ ہو گی کیونکہ یہ امامیہ فرقہ کے لوگ معہ اہلسنت کے اہل کبائر کی مغفرت جایز کہتے ہیں اور اجتناب کبائر کی وجہ سے صغائر کے معاف ہو جانے کے معتزلہ اور اہلسنت دونوں قائل ہیں۔ باوجود اسکے کبائر اور صغائر سے اجتناب کرنا بے وقوفی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اجتناب بالاتفاق واجب ہے۔

جواب کی چوتھی صورت

یہ ہے کہ یہ کہا جائے نوافل ادا کرنا باتفاق سفاہت نہیں ہے اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر ان کے کسی دوسرے اسباب کی وجہ سے ثواب عطا کر دے بس جس شئے کا نفع معلوم ہو اُسکا کرنا حکمت محمودہ ہوگا۔ اگرچہ جائز رکھنے والے اُسکو بھی جائز رکھیں کہ نفع بغیر اسکے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ مال وغیرہ ان اسباب کے ذریعہ پیدا کرنا جو عادۃً اُسکے مقتضی ہیں بے وقوفی نہیں ہے اگرچہ مال بلا کوشش بھی مل جانا ممکن ہے جیسا کہ میراث۔

جواب کی پانچویں صورت

یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ بلا غرض کے فعل کرتا ہے اُسکا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ اکثر اہلسنت اس امر کے قائل ہیں کہ اسکا ہر فعل کسی حکمت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی غرض سے مراد ہوتی ہے اور قائلین تقدیر میں سے جنکا قول یہ ہے کہ وہ بلا حکمت فعل کرتا ہے تو گویا اُسکا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ وہی فعل کرتا ہے جو چاہتا ہے لیکن جو چاہتا ہے وہ بھی جو نہیں چاہتا وہ بھی معلوم سب ہو جاتا ہے۔ یا تو عادۃً یا صادق کے بتلانے سے اور یا اُس علم ضروری کی وجہ سے جو ہمارے دلوں میں اُسنے ڈال دیا ہے اور یا کسی اور وجہ سے۔

ایک اور طعن

نبی کی تصدیق نہیں ہو سکتی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ کوئی کسی نبی کی تصدیق نہیں کر سکتا کیونکہ اُسکا توصل اور اُسپر دلیل بلا دو مقدموں کے پوری نہیں ہوتی۔ ایک مقدمہ تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر معجزہ فقط تصدیق ہی کے لیے کرائے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ جسکی اللہ نے تصدیق کر لی وہ صادق ہے۔ مگر یہ دونوں مقدمے سنیوں کے قول کے مطابق ٹھیک نہیں بنتے کیونکہ جب یہ محال ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی فعل کسی غرض کے لیئے کرے تو یہ بھی محال ہوگا کہ وہ معجزہ تصدیق کے لئے ظاہر کرائے علیٰ ہذا القیاس چونکہ وہ قبیح اقسام گمراہی اور معاصی وغیرہ سب کا فاعل ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ جھوٹے کی تصدیق بھی کرے۔ لہٰذا اس بنا پر کسی پیغمبر یا نبی کے سچے ہونے پر شرائع اور ادیان میں سے کسی شئے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط شیعی علماء کا زہریلا قصہ ختم ہوا۔

جواب کی پہلی صورت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خلفاء ثلٰثہ کی خلافت کے اکثر قائلین کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر فعل حکمت ہی سے کرتا ہے بلکہ اکثر اہل سنت جو تقدیر کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں اُسوقت اگر یہ قول دُرست ہوگا تو بس یہی اہلسنت کے اقوال میں سے ہے اور اگر اسکا نفی کرنا دُرست ہوگا تو بھی

یہ اہلسنت ہی کے اقوال سے ہوگا لہذا دونوں تقدیر پر حق اُن کے قول سے باہر نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مذاہب اربعہ میں سے ہر اہل مذہب کا اس اصل میں نزاع نکلتا ہے باوجودیکہ خلفاء ثلثہ کی خلافت پر ان سب کا اتفاق ہے۔ ادھر تقدیر کے ثبوت پر اور اسپر بھی کہ افعال عباد کا خالق اللہ ہی ہے۔ دیکھو امام احمد کے شاگردوں کا نزاع اس اصل میں مشہور رہے۔ مثلاً ابن عقیل اور قاضی ابی حازم وغیرہ معجزات کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے اُسکی حکمت میں جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسیطرح ابوالخطاب وغیرہ کا قول ہے اور یہی امام مالک اور امام شافعی کے شاگرد کہتے ہیں اسی طرح امام ابوحنیفہ کے اکثر شاگرد شاید اللہ تعالےٰ کے افعال میں حکمت ہونے کے بھی قائل ہیں۔

جواب کی دوسری صورت

یہ کہا جائے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ رسول کی تصدیق بلا طریق استدلال بالمعجزات اور کسی طرح ممکن نہیں بلکہ ان کی تصدیق پر معجزات کے طریق کے سوا اور دلالت کے طریقے بہت سے ہیں جو دوسرے موقعوں پر بیان کئے گئے ہیں۔ ہاں جو شخص یہ کہے کہ معجزہ کے سوا اور کوئی طریقہ رسول کی تصدیق کا نہیں ہے تو اُسکی دلیل بیان کرنی اُسکے ذمہ ہے اُس نے نفی کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ مطلب یہ ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے تو اُسے اُسکی دلیل دینی چاہیئے خالی دعوے کو ہم لے کے کیا چاٹیں۔

جواب کی تیسری صورت

ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ معجزہ کی دلالت تصدیق پر ہونی اسپر موقوف ہے جسکا ہونا جائز نہ ہو بلکہ اسکی دلالت تو بدیہی ہے جس میں نظر و فکر کی بھی حاجت نہیں کیونکہ معجزہ دکھاکے نبوت کا دعوےٰ کرنا یقیناً اس معرفت کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسکی تصدیق کے لیئے یہ معجزہ ظاہر کیا ہے۔ مثلاً کوئی بادشاہ سے کہے کہ اگر آپ مجھے اُن لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں تو آپ اپنی عادت چھوڑ دیئے اور تین مرتبہ اُٹھیے بیٹھیئے بادشاہ نے ایسا ہی کیا تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ شاہ نے یہ اُسکی تصدیق ہی کے لیئے کیا ہے۔

جواب کی چوتھی صورت

یہ اُس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے اگر معجزہ تصدیق پر دلالت نہیں کریگا تو رسول کی تصدیق سے باری تعالےٰ کا عاجز آنا لازم آئے گا اور اُسکا عاجز ہونا ممتنع ہے کیونکہ تصدیق کا طریقہ سوائے معجزہ کے اور کوئی نہیں ہے اور یہی طریقہ اکثر اصحاب اشعری اور اُن کے موافقین کا ہے اور یہی طریقہ قاضی ابوبکر اور قاضی ابویعلی وغیرہ کا ہے اس بنا پر ایسے جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنا جو نبوت کا مدعی ہو آیا ممکن اور مقدور ہے یا نہیں۔ اسمیں دو قول ہیں۔

جواب کی پانچویں صورت

یہ کہا جائے کہ معترض کا یہ کہنا کہ نبی کی تصدیق اسپر موقوف ہے کہ جسکی اللہ تصدیق کرلے وہ سچا ہی تو یہ اُسوقت صحیح ہو سکتا ہے کہ معجزہ بمنزلہ تصدیق بالقول کے ہو مگر اسمیں ابھی تک اختلاف ہے چنانچہ بعض کا یہ قول ہے کہ معجزہ بمنزلہ انشاء رسالت کے ہے اور خود انسان تصدیق و تکذیب سے جاہل نہیں ہے۔ پس قائل کا دوسرے سے یہ کہنا کہ میں تجھے رسول یا وکیل وغیرہ بناتا ہوں انشاء ہے اور جب معجزہ کی دلالت انشاء رسالت پر ہوئی تو اب یہ اسپر موقوف نہیں ہوگی کہ اللہ تعالےٰ ہر فعل کسی غرض ہی کے لیئے کرے نہ اسپر کہ وہ قبائح کا فاعل نہ ہو جیساکہ امر و نہی وغیرہ کے انشاء کا حال ہے۔

جواب کی چھٹی صورت

یہ ہے کہ معترض کے اس قول کا جواب کہ جب یہ محال ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی فعل کسی غرض کیلئے کرے تو یہ بھی محال ہوگا کہ وہ معجزہ کی تصدیق کے لیئے کرے۔ جس شخص کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل کسی غرض کے لیئے نہیں کرتا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ کبھی اللہ تعالےٰ دو شے متلازم بھی کر دیتا ہے جیساکہ تمام ادلہ کو اپنے اپنے مدلول کے لیئے متلازم بنایا ہے پس ایسی مخلوقات کا پیدا کرنا جو اُسکے وجود۔ قدرت۔ علم۔ اور مشیت پر دلالت کرے۔ حالانکہ اُس نے اُن کے پیدا کرنے کا اور ساتھ ہی اسکا بھی ارادہ کرلیا ہے کہ یہ اپنے مدلول کے لیئے متلازم ہوں اور جو اُن میں غور و فکر کرے اُسکے لیئے اپنے مدلول پر دال ہوں۔ اسیطرح یہاں اُسنے معجزہ کو پیدا کرکے یہ بھی ارادہ کرلیا ہے کہ یہ اپنے مدلول کے لیئے متلازم ہو اور وہ مدلول تصدیق رسول ہے اور متلازم ہو کے جو اس میں غور و فکر کرے اُسکے لیئے مدلول پر دال ہو۔ اور جب اُس نے اسکے پیدا کرنے کا اور اس کے التزام کا غرض

دونوں کا قصد کرلیا تو یہ مقصود بھی حاصل ہوگیا کہ اسکی دلالت تصدیق پر ہو اگرچہ اُس نے ایک مقصود کو دوسرے کے لیئے نہیں کیا کیونکہ اصل مقصود یہ تھا کہ دونوں کے ارادہ سے دونوں مقصود کے حاصل ہوجائیں

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ خود معجزہ اسپر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ علم ہوجانا کہ اُسکے فاعل (اور خالق) نے اس سے تصدیق ہونے کا ارادہ کرلیا ہے دلالت کرتا ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اسمیں بھی اختلاف ہے اور ہمارا مقصود اُس شخص کے قول کی تائید کرنا نہیں ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالے ہر فعل بلا حکمت کرتا ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ قول بھی مرجوح (اور ضعیف) ہے اور ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ اُن لوگوں کی حجت بیان کردیں جو دوسرے قول کے قائل ہیں اور اس قول والے معتزلہ اور وشیعہ سے بہت ہیں۔ باقی معترض کا یہ کہنا کہ جب اللہ قبیح کا بھی فاعل ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ کذاب کی بھی تصدیق کرلے تو یہ دوسری حجت ہے جسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں اُسکا کوئی قایل نہیں کہ اللہ تعالے وہ فعل کرتا ہے جو قبیح ہو اور جس نے یہ کہا ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اسکا قول بھی یہ ہے کہ فعل قبیح بندوں ہی سے ہوتا ہے اللہ سے قبیح فعل نہیں ہوتا۔ مگر جس نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ نے ایسی شئے پیدا کردی جو بندوں کے حق میں مضر ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا فعل بھی کردے جو اُنھیں مضر ہو تو اُسکا یہ کہنا بالکل باطل ہے اسی طرح جب یہ جائز ہے کہ اللہ تعالے وہ فعل پیدا کردے جسکا ہونا بندہ سے قبیح ہوتا ہے تو اللہ کی نسبت اُسکا پیدا کرنا قبیح نہیں ہوگا۔ اب رہی جھوٹے کی تصدیق وہ اس طرح بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ سچا ہے خواہ یہ بیان کرنا قول سے ہو یا کسی ایسے فعل سے ہو جو قول کے قایم مقام ہوجائے اور اللہ تعالے سے یہ ہونا (یعنی ایسا بیان کرنا) ممتنع ہے کیونکہ یہ صفت نقص ہے اور تمام عقلا کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالے نقائص سے بالکل منزہ ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالے سے قبیح فعل ہونا متصور ہی نہیں ہے بلکہ جو فعل اس سے ہونا ممکن ہے جس وقت وہ اُسے کرلیتا ہے تو وہ حسن ہی ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو فعل صفات کمال کے سلب کو اور اثبات نقائص کو مستلزم ہو وہ اسپر ممتنع ہے جیسا عجز اور جہل وغیرہ ممتنع ہیں اور کذب صریح صفتِ نقص اور صدق صفت کمال ہے اور کاذب کی تصدیق کرنا بھی کذب ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ صادق کی تکذیب بھی کذب کی ایک قسم ہے اور جب کذب صفتِ نقص ہوا تو اللہ سے نقص کا ہونا ممتنع ہے۔ دیکھو ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ جو شخص اہل سنت (والجماعت) کی طرف منسوب ہو اُسی کے قول کو ٹھیک کہیں بلکہ ہم تو حق بات کو ظاہر

کر دیتے ہیں اور حق یہ ہے کہ تمام اہلسنت کبھی کسی خطا پر متفق نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی کوئی فرقہ اُن سے جُدا ہو کر صواب پر رہ سکتا ہے بلکہ جسقدر کوئی فرقہ تمام اہل سنت کے مخالف ہوگا اُسیقدر وہ خطا پر ہوگا۔ یہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے بھی خطا سرزد ہو جاتی ہے مگر کھرے کھوٹے کے پرکھنے والے صاف طور پر اس خطا کا اعتراف کر لیتے ہیں مثلاً جہم بن صفوان ہے جو تقدیر کا مقر ہو کر اسپر مصر ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی فعل کسی حکمت اور کسی سبب کی وجہ سے نہیں کرتا اور یہ کہ اللہ کی نسبت مامور اور ممنوع میں کوئی فرق نہیں ہے نہ وہ کسی فعل سے الفت اور کسی فعل سے بغض رکھتا ہے (بلکہ اُس کے نزدیک سب برابر ہیں) تو اُسکا یہ قول بالکل غلط اور کتاب وسنت اور تمام سلف کے مخالف ہے۔ اور یہی لوگ اکثر نقائص کا اللہ پر ممتنع ہونا بیان کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں خاصکر جسوقت اُن میں سے کوئی یہ کہے کہ اللہ کا نقصان سے منزہ (اور مبرا) ہونا عقل سے کسی طرح معلوم نہیں ہوتا بلکہ محض سماعت سے ثابت ہے تو جسوقت کوئی انپر یہ اعتراض کرے کہ پھر تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ کذب اللہ پر ممتنع ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے۔ اب اگر کوئی اُنپر یہ اعتراض کرے کہ تمھارے نزدیک نقصان سے اللہ کا منزہ ہونا فقط اجماع ہی سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کے کذب سے منزہ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے تو اگر اجماع سے اسپر حجت لانا درست ہے تو اس تطویل (یعنی طول بیان) کی کوئی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں بحث فقط اس عبارت میں ہے جو معنے پر دال ہو جیسا کہ اُسکی بابت بعض نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی کسی قسم کا کلام کرے اور نہ یہ کہ اُس سے کوئی اُسکی مراد ہو۔ حشویہ کا اسمیں خلاف ہے اور یہ واضح رہے کہ مسلمانوں میں سے کسیکا یہ قول نہیں ہے بلکہ تراع فقط اس بارے میں ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں کہ اللہ تعالےٰ ایسا کوئی کلام نازل فرمائے جسکے معنی بندوں کو معلوم نہ ہوں نہ یہ کہ اُس سے خود اُسکا بھی کوئی مقصود نہ ہو پھر اس تقدیر پر کہ نزاع اسی میں ہو وہ اسپر یہ دلیل لاتا ہے کہ یہ عیب ہے اور عیب اللہ پر ممتنع ہے حالانکہ یہ مستدل اللہ پر ہر شے کے فعل کو جائز کہتا ہے کسی سے اسکو منزہ نہیں سمجھتا۔ یہ اور اسکی مثال بہت سے اقوال اُن لوگوں کے تناقضات میں سے ہیں جو جہمیہ کے قول کے موافق اور تقدیر کے بارے میں مثل جبریہ کے ہیں۔ لیکن ائمہ سنت اور اُن کے جمہور میں سے کسیکا یہ قول نہیں ہے۔ فقط

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے اللہ غفور الرحیم نہیں ہے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ

کو غفور رحیم عفو کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ فساق کو عذاب کرنے کا اللہ مستحق ہو کیونکہ جب وہ اسکنے اپنا حق ساقط (اور معاف) کر دے گا۔ تب غفور۔ رحیم ہو جائے گا۔ اور عذاب کرنے کا مستحق اسوقت ہو سکتا ہے کہ عصیان بندہ ہی کی طرف سے ہو۔ اللہ کی طرف سے نہ ہو۔

جواب

اسکا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ اوّل تو یہ کہ اکثر اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونا اُسیوقت ہو سکتا ہے کہ وہ مستحق ہو بلکہ ان اوصاف کے ساتھ موصوف قطع نظر اس استحقاق کے اُسوقت بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ عذاب کرنے پر قادر ہو کیونکہ ان امور کے ساتھ استحقاق کی تخصیص کرنا تو اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ کس شئے کا مستحق ہی اور کس شے کا نہیں اور یہ اُن لوگوں کے نزدیک ممنوع ہے بلکہ اُسے ہر صورت کا اختیار اور وہ ہر شے کا مالک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے پس جسوقت وہ عاصیوں کو عذاب دینے پر قادر ہوا اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تو اب اس سے مغفرت اور حلم اور عفو کا ہونا درست ہو گیا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اس قایل کا یہ کہنا کہ وہ عذاب کرنے کا مستحق ہوگا اسکے اس استحقاق سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ عاصیوں کو عذاب کرنا اسکے لیئے انصاف ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اُسکا محتاج ہے اگر پہلے معنے مراد ہیں تو یہ معنے تو متفق علیہ ہیں کیونکہ اسپر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ عاصیوں کو عذاب کرنا اُسکا انصاف ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو اُسکا عفو اور مغفرت کرنا احسان اور فضل ہوا اور یہی قول اُن لوگوں کا بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ بندوں کے افعال کا خالق ہے پس وہ لوگ جو اسکے قایل ہیں کہ افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ تمام افعال اسی کیلیئے ہیں اُس نے انھیں بندوں کے لیئے مقرر کیا ہے یہ سب اسپر متفق ہیں کہ عقاب اللہ تعالےٰ کیطرف سے انصاف ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ مغفرت رحمت اور عفو تینوں کے ساتھ یا تو اللہ تعالےٰ موصوف ہوگا یا موصوف ہے ہوگا لیکن جسوقت عقاب جائز اور غیر قبیح ہو لیکن اگر اول مذہب لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو شخص

توبہ کرے اور ایمان لاکر عمل صالح کرے اور ہدایت پر ہو ہے اُسکے حق میں اللہ تعالےٰ غفار نہ ہو کیونکہ عقاب اُن لوگوں کے نزدیک قبیح ہے اور مغفرت اُس قول والوں کے نزدیک واجب ہے اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ انبیاء اور مومنین میں سے جو رحمت کا مستحق ہے اللہ اُسکے حق میں رحیم نہ ہو اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو شخص ظلم کرکے پھر نیکیاں اُسکے عوض میں کرے تو اللہ اُسکے حق میں غفور رحیم نہ ہو اور چونکہ قرآن شریف نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تائبین کے لیئے اللہ تعالےٰ غفار ہے اور مومنین کے حق میں رحیم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ مغفرت اور رحمت کے ساتھ متصف ہے اور اگر عقاب اُس سے ممتنع ہو اس تقدیر پر کہ وہ عقاب کرنے کا مستحق ہو تب بھی مغفرت اور رحمت کے ساتھ اُسکا متصف ہونا ممتنع نہیں ہے۔

چوتھا جواب

جمہور کے نزدیک یہ کہ عصیان بندہ سے اس معنی پر ہے کہ یہ اُسکا فاعل ہے اور بعض کے نزدیک اس معنے پر ہے کہ یہ اُسکا کاسب ہے نہ کہ فاعل اسی ذریعہ سے انسان اسکا مستحق ہوجاتا ہے کہ ظالم کو سزا دے پس اللہ کا ظالم کو عذاب دینے پر مستحق ہونا اس سے اولیٰ ہے باقی اسکا اسکے لیئے خالق ہونا سو یہ اور امر ہے کہ انجام اسکا بھی یہی نکلتا ہے اور جو جمہور حکمت کے قائل ہیں اُن کے نزدیک اسمیں بھی ایک حکمت ہے اور جو لوگ حکمت کو علت نہیں کہتے اُن کے نزدیک محض مشیت ہی سے صادر ہوتا ہے۔ فقط

تکلیف مالایطاق کا لازم آنا

شیعی علماء کا قول ہے کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق لازم آتی ہے کیونکہ اللہ نے کافر کو ایمان لانے کا مکلف کیا ہے حالانکہ اسمیں اسکی قدرت نہیں ہے اور یہ عقلاً قبیح ہے اور سمع بھی اس سے مانع ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وکانوا لا یستطیعون سمعا۔

اِسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اول تو یہ کہ جو لوگ تقدیر کے مقر ہیں قدرتِ عبد میں اُنکے دو قول ہیں۔

پہلا قول

تو یہ ہے کہ قدرتِ عبد (یعنی بندہ کی قدرت) فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اس بنا پر وہ کافر جسکی

بابت علم الٰہی میں یہ ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائے گا تو وہ کافر کبھی ایمان لانے پر قادر نہ ہوگا اور جو اعتراض ذکر کیا ہے وہ اُنپر بھی پڑتا ہے۔

دوسرا قول

یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ پس وہ قدرت جو تکلیف میں شرط ہے فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ اور بدون فعل کے بھی اور کبھی فعل تک باقی بھی رہتی ہے اور دوسری قدرت جو فعل کو مستلزم ہے اسمیں یہ ضروری ہے کہ فعل کے موجود ہونے کے وقت وہ بھی موجود ہو اور اصل اُن کے قول کی یہ ہے کہ مومنین کو اللہ تعالےٰ نے ایک خاص نعمت ایسی عطا کی ہے جسکی وجہ سے یہ ہدایت پر رہتے ہیں کافر کو وہ نعمت عطا نہیں کی اور یہ کہ بندہ کو فعل کے وقت قادر ہونا ضروری ہے بخلاف اُسکے جو کہتا ہے کہ بندہ فعل سے پہلے ہی قادر ہوتا ہے اور یہ کہ نعمت کافر اور مومن دونوں پر برابر ہے اور جب فعل کے وقت کا ہونا ضروری ہوا اسوقت یہ فعل سے پہلے ہی قادر ہوگا اور وہ قدرت فعل کے وقت تک باقی رہے گی لہٰذا اب ان کی اصل میں خرابی نہیں آئے گی۔ لیکن فقط وہ قدرت جس میں ضدین کی صلاحیت ہے تو اُسمیں مؤمن اور کافر دونوں شریک ہونگے۔ پس مومن کے لیئے ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کوئی خاص سبب ایسا کر دے جسکی وجہ سے یہ مومن ہو جائے اور یہی سبب اُس میں ایمان کا ارادہ کر دیگا اور اسی ارادہ کو یہ لوگ منجملہ اُس قدرت کے شمار کرتے ہیں جو فعل کے مقارن ہوتی ہے اور اب یہ نزاع لفظی ہے۔ اہل سنت میں سے ان جمہور کے قول پر جو اسکے قائل ہیں کہ کافر ایمان لانے پر قادر ہے یہ اعتراض ہی باطل ہو جائیگا اور جن لوگوں کے قول پر وارد ہوگا وہ اُسکا جواب دیں گے اور دونوں قولوں میں جونسا بھی ٹھیک ہو الحمد للہ کہ وہ اہل سنت کے اقوال سے خارج نہیں ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ کہا جائے کہ تکلیف مالایطاق دو قسم پر ہے۔ اوّل تو یہ کہ اُسکے کرنے سے بندہ عاجز ہو اور وہ اُس کی طاقت سے باہر ہے۔ مثلاً کسی لنگڑے لولے کو چلنے کی تکلیف دینا اور کسی انسان کو اُڑنے پر مجبور کرنا وغیرہ سو یہ تکلیف تو اُن جمہور اہل سنت کے نزدیک جو تقدیر کو مانتے ہیں شریعت میں کہیں واقع نہیں اور نہ مذکورہ بیان اُسکے وقوع کے توہم کا مقتضی ہے۔ دوسری قسم تکلیف کی یہ ہے کہ ایک فعل کی ضد میں مشغول رہنے کی وجہ سے اُس فعل کو نہ کر سکے۔ جیسا کہ کافر ایمان کی ضد کفر

میں مشغول ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ فعل ہے جو اُسے ایمان لانے سے روکتا ہے اور جیسا کہ قاعدہ حالتِ قعود میں کہ اُسکا بیٹھنا ہی اُسے کھڑے ہونے سے مانع ہے۔ اور ضدین میں سے ایک کا پختہ ارادہ کرلینا دوسری ضد کے ارادہ کے منافی ہوتا ہے۔ اسی طرح کافر کو ایمان لانے کی تکلیف دینا اسی باب سے ہی عقلاء میں سے کسی اہل عقل کے نزدیک یہ تکلیف قبیح نہیں ہے بلکہ تمام عقلاء اسپر متفق ہیں کہ انسان اس امرونہی کا بے شک مامور ہوگا جسپر امرونہی کے وقت اسکی ضد میں مشغول ہونے کی وجہ سے قادر نہیں ہے بشرطیکہ اس ضد کو چھوڑ دینے کی طاقت رکھتا ہو اور اس کی ضد مامور بہ کو کرسکتا ہو نزاع فقط اس بارے میں ہے کہ آیا اُسے تکلیف مالایطاق کہہ سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ جو قدرت فعل کے مقارن ہوتی ہے اُسکے منتفی ہونے کے باعث اس میں تکلیف ہے پس بعض علماء جو تقدیر کے قائل ہیں اُسے تکلیف مالایطاق میں داخل مانتے ہیں جیساکہ قاضی ابوبکر اور قاضی ابویعلی وغیرہ کا یہی قول ہے اور کہتے ہیں کہ مالایطاق دو قسم پر ہے ایک تو یہ کہ عاجزی اور مجبوری کی وجہ سے مالایطاق ہو اور دوسری قسم یہ کہ اُس کی ضد میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ مالایطاق ہو۔ ان ہی میں بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تکلیف مالایطاق میں داخل نہیں کتاب وسنت اور اقوال سلف کے زیادہ تر یہی قول مشابہ ہے کیونکہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ جس میں حج کرنے کی وسعت ہو پھر جبوقت وہ حج نہ کرے تو وہ مالایطاق کا مکلف ہے علی ہذا القیاس جیسے طہارت اور نماز کا حکم ہو اور محض اپنی سستی سے وہ اُسے چھوڑ دے تو اُسے بھی تکلیف مالایطاق نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالےٰ کے قول وکانوا لا یستطیعون سمعًا سے یہ مراد نہیں ہے کیونکہ تمام لوگوں میں فعل سے پہلے وہ قدرت نہیں ہوتی جو فعل کے لیئے موجب ہو۔ لہذا عاصیوں کی اس میں خصوصیت نہ رہی بلکہ مقصود اس آیت میں وہ لوگ ہیں جو حق بات سننے کو نہایت ہی بُرا سمجھتے ہیں اور محض بُرا معلوم ہونے کی وجہ سے وہ اُسے سن ہی نہیں سکتے نہ یہ کہ وہ اُسکے سننے سے عاجز ہیں۔ جیساکہ حاسد محسود پر احسان نہیں کرسکتا فقط اسوجہ سے کہ یہ اُسے بُرا معلوم ہوتا ہے نہ کہ اسلیئے کہ وہ اس سے عاجز ہے غرض اس استطاعت کا نہ ہونا امرونہی کے لیئے مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ (مالک اور مختار ہے وہ) انسان کو ایسی شئے کا حکم کرتا ہے جسے یہ مکروہ سمجھے اور ایسی شئے سے روکتا ہے جو اُسے مرغوب اور محبوب ہو چنانچہ فرماتا ہے "کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم" (یعنی جہاد تمپر فرض کردیا گیا ہے حالانکہ وہ تمھیں مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ اور فرمایا واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن

الھوٰی (یعنی جو اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرا اور خواہش کی چیزوں سے نفس کو روکا فان الجنۃ ھی المأویٰ اُسکا ٹھکانا اور رہنے کی جگہ جنت ہی ہے) بندہ جسوقت اوامر کے کرنے کا اور منہی عنہ سے رکنے کا ارادہ کرے تو وہ کر سکتا ہے ماموربہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بندہ کا مقصود اور مطلوب بھی ہو اور نہ منہی عنہ میں یہ شرط ہے کہ بندہ کو اس سے کراہیت ہو کیونکہ فعل قدرت اور ارادہ پر موقوف ہوتا ہے اور تکلیف میں یہ شرط ہے کہ بندہ اُس فعل پر قادر ہو نہ یہ کہ وہ اُسکا مقصود اور مطلوب بھی ہو لیکن موجود فعل اُسیوقت ہوگا کہ اُسکا مطلوب بھی ہو جائے۔ غرض کہ ارادہ (اور طلب) کا ہونا فعل کے موجود ہونے میں شرط ہے وجوب میں شرط نہیں ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ جسوقت تکلیف مالایطاق کی یہ تفسیر کی جائے کہ وہ ایک فعل ہے جسکے کرنے پر ایسی قدرت نہ ہو جو مقدور میں آسکے تو اس تفسیر پر اُسکے ممتنع ہونے کے معنی ہی مورد ہوں گے اور اُسکی نفی پر دلیل کی ضرورت ہوگی۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں اُن میں بعض اُس تکلیف کو بھی جائز کہتے ہیں جو بوجہ عاجز اور مجبور ہونے کے نہ ہو سکے بلکہ اُن میں جو اور زیادہ غلو کرنے والے ہیں وہ ممتنع لذاتہٖ کی تکلیف کو بھی جائز کہتے ہیں اور بعض کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تکلیف شریعت میں بھی واقع ہے جیساکہ ابی لہب کو ایمان لانے پر مکلف کرنا باوجودیکہ وہ اللہ کی اس خبر کے تصدیق کرنے پر بھی مکلف تھا کہ وہ ایمان ہرگز نہیں لائے گا یہ قول اگرچہ مرجوح ہے لیکن اس قدری نے اُسکے ابطال پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ اسکے معارضہ کے جواب پر بلکہ محض قول ہی پر اکتفا کیا جو عقلاً قبیح ہے اور ان لوگوں کا قول ہے کہ (کسی شئے کی تحسین اور تقبیح میں عقل کو دحکم لگانے کی)، بالکل مجال نہیں۔ پس اگر ان لوازم میں پوری بحث نہ کی جائے تو مذکورہ بیان اُنپر حجت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اُن کے سوا اُنپر حجت ہو جو تقدیر کو تسلیم کرتے اور حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کو مانتے ہیں فقط

افعال اختیاریہ اضطراریہ ہیں

نسبی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے یہ ہے جو لازم آتا ہے کہ ہمارے تمام افعال اختیاریہ

جو ہماری ضرورتوں اور خواہشوں سے صادر ہوتے ہیں جیسے دائیں بائیں ہمارا حرکت کرنا اور ہاتھ سے کسی شے کو پکڑنا اور بعض کاموں کو پاؤں سے کرنا یہ سب مثل افعال اضطراریہ کے ہیں جیسا کہ نبض کا حرکت کرنا اور اوپر سے دوسرے کے گرانے کی وجہ سے گرنا اضطراری ہوتا ہے لیکن بداہت چاہتی ہے کہ ان دونوں میں فرق ہو کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اختیاریہ حرکت کرسکتے ہیں اور حرکت کے ساتھ آسمان پر نہیں اُڑ سکتے - ابوالہذیل علاف کا قول ہے کہ آدمی کا گدھا آدمی سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے کیونکہ اگر تم اُسے کسی چھوٹی سی خالی پر لاؤ اور اُسپر سے کودوانے کے لیئے اُسے ہانکو تو اس سے فوراً کود جائیگا اور اگر بڑی نالی پر کودواؤ تو ہرگز نہیں کودے گا کیونکہ وہ ان دونوں نالیوں میں فرق سمجھتا ہے جسپر سے کود سکتا ہے اور جسپر سے نہیں کود سکتا تعجب آتا ہے کہ آدمی کو اپنے مقدور اور غیر مقدور میں بھی فرق معلوم نہیں ہوتا -

جواب

اسکا یہ ہے کہ یہ اُسپر لازم آتا ہے جو کہتا ہے کہ بندہ کو افعال اختیاریہ پر بالکل قدرت نہیں ہے امام معروف اور اہل سنت کے فرقوں میں سے کسی معروف فرقہ کا یہ قول نہیں ہے اور نہ ان میں کسی کا قول ہے جو تقدیر کے مثبتہ ہیں سوائے اسکے کہ جہم بن صفوان وغیرہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے بندہ سے قدرت بالکل سلب کردی ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ کا حرکت کرنا ایسا ہے جیسے درخت ہوا چلنے سے ہلا کرتے ہیں - اور ان لوگوں سے زیادہ تر قریب اشعری اصحاب مالک اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ میں سے وہی لوگ ہیں جو اشعری کے موافق ہیں - یہ باوجودیکہ بندہ کے لیئے قدرت محدثہ اور اختیاریہ کو تسلیم کرتا اور یہ کہتا ہے کہ کسب بندہ ہی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ مقدور کے ایجاد کرنے میں بندہ کی قدرت کا کوئی اثر نہیں ہوتا - اسیوجہ سے لوگوں کا یہ قول ہے کہ یہ کسب جسکا اشعری قائل ہے سمجھ میں نہیں آتا اور جمہور اہل اثبات اسپر ہیں کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقتہً فاعل ہے اسکے لیئے قدرت اور ارادہ دونوں ہیں اور اُس کی قدرت اُسکے مقدور میں موثر بھی ہے جیسا کہ قوی طبائع میں اور اُن کے علاوہ اور شروط اور اسباب وغیرہ موثر ہوتے ہیں پس اس معترض کا یہ اعتراض جمہور اہل سنت پر لازم نہیں آتا اور ہم یہ کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اسکے ہم بھی منکر نہیں کہ اہل سنت میں بھی بعض وہ لوگ ہیں جو غلط کہہ دیتے ہیں ہاں تمام اہل سنت غلطی پر متفق نہیں ہوسکتے جیسا کہ سب امامیہ غلطی پر متفق ہوجاتے ہیں بلکہ جس مسئلہ میں امامیہ اہل سنت کے برخلاف ہونگے پس صواب اس مسئلہ میں اہل سنت ہی کے ساتھ ہوگا

نہ کہ امامیہ کے ساتھ اور جس مسئلہ میں خود اہل سنت کا بھی نزاع ہو اور اُسی میں امامیہ بھی نزاع کریں تو اُسمیں نہ کچھ اہل سنت ہی کی خصوصیت ہے اور نہ امامیہ کی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلف اور خلف میں سے تمام اہل سنت کا یہ قول ہے کہ بندہ کے لیئے قدرت۔ ارادہ۔ فعل تینوں ہیں اور وہ حقیقۃً فاعل ہے اور ان سب کا خالق اللہ ہے جیساکہ وہ اور سب چیزوں کا خالق ہے چنانچہ کتاب اور سنت دونوں اسپر دال ہیں حضرت ابراہیم کا قول اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لك۔ یعنی اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار سلمان کرلے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت سلمان اپنی فرمانبردار کیجو۔ پھر اُن ہی کا دوسرا قول فرمایا۔ رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی۔ اے میرے رب مجھے اور میری اولاد میں سے نماز کا پابند کیجو۔ اور فرمایا۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا اور جب اُنھوں نے صبر کیا تو ہم نے اُنھیں ائمہ کردیا کہ ہمارے حکم کی وہ ہدایت کرتے ہیں۔ اور فرمایا" وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ اور فرمایا: ان الانسان خلق ھلوعًا اذا مسہ الشر جزوعًا واذا مسہ الخیر منوعًا۔ غرض ان آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ سلمان کو سلمان پابند نماز کو پابند نماز اور امام ہادی کو امام ہادی کرتا ہے اسی طرح حضرت مسیح کا قول ہے۔

وجعلنی مبارکا اینما کنت واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیاً وبرًا بوالدتی ولم یجعلنی جبارًا شقیا۔ یعنی اور کیا مجکو بابرکت جہاں کہیں مَیں رہوں۔ اور وصیت کی مجکو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور اپنی والدہ کے ساتھ سلوک کرنے کی۔ جب تک کہ میں زندہ رہوں اور نہ کیا اُس نے مجھے سرکش اور بدبخت۔ فقط۔

یہاں یہ بیان کردیا کہ اُنھیں اللہ ہی نے اُن کی والدہ کے ساتھ سلوک کرنے والا کیا تھا اور بدنصیب سرکش نہیں کیا تھا۔ یہ اہل سنت کے اُس قول کے صریح موافق ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے پھر اللہ تعالےٰ فرعون اور اُس کی قوم کا قول فرماتا ہے وجعلنا ھم ائمہ یدعون الی النار یعنے اور کیا تھا ہم نے پیشرو کہ وہ بلاتے لوگوں کو دوزخ کی طرف۔

اور فرمایا۔ لمن شاء منکم ان یستقیم وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین۔ یعنی یہ قرآن شریف تم میں سے ایسے شخص کے لیئے ہدایت ہے جو استقامت چاہے اور نہیں چاہ سکتے تم مگر وہی کہ جو اللہ

رب العالمین چاہے۔ اور فرمایا۔ ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا وما تشاؤن الا ان یشاء الله ان الله کان علیما حکیما۔ اور فرمایا ان هذه تذکرة فمن شاء ذکره۔ پس ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے بندوں کی مشیت (اور ان کے ارادہ) کو ثابت کر کے یہ بیان کر دیا کہ ان کی مشیت بلا مشیت ذاتِ باری تعالےٰ کے کچھ نہیں ہے اور چند جگہ یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بندے فعل کرتے ہیں عمل کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں۔ کفر کرتے ہیں۔ اتقا کرتے ہیں۔ فسق و فجور کرتے ہیں۔ تصدیق کرتے ہیں۔ تکذیب کرتے ہیں اور ایک اور موقع پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کے لیئے استطاعت اور قوۃ بھی ہے۔ ائمہ اہل سنت اور ان کے جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ خلق اُنکے نزدیک مخلوق نہیں ہے غرض یہ ہے کہ وہ اس میں فرق کرتے ہیں کہ بندوں کے افعال مخلوق ہو کر اللہ کے مفعول ہوں اور یہ کہ وہ نفس وہ فعل ہوں جو فعل یفعل فعلاً کا مصدر ہے کیونکہ وہ بندوں کے لیئے فعل بمعنی مصدر ہے اور اللہ کے لیئے اس اعتبار سے فعل نہیں ہے بلکہ وہ اُسکے لیئے مفعولہ ہے مگر اللہ تعالےٰ مفعولات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا لیکن یہ خرابیاں ان ہی لوگوں کے قول پر لازم آتی ہیں جو اللہ کے فعل اور مفعول میں فرق نہیں کرتے باوجود اسکے یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ ہی کے فعل ہیں جیسا کہ جہم بن صفوان اور اُسکے موافقین اشعری اور اُسکے تابعین اور اتباع ائمہ میں سے جو اُن کے موافق ہیں یہی کہتے ہیں۔ اسیوجہ سے اس موقع پر ان لوگوں سے یہ بحث مشکل ہو گئی ہے جیسا کہ دوسرے موقع پر یہ بیان بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی اعتراض لازم آتا ہے جو مخلوقات میں اسباب۔ قویٰ۔ طبائع کو ثابت نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اُن اسباب وغیرہ کے ہونے پر فعل کرتا ہے ان کی وجہ سے نہیں کرتا تاکہ اس سے یہ لازم آئے کہ قادر اور عاجز میں کوئی فرق نہ رہے اور اگر کوئی قدرت کو مان کر یہ کہے کہ یہ کسب کے ساتھ مقترن ہوتی ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ تم اس قدرت میں معقول فرق نہیں کرتے جو کسب سے ثابت ہو اور فعل سے نہ ہو اور نہ قادر اور عاجز میں فرق رہتا ہے کیونکہ یہاں محض اقتران ہے قدرت کے ساتھ خصوصیت بالکل نہیں ہے بندہ کا فعل اُسکی صفات۔ حیات۔ علم۔ ارادہ وغیرہ سے مقارن ہوتا ہے۔ اور جبوقت قدرت کی سوائے اقتران کے اور کوئی تاثیر نہ ہوئی تو اب قدرت اور غیر قدرت میں کوئی فرق نہ رہا۔ اسی طرح اُس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ قدرت فقط صفت فعل میں

مؤثر ہے۔ اصل فعل میں مؤثر نہیں جیسا کہ قاضی ابوبکر اور اُن کے موافقین کا قول ہے کہ انھوں نے بدون خلق اللہ تعالےٰ کے تاثیر کو ثابت کیا ہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ بعض حوادث کو اللہ نے پیدا نہ کیا ہو اور اگر اُسکو اللہ کی خلق پر معلق رکھیں تو اب اصل اور صفت میں کوئی فرق نہ رہے گا لیکن ائمہ سنت اور اُن کے جمہور کا قول وہ ہے جس پر شرع اور عقل دونوں دال ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فسقناہ الی بلدٍ میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات۔ یعنی بھیجا ہم نے ابر کو ایک مردہ (اور خشک) شہر پر اور برسایا اُس سے پانی پھر پیدا کئے اُس سے طرح طرح کے پھل۔ اور فرمایا۔ وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا۔ یعنی اللہ تعالےٰ آسمان سے پانی برسا کر اُسکے ذریعہ سے زمین کو اُسکے مردہ ہوئے پیچھے زندہ (سرسبز) فرماتا ہے۔ اور فرمایا یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سُبل السلام۔ یعنی دکھاتا ہے اللہ تعالےٰ سلامتی کے راستے اُس شخص کو جو اُس کی رضامندی اور خوشنودی کی جستجو میں رہا اور فرمایا یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ یعنی اس قرآن شریف کے ذریعہ سے اکثروں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثروں کو ہدایت پر لاتا ہے۔ اس قسم کی مثالیں قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت ہیں ان سے اللہ تعالےٰ اس امر کو ظاہر فرماتا ہے کہ اُس نے تمام حوادث کو اسباب کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے اسی طرح قرآن شریف اور احادیث اُن قویٰ اور طبائع کے ثبوت پر بھی دال ہیں جو اللہ نے حیوان وغیرہ میں رکھی ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ یعنی ڈرو تم اللہ سے حتی الوسع اور فرماتا ہے۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ یعنی کیا نہیں دیکھا کہ اُس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے جو قوت میں اُن سے زیادہ ہے اور فرمایا اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ یخلق ما یشاء یعنے اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف (ادنیٰ چیز) سے پیدا کیا اور ضعف کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ اسیطرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اشج بن عبد القیس سے فرمایا تھا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ دونوں اللہ کو بھی پسند ہیں ایک بُردباری دوسرے وقار اُس نے پوچھا کہ حضرت یہ خصلتیں ہم میں جبلی ہیں یا کہ عادت کرنے سے ہو جاتی ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ تم میں یہ جبلی ہیں اُس نے کہا الحمد للہ کہ اُس نے ہم میں جبلی دو خصلتیں ایسی کیں کہ جنھیں خود بھی پسند فرماتا ہے۔ غرض اس قسم کی مثالیں بکثرت ہیں یہ موقع اُن کے بیان کرنے کا نہیں ہے۔

اب وہ لوگ جو بندے میں قدرت ثابت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اس قدرت کی مقدور میں تاثیر ایسی ہوتی ہے جیسی تمام اشیا کی اُن کے سببات میں اور سبب سبب کے ساتھ مستقل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ معاون کا محتاج رہتا ہے پس اسی طرح بندہ کی قدرت بھی مقدور میں مستقل نہیں ہے اور علاوہ اسکے سبب کے لیئے ایک مانع اور معوق ہوتا ہے - اسی طرح قدرت عبد کے لیئے بھی اور اللہ تعالےٰ اس سبب اور اُسکے مانع کا خالق ہے اسکے معارض اور معوق کو روکنے والا ہے بس یہی حال بندہ کی قدرت کا ہے - لہذا وہ ضروری فرق جو شیعی علما نے افعال اختیاریہ اور اضطراریہ میں بیان کیا ہے حق ہے تمام اہلسنت کا یہی قول ہے ائمہ مسلمین اور فقہا مشہورین جیسے امام مالک امام ابو حنیفہ امام ثوری اوزاعی لیث بن سعد امام شافعی امام احمد امام اسحٰق کسی کا اس میں نزاع نہیں ہے - حالانکہ یہ لوگ دین میں مجتہد اور سید المرسلین کے نائب ہیں - اور چونکہ قائلین تقدیر میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن پر (اس مذکورہ) فرق کا باطل ہونا لازم آتا ہے تو گویا اُن کا قول ہی باطل ہوا اور باوجود اسکے تقدیر کے منکرین کا قول اس سے بھی زیادہ باطل ہے - پس اس قدریہ نے باطل امر کو ایسے جواب سے رد کیا ہے جو اُس سے بھی زیادہ باطل تھا اور اہل شیعہ اسکے خلاف ہیں نہ ان کے موافق ہیں اور نہ ان کے مخالف لیکن وہ اُسکو حق کہتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان کا یہ قول باطل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بندوں کے افعال حادث ہیں نہ ہونے کے بعد .... پیدا ہوئے ہیں (اور یہی حدوث کے معنی ہیں) لہذا انکا حکم باقی تمام حوادث جیسا ہوگا اور وہ حوادث ممکنات ہیں پس اُنکا حکم بھی ممکنات ہی ہوگا علاوہ ازیں جس دلیل سے اس امر پر استدلال لایا جائے گا کہ بعض حوادث اور ممکنات اللہ کی مخلوق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مُحْدَث کے لیئے مُحدِث کا ہونا ضروری ہے اور یہ مقدمہ جماہیر عقلا کے نزدیک ضروریہ ہے اسی طرح ممکن کے لیئے بھی ایک مرجح تام ضروری ہے پس اُسوقت بندہ کا فعل حادث ہوگا جیسے نہ ہونے کے بعد پیدا ہوگا - اب اگر کوئی یہ کہے کہ مُحدِث بندہ ہی ہے پس بندہ اپنے افعال کا مُحدِث ہو جائیگا بعد اسکے کہ پہلے نہ تھا اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امر بھی حادث ہے لہذا اسکے لیئے بھی ایک محدث ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر بندہ کو ہمیشہ سے اُسکا محدث کہا جائے تو اس حادث فعل کا دائمی ہونا لازم آئے گا اور چونکہ اُسے اُسکا دوبارہ کرنا بھی حادث ہے لہذا محدث کا ہونا ضروری ہی اگر کوئی کہے کہ یہاں محدث بندہ کا ارادہ ہے تو جواب یہ ہے کہ ارادہ خود حادث ہے اسکے لیئے بھی

محدث ہونا چاہیئے اگر کوئی کہے کہ یہ امر بندہ کے ارادہ کرنے کے باعث پیدا ہوا ہے جواب یہ ہے کہ یہ ارادہ بھی حادث ہے اسکے لیئے بھی محدث ہونا چاہیئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ میں جونسا محدث تم فرض کروگے اگر وہ حادث ہوگا تو اسمیں بھی یہی گفتگو کی جائیگی جو پہلے حادث میں تھی اور اگر تم اُسے ازلی قدیم کہو تو یہ ممتنع ہے کیونکہ بندہ کے ساتھ قائم ہونے والی شے ازلی قدیم نہیں ہوسکتی اور اگر تم کہو کہ یہ بندہ کا وصف ہے اور یہی وہ قدرت ہے جو اُسمیں پیدا کی گئی ہے تو اب یہ وجوہ متعقل نہیں ہونگی۔ اوّل تو یہ کہ یہ قدرت جو اس میں پیدا کی گئی ہے اگر حدوثِ فعل سے پہلے اور حدوث کے وقت موجود ہوگی تو اُسکے لیئے کوئی دوسرا سبب حادث ہونا چاہیئے جو اسمیں منضم ہو ورنہ بلا مرجح احد المثلین کی ترجیح لازم آئے گی اسی طرح حوادث کا حدوث بلا سبب حادث ہے کیونکہ جب بندہ کا حال فعل سے پہلے اور فعل کے وقت برابر ہے احد الحالین کو دوسرے پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہے تو اس میں ایک حال کو فاعل کے ساتھ خاص کرنا اور دوسرے کو نہ کرنا احد المتماثلین کو بلا مرجح ترجیح دینا ہے اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ بندہ کا فعل ممکن ہو کہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو اور ممکن کا وجود اسکے عدم پر بلا مرجح تام کے راجح نہیں ہوتا۔ اور وہ مرجح جس وقت بندہ کی طرف سے ہوگا تو اسپر بھی وہی اعتراض ہونگے جو فعل میں ہونے پر ہوتے تھے لہذا ضرور ہے کہ کوئی مرجح تام اللہ کی طرف سے ہو اور یہ کہ اُسکا وجود وجودِ فعل کو مستلزم ہو ورنہ وہ مرجح تام نہ ہوگا اسیوجہ سے تمام اہل سنت جو تقدیر کے قایل ہیں اسپر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایک خاص نعمت عطا کی ہے جو کفار کو عطا نہیں کی جسکی وجہ سے انھیں ایمان لانے کی ہدایت دیدی اگر اسکی نعمت مسلمانوں پر بھی ایسی ہی ہوتی جیسی اسکی نعمت کفار پر ہے تو مسلمان ہی مومن نہ ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون" یعنی ولیکن اللہ نے تمھیں ایمان کی محبت دی اور تمھارے دلوں میں اُس کی خوبصورتی ڈالدی اور کفر اور فسوق اور عصیان کی تمھیں کراہیت دی بس یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔ اور فرمایا "یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صادقین" یعنی اے محمد یہ مسلمان اپنے ایمان لانے کا تمپر احسان رکھتے ہیں تم کہدو کہ مجھپر تم احسان نہ رکھو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے ایمان لانے کی تمھیں ہدایت دی اگر تم سچ کہنے والے ہو اور فرمایا فھدی اللہ الذین امنوا

لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم "یعنے جنمیں لوگ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی قدرت سے مومنین کو حق کی ہدایت دی اور اللہ جسکو چاہتا ہے راہ مستقیم کی ہدایت کر دیتا ہے اور فرمایا اولئك کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه" یعنی یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لانا لکھدیا تھا پھر اپنی ایک روح سے اُن کی تائید کی اور فرمایا "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء"، یعنی جسے اللہ ہدایت کرنی چاہتا ہے اُسے اسلام کا شرح صدر کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اُسکا سینہ ایسا تنگ کرتا ہے گویا وہ آسمان میں چڑھا جاتا ہے۔

سنیئے قدریہ نے دونوں قسموں کی نعمت کو برابر ٹھیرایا ہے وہ کہتے ہیں بندہ کو ایک ایسی قدرت عطا کی جاتی ہے جسمیں ایمان اور کفر دونوں کی صلاحیت ہوتی ہے بعد اسکے بندہ سے اُن میں سے ایک بلا ایسے سبب کے صادر ہو جاتی ہے جو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور کہتے ہیں کہ خود قادر مختار احد المقدورین کو دوسرے پر بلا کسی مرجح کے ترجیح دیتا ہے ان کا یہ دعوے قدرت رب اور قدرت عبد دونوں میں ہے۔ قدرت رب میں اُن کے بہت سے وہ لوگ بھی موافق ہیں جو تقدیر کا اقرار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ وہ شے قائم نہیں ہوتی جسکے ساتھ اُسکی مشیت اور قدرت متعلق ہو اور رافضی اور ان ہی جیسے وہ لوگ جو قدریہ پر اس سے حجت لاتے ہیں آپس میں مناقضہ کرتے ہیں پس جسوقت یہ خلق افعال کے مسئلہ میں مناظرہ کرتے ہیں تو انپر اس مذکورہ حجت سے حجت لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن کا وجود اسکے عدم پر بلا کسی تام مرجح کے راجح نہیں ہو سکتا خواہ وہ قادر مختار سے صادر ہوا ہو یا اور کسی سے اور جسوقت وہ مسئلہ حدوث عالم میں گفتگو کرتے ہیں اور اُن سے کہا جاتا ہے کہ حادث کے لیئے کوئی سبب پیدا ہونا ضروری ہے تو وہ قدریہ کا جواب دیتے اور یہ کہتے ہیں کہ قادر مختار ہی احد المقدورین کو بلا کسی مرجح کے ترجیح دیدیتا ہے اور قادر اور غیر قادر میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ قدریہ کا قول ہے۔ اور فعل رب اور فعل عبد میں بھی اُنھوں نے اس طرح فرق کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی مشیت قدیمہ سے جو لوازم ذات سے ہے ترجیح دیدیتا ہے بخلاف بندہ کے کیونکہ اُسکا ارادہ دوسرے سے حادث ہوتا ہے لیکن اکثر لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ اسکے قائل ہیں کہ ارادہ قدیمہ ازلیہ ہی مرجح ہوتا ہی کوئی اور شے (مرجح) پیدا نہیں ہوتی تو اُنکا یہ قول ان ہی کے قول کی شکل ہے کیونکہ ارادہ کو جمیع متقدورات

کی طرف ایک ہی نسبت ہے اور ایک ہی نسبت اُسکو تمام ممکنات کی طرف ہے لہذا یہاں احد المماثلین کو دوسرے پر بلا مرجح ترجیح ہو جائے گی۔ علی ہذا القیاس جب فاعل کا حال فعل سے پہلے اور فعل کے وقت برابر شمار کیا گیا پھر احد المحالین کی فعل کے ساتھ خصوصیت کی گئی تو یہاں بھی ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اوران فرقوں کا یہ منتہائے نظر ہے۔ اور اسی وجہ سے جس نے (امام) رازی اور ان ہی جیسے اور لوگوں کے کلام کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا وہ علة دہریہ قادر القدریہ اور مرید الکلابیہ میں متردد رہا کہ یہ لوگ ازل میں فعل پر اور مشیت و قدرت کے ساتھ کلام کرنے پر اللہ تعالےٰ کو قادر نہیں کہتے چونکہ جہمیہ اور قدریہ کی یہ حالت تھی اس لیئے فلاسفہ دہریہ یعنے ابن سینا وغیرہ نے امتناع حدوث عالم اور اُسکے وجوب قدم کے بارے میں اس دلیل کو عمدہ قرار دیا لیکن ان کے پاس اپنے مذہب پر اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ غایت درجہ یہ کہ فاعلیت باری تعالےٰ کے دوام کو مستلزم ہے اور قدم فلک پر دلالت نہیں کرتی اور نہ اعیان عالم میں سے اور کسی پر لیکن ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے تسلسل لازم آتا ہے اور تسلسل محال ہے۔ مراد اس سے تمام تاثیرات میں تسلسل آتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ورنہ فقط آثار میں تسلسل ہونے کے تو وہ بھی قائل ہیں اور ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ یہ تسلسل بھی ممتنع ہے کیونکہ جسوقت مثلاً یہ کہا گیا کہ یہ حادث کوئی فعل نہیں کریگا جبتک کہ کوئی دوسرا حادث ہو کر اُسے فاعل نہ کر دے اور یہی حال اس دوسرے حادث کا بھی ہے تو یہاں تمام تاثیر میں تسلسل ہو جائیگا اور جسوقت کسی نے یہ کہا کہ یہ نہیں حادث کرے گا جبتک کہ وہ کسی شے کو نہ حادث کرے تو یہ دور ممتنع ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے جسوقت گفتگو حوادث میں کی جائے تو تسلسل ہوگا اور جسوقت حادث کو معین کر لیا جائے تو یہ دور ہو جائے گا اور ان متکلمین یعنی جہمیہ۔ قدریہ۔ اشعریہ۔ معتزلہ اور کرامیہ میں سے جو اُن کے تابع ہیں اور فقہا وغیرہ میں سے اُن کے موافقین ہیں۔ سب کی یہ دلیل حجت لازمیہ ہے اور وہ تسلسل جسکے ممتنع ہونے پر اتفاق ہے وہ موثرات میں تسلسل ہونا ہے ورنہ آثار میں تسلسل ہونا پس یہی سو مدنزاع ہے اور یہ لوگ ان دونوں قسموں کو اس بنا پر باطل کرتے ہیں کہ غیر متناہی شے میں تفاوت ممتنع ہوتا ہے جماہیر فلاسفہ معہ ائمہ اہل علل کے اس دوسری قسم کا انکار نہیں کرتے۔ اور جب تمہارا قول باطل ہو گیا تو یہ حجت ضرور ہی باطل ہو گئی کیونکہ باطل قول پر حجت صحیحہ قائم نہیں ہوا کرتی اور اگر تسلسل ممکن ہے تو اُسوقت بھی تمہاری حجت باطل ہے غرضکہ یہ حجت دونوں تقدیر پر باطل ہے کیونکہ

جب آثار کا تسلسل ممکن ہوا تو حدوث افلاک بھی ایسے اسباب کے ساتھ ممکن ہوگا جو اس سے پہلے حادث ہوں اور تمام رسولوں صلوات اللہ علیہم اجمعین نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان وزمین اور اُن کے درمیانی اشیاء کو چھ روز میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اُسکا عرش پانی پر تھا اور یہ مقدمہ ایسا ہے کہ بالاضطرار اور دین اسلام کی نقل متواتر سے سمجھا جاتا ہے (اس میں کوئی خفا نہیں) اور تمھاری ادلہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو آسمانوں کے قدیم ہونے کو ثابت کرے۔ پس ان کے قدیم ہونے پر تمھارے قول میں کوئی حجت عقلیہ نہیں ہے لہذا یہ بلاسبب رسولوں کی تکذیب ہے علاوہ ازیں عقل صریح بھی تمھارے قول کو باطل کرتی ہے کیونکہ افلاک وغیرہ عالم سے حوادث ستلزم ہیں پس اگر وہ قدیم ہونگے تو یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے کسی موجب قدیم سے صادر ہوں اور اُسوقت یہ موجب بھی اپنے موجب کے ساتھ مستلزم ہوگا بمقتضا استلزام کا یہ ہے کہ جب اِس سے متاخر نہ ہو کیونکہ اگر موجب اس سے متاخر ہوا تو یہ علۃ تامہ نہیں رہے گا کیونکہ علۃ تامہ اپنے معلول کو مستلزم ہوتی ہے اور جب علۃ تامہ نہ رہی تو اب موجب کا مقارن ہونا ممتنع ہوگیا کیونکہ بدون علۃ تامہ کے معلول کا قدیم ہونا ممتنع ہے علاوہ اسکے اگر موجب کا تاخر جائز ہو مع جواز اِس بات کے کہ وہ ازل میں اُسکا مقارن ہو تو اب واجب بذاتہ کے سوا ایک اور مرجح کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اُسکے کلمات بے انتہا ہوں اور وہ ہمیشہ اپنی مشیت سے متکلم رہا ہو یا اپنی مشیت سے یکے بعد دیگرے فعل کا فاعل ہو حالانکہ یہاں سوائے اسکے اور کوئی مرجح نہیں ہے۔ پس اس بنا پر افلاک وغیرہ کا ہونا ممتنع ہوگا اور یہ باطل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور وہ خود اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ علۃ قدیمہ کے معلول ہیں اور وہ علت موجب بالذات ہے۔ اُسکا موجب اُس سے متاخر نہیں ہوتا اور جس وقت یہ عقل صریح سے معلوم ہے اور خود بھی اِسکے موافق ہیں بلکہ اُن کے قول کی اصل یہی ہے تو اب اُن سے یہ کہا جائے گا کہ جو شے حوادث کو مستلزم ہو ممتنع ہے کہ وہ کسی موجب بالذات سے صادر ہو کیونکہ حوادث شیئاً بعد شیئٍ پیدا کرتے ہیں اور جو شئے شیئاً بعد شیئٍ پیدا ہو اُسکے اجزا قدیمہ ازلیہ نہیں ہو سکتے پس وہ موجب بالذات سے صادر نہیں ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس موجب بالذات سے حوادث کا صادر ہونا بھی ممتنع ہوگا اور بدون حوادث لازمہ کے عالم سے بھی صدور شئ کا ممتنع ہے کیونکہ ملزوم کا وجود بدون لازم کے ممتنع ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ فلک کا قدیم اور ازلی ہونا ممتنع ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ ازل میں فلک حوادث سے خالی تھا بعد اسکے اُسمیں حوادث پیدا ہو گئے اُسوقت اسکا یہ جواب دیا جائیگا کہ پھر ان حوادث کے لیے بھی ایک سبب ہونا چاہیئے اور اس سبب میں بھی وہی بحث ہو گی جو اوروں میں تھی اور اگر یہ جایز ہو کہ بدون کسی سبب حادث کے وہ حادث ہو جائے تو یہ فلک میں بھی ہونا ممکن ہے لہٰذا ان کی حجت باطل ہو گئی۔ اور احد المتماثلین میں سے بلا مرجح ایک کو ترجیح دینا لازم آیا اور اگر اسکے لیئے بھی کوئی سبب ضروری ہوگا تو تسلسل اور دوام حوادث لازم آئیگا اور یہ کہ فلک اور اللہ کے سوا ہر شے حوادث کی مقارن ہوا اور جو ممکن حوادث کا مقارن ہوتا ہے ممتنع ہے کہ وہ موجب بالذات سے صادر ہو اور یہ بھی ممتنع ہے کہ وہ قدیم ہو۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شئے حوادث کو مستلزم ہو۔ وہ وہ ہے جو حوادث سے خالی نہ ہو اور وہ جو حوادث کو مقارن ہو اُسکا حادث ہونا واجب ہے یا نہیں بلکہ قدیم ہونا بھی جائز ہے یہ ایک ہی بات ہے کہ وہ واجب اپنے ماسوا سے غنی ہو یا ممکن ہو یا اُس واجب میں جو ماسوا سے غنی ہو اور اُس ممکن میں جو محتاج الی غیرہ ہو فرق ہو سو اسمیں تین قول ہیں۔ اول قول تو اہل کلام وغیرہ میں سے اُن لوگوں کا ہے جو اُسکے دوام کے ممتنع ہونے کے قائل ہیں اور اسکے بھی کہ ازل میں اللہ کا اپنی مشیت اور قدرت سے فعل اور تکلم کرنا ممتنع ہے۔ دوسرا قول اُن فلاسفہ کا ہے جو ماسوی اللہ کے قدیم ہونے کے قایل ہیں اور وہ ماسوی خواہ افلاک ہوں خواہ عقول وغیرہ ہوں اور یہ لوگ اللہ سبحانہ کو موجب بذاتہ ٹھیر لیتے ہیں کہ اُسے کسی شے کا پیدا کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ عالم میں سے کسی شے کی تغییر ہو سکتی ہے۔ بلکہ حقیقت اُن کے قول کی یہ ہے کہ حوادث اُس سے صادر نہیں ہو سکتے بلکہ یہ بلا محدث کے خود ہی صادر اور حادث ہو جاتے ہیں۔ تیسرا قول اُن ائمہ اہل علل کا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ہر شے کا خالق اللہ ہی ہے اور اللہ کے سوا ہر شے نہ ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہے باوجودیکہ اللہ ہمیشہ سے قادر ہے اور جب اُس نے چاہا ہمیشہ متکلم بھی رہا بلکہ اُن افعال کا فاعل بھی رہا کہ جو قائم بنفسہ ہیں اور اہل فلاسفہ میں اُن کے ائمہ کے اقوال جو ارسطو سے پہلے ہوئے ہیں سب اُن لوگوں کے اقوال کے موافق ہیں بخلاف ارسطو اور اُسکے تابعین کے جنھوں نے افلاک کو قدیم کہا ہے اُن کا قول صحیح منقول اور صریح معقول سے بے شک معلوم الفساد ہے اور علاوہ اسکے مفعول معین فاعل کے ساتھ لازم ہو کر

اُسکے قدم کے ساتھ قدیم اور دوام کے ساتھ دائمی ہونا لذاتہ ممتنع ہے اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ فاعل غیر مختار ہے تو یہ کیونکر درست ہوگا جب یہ ثابت ہوچکا کہ وہ اپنی مشیت اور قدرت سے فعل کرتا ہے اور یہ جو اُنھوں نے کہا ہے کہ علت معلول پر بالذات ہی مقدم ہوتی ہے نہ کہ بالزمان تو یہ قول اُسی جگہ موزوں ہوگا جہاں علت شرط ہو کیونکہ شرط مشروط سے کبھی مقارن ہوتی ہے باقی وہ علت جو فاعل معلول کا فعل ہو تو اُسکا معلول سے زمانی مقارن ہونا عقل میں نہیں آتا اور اس کی مثال کہ علت معلول پر بالذات مقدم ہوتی ہے نہ کہ بالزمان وہ یہ دیتے ہیں کہ جیسے ہاتھ کی حرکت سے خاتم (انگوٹھی) کی حرکت متقدم ہوتی ہے اور اُن کی تمام مثالوں میں یا تو علت شرط ہوگی فاعل نہیں ہوگی اور یا متقدم بالزمان ہوگی ورنہ فاعل کا غیر متقدم ہونا ہرگز خیال میں نہیں آتا اور نہ یہ موقع ان امور کو تفصیل سے ذکر کرنے کا ہے کیونکہ اہل ارض کی مقالات کا اصول ہے اور یہاں اصل مقصود (فرقہ) قدریہ کی اصل پر متنبہ کرنا ہے کیونکہ حقیقت اُن کے قول کی یہ ہے کہ حیوان کے افعال بلا فاعل صادر ہوتے ہیں جیساکہ فلاسفہ دہریہ کے قول کی اصل یہ ہے کہ فلک کی حرکت اور تمام حوادث بلا سبب پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح قول اُن لوگوں کا ہے جو قدریہ کے اس بارے میں کہ اللہ کے ساتھ افعال کا قیام نہیں ہوسکتا اور کہتے ہیں کہ جو فعل ہے وہی مفعول ہے اور جو خلق ہے وہی مخلوق ہے جیسا کہ اشعریہ اور اُنکے موافقین کہتے ہیں اور فعل ذم میں اُنپر بھی وہ اعتراض لازم آئیگا جو قدریہ پر لازم آتا ہے۔ اسی وجہ سے قدری رافضی کی اکثر خرابیاں اور برائیاں ان لوگوں پر وارد ہوتی ہیں اور اُن کا فرقہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے قائل ہیں اور ان کا قول ہر حال پر قدریہ کے قول سے خطا (اور غلط) ہونے میں بہت کم ہے بلکہ اُن کی اصل خطا قدریہ کی ایک خطا کے برابر ہے اور ائمہ اہل سنت کبھی کوئی ایسی خطا کی بات نہیں کہتے اور اسی طرح اہل حدیث۔ اہل فقہ۔ اہل تفسیر۔ اہل تصوف میں سے کوئی اہل سنت اُن اقوال کا قائل نہیں ہے کہ جو خطا کو متضمن ہیں۔ بلکہ وہ سب اسپر متفق ہیں کہ افعال عباد کا خالق بے شک اللہ ہے اور اُنکا اسپر بھی اتفاق ہے کہ افعالِ اختیاریہ اور افعال اضطراریہ میں فرق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی مشیت اور قدرت سے فعل کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ سے افعال پر قادر صفات کمال کے ساتھ موصوف اور متکلم ہے اور وہ اُن اوصاف کے ساتھ بھی موصوف

ہے جو اُسنے اپنی ذات کے خود بیان کئے اور اُن اوصاف کے ساتھ بھی جو اُسکے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا تحریف اور تعطیل اور بلا تکییف اور تمثیل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت اللہ کے علم کو محیط اور اسکی مشیت کو نافذہ اور قدرت کو کاملہ اور ہر شے کے لیے اُسکا خالق ہونا ثابت کرتے ہیں اور جسے اُن کے قول کو سمجھنے کی اللہ ہدایت دے وہ جان لے گا کہ بے شک محاسن اقوال کو اُنھوں ہی نے جمع کیا ہے اور اللہ کو غایت کمال کے ساتھ اُنھوں ہی نے موصوف کہا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صحیح منقول اور صریح معقول سے تمسک کرتے ہیں اور ان ہی کا قول درست اور تناقض سے سالم ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو دیکر بھیجا اور اُسپر کتابیں نازل فرمائیں۔

اچھے بُرے میں فرق نہیں ہے

شیعی علماء کہتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے یہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے دو شخصوں میں کوئی فرق نہ ہو ایک تو وہ کہ جو تمام عمر ہمپر اعلےٰ درجہ کا احسان اور سلوک کرے اور دوسرا وہ کہ جو تمام عمر ہمارے ساتھ انتہا درجہ کی بُرائی کرے۔ اور نہ ہم سے پہلے کا احسان ماننا اور دوسری کی بُرائی کرنی ٹھیک ہوگی وجہ اس لزوم کی یہ ہے کہ انکے نزدیک دونوں فعل اللہ ہی سے صادر ہوتے ہیں۔

جواب

یہ قول باطل ہے کیونکہ دو فعلوں کا فقط اس بارے میں شریک ہونا کہ یہ دونوں اللہ نے پیدا کیئے ہیں ان کے تمام احکام میں شریک ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ یہ تو ظاہر عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام امور مختلفہ بہت سے امور میں مشترک ہوتے ہیں خاصکر ایسے مقام پر اس لیئے کہ اللہ کے سوا تمام اشیا اللہ کی مخلوق ہونے میں مشترک ہیں سا در اسمیں بھی کہ وہی ان کا رب اور مالک ہے پھر ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات میں فرق بھی اسقدر ہے کہ سوائے خالق کے اور کوئی اُسکا احاطہ نہیں کرسکتا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے نور اور ظلمات کو پیدا کیا اور خود یہ فرمادیا کہ وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور (یعنی نہ اندھا اور بینا برابر ہیں اور نہ اندھیرے اور نور برابر ہیں) اور اللہ ہی نے جنت و دوزخ کو پیدا کیا حالانکہ یہ دونوں بھی برابر نہیں اُسی اللہ نے ظل اور حرور کو پیدا کیا ہے اور یہ دونوں بھی برابر نہیں وہی اللہ نابینا اور بینا کا خالق ہے یہ دونوں بھی برابر نہیں۔ وہ ہی اللہ زندہ اور مردے اور

عاجز عالم کا خالق ہے حالانکہ نہ یہ برابر ہیں نہ وہ اُسی اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے جن سے نفع اور نقصان ہوتا ہے اور جن سے لذت اور تکلیف ہوتی ہے حالانکہ نہ یہ برابر ہیں نہ وہ اسی طرح اللہ تعالےٰ عمدہ نفیس اور بُرے کھانوں کا بھی خالق ہے پھر عمدہ کھانے سے محبت اور رغبت ہوتی اور اُسکی تعریف اور خواہش کی جاتی ہے اور بُرے کی بُرائی اور اُس سے کراہیت کی جاتی ہے حالانکہ خالق اسکا اور اُسکا اللہ ہی ہے وہی فرشتوں اور انبیاء اور شیاطین کا خالق ہے اُسی نے نوبہ بق میں سے سانپ اور بچھو وغیرہ پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ محمود اور معظم ہیں اور ان فاسقہ چیزوں کو حل اور حرم دونوں جگہ مار دیا جاتا ہے باوجودیکہ اُن میں اللہ ہی نے ایک ایسی کریمہ طبیعت پیدا کر دی ہے جو خیر اور خوبی کی مقتضی ہے اور اُن میں ایسی خبیثہ طبیعت رکھدی ہے جو شر اور عدوان کی باعث ہی معہ اسکے کہ ان میں حب اور عداوت مدح اور ذم کا بھی فرق ہے پس جب شرع اور عقل دونوں اسپر متفق ہیں کہ جس چیز میں لوگوں کے لیئے اللہ نے منفعت اور مصلحت رکھدی ہے اُس سے اُنھیں محبت ہو اسکی مدح اور خواہش کریں اگرچہ وہ شے گدھا یا کوئی اور حیوان چوپایہ ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو آدمی لوگوں پر احسان کرے اُس سے اُن کو مصالح اور منافع حاصل ہوں تو وہ اُسکا مستحق نہ ہو کہ اُس سے محبت اور اُسکی تعظیم اور تعریف کریں۔ اسی طرح جانب شر میں قیاس کرنا چاہیئے۔ قدریہ کا قول یہ ہے کہ نہ بندہ اپنے احسان پر محمود اور مشکور ہو سکتا ہے اور نہ اپنی برائی پر مذموم (اور بُرا) کہلا سکتا ہے ہاں اس شرط پر کہ اُسے اللہ تعالےٰ نے ہمپر محسن نہ کیا ہو (یعنی اس وقت اُسے محسن کہہ سکتے ہیں) اور نہ اُسوقت ہمپر اُسکا احسان ہو کہ جب یہ بھلائی کرے اور نہ وہ اس کے بُرائی کرنے پر ہماری آزمایش کرے۔ اور یہ اُس قول کی حقیقت ہے جو اس قدریہ نے کہا ہے اور اس قول کا شرعًا اور عقلًا باطل ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ جہاں بندہ کا شکر (اور احسان) ہوگا وہاں اللہ کا شکر (اور احسان) نہ ہوگا۔ اور جہاں اللہ کا ہوگا وہاں بندہ کا نہ ہوگا۔ غرض مقصود اس سے یہ ہے کہ رسول کی تعلیم اور اللہ کی رسالت ہمارے تک تبلیغ کرنے میں اللہ کا ہمپر احسان کچھ نہیں ہے (کیونکہ تعلیم و تبلیغ رسول ہی کرتے ہیں) حالانکہ اللہ فرماتا ہے۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ (یعنی مسلمانوں پر اللہ نے یہ احسان کیا کہ اُن کے پاس اُن ہی میں سے ایسا پیغمبر بنایا جو اُنھیں اللہ کی

آیتیں سُناتا اور اُن کا (گناہوں وغیرہ سے) تزکیہ کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔) پھر قدریہ کے قول پر اللہ کا پیغمبر بھیجنا ایسا ہے کہ جیسے مخلوق مخلوق کی طرف بھیجتی ہے۔ پس یہ نفس ارسال کی تفصیل ہے نہ کہ اسکی کہ اُس نے رسولوں کو ایسا کیا کہ وہ آیتیں پڑھتے اور تعلیم دیتے اور تزکیہ کرتے ہیں بلکہ اُن کے نزدیک یہ سب افعال اُس مرسل کی طرف منسوب ہیں جس نے اُنکے نزدیک اُنھیں پیدا کیا ہے نہ کہ اس مُرسل کی طرف جس نے اُن میں سے کوئی شئے بھی نہیں کی۔ پھر یہ قدریہ کہتے ہیں کہ رسول خود اپنی طرف سے کہتے ہیں اللہ اُن سے کچھ نہیں کہلاتا بلکہ اللہ نے اُن میں ایک ایسی قدرت پیدا کردی ہے کہ یہ چاہیں بولیں اور چاہیں نہ بولیں آپ ان دونوں حالتوں میں جسے چاہتے ہیں بلا امداد الٰہی خود پیدا کر لیتے ہیں۔ لہذا انکے قول پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ بندوں کے لیئے فرشتوں کا استغفار اور علماء کا انھیں تعلیم دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور حاکموں کا اُن کے حق میں انصاف کرنا بندوں پر اللہ کی کوئی نعمت (اور احسان) نہ ہو اور نہ اُسوقت اُس کی کچھ سختی ہو جسوقت حاکم ظلم کریں حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالٰے فرماتا ہے میں ہی سب بادشاہوں کا مالک ہوں سب بادشاہوں کے دل اور سب کی پیشانیاں میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جنے میری اطاعت اور فرمانبرداری کی میں اُن بادشاہوں (اور حاکموں) کو اُنپر رحمت کر دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے اُسپر اُسے سخت (بے رحم) کر دیتا ہوں۔ لہذا تم بادشاہوں کو بُرا کہنے میں نہ پڑو اور میری اطاعت کرو میں اُن کے دل تمپر نرم اور مہربان کر دونگا قدریہ کے نزدیک اللہ میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ بادشاہوں کو منصف کردے یا ظالم بنادے یا محسن کردے اور نہ اسپر قادر ہے کہ جو کوئی اُسکے ساتھ بھلائی اور اُسکی تعظیم کرے اُسے کوئی نعمت عطا کرے نہ اسپر کہ جو بُرائی یا اُسکی اہانت کرے تو اُسے سزا دے سکے۔ بعض کا قول ہے کہ قدریہ کے قول پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کسی حال میں اور کسیوقت شکر کا مستحق نہ ہو کیونکہ شکر نعمتوں ہی پر ہوتا ہے اور نعمتیں تین قسم کی ہیں۔ دنیوٗیہ۔ دینیہ۔ اخرویہ۔ پس دنیویہ نعمتیں تو قدریہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہیں۔ اور ادائے واجب میں مستحق شکر کیونکر ہو سکتا ہے اسی طرح وہ دینیہ نعمتیں بھی جنپر اُسے قدرت ہے جیسا کہ پیغمبر بھیجنا اور قدرت پیدا کر دینا باقی رہا نفس ایمان اور عمل صالح سو اُنکے نزدیک اللہ میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ کسی کو مومن اہل ہدایت نیک یا بد یا شقی کردے لہذا ان امور میں سے جنھیں نہ وہ خود کرتا ہے نہ اُنکے کرنے کی بندوں کو قدرت دی ہے۔ کسی شئے میں مشکور بننے کا

مستحق نہیں ہے۔ لیکن نعمت اخرویہ سو اُن کی جزا دینی قدریہ کے نزدیک اللہ پر ایسی ضروری ہے جیسی مستاجر کو کسی غریب مزدور کی مزدوری دینی ضروری ہوتی ہے پس جزا دینی اسپر واجب ہے اور اُنسے وہ اپنے نزدیک باعتبار عدل و انصاف کے واجب سمجھتا ہے نہ کہ باعتبار فضل اور احسان کے جیسا کہ کوئی اپنے ذمہ سے کسیکا قرض ادا کر دے اور وہ اپنے فضل و احسان پر شکر کرانے کا مستحق نہیں ہوتا۔ قدریہ اپنے قول کی اس حقیقت پر اُن مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں۔ کہ جو ہر حال اور ہر نعمت پر اللہ کا شکر کرتے اور اُسکا احسان مانتے ہیں اور اُس آدمی کا بھی احسان مانتے ہیں جسکے ہاتھوں اللہ بھلائی کرا دے کیونکہ جس نے آدمیوں کا احسان نہ مانا اُس نے گویا اللہ کا بھی احسان نہ مانا اور جو کوئی اُن کے ساتھ بُرائی کرے اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ انصاف کی وجہ سے اللہ کو اُس سے بدلہ لینا جائز ہے اور یہ کہ جو وقت اسمیں کوئی حق اللہ کا نہ ہو تو اُسکا معاف کر دینا افضل ہے اور بعض یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالے کسی پہلے احسان اور نیکی ہو جانے پر نعمت عطا فرماتا ہے۔ تاکہ بندہ اُسکا شکر کرے اور علی ہذا القیاس کسی بُرائی ہو جانے پر تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ جیسا کہ اور طرح طرح کی تکلیفوں سے وہ بندہ کو آزماتا ہے تاکہ یہ صبر کریں اپنے گناہوں پر استغفار چاہیں اور قضا الٰہی پر راضی رہیں۔ چنانچہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالے مومن کے حق میں وہی حکم فرماتا ہے جو اُسکے لیئے بہتر ہو اگر کوئی اُسے فائدہ پہنچا اور اس نے اُسپر اللہ کا شکر کیا تو اُسکے حق میں اور بہترائی ہو گی۔ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچی اور اُس نے صبر کیا تب بھی اُسکے لیئے بہترائی ہے اور یہ فقط مسلمانوں ہی کے لیئے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازا۔ یعنی ہم شیاطین کو کفار پر بھیجتے ہیں۔ کہ وہ اُنھیں (گناہوں پر) اُوبھارتے ہیں۔ اور فرمایا "فاذا جاء وعد اولاھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار وکان وعدا مفعولا۔" علاوہ ازیں یہ سب کو معلوم ہے کہ اکثر اہل تقدیر اسکے مقر اور اُسے مانتے ہیں اور ساتھ ہی اُسکے وہ محسن کی تعریف اور مدح کرتے ہیں اور ظالم کی برائی کرتے ہیں باوجودیکہ اسپر انکا اتفاق ہے کہ ان دونوں فعلوں کا خالق اللہ ہی ہے پس قدریوں کا یہ کہنا کہ (دونوں فعلوں کا خالق اللہ کو ماننے پر) یہ لازم آئے گا کہ اُس میں کچھ فرق نہ رہے تو یہ لزوم مالایلزم ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ خود اللہ تعالے نے اُسکو مستحق ثواب اور مدح کا کیا اور اُسکو مستحق عقاب اور ذم کا کیا پھر جب اُس نے اِسے اور اُسے

مستحق کردیا تو اس سے یہ ممتنع نہیں ہو جاتا تاکہ ایک کی مدح اور دوسرے کی بُرائی کیجائے بلکہ اُنکے لیئے ان دونوں کا پیدا کرنا ایسا ہے جیسے کسی اور کے لیئے پیدا کردے اور اُسکا بندوں کے حق میں ایک حکمت کلیہ کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ دوسرے موقع پر اسکا ذکر کیا گیا ہے اور قدریہ کی رائے پر مدح اور ثنا اور شکر کا لایق وہی مستحق ہو سکتا ہے جسے اللہ نے محسن نہ کیا ہو علی ہذا القیاس مستحق ذم بھی وہی ہو سکتا ہے جسے اللہ نے ظالم اور بدنہ بنایا ہو بلکہ وہ ہو سکتا ہے جسے اللہ نے محسن اور ظالم بننے کی قدرت بھی نہ دی ہو خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک نہ مدح ہو سکتی ہے اور نہ ذم ہاں اس شرط پر کہ اللہ عاجز ہو۔ اسکی مشیت اور خلق میں قصور ہو اور حوادث کا حدوث بدون محدث کے ہو۔

معصیت

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے وہ تقسیم بھی ہے جسکو سیدنا و مولانا امام موسیٰ بن جعفر کاظم نے ذکر کیا ہے۔ ان سے امام ابو حنیفہ نے اپنے لڑکپن میں یہ پوچھا تھا کہ معصیت کس سے ہوتی ہی کاظم نے فرمایا کہ یا تو بندہ سے ہوتی ہے یا اللہ سے ہوتی ہے یا دونوں سے ہوتی ہے اگر اللہ سے ہوتی ہے تو وہ بڑا منصف اور بڑا عادل ہے اسکی شان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے بندہ پر ظلم پر اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا اسپر اُس سے مواخذہ کرے اور اگر معصیت دونوں سے ہوتی ہی تو وہ اسکا شریک اور اُس میں ساتھی ہے۔ تو ہی اور ضعیف بندہ پر انصاف کرنے میں اولی ہے۔ اور اگر معصیت فقط بندہ ہی سے ہوئی ہے اُسوقت امر اُسی کو ہوگا اور بُرائی بھلائی بھی اُسی کی ہوگی۔ یہی ثواب و عقاب کا مستحق ہوگا اور جنت و دوزخ بھی اسی کے لیئے ضروری ہوگی۔ امام ابو حنیفہ نے (یہ جواب سنکر تعریف کے طور پر) فرمایا ذریۃ بعضہا من بعض۔ فقط۔

جواب

اسکا یہ ہے کہ اول تو اس حکایت کی کوئی سند مذکور نہیں لہذا یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ منقولات کی صحت اسانید ثابتہ ہی سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ خاصکر اس صورت میں جہاں بکثرت جھوٹ بولا جائے کیونکر سند مذکور نہ ہو حالانکہ یہاں جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ اُن تمام اہل معرفت کا جو امام اور اُن کے مذہب سے واقف ہیں اسپر اتفاق ہے کہ امام ابو حنیفہ تقدیر کے اقرار کرنے والوں میں سے ہیں

اور فقہ اکبر میں فرقہ قدریہ پر انکار ردکرنا مشہور ہے کہ اس کتاب میں اس فرقہ کے رد میں اسقدر دلیلیں ذکر کیں اور بحث کی ہے کہ اور کسی کے رد میں اتنی بحث نہیں کی۔ ان کے تمام اتباع اسپر متفق ہیں کہ ان کا یہی مذہب تھا اور یہی اب ان حنفیہ کا مذہب ہے جو اُنکے پیرو ہیں اور فروع میں جو اُن کی طرف منسوب کیا گیا۔ اور معتزلہ وغیرہ سے انھیں علٰحدہ کیا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایسا قول اُن سے منقول ہو بلکہ اُن ائمہ کے نزدیک قول سے فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اہل بدعت اور اہل ضلال سے شمار کئے جاتے ہیں پس امام ابو حنیفہ سے کیونکر کوئی یہ نقل کرسکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو ٹھیک اور درست تسلیم کرلیا جو کہتا ہے کہ افعال عباد کو اللہ نے پیدا نہیں کیا۔ علاوہ اسکے موسیٰ بن جعفر اور اہل بیت کے تمام علماء اثبات تقدیر پر متفق ہیں اُن سے یہ منقول ہونا صاف ظاہر اور سب کو معلوم ہے۔ قدماء شیعہ بھی اثبات تقدیر و صفات پر متفق تھے لیکن بنی بویہ کے راج میں معتزلہ سے ملکر ان میں تقدیر کا رد اور انکار پھیل گیا۔ علاوہ ازیں یہ کلام جو موسیٰ بن جعفر سے حکایت کیا جاتا ہے یہ فرقہ قدریہ کے لڑکے بچے کہتے ہیں۔ موسیٰ بن جعفر کے پیدا ہونے سے پہلے جسوقت سے فرقہ قدریہ پیدا ہوا ہے اُسیوقت سے یہ قول مشہور چلا آتا ہے کیونکہ موسیٰ بن جعفر ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ میں عباسیہ سلطنت سے قریب تیس برس پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں اور بغداد میں ۱۸۳ھ میں اُنکا انتقال ہوا ہے ابو حاتم کا قول ہے کہ یہ ثقہ صدوق ائمہ مسلمین سے ایک امام تھے اور قدریہ اس تاریخ سے پہلے ہی سے پیدا ہو چکے تھے بلکہ وہ زبیر عبدالملک کے زمانہ کی پہلی ہی صدی میں پیدا ہو گئے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکایت بالکل جھوٹ ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ (موسیٰ بن جعفر کے باپ) جعفر بن محمد کے ساتھ رہے ہیں باقی موسےٰ بن جعفر اس قابل نہ تھے کہ ابو حنیفہؒ اُن سے پوچھتے یا آپ کبھی اُن سے ملے ہوں۔ ہاں جعفر بن محمد ابو حنیفہ رحؒ کے ہمعصروں میں تھے اور امام ابو حنیفہ نے باوجود اُن کے علم میں مشہور ہونیکے اُن سے بھی کچھ نہیں حاصل کیا۔ پھر بھلا موسیٰ بن جعفر سے آپ کس طرح تعلیم لے سکتے تھے۔

اب ملاحظہ ہو اس حکایت میں اس قائل کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ وہ بڑا منصف اور بڑا عادل ہے۔ اسکی شان یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بندہ پر ظلم کرے اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا اُسپر اُس سے مواخذہ کرے۔ یہی قول کلام قدریہ کی اصل ہے جسے اُن کے عام خاص سب جانتے ہیں اور [illegible]

مذہب اور طریقہ کی بنیاد ہے۔ اسیواسطے وہ اپنا نام عدلیہ رکھتے ہیں۔ پس موسیٰ بن جعفر کی طرف اُسکو منسوب کرنا اگر حق بھی ہو تب بھی اُسمیں اُن کی کوئی فضیلت اور تعریف نہیں ہے کیونکہ یہ تو قدریہ کے چھوکرے بھی جانتے تھے لیکن اُسوقت کیا ہوگا جب یہ محض جھوٹ اور گھڑنت ہی ہو۔

دوسرا جواب

اس تقسیم کا یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تقسیم منحصر نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ سائل کا یہ پوچھنا کہ للمعصیة عمن (معصیت کس سے ہوتی ہے) مجمل لفظ ہے کیونکہ معصیت او رطاعت عمل اور عرض ہیں جو (خود قایم نہیں ہوا کرتے) غیرہی کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے لیئے کوئی محل ہونا ضروری ہے جسکے ساتھ یہ قائم ہوں اور یہ لامحالہ بندہ ہی کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالےٰ کے ساتھ کبھی یقیناً قائم نہیں ہوتے۔ ہر مخلوق کی بابت یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ ہی سے ہے اس معنی پر کہ اُسکو اُسی نے پیدا کیا ہے وہ اس سے جدا ہے نہ اس معنی پر کہ یہ مخلوق اُسکے ساتھ قائم ہے اور وہ اُسکے ساتھ متصف ہے۔ جیسا کہ یہی مطلب اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے۔

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منه (یعنی آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو اللہ نے تمھارے تابع اور ماتحت کردیا حالانکہ یہ سب اسی سے ہیں) اور فرمایا وما بکم من نعمة فمن اللہ (یعنی تم پر جو نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے) اور اللہ تعالےٰ اگرچہ ہر شئے کا خالق (اور پیدا کرنے والا) ہے لیکن اسی نے خیر اور شر کو بھی اسلیئے پیدا کردیا ہے کہ اُسکی ان میں بھی ایک حکمت ہے جس سے اُسکا فعل حسن ہوجاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے الذی احسن کل شئ خلقه وبدأ خلق الانسان من طین۔ (یعنی جس نے اچھا کیا ہر شئے کی خلق کو اور پیدا کیا اُس نے انسان کو مٹی سے) اور فرمایا۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شئ (یعنی اللہ کا فعل وہ اللہ جس نے یقین دلایا ہر شئے کو) اور اسیوجہ سے لفظ شر اُس کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ یا تو عموم میں داخل ہوکر منسوب ہوتا ہے اور یا کسی سبب کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے یا اُسکا فاعل حذف کردیا جاتا ہے چنانچہ پہلی مثال اللہ کے اس قول میں ہے۔ اللہ خالق کل شئ (یعنی ہر شے کا خالق اللہ ہی ہے) اور ہر شے میں بُرائی بھی داخل ہے۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ یعنی اے محمد تم کہو کہ میں رب فلق سے اس شئے کی بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اُس نے پیدا کی ہے) تیسری صورت کی مثال اللہ کا یہ قول ہی جسمیں

جنوں کی حکایت ہے کہ وانا لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا ۵ یعنی اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے حق میں کوئی برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے انھیں ہدایت دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور اللہ تعالٰے نے القرآن (الحمد) میں فرمایا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۵ اسمیں بھی نعمت کا فاعل مذکور ہے اور غضب کا فاعل محذوف ہے۔ ضلال کی نسبت ان ہی لوگوں کی طرف ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل نے فرمایا تھا کہ واذا مرضت فھو یشفین - یعنی جو وقت میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے اللہ ہی صحت دیتا ہے اسی وجہ سے اللہ کے لیئے اسماء الحسنٰے ہیں اُس نے اپنی ذات کے نام اسماء الحسنٰی رکھے ہیں۔ جو خیر کو مقتضی ہیں اور شر فقط مفعولات ہی میں ذکر کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔ اعلموا ان اللہ شدید العقاب وان اللہ غفور رحیم۔ یعنی یاد رکھو کہ اللہ تعالٰے بہت سخت عذاب دینے والا اور غفور الرحیم ہے۔ اور سورہ انعام کے اخیر میں فرمایا۔ ان ربك سریع العقاب وانه لغفور رحیم اور فرمایا۔ نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم و ان عذابی ھو العذاب الالیم - اور ایسا ہی اُسکا یہ قول ہے۔ حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جو امور اُس نے ایسے پیدا کئے ہیں جن میں بعض لوگوں کی نسبت کچھ بُرائی ہے تو اُسکی اُن میں بھی ایک حکمت ہے اسی حکمت کے باعث اُس نے اُنھیں پیدا کیا ہے وہ حمید مجید ہے اُسی کا سب ملک اور اُسی کی سب حمد ہے پس اُسکی نسبت کوئی بُرائی نہیں ہے اور نہ وہ کسی طرح مذموم ہے۔ لہذا اُسکی طرف ایسی شئے منسوب کیجائیگی جو اُسکے مناقض ہو۔ چنانچہ اُس سبحانہ نے امراض۔ اوجاع۔ بدبوؤں۔ بدصورتوں اور اجسام خبیثہ جیسے سانپوں اور پلیدیوں وغیرہ کو پیدا کیا ہے کیونکہ ان کے پیدا کرنے میں اُس کی ایک بہت بڑی حکمت ہے پس جسوقت کوئی یہ کہے کہ یہ ناپاکی اور یہ بدبو اللہ سے ہے تو اس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں اُسی سے نکلی ہیں۔ حالانکہ وہ پاک پروردگار اُن سے منزہ ہے۔ علی ہذا القیاس جب کسی نے یہ کہا کہ یہ برائیاں اللہ سے ہیں یا یہ گناہ اللہ سے ہیں تو اس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ اُسکی ذات سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ بندہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جیسا کہ متکلم سے کلام پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالٰے اُن سے بالکل منزہ ہے یا اُس سے یہ وہم ہوگا کہ یہ اس سے بُرائی اور خطا ہے حالانکہ اللہ اُس سے بھی منزہ ہے بلکہ تفویض اور تعلیل دونوں قول پر اسکا تمام خلق کو پیدا کرنا حسن ہی ہے اور اسی طرح

جب کوئی کھاؤں۔ رنگوں اور خوشبوؤں وغیرہ اعراض کی بابت یہ کہے کہ یہ کھانا میٹھا یا کڑوا اللہ ہی سے ہے یا یہ خوشبوئیں یا بدبوئیں اللہ ہی سے ہیں اور جسوقت کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ ہی سے ہیں۔ اس سے یہ بھی وہم ہوتا ہے کہ اللہ نے اُن کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ نہ اللہ فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور نہ فساد کو پسند فرماتا ہے اور نہ بندوں سے کفر کرنے پر راضی ہے اور یہی مثال ابن مسعود کے قول کی ہے کہ جب کسی نے ان سے فرائض کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے یہ فرمایا اسکا جواب میں اپنی رائے سے دیتا ہوں اگر وہ جواب ٹھیک ہوا تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلطی ہوئی تو غلطی مجھ سے اور شیطان سے ہوگی اللہ اور اُسکا رسول اُس سے بری ہوں گے۔ ایسے طرح کلالہ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تھا اور اُسی کی مثل حضرت عمر کا بھی قول ہے مراد ان سب کی یہ ہے کہ اللہ نے تو فقط صواب کا امر فرمایا اُسے مشروع اور واجب کیا اور اُس سے خود راضی بھی ہے مگر خطا کا نہ اُس نے امر فرمایا نہ اُسے پسند فرمایا اور نہ مشروع کیا بلکہ وہ اُن امور میں سے ہے جو شیطان نے ہمارے لیئے مزین کر دیئے ہیں۔ لہذا یہ خطا ہماری اور شیطان ہی کی رہے گی۔

تیسرا جواب

کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ اوّل تو یہ کہا جائے کہ اعمال۔ اقوال۔ طاعات۔ معاصی کے بندہ سے ہونیکے یہ معنی ہیں کہ یہ اُسکے ساتھ قایم اور اسکی مشیت اور قدرت سے حاصل ہیں اور وہی ان کے ساتھ متصف اور متحرک ہوتا ہے اسی پر اُنکا حکم ہوتا ہے اگرچہ اُسے اختیار نہیں ہوتا جیسا کہتے ہیں کہ یہ ہوا اُس جگہ سے آتی ہے یا یہ کھجور اُس درخت کی ہے اور یہ کھیتی اُس زمین کی ہے پس مناسب یہ ہے کہ جو شے کسی زندہ سے باختیار صادر ہو تو اُسے یہ کہنا کہ یہ اُس سے ہے بطریق اولیٰ جایز ہوا اور کسی شے کے اللہ سے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس نے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ یہ غیر کے ساتھ قایم اور اُسکے لیئے اُس نے اس کو عمل اور کسب ٹھیرا دیا ہے۔ اور اُس نے بندہ میں مشیت اور قدرت پیدا کر کے اُسکے واسطے سے اپنی مشیت اور قدرت سے پیدا کیا ہے جیسا کہ مسببات کو اسباب کے ذریعہ سے پیدا کرتا ہے پس ابر کو ہوا سے پیدا کرتا ہے بارش کو ابر سے۔ سبزی کو بارش سے۔ تمام حوادث کو اپنے خالق کی طرف اور اعتبار سے نسبت ہوتی ہے اور اپنے اسباب کی طرف اور اعتبار سے۔ پس وہ اللہ کی طرف

سے دوسروں میں مخلوق ہیں جیسا کہ مخلوقات کی تمام حرکات اور تمام صفات اللہ ہی سے یعنی اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور وہی بندہ کی بھی صفت ہیں جو اُسکے ساتھ قایم ہیں جیسا کہ حرکت اُس متحرک سے ہوتی ہے جو اُسکے ساتھ متصف ہو اگرچہ وہ بے جان ہی ہو اور اس صورت میں وہ کیونکر متصف ہوگا کہ جسوقت وہ حیوان ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبت میں جہت مختلف ہونے کی وجہ سے اللہ اور بندہ میں بالکل شرکت نہیں ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ یہ لڑکا عورت کا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے اس معنے پر کہ اُسکے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور اُسے اللہ کا کہنا بھی ٹھیک ہے اس معنی پر کہ اُسنے اُسے پیدا کیا ہے ان دونوں قولوں میں کوئی تناقض نہیں ہے اور جب ہم نے یہ کہا کہ یہ پھل اس درخت کا ہے یا یہ کھیتی اُس زمین کی ہے اس معنی پر کہ اس میں پیدا ہوئی ہے اور اللہ کی ہے اس معنے پر کہ اُس نے اُسکو پیدا کیا ہے تو ان دونوں قولوں میں بھی کوئی تناقض نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالے بھی فرماتا ہے کہ ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخالقون (یعنی آیا یہ کسی اور شے سے پیدا کئے گئے ہیں یا کہ یہ خود ہی خالق ہیں) پس مشہور معنی من غیر شیئ کے من غیر رب ہیں یعنی کیا کسی اور اللہ نے پیدا کر دیا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ شیئے سے مراد عنصر ہے یعنی کیا اور عنصر سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت موسٰے نے فرمایا تھا جسوقت آپ کے ہاتھ سے قبطی مارا گیا کہ ھذا من عمل الشیطان (یعنی یہ شیطانی کرتوت ہے) اللہ تعالے فرماتا ہے ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک۔ (یعنی جو تمھیں بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے سمجھو اور جو بُرائی پہنچے وہ اپنی طرف سے) باوجودیکہ اس سے پہلے خود ہی فرمایا ہے کہ کل من عند اللہ (کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور یہاں حسنات اور سیئات سے مراد نعمتیں اور مصیبتیں ہیں اسی وجہ سے ما اصابک فرمایا ما اصبت نہیں فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ان تمسسکم حسنة تسؤھم وان تصبکم سیئة یفرحوا بھا اور فرمایا۔ ان تصبک حسنة تسؤھم وان تصبک مصیبة یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل ویتولوا وھم فرحون۔ غرض یہ ہے کہ یہاں یہ بیان کر دیا کہ تمام مصائب اور نعمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور نعمت تو اُسکی طرف سے ابتداءً ہی ہے کسی شیئ کا معاوضہ نہیں ہوتی) اور مصیبت خود انسان کی طرف سے کوئی سبب ہو جانے پر ہوتی ہی جیسا کہ اس آیت میں اللہ فرماتا ہے اولما اصابتکم مصیبة قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم (یعنی کیا جب آتی ہے تمپر کوئی مصیبت حالانکہ پہلے جھیل چکے ہو اُس سے دُگنی تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے

آگئی (اے محمد تم کہدو کہ یہ تمھاری ہی طرف سے ہے) اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالے محسن اور عادل ہے اُسکی ہر نعمت اُسکا فضل ہے اور اُسکی ہر تکلیف دینی اُسکا انصاف۔ پس وہ محض اپنے فضل اور احسان کے باعث بلا سبب بندہ پر محسن ہے اور سزا فقط گناہ ہی کرنے پر دیتا ہے اگرچہ اُس نے تمام افعال کو اپنی کسی حکمت ہی سے پیدا کیا ہے غرض یہ ہے کہ وہ حکیم اور عادل ہے تمام اشیاء کو ہر ایک کے موقع پر رکھتا ہے۔ ولا یظلم ربک احدا (یعنی تمھارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا) اور جب اللہ کے سوا بندوں میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے غلام کو اُسکے خطا کرنے پر سزا دیتے ہیں اگرچہ اسکے بھی مقر ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور یہ سزا دینا اُس آقا کا ظلم نہیں شمار کیا جاتا تو بس اللہ سبحانہ تعالے کے سزا دینے کو بدرجہ اولے ظلم نہ شمار کرنا چاہیئے۔ علی ہذا القیاس انسان اپنی عقل کے موافق کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ بلا کسی حیوان کو تکلیف دیئے حاصل نہیں ہوتی تو یہ تکلیف دینا اُسکا ظلم نہیں ہوتا پس اللہ تعالے اُسکا زیادہ مستحق ہے کہ اسکا ایسا فعل بھی ظلم شمار نہ ہو۔

جواب کی دوسری صورت

یہ ہے کہ ان افعال کا اللہ سے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس نے اُنھیں دوسروں میں پیدا کئے اور ان کے لیئے عمل بنا دیئے ہیں اور بندوں سے ہونے کا یہ مقصد ہے کہ وہ اُنھیں اپنے لیئے کرتے ہیں یہ اُن کے ساتھ قائم ہوتے ہیں یہ اُنکا کسب ہیں کہ وہ اپنے نفع کے لیئے کرتے یا مضرت کی وجہ سے دفع کرتے ہیں اور بندہ کا اس حیثیت سے ہونا کہ یہ فعل اُسکے ساتھ قایم ہو اور اُسکا خاص حکم خواہ نفع کا ہو یا ضرر کا اُسی کی طرف عود کرے اسمیں اللہ کے لیئے ہونے کی کوئی جہت نہیں ہے اسی طرح اللہ کا اس حیثیت سے ہونا کہ اُس نے اُن کو پیدا کیا اور بندوں میں مشیت اور قدرت پیدا کر کے اُنھیں پیدا کیا اور اُن کے لیئے عمل مقرر کر دیا اسمیں بھی کوئی جہت بندوں کے لیئے ہونے کی نہیں ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی بندہ اسپر قادر ہے اسی واسطے ان لوگوں نے جو تقدیر کے مقر ہیں یہ کہا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہی بندوں کا فعل ہیں اور جسوقت کوئی یہ کہے کہ یہ اللہ کا فعل ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہ اللہ کا مفعول ہے نہ یہ کہ وہ فعل ہے جسکا نام مصدر ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو خلق اور مخلوق میں فرق کرتے ہیں یہ اکثر ائمہ ہیں یہی اخیر قول قاضی ابو یعلے اور اکثر اصحاب امام احمد قاضی ابو حازم اور قاضی ابی الحسین وغیرہ کا ہے۔

جواب کی تیسری صورت

یہ ہے اُس قایل کا یہ کہنا کہ اللہ تعالے بڑا عادل ہے اُس کی یہ شان نہیں ہے کہ بندہ پر ظلم کرے اور جو فعل بندہ نے نہیں کیا اُسپر مواخذہ کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسکے موجب (اور مفاد) کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ اللہ تعالے بے شک بندہ پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اُسکے اپنے اختیار اور قوت سے کسی فعل کے کرنے پر اُسکا مواخذہ کرتا ہے اور نہ مخلوق میں سے اور کسی کے فعل کے باعث مواخذہ کرتا ہے لیکن اللہ کا ہر شے کا خالق ہونا سو یہ بندہ کو اسپر ملامت ہونے سے مانع نہیں ہے جیسا کہ اور مخلوق بھی اُسکے ظلم اور سرکشی کرنے پر اُسے ملامت کرتی ہے باوجودیکہ ہر ایک اُسکا مقر ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے۔

تمام امتوں کے جمہور تقدیر کے مقر ہیں اور اس بات کے بھی کہ خالق ہر شے کا اللہ ہی ہے وہ باوجود اس اقرار کے ظالموں کو بُرا کہتے انکا ظلم اور سرکشی دفع کرنے کے لیئے انھیں سزا دیتے ہیں جیسا کہ اُنکا یہ اعتقاد ہے۔ کہ تمام موذی جانوروں اور تکلیف دہ نباتات کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے باوجود اس عقیدے کے وہ ان کے ضرر اور بُرائی سے بچنے کی برابر کوشش کرتے ہیں اور وہ اسپر بھی متفق ہیں کہ جھوٹا اور ظالم اپنے جھوٹ اور ظلم کی وجہ سے بُرے اور بدنام ہوتے ہیں اور یہ وصف بھی ان میں بُرا ہے اور جو نفس اُسکے ساتھ متصف ہو وہ خبیث اور ظالم ہے وہ اُس اکرام کا مستحق نہیں ہوتا جسکے اہل صدق اور اہل عدل مستحق ہوتے ہیں اگرچہ وہ اسکے بھی مقر ہیں کہ یہ سب مخلوق ہے اور انسان کی فطرت میں یہ نہیں ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں ان کے ظلم کی وجہ سے ہی کرے اور اگرچہ یہ تقدیر کے بھی مقر ہیں تو بس اللہ تعالے اس بات میں اولی تر ہے کہ ایسے افعال کی وجہ سے اُس کی طرف بھی ظلم کی نسبت نہ کی جائے اور یہ گفتگو اہل سنت میں سے اہل حکمت اور اہل تعلیل کے طریق پر ہے باقی اہل مشیت اور اہل تفویض کے طریقہ پر تو ظلم اللہ تعالے سے لذاتہ ممتنع ہے کیونکہ ظلم کے معنے دوسرے کی ملک میں تصرف کرنے یا حد سے بڑھ جانے کے ہیں اللہ برحق میں ہر حال پر یہ دونوں معنی ممتنع ہیں اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ کسی طرح مشابہ نہیں ہے۔ نہ اپنی ذات میں اور نہ صفات میں بلکہ اسکے لیئے اعلیٰ مثل ہے پس جو کمال کسی کے لیئے ثابت ہوگا اللہ سب سے زیادہ

اسکا مستحق ہے اور جس نقص سے کوئی منزہ ہوگا تو اللہ اس تنزیہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور جو کسی قادر غنی کے لیئے جایز ہوگا۔ اُسکے لیئے بدرجہ اولیٰ جایز ہوگا۔

جواب کی چوتھی صورت

یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں اس امر میں نزاع بالکل نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ عادل ہے ظالم نہیں ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جو فعل بندہ کا کرنا ظلم ہو وہی اللہ کا کرنا بھی ظلم ہو نہ یہ کہ جو بندہ کے حق میں قبیح ہو وہی اللہ کے حق میں بھی قبیح ہو۔ کیونکہ اللہ کی مثل اور برابر کوئی چیز نہیں ہے نہ اسکی ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ تحقیق اُسکی یہ ہے کہ اگر یہ امر اسی طرح ہو جس طرح یہ قدریہ لوگ کہتے ہیں تو لازم آئے گا کہ اللہ کو بہت سے امور کا کرنا قبیح ہو۔ کیونکہ جسوقت کسی بندہ نے دوسرے کو کوئی ایسا حکم کیا جسمیں امر کا کوئی فائدہ نہ تھا اور اُسکے نہ کرنے پر مامور کو سزا سے بھی ڈرایا حالانکہ خود یہ یقیناً جانتا تھا کہ مامور اُسکو نہیں کرے گا اور اُسکے خلاف کریگا تو یہ فعل اس امر کا عبث ہوا اور اسمیں امر اور مامور دونوں کا فائدہ نہ ہونے کے باعث یہ قبیح ہوا اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میرا مقصود مامور کو مصلحت سکھانی ہے حالانکہ خود یہ جانتا ہے کہ اسپر کوئی مصلحت مرتب نہ ہوگی بلکہ اور خرابی لازم آے گی تو یہ فعل بھی قبیح ہوگا علیٰ ہذا القیاس اگر کسی نے کوئی فعل کسی غرض کے لیئے کیا اور یہ جانتا تھا کہ اس سے یہ غرض پوری نہ ہوگی تو یہ فعل بھی اُسکا قبیح ہوگا اور قدریہ اِسکے قائل ہیں کہ اللہ نے خلق کو اسی لیئے پیدا کیا تھا تاکہ اُن کو نفع پہنچائے اور ان کا اکرام کرے اور ان کے پیدا کرنے سے بھی اُسکا مقصود یہی تھا اور امر بھی ان کو کیا باوجودیکہ یہ خود جانتا تھا کہ یہ نقصان اُٹھائیں گے انھیں نفع نہیں ہوگا اور اسیطرح اگر کسی بندہ نے اپنے غلاموں یا لونڈیوں کو زنا اور ظلم کرتے دیکھا حالانکہ یہ اُن کو روک سکتا تھا۔ لیکن پھر نہ روکا تو یہ فعل اُسکا مذموم اور یہ خود مسی (گنہگار) ہوگا حالانکہ اللہ تعالےٰ اِس مذموم اور مسی ہونے سے منزہ ہے۔ قدریہ کا قول ہے کہ بندوں کو اللہ نے اِس ارادے سے پیدا کیا تھا کہ وہ اُسکی اطاعت کرینگے۔ یہ انھیں ثواب عطا کرے گا۔ غرض کہ انھیں اُن کے نفع کی غرض سے پیدا کیا تھا حالانکہ یہ جانتا تھا کہ انھیں کوئی نفع نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا فعل مخلوق سے ہونا قبیح ہے خالق سے ہونا قبیح نہیں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جسوقت مخلوق اپنے غلاموں کو قبایح سے روکنے پر قادر ہو اور روکدے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انھیں ثواب کے درپے کرے حالانکہ یہ

جانتا ہو کہ انھیں سوائے عقاب کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ وہ آدمی جو اپنے بیٹے یا غلام کو کوئی ایسی شے دے جسمیں کوئی نفع نہ ہو۔ حالانکہ یہ جانتا ہو کہ یہ (اُسکے عوض) کوئی شے خرید کر کھالیگا۔ تو بس اسکا اُسے مال نہ دینا ہی بہتر ہے اس سے کہ اُسے مال دے اور یہ جانتا ہے کہ اس سے اُسے نقصان ہوگا اور اسی طرح جب کسی نے دوسرے کو تلوار دی تاکہ یہ اس سے کفار کے ساتھ لڑے حالانکہ خود جانتا ہے کہ یہ سوائے انبیاء اور مسلمانوں کے اور کسی سے نہ لڑیگا تو یہ فعل اُسکا قبیح ہوگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے اس تفویض سے ثواب ہی کا قصد کیا تھا اور اللہ سے ایسا فعل قبیح نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ قدریہ کے نزدیک بندہ کی قدرت کا یہ حال ہے اور پھر وہ اُن کے افعال کو اُسکے مشابہ کرتے اور اللہ کے افعال کو اسکی مخلوق کے افعال پر قیاس کرتے ہیں اور اُسکے عدل کو بندوں کے عدل پر لہذا اُنکا یہ قیاس بالکل غلط ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ معصیت بندہ سے ایسی ہی ہے جیسی اُس سے طاعت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب اُس سے طاعت ہونے کے یہ معنے ہونگے کہ اُس نے اپنی قدرت اور مشیت سے اُس کو کیا ہے تو اس سے یہ کہنا ممتنع نہ ہوگا کہ اللہ وہ ذات ہے جسنے اپنی قدرت اور مشیت سے اُسے فاعل کر دیا بلکہ یہی وہ امر ہے جسپر شرع اور عقل دونوں دال ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل نے دعا کی تھی کہ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (یعنی اے پروردگار تو ہم دونوں کو مسلمان کر دے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت مسلمان کر دے) اور فرمایا رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی (یعنی اے رب مجھے اور میری اولاد میں سے نماز کے پابند کر دے اور فرمایا۔ وجعلنا منہم ائمۃ یھدون بامرنا (یعنی اور کئے ہم نے ان میں سے ائمہ کہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بندہ کے فاعل ہونے کے لیئے بعد اسکے کہ کوئی امر ابھی حادث نہ ہوا ہو کوئی محدث ہونا ضروری ہے اور یہ ممتنع ہے کہ فاعل ہونے کے لیئے بندہ ہی فاعل ہو جائے کیونکہ اُسکا فاعل ہونا اگر اسکے نفس فاعل ہونے ہی سے ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک شے بلا کسی کے حادث کیئے حادث ہو جائے اور یہ ممتنع ہے اور اگر وہ کسی دوسری فاعلیت کی وجہ سے حادث ہوگا اور یہ فاعلیت اس دوسری کی وجہ سے حادث ہوگی تو دور قبلی لازم آئے گا اور اگر کسی اور فاعلیت سے حادث ہوگی تو امور متناہیہ

میں تسلسل لازم آئے گا۔ اور یہ (یعنی دور قبلی اور تسلسل) دونوں باطل ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ طاعت اور معصیت بندہ سے ہونے پر اُسکا مدح۔ ذم۔ ثواب۔ عقاب سب کا مستحق ہونا اُسکو منع نہیں کرتا کہ بندہ ہر شے میں اللہ کا محتاج ہو اللہ سے کبھی کسی شے میں مستغنی نہ ہو اور یہ کہ تمام امور کا خالق اللہ ہی ہو۔ اور یہ کہ حوادث اور ممکنات سے اُسکا نفس فعل اللہ کی قدرت اور مشیت کیطرف مستند ہو۔

شیعی علماء کا قول ہے کہ اُن امور میں سے ایک امر یہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ کافر اپنے کفر کرنے میں (اللہ کا) مطیع ہو کیونکہ اُس نے تو وہی فعل کیا ہے جسکا اللہ نے ارادہ کیا تھا کیونکہ اس سے اُس نے کفر ہی کا ارادہ کیا تھا لہذا اُس نے کر لیا اور وہ ایمان نہ لایا جو اللہ نے اُس سے مکروہ سمجھا تھا پس اُس نے یقینًا اُسکی اطاعت کی۔ کیونکہ اُسکے مقصود کے موافق فعل کیا اور جو اس کے خلاف طبیعت تھا اُسکو نہ کیا اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ نبی عاصی ہو کیونکہ یہ اُس بندہ کو اُس ایمان کی تعلیم کرتے ہیں جسے اللہ نے اُس سے مکروہ سمجھا ہے اور اُس کفر سے روکتے ہیں جو اس بندہ سے اللہ کا مقصود ہے۔ اسکا جواب کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ کہ یہ لزوم اسپر مبنی ہے۔ یعنی اول یہ تشریح ہونی چاہیئے کہ آیا طاعت امر کے موافق ہوتی ہے یا کہ ارادہ پر اور یہ مقدمہ اس تشریح پر مبنی ہے کہ آیا امر ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور اسپر بھی کہ آیا نفس طلب اور نفس استدعا ہی ارادہ ہے یا کہ یہ ارادہ کو مستلزم ہوتے ہیں یا ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اکثر قائلین تقدیر کا یہ قول ہے کہ طاعت امر کے موافق ہوتی ہے اور ارادہ کے موافق نہیں ہوتی اور یہ کہ امر ارادہ کو مستلزم بھی نہیں ہوتا اور کلام اس بارے میں مشہور ہے۔ اور جب یہ مسئلہ اس طرح ہے تو پس اس قدریہ نے اپنے قول کی صحت کی اور اپنے مخالفین کے قول کے فساد کی چونکہ کوئی دلیل بیان نہیں کی بلکہ محض یہ دعوے اِس بنا پر کر دیا کہ طاعت ارادہ کے موافق ہوتی ہے تو جو وقت اُسکے مخالفین یہ کہیں گے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے تو اس مقام میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جواب کے لیئے یہی کافی ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ وہ لوگ اس مقصود پر کہ امر ارادہ کو مستلزم نہیں ہوتا اس طرح استدلال لاتے ہیں جو پہلے

بھی گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے۔ بے شک وہ ان افعال کو اپنے ارادہ ہی سے پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ کفر، فسوق، عصیان کا اُس نے حکم نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ وہ اپنے ارادہ سے وہ شئے پیدا کرتا ہے جسکا اُس نے حکم نہیں کیا۔ اور علاوہ ازیں قرآن۔ حدیث اور علماء کے اجماع سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اگر کسی نے یہ حلف کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلانے کا حق میں کل ادا کروں گا اور وہ کل گزر گئی اور اُس نے باوجود ادا کرنے کی قدرت ہونے اور کوئی عذر نہ ہونے کے بھی ادا نہ کیا اور اس مستحق نے اس سے مطالبہ کیا تو یہ اپنی حلف (یعنی قسم) میں حانث نہ ہوگا اور اگر (اس قدریہ کے قول کے مطابق) مشیت بمعنی امر ہوتی تو یہ ضرور حانث ہو جاتا کیونکہ یہ اُسکا مامور ہے اور اسی طرح کسی مامور فعل پر قسم کھاتا ہے۔ (جسوقت اُسے (انشاء اللہ کہہ کر) مشیت پر معلق کر دے) اسکے علاوہ یہ کہ خود اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے" ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً۔ یعنے اگر اللہ چاہتا تو جتنے آدمی زمین پر ہیں سبکے سب ایمان لے آتے) باوجودیکہ اس نے ایمان لانے کا یقیناً امر فرمایا ہے بس معلوم ہوا کہ ایمان لانے کا اُس نے امر فرما دیا ہے اور خود چاہا نہیں (اگر چاہتا تو سب یقیناً مسلمان ہو جاتے) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجاً" اس امر پر دلیل ہے کہ خود اُسی نے گمراہی کا ارادہ کر لیا ہے اور حکم گمراہی کا نہیں فرمایا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ ائمہ فقہا اور اہل حدیث اور اکثر اہل نظر وغیرہ کا یہ قول ہے کہ کتاب اللہ (قرآن شریف) میں ارادہ کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ تو وہ ہے جسے امر سے تعلق ہو اور دوسرا ارادہ وہ ہے جسے خلق سے تعلق ہو۔ پس وہ ارادہ جسے امر سے تعلق ہوتا ہے یہ ہے کہ بندہ کو جو امر کیا ہے اُسکے کرانے کا ارادہ ہو اور ارادۂ خلق یہ ہے کہ جو فعل وہ خود کرتا ہے اُسکا ارادہ کر لے پس ارادۂ امر ہی محبت اور رضا کو متضمن ہوتا ہے اور یہی ارادہ دینیہ ہے اور وہ ارادہ جو متعلق بخلق ہے وہی مشیت ہے اور وہی ارادہ کونیہ قدریہ ہے۔ پہلے ارادہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور اللہ کا یہ قول یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم سے یرید اللہ ان یخفف عنکم تک اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً"

اور دوسرے ارادہ کی مثال اللہ کا یہ قول ہے۔ "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا"، اور حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول "ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم"، اور مسلمانوں کا یہ قول بھی اسی قسم کا ہے کہ "ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن"، اب جو شخص قبیح افعال کرتا ہو اُسے یہ کہنا "ھذا یفعل مالا یریدہ اللہ"، پہلی قسم کا ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو بس باعتبار پہلے ارادہ کے کفر، فسوق، عصیان اللہ عزوجل کے مراد اور مقصود نہ ہونگے اور طاعت اُس ارادہ کے موافق ہوگی یا اُس امر کے موافق ہوگی جو اس ارادہ کو مستلزم ہو لیکن محض دوسری قسم کی موافقت کرنا سو اس سے کوئی مطیع نہ ہوگا۔ اور اُسوقت نبی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کفر کرنے کو بُرا جانتا ہے اِسے پسند نہیں فرماتا اور نہ وہ تیرے کفر کرنے پر راضی ہے اور نہ اس اعتبار سے اسکا ارادہ ہوگا۔ علی ہذا القیاس نبی اس ایمان کے لیئے کہیں گے جسے اللہ پسند فرماتا اور اُس سے راضی ہوتا ہے اور اُسی اعتبار سے اُسکا ارادہ بھی کرتا ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے وہ اصل یہ ہے کہ آیا حب اور رضا ہی ارادہ ہیں یا کہ وہ ارادہ کے کوئی مغائر صفت ہیں پس معتزلہ اور اشعریہ میں سے اکثر اہل نظر اور فقہا یعنی اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ میں جو ان کے تابع ہیں یہ سب اسکو ایک ہی جنس ٹھیراتے ہیں پھر قدریہ کا قول یہ ہے کہ کفر، فسوق، عصیان کو اللہ تعالے پسند نہیں فرماتا اور نہ وہ اُسکا ارادہ کرتا ہے اور فرقہ مثبتہ کا قول یہ ہے کہ یہ ٹھیک نہیں بلکہ اللہ تعالے اُسکا ارادہ کرتا اور اُس سے راضی رہتا اور پسند بھی فرماتا ہے۔

اور پہلے فرقہ والے تو اُن آیتوں کی تاویل کرتے ہیں۔ حوادث کے ارادہ کو ثابت کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالے کا یہ قول "ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا" اور اللہ کا یہ قول "ان کان اللہ یرید ان یغویکم" اور یہ دوسرے فرقہ کے لوگ ان آیتوں کی تاویل کرتے ہیں جو ان حوادث سے اللہ کی محبت اور رضامندی کی نفی کرتے ہیں مثلاً یہ آیت "واللہ لا یحب الفساد ولا یرضی لعبادہ الکفر" دوسری یہ آیت "اذ یبیتون مالا یرضی من القول" لیکن ان کے سوا ہم کلام۔ فقہ

حدیث تصوف کے تمام علماء ان دونوں قسموں میں فرق کرتے ہیں اور یہی قول اُن ائمہ فقہا کا ہی جو اصحاب ابی حنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد وغیرہ سے ہیں اور یہی قول قائلین تقدیر کا ہے - سوائے اشعری کے جیسا کہ ابو المعالی جوینی نے ذکر کیا ہے اور تمام نصوص اسکی تصریح کرتے ہیں کہ کفر و فسوق و عصیان سے اللہ تعالےٰ راضی نہیں ہے اور نہ وہ اُنکو پسند فرماتا ہے باوجودیکہ تمام حوادث اُسی کی مشیت سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالےٰ نے بھی اپنے قول کل ذالک کان سیئہ عند ربک مکروھا سے یہ بیان فرمادیا ہے کہ وہ معاصی کو بُرا سمجھتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو تمھاری تین باتیں ناپسند ہیں - اوّل توزیادہ بولنا - دوسرے زیادہ سوال کرنا - تیسرے فضول خرچی کرنا - اور تمام امت اسپر متفق ہے کہ اللہ تعالےٰ منہیات کو بُرا سمجھتا ہے نہ کہ ماموراتکو اور ماموراتکو پسند فرماتا ہے نہ کہ منہیات کو اور متقین محسنین صابرین سے اور توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے وہ محبت رکھتا ہے اور ان لوگوں سے راضی ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور کافروں سے وہ ناراض رہتا اور انپر غصہ ہوتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ اللہ سے زیادہ تعریف اور مدح کو پسند کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی عذر قبول کرنے والا ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی غیرت دار ہے کہ وہ اپنے غلام کو اپنی لونڈی سے زنا کرتے ہوئے دیکھے اور اللہ تعالےٰ یکتا ہی وہ یکتائی کو پسند فرماتا ہے اور اللہ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسکو بھی محبوب رکھتا ہے کہ جیسے اُسکے عزائم امور ادا کئے جاتے ہیں ویسے ہی رخصت بھی ادا کیجائے - اللہ اس بندہ سے محبت رکھتا ہے جو متقی غنی اور خفی ہو اور اللہ تمھارے تین امور سے راضی ہوتا ہے ایک تو یہ کہ تم اُسی کی عبادت کرو اور کسی کو اُسکا شریک نہ ٹھیراؤ - دوسرے یہ کہ سب اکھٹے ہوکر اُس کی رسی کو مضبوط پکڑو - تیسرے یہ کہ آپس میں تفرقہ نہ ڈالو - اور جن لوگوں کو اللہ نے تمھارا حاکم کردیا ہے اُن کے خیرخواہ رہو اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مسلمان بندہ کی توبہ سے اُس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جسکی کسی بیابان میدان میں سواری جاتی رہے اُسی پر اُسکے کھانے پینے کا سامان تھا اس نے اُسے ہرچند تلاش کیا - آخر نہ ملنے پر مرجانے کے قصد سے وہیں لیٹ رہا تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اُسکی سواری مع تمام سامان اور اسباب کے اُسکے پاس کھڑی ہے پس اُسکو جو اُسوقت سواری کے ملنے پر خوشی ہوگی بندہ کی توبہ پر اللہ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے اور یہ صحاح (کی کتابوں) میں متعدد طریقوں سے مروی ہے اور یہ نبی

صلے اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہے جس کی صحت اور ثبوت پر سب کا اتفاق ہے اور اسیطرح اس کی مثل اور حدیثیں ہیں اب جب یہ اس طرح ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ بندوں کی طاعات سے ایسا ارادہ رکھتا ہے جو اُن سے محبت اور اُسکے رضامند ہونے کو متضمن ہو اگرچہ بندہ نے ابھی ان کو کیا بھی نہ ہو اور معاصی کو وہ ناپسند فرماتا ہے اور انپر ناراض ہوتا ہے اور اُن بندوں کو بُرا سمجھتا ہے جو اُن کو کریں اگرچہ اُس نے اپنی کسی حکمت کے تقاضہ سے اپنی مشیت کے ساتھ اُن کو پیدا کر دیا ہی اور چونکہ یہ بندوں کے حق میں مضر پڑتی ہیں اسلیئے ان کے کرنے کو اُس کے بُرا سمجھنے اور مبغوض رکھنے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اُسکے لیئے اُن کو کسی حکمت کے باعث پیدا کرنے میں بھی کراہیت ہو کیونکہ دو فاعلوں کا حال مختلف ہونے کی وجہ سے ایک ہی فعل ایک فاعل کے لیئے حسن اور بہتر ہوتا ہے اور وہ ہی دوسرے کے لیئے قبیح ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ کیونکر لازم آسکتا ہے کہ جو بندہ کے حق میں قبیح ہو وہی اللہ کے لیئے بھی قبیح ہو باوجودیکہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے اور جب مخلوق میں بھی یہ حالت ہے کہ آدمی ایسی شئے کا ارادہ کرتا ہے جو اُسے محبوب نہیں ہوتی۔ چنانچہ مریض کا ارادہ اُس دوا کے پینے میں جو اُسے بُری معلوم ہوتی ہو علی ہذا القیاس محبوب ہونا اس شے کا جسکا وہ ارادہ نہ کرتا ہو مثلاً مریض اُس کھانے سے الفت رکھا کرتا ہے جو اُسے مضر ہو۔ اسی طرح روزہ دار ان کھانے پینے کی چیزوں سے محبت رکھتا ہے جیکے کھانے کا اُسکا ارادہ نہ ہو اور انسان کو اُن خواہشات کی محبت ہوتی ہے جنھیں وہ عقل اور دین دونوں کے اعتبار سے بُرا سمجھتا ہی غرضکہ یہاں ایک کا ثبوت معلوم ہوا اور دوسرے کا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہے پس حق باری تعالےٰ میں کیونکر ممکن نہ ہوگا کہ ان میں سے ایک کا ثبوت ہو اور دوسرے کا نہ ہو۔ پھر بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ سب امور مراد ہوتے ہیں۔ لیکن (مراد کی دو قسمیں ہیں کہ) ان میں بعض تو مراد لنفسہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہی مراد بالذات اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہوتے ہیں اور بعض لغیرہ مراد ہوتے ہیں اور وہ مراد بالعرض ہیں کیونکہ وہ اس مراد محبوب لذاتہ کے حاصل ہونے کے لیئے وسیلہ اور باعث ہوتے ہیں پس انسان اپنی عافیت چاہتا ہے اور دوا اس ارادہ سے پیتا ہے تاکہ یہ دوا پینا اُس عافیت کے حصول کا وسیلہ بن جائے پس یہ ارادہ اُس عافیت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ یہ فی نفسہ محبوب نہیں ہوتا اور جب مراد کی دو قسمیں ہیں ایک مراد لنفسہ کہ جو محبوب لذاتہ ہوتی ہے

اور دوسری مراد لغیرہ جو غیر کے لیئے وسیلہ مبنی ہے اور یہ محبوب لنفسہ نہیں ہوتی تو ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے محبت اور مشیت میں بھی فرق کیا جائے۔ اسیطرح ارادہ کی بھی دو قسمیں ہیں پس جو شے محبوب ہوتی ہے وہ مراد لنفسہ ہوتی ہے اور جو فی نفسہ غیر محبوب ہوتی ہے وہ مراد لغیرہ ہوتی ہے اسی پر اللہ عزوجل کی اپنی ذات اور اپنے بندوں سے محبت رکھنے کا مسئلہ بھی مبنی ہے کیونکہ جو لوگ محبت اور رضا ہی کو عامہ مشیت ٹھیراتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ درحقیقت نہ اللہ کسی سے محبت رکھتا ہے اور نہ کوئی اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے کی وہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ اُنھیں ثواب دینے کا ارادہ کرتا ہے اور بندوں کا اللہ سے محبت رکھنا یہ ہے کہ یہ اسکی طاعت اور فرمانبرداری اور اُس سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر ان ہی میں سے بہت سے لوگوں کا قول یہ ہی کہ وہ محبوب ہے اور محبت رکھنے کا مستحق ہے لیکن اسکا دوسروں سے محبت رکھنا بمعنی ہے باقی سلف ... اور ائمہ حدیث۔ ائمہ تصوف اور اکثر اہل کلام اِس امر کے مقر ہیں کہ وہ بے شک محبوب لذاتہٖ ہے بلکہ سوائے اسکے محبوب لذاتہٖ ہونے کا اور کوئی مستحق نہیں ہے اور یہی حقیقت الوہیت اور حقیقت ملت ابراہیمی ہے اور جو کوئی اسکا مقر نہیں وہ ربوبیت اور الہیت میں فرق نہیں کرتا اور نہ (گویا) اُس نے اللہ کو معبود لذاتہٖ سمجھا اور نہ وہ اُسکے دیدار کے ذائقہ کا مقر ہوا اور نہ وہ اس امر کا مقر ہوا کہ اہل جنت کو تمام شے سے محبوب اور مرغوب اللہ ہی ہوگا اور حقیقت میں یہ قول اُن لوگوں کے اقوال میں سے ہے جو ملت ابراہیم سے خارج اور اُسکے منکر ہیں کہ اللہ ہی معبود ہو اور کوئی معبود نہ ہو اور اسی وجہ سے جو وقت فروع اسلام میں اس قول کا ظہور ہوا تو جس نے ظاہر کیا اور کہا تھا اُسے فوراً قتل کر دیا گیا اور وہ جعد بن درہم تھا جسے خالد بن عبد القسری نے تمام علمار اسلام کی رضامندی سے بقرعید کے روز قتل کر دیا تھا اور پکار کر منبر پر یہ کہا تھا کہ اے لوگو قربانی کرو۔ اللہ تمھاری قربانیوں کو قبول فرمائیگا۔ اور میں جعد بن درہم کی قربانی کرتا ہوں کیونکہ وہ یہ کہتا ہے اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا تھا اور موسےٰ علیہ السلام سے اللہ نے کچھ ہمکلامی نہیں کی حالانکہ اللہ تعالےٰ اس جعد کے کہنے سے علواً کبیراً ہے پھر نیچے اُتر کر آپ نے اُسے ذبح کر دیا۔ صحیح بخاری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ جو وقت اہل بہشت بہشتوں میں پہنچ جائیں گے تو ایک منادی آواز دے گا کہ اے اہل بہشت اللہ نے تم سے ایک وعدہ کر رکھا تھا اور اُس

وعدہ کو وہ اب پورا کرنا چاہتا ہے وہ (تعجب سے) کہیں گے وہ کیا وعدہ ہے کیا اُس نے ہمپر انعام کرکے ہمارے چہرے نہیں چمکا دیئے۔ اور ہمارے اعمال کو وزنی نہیں کر دیا۔ اور کیا ہمیں بہشت میں نہیں داخل کیا اور کیا اُس نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دیدی۔ حضور نے فرمایا کہ پھر حجاب اُٹھ جائیگا اور یہ سب لوگ اللہ کو خوب دیکھ لیں گے اور اللہ کی عطا کی ہوئی چیزوں میں اس دیدار سے زیادہ اُنہیں کوئی شے محبوب نہ ہوگی اور اس دیدار ہی ہونے کا نام زیادتی ہے پھر سنن میں کئی طریقوں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنی دعا میں یہ فرماتے تھے۔ واسئالك لذة النظر الی وجهك والشوق الی لقائك ۔ امام احمد اور نسائی وغیرہ نے عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے اسئالك لذة النظر الی وجهك والشوق الی لقائك من غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة۔ لیکن جو لوگ اسکو مانتے ہیں کہ وہ بے شک محبوب ہے اور غیر سے اُسکے محبت رکھنے کے معنے اُس کی مشیت کے ہیں تو اُنکا یہ گمان ہے کہ اللہ نے اپنی پسندیدہ ہی اشیاء پیدا کی ہیں یعنی اُس کی تمام مخلوق اُسکو محبوب ہے اور یہ لوگ مذہب اباحت کو اختیار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ کفر۔ فسوق عصیان بھی اللہ کو محبوب ہے اور وہ اُس سے راضی ہے مگر عارف جسوقت اس مقام کا مشاہدہ کریگا تو اُسے اللہ کی قیومت عامہ کا مشاہدہ ہو جانے کے باعث نہ وہ کسی حسنہ کو حسن سمجھے گا اور نہ کسی سیئہ کو قبیح جانے گا۔ کیونکہ ان سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہی اور شیوخ صوفیہ میں سے شیوخ کا ایک فرقہ بھی اسکا قائل ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث اور تمام سلف امت یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالے اپنے انبیاء اور اولیاء سے محبت رکھتا ہے اور جو اُس نے حکم کیا ہے اُس سے بھی محبت رکھتا ہے اور شیاطین اور منہی عنہ سے محبت نہیں رکھتا اگرچہ یہ سب کے سب اُس مشیت ہی سے ہوتے ہیں اور اسی مسئلہ کے اندر جنید بن محمد اور اُنکے شاگردوں میں نزاع ہوا تھا۔ جنید اُنھیں اِس دوسرے مذہب کی دعوت دیتے تھے وہ یہ کہ مخلوقات میں فرق کرنا چاہیئے ایک وہ کہ جو اللہ کو محبوب ہیں اور دوسری وہ کہ جو اللہ کو محبوب نہیں اور چونکہ اُن کے شاگردوں کا یہ خیال تھا کہ اللہ کی تمام مخلوق اُس کی مشیت ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ تو اُنھیں یہ فرق ماننا مشکل پڑ گیا اور اُن کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ جو مخلوق اللہ کی مشیت سے ہو اُس میں کبھی ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں جو اُسے پسند نہیں ہوتیں اور نہ وہ (اُن کے کرنے) سے راضی ہوتا

ہے اور قول بھی یہی ٹھیک تھا جو جنید اور اُن کے موافقین کہتے تھے ۔

پانچواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک ارادہ بمعنی مشیت ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خود فاعل ایک فعل کے کرنے کا ارادہ کرے پس یہ ارادہ اُسکے فعل سے متعلق ہوگا ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ خود فاعل ایک فعل کے کرنے کا ارادہ کرے پس یہ ارادہ غیر کے فعل کے لیئے ہے اور یہ دونوں قسمیں آدمیوں میں کی جاتی ہیں لیکن جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ خود امر ہی ارادہ کو متضمن ہوتا ہے تو اُنکے نزدیک ارادہ کی فقط پہلی ہی قسم ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ افعال عباد کو اللہ نے پیدا نہیں کیا تو ان کے نزدیک ارادہ کی فقط دوسری ہی قسم ہے اسیوجہ سے ان قدریہ لوگوں کے نزدیک یہ ممتنع ہے کہ ارادہ کے پہلے معنی پر اللہ تعالے بندوں کے افعال پیدا کرنے کا ارادہ کرے کیونکہ اُن کے نزدیک اللہ اُن کو پیدا نہیں کرتا اور وہ لوگ جو اسکے قائل ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے اور ارادہ ممتنع ہے سوائے اسکے کہ وہ پیدا کرنے کا ارادہ کرے اور جسکے پیدا کرنے کا اُس نے ارادہ نہیں کیا تو اُسکے ارادہ کے ساتھ اُسے متصف اور موصوف بھی نہیں کہہ سکتے ۔ بس ان کے نزدیک اُس نے اپنی تمام مخلوق کو ارادہ ہی سے پیدا کیا ہے اور جو پیدا نہیں کیا اسکا ارادہ بھی نہیں کیا ۔ اور یہ لوگ اگرچہ اقرب الی الحق ہیں ۔ لیکن تحقیق امر دونوں ارادوں کو ثابت مانتا ہے جیسا کہ ان سلف اور ائمہ نے مانا ہے ۔ اسیواسطے جعفر نے کہا ہی کہ اُس نے ان کے پیدا کرنے کا بھی ارادہ کیا اور پھر اُن سے یہی ارادہ کیا ۔ مثلاً بعض آدمی دوسرے کو نصیحت کرنے اور اُس کا نفع ظاہر کرنے کے لیئے حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے اگرچہ باوجود اسکے فعل کے کرنے پر اسکی اعانت کرنے کا ارادہ نہ کرتا ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جب کسی کو کوئی امر اور نصیحت کرنے میں مصلحت ہو تو اُس کی اعانت کرنے میں بھی مصلحت ہو ۔ بلکہ کبھی اُسکی مصلحت اُسکے خلاف ارادہ کرنے میں ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو کسی عورت سے منگنی کرنے کے بارے میں دوسرے سے مشورہ لے تو وہ اُسے نکاح کرنے کو کہدے کیونکہ مامور کی مصلحت یہی ہے ورنہ وہ یہ سمجھے گا کہ اُسکے نزدیک مصلحت خود اپنا نکاح کرنے میں ہے اور کسیکا نہیں اور جب مخلوق کے حق میں فرق ہونا ممکن ہوگیا تو حق اللہ میں اُسکا ممکن ہونا اولے ہے پس اُس پاک پروردگار نے اپنے پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو اُن چیزوں کا حکم فرمایا جو اُن کے حق میں مفید ہیں اور اُن سے منع کیا جو مضر ہیں ۔ لیکن

ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اُنھوں نے اُس فعل کا پیدا ہونا چاہا اس لیئے اُس ذات باری نے اُسکے پیدا کرنے کا ارادہ کرکے اُس کو اُس کے لیئے فاعل مقرر کردیا اور بعض وہ تھے کہ اُنھوں نے اُسکے پیدا کرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لیئے مخلوقات میں سے بندوں وغیرہ کے افعال پیدا کرانے کی اور وجہ ہے خواہ بندہ کے لیئے اس میں کوئی مصلحت ہو اور یا نقصان ہو علی ہذا القیاس جب اُس سبحانہ تعالٰے نے فرعون اور ابولہب کو ایمان لانے کا حکم دیا تو اُسوقت اُنھیں یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ اُن کے ایمان لانے میں ان کا نفع اور بہترائی ہے۔ اور اللہ پر یہ لازم نہیں تھا کہ جب اُس نے اُن کو حکم کیا تو وہ اُن کی اعانت بھی کرتا بلکہ کبھی اس امر کو اُن کے لیئے پیدا کرنے پر اسپر ان کی اعانت کرنے میں اس حیثیت سے خرابی بھی آجاتی ہے کہ یہ اُسکا فعل ہے۔ کیونکہ وہ جو کچھ پیدا کرتا ہے کسی حکمت ہی سے پیدا کرتا ہے اور یہ لازم نہیں کہ جب مامور بہ فعل مامور کے کرلینے کے بعد اُسکے حق میں بہتر ہو تو وہ امر کے حق میں بھی اُسکے کرلینے کے بعد بہتر ہو پس جہتِ خلق کو جہت امر سے کس طرح نسبت ہو سکتی ہے اور بقدر یہ ایسے شخص کے حق میں ایک مثال بیان کرتے ہیں جو غیر کو کسی امر کے کرنے کا حکم کرے کہتے ہیں پس ضرور ہے کہ مامور کو ایسا حکم کرے کہ وہ اُسکے کرنے میں اقرب ہو۔ مثلاً آدمی کے لیئے بولنا اور اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ اب اُن سے یہ کہا جائیگا کہ اس امر کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ آمر کسیکو ایسا امر کرے جسکا فائدہ خود آمر ہی کو ہو مثلاً بادشاہ کا اپنے لشکر کو ایسا حکم کرنا جو اُس کی سلطنت کا مؤید ہو اور آقا کا اپنے غلام کو ایسا حکم کرنا جو اُس کے حق میں مفید ہو اور آدمی کا اپنے شریک کو ایسا حکم کرنا جو دونوں کی مشترک شئے کے لیئے بہتر ہو۔ اور اسی طرح دوسری قسم یہ ہے کہ آمر مامور کی اعانت کو اُس کے لیئے مصلحت خیال کرے جیساکہ امر بالمعروف کہ جس وقت کوئی مامور کی تقوےٰ اور بھلائی پر اعانت کرے۔ کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالٰے اُسکو ثواب کرتا ہے جو کسی کی طاعت پر اعانت کرے اور اللہ تعالٰے اُس بندہ کی اعانت میں رہتا ہے جو بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کی اعانت میں رہے پس جو وقت امر ایسا ہو کہ مامور کو اُسی کی مصلحت اور بہترائی کے لیئے حکم کرے نہ ایساکہ اُسکے کرنے سے اُسکو نفع ہو جیساکہ ناصح مستشیر کیلیئے تو یہاں آمر کا اعانت کرنا مامور کے حق میں مصلحت نہ ہوگا کیونکہ مامور کی مصلحت حاصل ہونے میں آمر کا نقصان ہے مثلاً کوئی شخص مظلوم کو ظالم کے پاس سے بھاگ جانیکا امر کرے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ اُسکی اعانت

کر کے وہیں ٹھیرائے رکھیگا تو اُسمیں دونوں کو یا ایک کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ اس کی مثال قرآن شریف میں حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے کہ ایک آدمی شہر کی طرف سے دوڑا آیا اور اُس نے موسیٰ سے کہا کہ لوگ تمہارے مارنے کے درپے ہیں لہٰذا تم یہاں سے چلے جاؤ اور میں یقیناً تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔ پس یہاں اس میں مصلحت تھی کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے چلے جانے کا حکم کیا نہ یہ کہ وہ اُن کی اعانت کرتا کیونکہ اگر وہ اُن کی اعانت کرتا تو اُن کی قوم ضرور اُسے تکلیف پہنچاتی اور ایسی مثالیں بہت سی ہیں مثلاً وہ شخص کہ دوسرے کو کسی عورت سے نکاح کرنے کا حکم کرے جس سے نکاح کرنا چاہتا تھا یا کوئی مال خریدنے کو کہے جو یہ خریدنا چاہتا تھا یا کوئی مکان کرایہ پر لینے کو کہے جو یہ لینا چاہتا تھا اور ایسی صورتیں جن سے لوگوں کو نفع ہو حالانکہ لوگ اس آمر کے دشمن ہوں وہ اُس کی مصلحتوں وغیرہ سے بچتے ہوں تو یہ مثال بھی اسی قسم کے امور کی ہے کہ یہ آمر مامور کی اعانت نہیں کر سکتا اگرچہ امر کرنے میں اُسکا خیرخواہ اور اُسکے نفع کے درپے ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مامور کو کسی فعل کا حکم کرنا تاکہ یہ فعل اُسی کے حق میں بہتری اور مصلحت ہو یہ اور شے ہے اور آمر کا اس فعل پر اُسکی اعانت کرنا اور شے ہے اگرچہ آمر اہل اعانت ہی سے ہو پس جسوقت کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالےٰ نے بندوں کو ایسی شے کا امر فرمایا ہے جسمیں اُن کے لیئے بہتری ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسپر وہ اُن کی اعانت بھی ضرور کرے خاصکر قدریہ کے نزدیک کہ اُن کے مذہب میں اللہ تعالےٰ اسپر قادر ہی نہیں ہے کہ ایسے فعل پر کسی کی اعانت کرے جس کی وجہ سے وہ فاعل ہو جائے کیونکہ اگر اسکے افعال کی علت حکمت نہ کہی جائیگی تو پھر وہ جو چاہے کریگا یہ بھی تمیز نہ ہوگی کہ کونسا مقصود ہے اور کونسا مقصود نہیں اور اس بنا پر یہ بھی ممتنع ہوگا کہ اُسکے فعل کی کوئی لم اور اصل ہو چہ جائے کہ وہاں کوئی فرق نکالا جائے اور اگر اُسکے افعال کی علت حکمت ٹھیرائی جائے اور یہ کہا جائے کہ درحقیقت افعال کی لم بھی ثابت ہے اگرچہ ہم اُسکو نہیں جان سکتے تو درحقیقت اُس کے امر میں بھی حکمت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مامور کی اعانت کرنے میں اُسکی کوئی حکمت ہو بلکہ کبھی حکمت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اس امر پر مامور کی اعانت نہ کرے پس جب مخلوق میں ایسی مصلحت اور حکمت کا ہونا ممکن ہے کہ کوئی دوسرے کو ایسا حکم کرے جس میں مامور کی مصلحت ہو اور آمر کے لیے مصلحت اور حکمت یہ ہو کہ وہ مامور کی اعانت نہ کرے تو پروردگار کے حق میں بدرجہٗ اولےٰ ممکن ہوگا۔ پس اللہ تعالےٰ نے کفار کو ایسا حکم فرمایا کہ اگر وہ اُسے کر لیتے تو اُن کے

حق میں مصلحت اور بہتری ہوتی اور خود اُسمیں ان کی اعانت نہ فرمائی اور نہ اُس اعانت کو پیدا کیا جیسا کہ اُس نے اسکے سوا اور بھی بہت سے وہ امور پیدا نہیں کیئے جنکا نہ پیدا کرنا ہی اسکی حکمت اور مصلحت کے مقتضا سے تھا اور اسی طرح جب مخلوق میں بادشاہ یہ سمجھتا ہے کہ اپنی بعض رعیت کے لیئے بہتر یہ ہے کہ اُنھیں تیراندازی وغیرہ سکھلائی جائے تاکہ اُسکے ذریعہ سے کوئی ملک لیا جائے اور کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ میرے بیٹے کے حق میں بہتری یہ ہے کہ وہ فلاں بادشاہ قوی نہ ہو تاکہ وہ اس سے ملک اور سلطنت چھین لے تو یہ بادشاہ وہی حکم کرتا ہے جسمیں اسکی مصلحت ہو اور وہی فعل کرتا ہے جسمیں اُسکے بیٹے اور رعیت کی بہتری ہو حالانکہ مصلحتیں اور خرابیاں نفوس کے بُرا بھلا سمجھنے کے اعتبار سے ہوتی ہیں پس بھلائی مامور کے لیئے وہ ہو جسکے بارہ میں اُسکا خیر خواہ اُسے حکم کرے اور آمر کے لیئے بہتری یہ ہے کہ اُس سے اُسکی مراد حاصل نہ ہو کیونکہ اسمیں آمر کی مصلحتیں اور مرادیں فوت ہوتی ہیں یہ بحث نہایت ہی عمدہ ہے لیکن اسکی تحقیق اُسی کو ہوتی ہے جو اللہ کی مخلوق اور اُسکے امر میں اسکی حکمت کی وجہ اور سبب سے واقف ہو اور اسکا یقین رکھتا ہو کہ اللہ پاک بعض امور سے محبت رکھنے اور خوش ہونے کے ساتھ متصف ہے اور بعض سے نہیں (بلکہ اُن سے ناراض ہوتا ہے) اور یہ علم اُسیوقت ہو سکتا ہے کہ (اپنے ذہن میں سے) اُسکی ضد کو دفع کرے اور اُسکا لازم موجود کرے۔ کیونکہ اجتماع ضدین ممتنع ہے اور ملزوم کا وجود بدون لازم کے بھی ممتنع ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ اپنے ہر حال پر محمود ہے دنیا اور آخرت دونوں میں ملک اور حمد اُسی کے لیئے ہے وہی سب کا حاکم ہے اُسی کی طرف سب کو جانا ہے اور وہ امثلہ جو مخلوق کی ذکر کی جاتی ہیں اگرچہ حق رب میں اُن کی نظیر ذکر کرنی ممکن (اور مناسب) نہیں ہے۔ لیکن مقصود یہاں یہ ہے کہ جب مخلوق کے حق میں یہ ممکن ہے کہ کوئی حکیم کسیکو ایک امر فرمادے اور خود اُسپر مامور کی اعانت نہ فرمائے تو خالق اپنے حق میں باوجود اپنی حکمت کے اس امکان کا زیادہ مستحق ہے باقی اللہ کی خلق اور اُسکے امر میں اُسکی حکمت کی تفصیل کے واقف ہونے سے تمام مخلوق کی عقلیں عاجز ہیں۔ اور قدریہ تعلیل میں (یعنی اللہ کے افعال کی علت بیان کرنے میں) بالکل باطل طریقہ پر ہیں یہ لوگ اس میں اللہ کو مخلوق کے برابر کر دیتے ہیں اور کوئی حکمت ایسی نہیں مانتے جو اُس کی طرف راجع ہو بلکہ اُس کی صفات کمال میں سے اُس کی قدرت۔ حکمت۔ محبت وغیرہ کو بھی سلب کرتے ہیں۔ پھر اُن کے مخالفین جہمیہ مجبرہ نے نفس الامر میں تعلیل کو باطل کر کے اُن کا مقابلہ کیا ہے جیسا

کہ حسن وقبح کے مسئلہ میں بھی اُن کا اختلاف ہے پس ان لوگوں نے تعلیل کو ایسے طریقہ سے ثابت کیا تھا کہ اللہ میں اور اسکی مخلوق میں برابری کر دی تھی اور حسن و قبح کو اس طرح ثابت کیا کہ نہ وہ محبوب کو متضمن ہیں اور نہ مکروہ کو اور اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ اُنھوں نے تعلیل کو ایسا ثابت کیا کہ فاعل کیطرف کوئی حکم عائد نہیں ہوتا اور اُن کے مخالفین نے تمام افعال کو برابر کر دیا نہ اللہ کے لیئے کوئی فعل محبوب رکھا اور نہ مکروہ اور اُن لوگونکا یہ گمان ہے کہ اگر حسن فعل کے لیئے صفت ذاتیہ ہوتی تو فعل کا حال مختلف نہ ہوتا مگر یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ موصوف کی صفت ذاتیہ سے کبھی اُسکا لازم بھی مراد لیا جاتا ہے منطقی لوگ لازم کی دو قسمیں کرتے ہیں ایک ذاتی دوسری عرضی اگرچہ اُن کا یہ تقسیم کرنا بھی خطا ہے اور کبھی صفت ذاتیہ سے مراد وہ صفت ہوتی ہے جو موصوف کے ساتھ ثابت اور قایم ہو۔ تاکہ اُس سے امور نسبیہ اضافیہ سے احتراز ہو جائے۔ اسی وجہ سے اُن لوگوں کو احکام شرعیہ میں اضطراب ہوا ہے اور جو لوگ عقلی حسن و قبح کے منکر ہیں اُن کا قول یہ ہے کہ نہ یہ افعال کے لیئے صفت ثبوتیہ ہوتے ہیں اور نہ صفت ثبوتیہ کو مستلزم ہوتے ہیں بلکہ یہ صفات نسبیہ اضافیہ میں سے ہیں پس حسن وہی ہے جسکی بابت افعلہ یا لاباس بفعلہ کہا جائے علی ہذا القیاس قبیح وہ ہے جسکی بابت لاتفعلہ وارد ہو وہ کہتے ہیں کہ قول کے متعلق کے لیئے کسیکا قول صفت ثبوتیہ کا نہیں ہے جو اُنھوں نے اپنے مخالفین کی طرف سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ احکام افعال کے لیئے صفات ازلیہ ہیں اور اُنھوں نے فعل کے احکام تبدل ہونے کے جواز سے اُنپر نقض کیا ہے۔ باوجودیکہ جنس ایک ہی ہے۔ تحقیق اس امر کی یہ ہے کہ احکام افعال کے لیئے صفات لازمہ سے نہیں ہیں بلکہ یہ باعتبار ان کی مناسبت اور نامناسبت کے انھیں عارض ہوتے ہیں پس کسی شے میں حسن اور قبح ہونیکے یہ معنے ہیں کہ محبوب اور مکروہ مفید اور مضر مناسب اور نامناسب ہوتی ہے اور یہ صفت موصوف کے لیئے ثبوتیہ ہے لیکن موصوف کے احوال مختلف ہونے کے باعث اسکی بھی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں لہذا یہ صفت لازمہ نہیں ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ خود افعال میں ایسی صفات نہیں ہیں جو حسن اور قبح کو مقتضی ہوں تو اُسکا یہ قول بمنزلہ اس کے ہے۔ کہ اجسام میں ایسی صفات نہیں ہیں جو تسخین۔ تبرید۔ اشباع اور ارواء کی مقتضی ہوں پس اُن صفات اعیان کا انکار کرنا جو آثار کی مقتضی ہوں ان صفات افعال کے انکار کرنے کی طرح ہے جو وہاں آثار کو مقتضی ہوتی ہیں باقی

تمام مسلمان جو طبائع اعیان اور اُن کی صفات کو ثابت مانتے ہیں وہ سب اسکے قایل ہیں کہ تمام افعال میں باعتبار اُن کے مناسب اور نامناسب ہونے کے حسن اور قبح ضروری ہے جیساکہ اللہ نے فرمایا ہے یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث (یعنی اللہ تعالےٰ اُنھیں معروف (اور نیک بات) کا حکم کرتا ہے اور منکر سے منع کرتا ہے اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک کو حرام فرماتا ہے) پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ فعل فی نفسہ معروف اور منکر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کھانے کی چیزوں میں طیب اور خبیث ہوتی ہیں اور اگر سوائے تعلق امر و نہی کے اعیان اور افعال کے لیئے کوئی صفت نہ ہوتی تو اس آیت کے یہ معنے ہوتے کہ یامرھم بما یامرھم وینھاھم عما ینھاھم ویحل لھم ویحرم علیھم ما یحرم علیھم، حالانکہ اللہ تعالےٰ ایسے کلام کرنے سے منزہ اور پاک ہے اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا اور فرمایا۔ ان اللہ لا یامر بالفحشاء اور اسکی نظیریں بہت سی ہیں۔

امامی رافضی کا قول ہے کہ اِن ہی امور (مذکورہ) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بے وقوفی کی نسبت ہونی لازم آتی ہے کیونکہ وہ کافر کو ایمان لانے کا حکم کرتا ہے اور خود اُسکے ایمان لانے کو نہیں چاہتا علیٰ ہذا القیاس معصیت سے اُسے منع فرماتا ہے اور خود ہی اُس سے کراتا ہے ہر عاقل ایسے شخص کو بے وقوف کہا کرتا ہے جو ایسا امر کرے جسکا خود ارادہ نہ رکھتا ہو یا ایسی شے سے منع کرے جو اپنے کو منظور نہ ہو تعالیٰ اللہ عن ذلک۔

جواب

اسکا یہ ہے سنیئے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ اہلسنت میں سے تمام محققین اسکے قائل ہیں کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ اُرادۃ الخلق۔ ارادۃ الامر۔ پس ارادۃ الامر تو یہ ہے کہ مامور سے فعل مامور بہ کے کرانے کا ارادہ ہو اور ارادۃ الخلق یہ ہے کہ خود آمر افعالِ عباد وغیرہ کے پیدا کرنے کا ارادہ کرلے۔ امر پہلے ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے۔ دوسرے ارادہ کو مستلزم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نے کافر کو اُسی شے کا حکم کیا ہے جو اُس نے اس سے کرانے کا اس اعتبار سے ارادہ بھی کرلیا ہے اور وہ شے وہ ہے جسے وہ محبوب رکھتا اور پسند کرتا ہے اور اس معصیت سے اُسے منع فرمایا تھا جسکے کرانے کا اُس نے ارادہ نہیں کیا یعنی اس مذکورہ اعتبار سے نہ اُسے وہ پسند فرماتا ہے اور نہ اُس سے راضی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے کفر

کرنے سے راضی نہیں ہے اور نہ وہ فساد پھیلانے کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اذ یبیتون ملا یرضی من القول اور ارادہ خلق ہی مشیت ہے جو امر اور واقع ہونے کے لیے مستلزم ہوتی ہے پس یہ ارادہ فقط موجود ہی شے کے متعلق ہوتا ہے اور جس شے کو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جسکو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی مگر ان دو صورتوں میں فرق ہے ایک تو یہ کہ وہ خود کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرے پس یہ فعل تو یقیناً ہو جائیگا کیونکہ وہ اپنا ارادہ پورا کرنے پر قادر ہے اور جب ارادہ اور قدرت دونوں جمع ہو جائیں تو پھر مراد کا موجود ہونا واجب (یعنی ضروری) ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ایک فعل کا کسی غیر سے اپنے لیئے کرانے کا ارادہ کرے پس اسمیں یہ لازم نہیں ہے کہ اُس فعل پر اُسکی اعانت کرے۔ لیکن جو لوگ تقدیر کے قایل ہیں اُن میں سے ایک فرقہ کا یہ گمان ہے کہ ارادہ کی ایک ہی قسم ہے اور وہی مشیت ہے اسی لیئے ان کا یہ بھی قول ہے کہ وہ ایسی شے کا بھی حکم کرتا ہی جسکا خود ارادہ نہیں کرتا پھر اس فرقہ میں بھی دو فریق میں ایک فریق کا قول تو یہ ہے کہ وہ ایسی شے کا حکم کرتا ہے جو اُسے پسند اور جس سے وہ راضی ہو اگرچہ اُسکا ارادہ نہ کیا ہو یعنی اُسکا موجود ہونا نہ چاہا ہو اور فقہا وغیرہ میں سے یہی مذہب اُن جمہور کا ہے جو اس قول کے قائل ہیں اور دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ محبت اور رضا ہی اُسکا ارادہ ہے اور یہی مشیت ہے پس وہ (ان کے نزدیک) اس شے کا امر فرماتا ہے جسکا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اُسے وہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور جو کفر و فسوق واقع ہوگا ان لوگوں کے نزدیک وہ اُسے محبوب اور پسندیدہ ہے گویا وہ اُسکا ارادہ کرتا اور چاہتا ہے لیکن کہتے ہیں کہ دین کی روسے اُسے محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے اور نہ اس اعتبار سے وہ اس کا ارادہ کرتا اور چاہتا ہے۔ اشعری اور اُسکے اکثر شاگردوں کا یہی مذہب ہے۔ اشعری نے اہل اثبات کے بھی ایک فرقہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور اس سے پہلے قول کے موافق بھی منقول ہے۔ اس قول والے اور معتزلہ اور شیعہ وغیرہ میں سے قدریہ لوگ رضا اور محبت کو ارادہ کے معنے جانتے ہیں پھر وہ قدریہ جو منکر تقدیر ہیں کہتے ہیں کہ نص اور اجماع فقہا سے ثابت ہے کہ کفر۔ فسوق۔ عصیان کو نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ اُن سے راضی ہے نہ اُنکا ارادہ کرتا ہے نہ اُنکا موجود ہونا چاہتا ہے اور جو قائل ہیں اُن کا قول یہ ہے کہ نص اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ وہ اُن کو چاہتا ہے پھر وہ ان سے راضی بھی ہوگا اور ارادہ بھی کرے گا لیکن باقی تمام لوگ مشیت اور محبت و رضا میں فرق کرتے ہیں جیساکہ

آدمیوں میں بھی یہ فرق پایا جاتا ہے کیونکہ انسان دوا وغیرہ میں اُن چیزوں کے پینے کا ارادہ کرتا ہے جو اُسے بُری معلوم ہوتی ہیں حالانکہ اُن کے پینے سے خوش نہیں ہے اور اُن چیزوں کے کھانے سے خوش ہوتا ہے جنکو اُسکا دل چاہتا ہے جیسے کہ مریض بخار کی حالت میں پانی پینا چاہتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے ٹھنڈے پانی کی خواہش کرتا ہے حالانکہ ان دونوں میں اس فعل کا ارادہ نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ بندہ کو بھی ایسی شے سے رغبت اور الفت ہوتی ہے جسکا ارادہ وہ نہیں کرتا۔ اور ایسی شے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اُسے رغبت اور الفت نہیں ہوتی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کبھی کوئی مقصود کسی اور قصد سے بھی ہوتا ہے۔ اسوجہ سے مکروہ اشیا کا ارادہ کرلیتا ہے کہ اُن کے انجام پر اشیاء محبوبہ ہونگی۔ علی ہذا القیاس بعض مرغوب اور محبوب فعل سے کراہیت کی جاتی ہے اسوجہ سے کہ وہ مبغوض فعل کی طرف مفضی ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ جو کچھ پیدا کرتا ہے اُسمیں اُس کی حکمت ہے وہ پاک پروردگار متقین و محسنین اور توابین سے محبت رکھتا ہے۔ ان لوگوں سے راضی اور خوش ہوتا ہے۔ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ تائب کی توبہ پر اللہ کو اُس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ جسکی سواری ایک لق و دق میدان بیابان میں جاتی رہے اُسکے کھانے پینے کا تمام سامان اُسی پر تھا اور بالکل ناامید ہو جانے کے بعد وہ اُسکو ملے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں متعدد طریقوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیثیں مروی ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔

للہ اشد فرحا بتوبۃ احدکم من رجل اضل راحلتہ بارض مھلکۃ علیھا طعامہ وشرابہ فطلبھا فلم یجدھا فنام ینتظر الموت فلما استیقظ اذا براحلتہ علیھا طعامہ وشرابہ فاللہ اشد فرحا بتوبۃ عبدہ من ھذا براحلتہ

متفلسفہ ان خوشی اور محبت وغیرہ کو لذت اور عشق کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جب اِس طرح ہے تو وہ پاک پروردگار بعض اشیا کے موجود کرنے کا اس لیئے ارادہ کرتا ہے کہ وہ اشیاء اُس کی محبت اور رضامندی کی طرف مفضی ہوتی ہیں علی ہذا القیاس اپنے پسندیدہ بعض امور کو اس لیے نہیں کرتا کہ اُن کا موجود ہونا مکروہ اور مبغوض امور کے موجود ہونے کو مستلزم ہوتا ہے پس وہ پاک پروردگار اسپر قادر ہے کہ ہر نطفہ سے ایک آدمی پیدا کرکے اُسے مومن اور اپنا برگزیدہ کرلے اور اُسکے ایمان سے بھی محبت رکھے لیکن پھر وہ اُسکو اس لیئے نہیں کرتا کہ اُسکے نہ کرنے میں بھی ایک حکمت ہے اور کبھی اُس علم کے باعث نہیں کرتا کہ اُسکا کرنا کسی مکروہ اور مبغوض امر کی طرف مفضی

ہوگا اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایسا کیوں نہیں کرتا کہ اُس فعل کو کرلے اور اُس مبغوض کو ہونے سے روک دے۔ کیونکہ تم قائل ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اشیاء ممتنع لذاتہٖ ہوتی ہیں اور بعض ممتنع لغیرہ ہوتی ہیں مثلاً وہ لذت جو کھانے میں آتی ہے وہی اور اُس جیسی اور بھی پینے اور سننے اور سونگھنے میں نہیں آسکتی بلکہ ان میں ایک دوسری قسم کی لذت آئیگی اور (کھاتے وقت) مونہ میں کھانے کی لذت آنا یہ اُسی وقت میں پینے کی لذت آنے کے منافی ہوگا اور بندہ کو بعض آوازوں کے سننے سے لذت آنا یہ اُسی وقت میں دوسری آواز کے لذت آنے کے منافی ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ بندہ کو جو شے محبوب اور لذیذ معلوم ہو آن واحد میں وہ دونوں جمع ہو جائیں بلکہ (جو دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں) تو ایک ضد کا حاصل ہونا بدون دوسری ضد کے فوت ہوئے ممکن نہیں ہے اور ہر مخلوق کے لیئے لوازم اور اضداد ضروری ہیں کوئی مخلوق بدون اپنے لوازم کے موجود ہوئے اور ضد کے عدم ہوئے ہرگز نہیں ہوسکتی اور جب اللہ سبحانہ تعالےٰ اپنے بندہ سے یہ چاہے کہ یہ حج اور جہاد دونوں کے لیئے سفر کرے تو ان میں سے یہ جونسا کرلے گا اُسے محبوب اور پسند ہوگا لیکن بندہ سے ایک ہی آن میں یہ نہیں ہوسکتا کہ شرق و غرب دونوں طرف (حج و جہاد کے ارادہ سے) چلا جائے۔ بلکہ ایک وقت میں ان دونوں پسندیدہ امور کا ہونا ہی ناممکن ہے پس ایک ان میں سے بلا دوسرے کے فوت ہوئے کبھی حاصل نہ ہوگا اگر حج فرض ہے اور جہاد نفل تو اُسکو حج ہی کرنا محبوب ہوگا اور اگر دونوں نفل یا دونوں فرض ہیں تو جہاد اُسے زیادہ محبوب ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ پاک ذات اس محبوب امر کو پسند فرمائے گا جو دوسرے کے فوت ہونے کو متضمن ہو۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر وہ اس محبوب کا وجود بدون دوسرے محبوب کے فوت ہوئے مقرر فرماوے تو یہ بھی اُسے محبوب ہوگا اور اگر ایک کو فوت کرکے جو اُسے زیادہ محبوب ہے دوسرے محبوب کو کرلے تو یہ ایک طرح سے محبوب ہوگا اور ایک طرح سے مکروہ حالانکہ اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔ لیکن ضدین کا جمع ہونا عموم اشیاء میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ محال لذاتہ ہے اور یہ بمنزلہ اس قول کے ہے جیسا کوئی کہے کہ ایسی قدرت اللہ نے بندہ کو کیوں نہ دی کہ یہ ایک ہی ساعت میں حج کے لیئے غرب جاتا اور جہاد کے لیئے شرق۔ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ایک جسم کا دو مکان میں

ہونا لہذا یہ محال ہے بلکہ اس قول کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے پس اُن دونوں کا ایک آن میں ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ کوئی چیز ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ مقدر اور ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی کوئی حقیقت ہے بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اسکی نظیر خارج میں تصوّر کرنے کیلئے ذہن اُسے فرض کر لیتا ہے اور پھر خارج میں اُس پر امتناع کا حکم کر دیتا ہے ورنہ ذہن کے لیئے یہ ممکن نہیں کہ اُسے خارج میں تصور کرے ہاں ایک محل میں رنگ اور مزہ کے جمع ہونے کو ذہن تصور کر لیتا ہے جیسے کہ حلاوت بیضا اور بیاض پھر ذہن خود ہی یہ خیال کرتا ہے کہ آیا جیسے ایک محل میں رنگ اور مزہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح سواد و بیاض کا بھی ایک محل میں جمع ہونا ممکن ہے یا نہیں پھر سمجھ لیتا ہے کہ خارج میں یہ اجتماع بے شک ممتنع ہے۔ علی ہذا القیاس یہ جانتا ہے کہ زید کا شرق میں ہونا اور عمرو کا غرب میں ہونا ممکن ہے۔ پھر یہ خیال کرتا ہے کہ آیا یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں جگہ زید ہی ہو جیسا کہ زید اور عمرو تھے۔ پس جان جاتا ہے کہ یہ بھی ممتنع ہے۔ یہ اور اسی قسم کا اور کلام اُن لوگوں کا ہے جو ارادہ کی دو قسمیں کہتے ہیں اور اس کی ایک قسم اور محبت و رضا میں فرق کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ سب کو ایک ہی قسم ٹھیراتے ہیں اُنپر یہ دو امر لازم آتے ہیں اگر وہ محبت و رضا کو اسی قسم سے کہیں تو اُن پر یہ مذکورہ خرابیاں لازم آتی ہیں اور اگر حب اور رضا کو علیحدہ قسم کہیں تو وہ ارادہ کو مستلزم نہ ہوگی اور یہ کہنا پڑے گا کہ وہ ایسی شے کو پسند فرماتا ہے جس کا کبھی ارادہ نہیں کرتا۔ اور اس وقت ارادہ نہ کرنے سے یہ مقصود ہوگا کہ وہ اُسکے موجود ہونے کا ارادہ نہیں کرتا ورنہ وہ اُسکے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے۔ پس یہ ارادہ ہی کو مشیتِ خلق ٹھیراتا ہے۔ یہ اگرچہ ایک ایسی جماعت کی اصطلاح تھی جو فقہاء میں سے سنت (والجماعت) کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے اصحاب مالک شافعی اور احمد لیکن یہ کتاب و سنت کے استعمال کے خلاف ہے۔ اس وقت نزاع اُسکے ساتھ لفظی ہوگا اور لفظی منازعات میں حق پر ہونے کے حقدار وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے الفاظ قرآن شریف کے الفاظ کے موافق ہوں۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ نے اس قسم کو مقصود ٹھیرایا ہی لہذا اس کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ مالا یرید کا امر فرماتا ہے بلکہ قرآن شریف یہ بیان کرتا ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے اُسکا بھی امر فرماتا ہے اور جس کے پیدا کرنے کا خود ارادہ نہیں کرتا اُس کا بھی امر فرماتا ہے اور بندوں کو وہی امر فرماتا ہے کہ اگر وہ اُسے کر لیں تو اُن سے راضی ہو اور اُسے پسند فرمائے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں وہی کام کرونگا جو اللہ نے مجھ پر واجب کیا ہے یا جو اُسے پسند ہے! اور پھر اُس نے کچھ نہ کیا تو اُسپر فقہار کا اتفاق ہے کہ یہ شخص حانث نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے یہ کہا قسم ہے اللہ کی میں وہ کام کرونگا جو اللہ نے مجھ پر واجب کیا ہے اگر وہ اُسے پسند فرمائے! تو اُس نے اگر کچھ نہ کیا تو ہم جہاں تک جانتے ہیں یہ ہے کہ یہ شخص بلا نزاع (سب کے نزدیک) حانث ہو جائیگا۔

اللہ کے وعدے اور وعید کا اعتبار نہ ہونا

پھر شیعی علمار کہتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے وعدے اور وعید کا کوئی اعتبار نہ ہو کیونکہ جب ان لوگوں نے عالم میں کذب کی استناد کا اللہ کی طرف ہونے کو جایز کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ اُسکے تمام قصوں میں کذب ہو لہذا انبیار کو بھیجنے میں کوئی فائدہ نہ رہا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کذاب کو بھیجتا ہو اور اب ہمارے لیئے انبیار میں سے صادق اور کاذب میں تمیز کرنے کا کوئی طریقہ نہ رہا۔ جواب اسکا کئی طرح سے ہے اوّل تو یہ کہ پہلے کئی مرتبہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان دو صورتوں میں فرق ہے ایک تو یہ کہ وہ کسی امر کو دوسرے کی صفت بنانے کو پیدا کرے دوسرے یہ کہ اسی امر کے ساتھ وہ خود بھی متصف ہو علیٰ ہذا القیاس مخلوق کی اضافت خالق کی طرف ہونے اور صفت کی اضافت اُسکے موصوف کی طرف ہونے میں بھی فرق ہے اور یہ فرق باتفاق تمام عقلا کے مشہور ہے کیونکہ (مثلاً جب اُس نے دوسرے کے لیئے حرکت پیدا کی تو وہ خود متحرک نہ ہوا اور جب اُس نے رعد کے لیئے آواز پیدا کی تو اُس آواز کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا اسی طرح جب اُس نے نباتات۔ حیوانات۔ جمادات کے لیئے قسم قسم کے رنگ پیدا کیئے تو ان رنگوں کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا اور جسوقت اُس نے دوسرے میں علم اور قدرت اور حیات پیدا کی تو ان مخلوقات کا غیر میں ہونا اُسکی صفات نہ ہونگی۔ علیٰ ہذا القیاس جب اُس نے غیر میں اندھاپن بہراپن۔ گونگاپن پیدا کیا تو ان تینوں وصفوں کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا (بلکہ جن کے لئے یہ اوصاف پیدا کیئے گئے ہیں وہی اُن کے موصوف کہلائیں گے) اور جب اُس نے دوسرے میں خبث یا فسق پیدا کیا تو اُس خبث اور فسوق کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا۔ اسی طرح جب اُس نے

دوسرے میں کذب اور کفر پیدا کیا تو اُس کذب اور اُس کفر کے ساتھ وہ خود متصف نہ ہوگا جیسا کہ جب وہ بندہ میں طواف کرنا سعی کرنا - رمی جمار کرنا - روزے رکھنا - رکوع سجود کرنا پیدا کرتا ہے تو وہ خود طائف - ساعی - راکع - ساجد - رامی وغیرہ نہیں ہوتا اور اللہ کا یہ فرمانا وَمَا رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" مطلب اسکا یہ ہے کہ محض تمہارا کنکریاں پھینکنا کچھ کارگر نہیں ہوا بلکہ اللہ ہی نے اُسے کارگر کردیا - پس جس پھینکنے کی نسبت آنحضرت کی طرف ہے وہ ہاتھ سے پھینکنا ہے اور جو اللہ کی طرف منسوب ہے وہ دشمن تک پہنچا دینا اور اُسکو مار دینا ہے - باقی اس سے یہ مراد نہیں ہے جو بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ جب پھینکنے اور پھینکنے والے دونوں کو اُسی نے پیدا کیا تو حقیقت میں پھینکنے والا وہی ہوا کیونکہ اگر یہ صحیح ہو محض اسوجہ سے کہ وہ پھینکنے کا خالق ہے تو سب افعال کا حال اسی طرح ہوگا - پھر یہ کہنا پڑے گا کہ وما مشیت ولکن اللہ مشی - وما لطمت ولکن اللہ لطم وما طعنت ولکن اللہ طعن - وما ضربت بالسیف ولکن اللہ ضرب وما رکبت الفرس ولکن اللہ رکب وما صمت وما صلیت وما حججت ولکن اللہ صام وصلے وحج "(یعنی تم نہیں چلے بلکہ اللہ ہی چلا ہے - تم نے طمانچہ نہیں مارا بلکہ اللہ ہی نے مارا ہے - تمنے نیزہ نہیں مارا بلکہ اللہ ہی نے مارا ہے اور تم نے تلوار سے نہیں مارا بلکہ اللہ ہی نے مارا ہے - تم گھوڑے پر نہیں سوار ہوئے بلکہ اللہ ہی سوار ہوا ہے - تم نے روزہ نہیں رکھا اور تم نے نماز نہیں پڑھی اور تم نے حج نہیں کیا بلکہ اللہ ہی نے روزہ رکھا اور نماز پڑھی اور حج کیا ہے) اور حالانکہ ان تمام امور کا بطلان (اور غلط ہونا) ان لوگوں سے صاف ظاہر ہے جو تقدیر کے ماننے والے ہیں اور اسی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جسوقت وہ قید کیے گئے تو لوگ اُن کے پتھر مارتے تھے (اور وہ پتھر ان کے لگتے نہ تھے) عثمان رضہ نے اُن سے فرمایا کہ تم میرے پتھر کیوں مارتے ہو حالانکہ تمہارے مارنے سے میرے لگتے ہی نہیں ہیں - اُنھوں نے کہا ہم نہیں بلکہ اللہ ہی مارتا ہے آپنے فرمایا کہ اگر اللہ میرے مارتا تو میرے ضرور لگتا بلکہ تم ہی مار رہے ہو جو نہیں لگتے اور یہ اُن دلائل میں سے ہے جس سے قدریہ تقدیر کے منکرین نے اسپر حجت کی ہے کہ صحابہ بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے - جیسا کہ قائلین تقدیر نے اللہ کے قول ولکن اللہ رمیٰ سے حجت کی ہے حالانکہ دونوں غلطی پر کیونکہ جب اللہ نے اپنے بندہ میں کوئی فعل پیدا کیا تو یہ ضرور نہیں کہ یہ بندہ سے بہتر ہی ہو جیسا کہ جسوقت اُس نے بدن میں کوئی طعم یا ریح پیدا

کی تو یہ ضرور نہیں کہ وہ عمدہ ہی ہو علی ہذا القیاس جب بندہ کے لیئے اُس نے دو آنکھیں اور ایک زبان پیدا کی تو اُس سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ بندہ گویا اور بینا ہی ہو غرضکہ اس کذب کی استناد جو لوگوں میں ہے شل اُن تمام صفاتِ قبیحہ اور احوال مذمومہ کے ہے جو مخلوقات میں ہیں اور یہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ اللہ تعالےٰ خود مذموم ہو اور نہ اسکو کہ ان صفات کے ساتھ وہ موصوف ہے لیکن استناد کا لفظ ایک مجمل لفظ ہے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جب اس عجز کو جو لوگوں میں مخلوق ہے اللہ کی طرف اس وجہ سے استناد کریں کہ وہ اسکا خالق ہے تو اللہ عاجز ہو گا پس یہ لفظ اس قسم میں سے ہے جو اس محبت کے فاسد (اور غلط) ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ لوگ اسکو جائز کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جھوٹ بولنے کی قدرت پیدا کرتا ہے حالانکہ خود یہ جانتا ہے کہ اس قدرت والا ضرور جھوٹ بولے گا اسی طرح ظلم اور فحش امور کرنے کی قدرت پیدا کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس قدرت والا ضرور ظلم اور فحشیات کرے گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک آدمی بہت سے قبیح امور کر سکتا ہے اور ان امور پر کسیکا اُس کی مدد کرنا بمنزلہ اُن قبیح امور کرنے کے ہوتا ہی پس جو شخص کسی کی کذب پر ایسے امور سے اعانت کرے کہ اُسکو اُن سے کذب پر امداد ملے تو یہ فعل قبیح ہونے میں بمنزلہ کذب ہی کے ہو گا لہذا ہمارے لیئے یہ جائز نہیں کہ کسی گناہ یا ظلم پر کسی کی اعانت کریں جیسا کہ اللہ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے پس جو ہمارے حق میں قبیح شمار ہوتے ہیں وہی اللہ کے لیئے بھی قبیح ہوں تو اللہ پر یہ جائز کہنا لازم آئے گا کہ جب وقت اُس نے کذب پر اعانت کی تو اُس نے خود جھوٹ بولا اور اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ نے تو قدرت فقط اسلیئے دی تھی کہ بندہ اُس کی اطاعت کرے نہ اسلیئے کہ نافرمانی کرے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جب وہ اس بات کو جانتا تھا کہ یہ بندہ ضرور نافرمانی کریگا تو یہ ایسا ہوا کہ کسی نے ایک آدمی کو تلوار دی تاکہ اس کے ساتھ وہ کفار سے لڑے باوجودیکہ خود یہ جانتا تھا کہ یہ اس تلوار سے نبی کو قتل کرے گا۔ حالانکہ ہمارے حق میں یہ جائز نہیں ہے اور جو شخص کسی غرض کے لیئے کوئی فعل کرے جس سے وہ غرض پوری نہ ہو تو ہمارے اندر ایسا آدمی بے وقوف ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ اُس سے منزہ (اور پاک) ہے پس معلوم ہوا کہ اُسکا حکم اُسکے افعال میں بندوں کے افعال کے مخالف ہے اور اگر وہ اسکی کوئی علت ٹھیرائیں جسکا ہونا ٹھیک ہو تو اُسکا جواب اُنھیں یہ دیا جائیگا

کہ اسی طرح جو کچھ اللہ تعالےٰ غیر میں پیدا کرتا ہے اسمیں بھی اُسکی کوئی حکمت ہی ہوتی ہے جیسا کہ قدرت کے ساتھ اعانت کرنے میں اُسکی حکمت ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ بات نہیں ہے کہ جس چیز پر اللہ قادر ہو اور وہ ہونی بھی ممکن ہو تو اُس کے موجود ہونے میں ہمیں شک ہوتا ہے بلکہ ہم یہ یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ بہت سے امور نہیں کرتا باوجودیکہ وہ انپر قادر ہے اور وہ ممکن بھی ہیں چنانچہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ دریاؤں کو تیل نہیں کر دے گا اور پہاڑوں کو پلٹ کر یاقوت نہیں بنا دے گا اور تمام جہاں والوں کو مسخ کر کے لومڑیاں نہیں کر دے گا اور چاند و سورج خوشبودار دو لکڑیاں نہیں کر دیگا اور اِس قسم کی مثالیں بے انتہا ہیں اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کذب سے منزہ ہے اور اُس کذب کا اسپر ممتنع ہونا ہمارے اُسکے علم ہونے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور جو کمال کسی موجود شے کے لیئے ثابت ہو اللہ اُسکا زیادہ مستحق ہے اور جس نقص سے کوئی موجود منزہ ہو پس اس تنزیہ کا اللہ اس سے زیادہ حقدار ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حیات۔ علم۔ قدرت صفات کمال ہیں لہذا ان کے ساتھ متصف ہونے میں اللہ بندوں سے زیادہ مستحق اور حقدار ہے اور اسیطرح صدق بھی صفتِ کمال ہے پس جو اُسکے ساتھ متصف ہو گا اس اتصاف کا اس سے بھی زیادہ اللہ حقدار ہو گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اللہ لا الہ الا ھو لیجمعنکم الی یوم القیامۃ لا ریب فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ (یعنی اللہ ہی ہے اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہ قیامت کے دن تک تمھیں ضرور جمع کرے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں اللہ سے زیادہ اور کس کی بات سچی ہو سکتی ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے کہ ان اصدق الکلام کلام اللہ (یعنی سب کلاموں سے زیادہ سچا اللہ کا کلام ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ تمام سلف اور اُن کے تابعین کا اسپر اتفاق ہے کہ کلام اللہ مخلوق نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ قائم

ہے پھر انہیں انکا اختلاف ہے کہ آیا اللہ اپنی مشیت اور قدرت سے کلام کرتا ہے یا کہ بلا اسکے اسمیں دو قول مشہور ہیں پہلا قول (یعنی مشیت اور قدرت سے کلام کرنے کا) تو تمام سلف اور جمہور کا ہے اور دوسرا قول ابن کلاب اور اُسکے تابعین کا ہے پھر ابن کلاب کے تابعین کا بھی اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ قدیم جسے مشیت اور قدرت سے تعلق نہیں ہے معنی ہے جو قائم بذاتہ ہے یا کہ حروف اور اصوات ازلیہ ہیں اس میں بھی دو قول ہیں یہ بحث اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے اور جب یہ مسئلہ اس طرح ہے تو پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ کلام کو اسکی مشیت سے تعلق نہیں ہے تو ممتنع ہے کہ کوئی اور شے جسکے ساتھ وہ متصف نہیں ہے اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو اور صدق اُنکے نزدیک یا تو علم ہی ہے اور یا کوئی ایسے معنے ہیں جو علم کو مستلزم ہوں اور یہ سب جانتے ہیں کہ علم اللہ کی ذات کے لوازم میں سے ہے تو اب اُسکی نقیض کے ساتھ اُسکا متصف ہونا ممتنع ہوگا کیونکہ جو ذات قدیم واجب بنفسہا ہوتی ہے۔ تو اُسکے لازم کا عدم ممتنع ہوتا ہے جیسا کہ اُس ذات کا عدم ممتنع ہوتا ہے۔ (کیونکہ وہ بنفسہا واجب اور قدیم ہے) اور وجہ اسکی یہ ہے کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مقتضی ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے اسوقت صدق اور کذب ایسے ہوں گے جیسے بینائی اور اندھاپن۔ سننا اور بہرا ہونا۔ کلام کرنا اور گونگا ہونا۔ لہذا واجب ہے کہ وہ پاک پروردگار صدق ہی کے ساتھ متصف ہو اور کذب کے ساتھ نہ ہو لیکن جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ کلام کو مشیت اور قدرت سے تعلق ہے تو ان لوگوں میں اکثروں کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالٰی یقیناً کسی حکمت ہی سے کلام اور فعل کرتا ہے۔ (بلا حکمت کچھ نہیں کرتا) اور وہ پاک ذات قبیح فعل کے کرنے سے منزہ ہے اور اللہ تعالٰی کے قبیح افعال سے منزہ ہونے پر ان لوگوں کی ادلہ معتزلہ کی ادلہ سے بڑی اور قوی ہیں۔ کیونکہ جو دلیل اللہ کے اس قبیح فعل سے منزہ ہونے پر دلالت کرے گی جو اُس سے منفصل ہو تو دلیل اُسکے ایسے قبیح فعل سے منزہ ہونے پر بدرجۂ اولٰے دلالت کرے گی کہ جو اُسکے ساتھ قائم ہو کیونکہ قبائح میں سے جو اُسکے ساتھ قائم ہے اسمیں نقصان اس سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے جو اُس سے منفصل ہو پس جب یہ ممتنع ہے تو وہ بدرجہ اولٰے ممتنع ہوگا۔

چھٹا جواب

یہ ہے کہ تمام ادلہ عقلیہ اسپر دال ہیں کہ نقائص اور قبائح کے ساتھ اللہ کا متصف ہونا ممتنع ہے۔

بلکہ وہ اس وصف کے ساتھ متصف ہوتا ہے جو اُسکے ساتھ قائم ہو اور کلام متکلم کے ساتھ قائم ہوتا ہی لہذا ممتنع ہے کہ وہ کذب کے ساتھ کلام کرے کیونکہ کلام اُسکے ساتھ قائم ہے پس ممتنع ہے کہ وہ قبیح اُسکے ساتھ قائم ہو جو اس نے اختیار کیا ہے اور اللہ کو کذب سے منزہ کرنے میں یہ طریقہ خاص اہل اثبات ہی کا ہے باقی معتزلہ اس طرح نہیں کہ سکتے کیونکہ اُن کے نزدیک اللہ کا کلام اللہ سے منفصل ہے پس جسوقت یہ اہل اثبات اُن سے یہ کہیں گے کہ دلیل تو فقط اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالے فی نفسہ قبائح کے ساتھ متصف ہونے اور اُن کے فعل سے منزہ ہے اور فعل وہ ہے جو فاعل کے ساتھ قائم ہو ورنہ جو شے منفصل ہو وہ مفعول ہوتی ہے فعل نہیں ہوتا اور تم نے کوئی دلیل ایسی نہیں ذکر کی جو مفعولات میں اس اتصاف کے ممتنع ہونے پر دلالت کرے۔ حالانکہ محل نزاع بھی یہی ہے۔ ان لوگوں کی حجت قدریہ پر حجت ظاہرہ ہوگی۔

ساتواں جواب

یہ ہے کہ وہ کلام جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے اہل سنت (والجماعت) کے نزدیک غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ کلام صفت کمال ہے پس ضروری ہے کہ وہ اُسکے ساتھ متصف ہو برابر ہے کہ کوئی یہ کہے کہ کلام ایک معنی ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہوتا ہے یا وہ حروف ہیں یا اصوات قدیمہ ہیں اور یا کوئی یہ کہے کہ اسکی مشیت اور قدرت سے اُسے تعلق ہے اور یا یہ کہے کہ اللہ پہلے متکلم نہ تھا بعد میں اُس نے کلام کیا ہے یا یہ کہ وہ اپنے اختیار سے ہمیشہ سے متکلم ہے پس ان سب اقوال پر کلام قائم بذاتہ ہے اور کذب صفت نقص ہے جیسا کہ بہرا پن اور گونگا پن ہوتا ہے اللہ تعالے اس سے منزہ ہے کہ اُسکے ساتھ ایسے نقائص کا قیام ہو باوجودیکہ اُس نے اپنی مخلوق کو اُن نقائص سے متصف پیدا کیا ہے۔ اور اندھا۔ بہرا۔ گونگا ہونا بھی پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ اُسکے ساتھ قائم نہیں پس اسی طرح کاذب میں اُس نے کذب پیدا کر دیا ہے۔ لیکن کذب اُسکے ساتھ قائم نہیں ہے۔

آٹھواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہی اعتراض خود اُن لوگوں پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ دوسرں میں کلام اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور یہ کلام اُسکا ہوتا ہے باوجودیکہ دوسرے کے ساتھ قائم ہے اور جسکے ساتھ قائم ہے وہ محدث مخلوق ہے حالانکہ وہ کلام جسکے ساتھ بندے گفتگو کرتے ہیں وہ اُن کے نزدیک اللہ کی مخلوق نہیں ہے اور نہ یہ اُسکا کلام ہے پس جسوقت یہ اور یہ دونوں کلام سچے ہوں تو اُنھیں یہ معرفت

کرنی ضروری ہے کہ یہ اُسکا کلام ہے اور یہ اُسکا کلام نہیں ہے۔

باقی ان معترضین کا یہ کہنا ہو سکتا ہے کہ وہ کذاب کو بھیجتا ہو! اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالٰے کذاب کو بھی بھیجتا ہے۔ جیساکہ شیاطین کے بھیجنے کا اس آیت میں ذکر ہے۔ "الم تر انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازا" (یعنی کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہم کفار پر شیاطین کو بھیجتے ہیں یہ اُنھیں خوب بھڑکاتے ہیں) اور جیساکہ (یہی بیان) اس آیت میں ہے۔ "بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید" لیکن یہ اُسیوقت ہوتا ہے کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا ہو جو اُن کے کذب کو ظاہر کردے جیساکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی بابت ہوا ہے باقی فقط کذاب کے بھیجدینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کاذب اور صادق میں تمیز نہ ہو سکے جیساکہ اللہ تعالے ظالم کو بھیجتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظالم اور عادل میں تمیز ہونی ممتنع ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس وہ عاجز۔ اندھے بہرے کو بھیجتا ہے لیکن بھیجدینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں اور اُن کے غیر میں کوئی تمیز نہ رہے اور ارسال کا لفظ ارسال ریاح اور ارسال شیاطین وغیرہ سب کو شامل ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی اسکو جائز کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کوئی ایسا آدمی پیدا کردے جسکی بابت یہ جانتا ہو کہ یہ کاذب ہے اور کذب پر اُسے قدرت دیدینا بھی جائز ہے جیساکہ اُس نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو پیدا کیا تھا پس اگر مسیلمہ کذاب کا اس لیئے پیدا کرنا جائز تھا باوجودیکہ اسمیں اور صادق میں اُس نے تمیز بھی کردی تھی تو اسی طرح کذب کا پیدا کرنا بھی ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اسیواسطے اللہ نے مدعی نبوت کو پیدا کیا ہے حالانکہ وہ کاذب ہے پھر اگر وہ یہ کہیں کہ اُسپر صداقت کی نشانیوں کا ظاہر کرنا جایز ہے تو یہ ممنوع اور بالاتفاق باطل ہے اور اگر کہیں کہ یہ جایز نہیں تو بلا صداقت پر کوئی دلیل ہوئے نبوت کا محض کرنا کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ آدمی اگر یہ دعوے کرے کہ میں طبیب ہوں یا کسی قسم کا کاریگر ہوں اور ایسی کوئی دلیل اُس کے پاس نہیں ہے جو اُس کی صداقت پر دلالت کرے تو اُس کی طرف کوئی التفات نہ کرے گا لہذا بلا دلیل کوئی نبوت کا دعویٰ کیونکر کر سکتا

ہے اور جب وقت کوئی یہ کہے کہ جب تم نے اللہ کے لیئے یہ جائز رکھا کہ وہ کذاب میں کذب پیدا کر سکتا ہی تو تم نے یہ جائز کر دیا کہ اللہ تعالے اُس کذاب کے ہاتھوں پر صداقت کی نشانیاں ظاہر کرتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع ہے کیونکہ صدق کی دلیلیں صدق ہی کو مستلزم ہوتی ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ دلیل مدلول کو مستلزم ہوتی ہے لہذا کاذب کے ہاتھ پر صدق کی علامتیں ظاہر کرنا لذاتہ ممتنع ہے پس یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے اور اگر یہ کہیں کہ ان لوگوں نے جھوٹے کے ہاتھ سے خارق عادت (یعنی خلاف عادت) کا ہونا جایز رکھا ہے ہم کہتے ہیں ہاں ہم بھی ایسے شخص کے ہاتھ سے خارق کا ہونا جایز رکھتے ہیں جو معبود بننے کا دعوے کرے جیسے دجال کیونکہ معبود بننے کے دعوے میں اسکا جھوٹا پن ظاہر ہو جانے کے بعد یہ خارق عادت اسکے سچے ہونے پر دلالت نہیں کر سکتی اور ممتنع کذاب سے صدق کی دلیل ظاہر ہو جانا ہے اور اگر یہ کہیں کہ ان لوگوں نے مدعی نبوت سے باوجود اسکے جھوٹے ہونے کے خوارق (عادات) کے ظاہر ہونے کو جائز رکھا ہے ہم کہتے ہیں ہاں یہ ایسے طریق پر جائز ہے جس سے اُسکے صدق پر دلالت نہیں ہو سکتی جیسے جادوگروں اور کاہنوں سے بعض خوارق عادات ایسی ظاہر ہوتی ہیں کہ انکے سچے نہ ہونے کا ان میں کوئی قرینہ ضرور ہوتا ہے اور اُسکی بحث اپنے اپنے موقع پر مفصل بیان کیگئی ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ نبوت کی دلیل اور اُسکی علامتیں اور جس سے نبی کی صداقت معلوم ہو وہ خوارق ہی میں محصور نہیں ہیں بلکہ صدق کی معرفت کے طریقے مختلف ہیں جیسے کذب کی معرفت کے طریقے مختلف ہیں اور اپنے موقع پر اسکا بیان ہو چکا ہے واللہ اعلم۔

معاصی کی سزاؤں اور حدود کی بیکاری

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ معاصی کی سزاؤں اور حدود کا معطل اور بے کار ہونا لازم آتا ہے کیونکہ (معاصی مثلاً) زنا جب اللہ کے ارادے سے ہوا علیٰ ہذا القیاس چوری جب اللہ ہی (کے حکم) سے صادر ہوئی اور اُسکا ارادہ ہی ان میں مؤثر ہے تو اب بادشاہ کو اُنپر مواخذہ (اور سزا دینا) جائز نہیں ہے کیونکہ وہ چور کو اللہ کی مراد سے روکتا ہے اور ایسے امر پر (یعنی چوری نہ کرنے پر) لگاتا ہے جو اللہ نے پسند نہیں کیا حالانکہ ہم میں سے اگر کوئی کسی کو اللہ کی مرضی سے روکے اور اُسکی خلاف مرضی پر

لگائے تو وہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ نے دو نقیضوں کا ارادہ کیا ہو کیونکہ معصیت بھی اُسکا مقصود ہے اور معصیت سے روکنا بھی اُسکا مقصود ہے (اور یہی ضدین ہیں) اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے جو ہمنے بیان کیا ہے اُس سے اسکا جواب بھی نکلتا ہے علاوہ اسکے اور کئی طرح سے بھی اسکا جواب دیا جاتا ہے۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ ان معاصی میں سے جو کچھ اللہ نے مقدر کیا ہے وہ وہ ہے جو واقع ہو چکا نہ وہ کہ جو ابھی تک ہوا نہیں اور جو ہو چکا ہے اُسے اب کوئی نہیں لوٹا سکتا چنانچہ حدود اور سزاؤں کے ذریعہ سے بھی اسی امر کو روکا جاتا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ نے چاہا وہ ہو چکا جو نہیں چاہا نہیں ہوا تو اب اس معترض کا یہ کہنا کہ بادشاہ چور کو اللہ کی مراد سے روکتا ہے یہ اُسکا جھوٹ ہے کیونکہ بادشاہ تو اسی فعل سے روک سکتا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا اور جو واقع نہیں ہوا اسکا اللہ نے ارادہ ہی نہیں کیا اسی وجہ سے اگر کسی نے قسم کھا کر یہ کہا کہ انشاء اللہ تعالےٰ میں اس مال کو ضرور چراؤں گا اور نہ چرایا تو باتفاق تمام سلمانوں کے یہ قسم والا حانث نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے (گویا) اُسکے چرانے کو چاہا ہی نہیں (جو اُس نے نہیں چرایا) لیکن قدریہ کے نزدیک چونکہ ارادہ کے معنی امر ہی کے ہیں اسلیئے وہ کہتے ہیں کہ جب چوری کرانا اللہ کی مراد ہوئی تو بس یہی مامور بہ ہے حالانکہ تمام سلمانوں کا اجماع ہے اور اُن کے دین سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے چوری کا کبھی امر نہیں کیا اور جسکا قول یہ ہے کہ جو کچھ واقع ہو چکا ہے اُسکے مقصود کے موافق ہے وہ بھی یہ کہتا ہے کہ یہ مقصود ہے نہ یہ کہ مامور بہ ہے۔ غرضکہ اسے مامور بہ سوائے کافر کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ ان لوگوں کے مباحثہ میں کہا جاتا ہے جو معاصی پر تقدیر سے حجت لاتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں بعض کا یہ خیال ہے کہ معاصی میں سے جس معصیت کو انسان اپنے لیئے مقدر سمجھ لے گا اُسکا خلاف نہیں کر سکتا اور ان ہی میں بعض وہ لوگ ہیں جو اُسپر اللہ کے معاون ہونے کے قائل ہیں۔ اس خیال سے کہ اللہ نے اس فعل کا ارادہ کر لیا ہے اگرچہ یہ فعل حرام اور معصیت ہی ہو پس یہ لوگ اللہ کی مراد سے نہیں روکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مراد سے روکنا کسی تقدیر پر نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جواب

یہ ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام معاصی اور قبائح سے لوگوں کا رکنا اور ظلم اور ظالم کا دفع کرنا اور مظلوم کا حق ظالم سے لینا اور ایسے شخص کی حجت کو باطل کرنا جو تقدیر سے اسپر حجت کرے ایک ایسا امر ہے جو تمام لوگوں کی فطرت اور عقلوں میں بسا ہوا ہے باوجودیکہ یہ سب تقدیر کے قائل ہیں اور جسوقت سب میں اتنی قدرت ہو کہ جو جس بُرائی اور خرابی کو چاہے کرلے اور تقدیر سے اسپر حجت کرے تو پھر اُن کی حالت کی صلاحیت ہونی اور انکا دنیا میں رہنا کسی طرح ممکن نہیں ہے اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ معاصی پر تقدیر سے حجت لاتے ہیں جسوقت وہ اپنے قول کو نظرانداز کردیں تو وہ یہود اور نصاریٰ سے بھی پرلے درجہ کے کافر ہیں اور تقدیر کے جھٹلانے والوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ واللہ اعلم

تیسرا جواب

یہ ہے کہ جو امور بالاتفاق مقدورہ ہیں جسوقت اُن میں کوئی خرابی ہو تو ان کے واقع ہو جانے کے بعد بھی ان کا رد کرنا اور ازالہ کردینا ہی بہتر ہے جیسا کہ مرض وغیرہ کیونکہ اللہ کے بعض فعل بالاتفاق اللہ کی مراد اور اُسکے مقصود ہوتے ہیں۔ اور باوجود اسکے بھی انسان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسباب سے بچکر ان کے موجود ہونے کو ضرور ہی روک دے اور ان کے موجود ہو جانے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اُن کے ازالہ میں کوشش کرے۔ حالانکہ اسمیں اللہ کی مراد کا ازالہ ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اللہ کی مراد پوری ہونے کو روکتا ہے تو زوال مرض کیلئے دوا کا پینا بھی اللہ کی مراد پوری ہونے کو مانع ہوگا اور اسیطرح جو دیوار گری جاتی ہو اُسکا سیدھی کردینا جیسا کہ خضر علیہ السلام نے ایک دیوار کو کردیا تھا اور اسیطرح بھوک جو لگی ہوئی ہو اُسے کھانے سے رفع کرنا اور سردی کو گرمائی سے دفع کرنا اور دھوپ کو سایہ سے روکنا بھی ایسا ہی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ یہ بتا دیجئے کہ بہت سی دواؤں وغیرہ سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں تو صحت ہو جاتی ہے کیا یہ دوائیں وغیرہ کچھ تقدیر الٰہی کو رد کردیتی ہیں فرمایا نہیں بلکہ یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہے (کہ اگر فلاں دوا استعمال کروگے تو صحت ہو جائے گی) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کردیا کہ تقدیر الٰہی تقدیر الٰہی سے رد ہو جاتی ہے۔ یہی مطلب اللہ کے اس قول کا ہے۔

لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔

چوتھا جواب

یہ ہے اُس رافضی کا یہ کہنا اور لازم آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نقیضین کا ارادہ کرے کیونکہ معصیت

کرنا بھی اُسکا مقصود ہے اور اس سے روکنا اور زجر کرنا بھی اُسکا مقصود ہے) یہ کہنا ساقط الاعتبار ہے کیونکہ نقیضین وہ ہوتی ہیں جو نہ جمع ہو سکیں اور نہ مرتفع ہو سکیں یا وہ ہیں جو فقط جمع نہ ہو سکیں اور یہی دو امر آپس میں متضاد کہلاتے ہیں اور زجر ایسا فعل نہیں ہے جو واقع ہو اور کوئی اُسکا ارادہ کرسکے بلکہ وہ گزشتہ فعل پر دھمکانا اور سزا دینا اور آیندہ کرنے سے روکنا ہوتا ہے اور وہ زجر جو ارادہ سے ہو اگر اس سے مقصود حاصل ہو گیا ہو تو پھر مزجور عنہ حاصل نہیں ہوا تو یہ زجر ہی پوری نہ ہوئی بلکہ یہ مقصود اس زجر کا کرنا ہوگا جیسا کہ مرض اندیشہ ناک ... ہوا کرتا ہے جو کبھی موت کا سبب ہو جاتا ہے اور باوجود اسکے حیات بھی مقصود ہوتی ہے اور سبب کا ارادہ کرنا سبب کے ارادہ کو موجب نہیں ہوتا ہاں جسوقت کہ پورا سبب موجود ہو اور جیسا کہ امر بالفعل اور اسکی ترغیب اُسکے وقوع کا سبب ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی مسبب ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اگر وہ ہو گیا ہے تو سبب اور مسبب دونوں مراد ہو جاتے ہیں ورنہ وہی مراد ہوتا ہے کہ جو واقع ہو گیا ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو بمعنے مشیت ہے اُس شے کے لیئے جو پیدا ہو چکی ہے پس یہ ہر حادث کو شامل ہو گی نہ اُسکو کہ جو شے ابھی حادث نہیں ہوئی اور ایک قسم بمعنے محبت ہے اُس چیز کے لیئے جسکا امر ہو چکا ہے پس یہ ارادہ طاعات ہی کے متعلق ہوتا ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو جو معاصی واقع ہو وہ پہلے معنی پر مراد ہوگا کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور جو شے واقع ہو چکی ہے اُسکے ہونے ہی کو گویا اللہ نے چاہا ہے اور معاصی سے زجر کرنا بمعنے ثانی مراد ہوتا ہے کیونکہ وہ نہی عن المنکر کو پسند فرماتا ہے اور اُس سے راضی ہوتا ہے اور اسکے کرنے والے کو ثواب عطا کرتا ہے بخلاف فعل منکر کے کہ نہ اللہ اُسے پسند کرتا ہے نہ اُس سے راضی ہے نہ اُسکے کرنے والے کو ثواب عطا کرتا ہے پھر زجر درحقیقت اُس فعل سے ہوتی ہے جو ابھی واقع نہیں ہوا اور سزا اُسپر ہوتی ہے جو واقع ہو چکا ہو۔ پس جس وقت چوری قضا اور تقدیر الٰہی سے واقع ہوئی حالانکہ ان کی بابت اللہ نے سزاؤں کے دینے کا حکم فرمایا ہے تو یہ سزا دینا ہی مامور بہ ہوگا یہی اسکو پسند اور محبوب ہوگا اور اگر واقع نہیں ہوئی تو جسقدر معصیت ہوگی اُسمیں اللہ کا ارادہ نہ ہوگا اور نہ وہ فرضاً اُسے پسند ہوگی۔

بعض راویوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی نے چوری کی تھی پھر خود اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے قضاء آلہی سے چوری کی ہے (خود اپنی طرف سے نہیں کی) آپ نے اس سے فرمایا بہتر ہے میں بھی قضاء آلہی ہی سے تیرا ہاتھ کاٹونگا۔ اسیطرح اس شخص کے حق میں بھی کہا جاتا ہے جو حدود اللہ سے تعدی کرے اور عقوبت شرعیہ پر بندوں کی اعانت کرے جیسا کہ کوئی سلمانوں کی کفار سے جہاد کرنے پر اعانت کیا کرتا ہے باوجودیکہ یہ سب افعال قضا اور تقدیر آلہی سے ہوتے ہیں لیکن جس کا اس نے امر فرمایا ہے وہ اسے پسند ہے اس کے کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے اور شرعًا اور دینًا اسکا ارادہ بھی کرتا ہے جیسا کہ اس نے اپنی مشیت سے اسے پیدا اور موجود کیا ہے۔ بخلاف اس امر کے جس سے اس نے منع کر دیا ہو۔

معقول و منقول کی مخالفت

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان ہی امور میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفت معقول اور منقول لازم آتی ہے لیکن معقول تو اسلیئے کہ پہلے یہ علم ضروری بیان ہو چکا ہے (یعنی سب جانتے ہیں) کہ ہمارے افعال ضرور یہ اختیاریہ کی استناد ہماری طرف ہے اور انکا وقوع ہمارے ارادہ کے موافق ہوتا ہے چنانچہ جسوقت ہم داہنی طرف حرکت کرنا چاہتے ہیں تو بائیں طرف حرکت نہیں ہوتی اور بالعکس بھی اور اسمیں شک کرنا عین غلطی ہے۔ اسکا جواب بھی کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ کہ جمہور اہل سنت اسکے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کے اختیاریہ افعال انسان کیطرف مستند اور منسوب ہوتے ہیں اور بے شک انسان ان کا فاعل اور ان کا محدث ہے۔ ہاں نزاع اسمیں ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ کے لیئے کوئی فعل نہیں ہے اور نہ اس کی قدرت کی ان افعال میں کوئی تاثیر ہے اور نہ بندہ ان کو حادث کرتا ہے اور ان لوگوں کا ان متکلمین میں سے ایک فرقہ ہے جو تقدیر کے قائل ہیں باقی تمام اہل سنت اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ نصوص بھی اس بارے میں آئی ہیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول بندہ کی اسپر تعریف کرتے ہیں کہ وہ عمل اور فعل کرتا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے بلکہ اسکے منکرین بھی علم ضروری کے مخالف ہیں کیونکہ بندہ کا (ایک فعل کے کرنے میں) مرید (ارادہ کرنے والا) اور فاعل ہونا بعد اسکے کہ وہ فاعل نہ تھا ایک امر حادث ہے جو نہ ہونے کے بعد ہوا ہے پس یا تو اُسکے لیئے کوئی محدث ہوگا یا نہ ہوگا اگر کوئی محدث نہیں ہے تو حوادث کا حدوث بلا محدث کے ہونا لازم آئے گا اور اگر اُسکا کوئی محدث ہے تو یا تو وہ یہ بندہ ہی ہوگا اور یا اللہ تعالے اور یا کوئی ان دونوں کے سوا پس اگر بندہ ہے تو اُسکے اس فاعلیت کو حادث کرنے میں وہی بحث ہوگی جو اُسکے احداث کے حادث کرنے میں تھی اور تسلسل لازم آئے گا اور یہ یہاں بالاتفاق باطل ہے اور وجہ تسلسل ہونے کی یہ ہے کہ بندہ (بھی حادث ہے کیونکہ یہ خود) نہ ہونے کے بعد ہوا ہے لہذا ایسے حوادث کا قیام اُسکے ساتھ ہونا جنکی کوئی ابتداہی نہ ہو ممتنع ہے اور اگر محدث اللہ کے سوا ہوگا تو اُسمیں بھی یہی بحث ہوگی جو بندے میں ہے لہذا یہ امر متعین ہوگیا کہ بندہ کے مرید اور فاعل ہونے کے لیئے اللہ ہی خالق ہے یہی مقصود ہے اور سب اہل سنت اس علم ضروری کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ فاعل ہے اور اللہ تعالے اُسکے فعل کا خالق ہے بندہ مرید مختار ہے اور اللہ نے اُسکو مرید و مختار کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا "ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" یعنی یہ قرآن شریف بے شک نصیحت ہے لہذا جو شخص چاہے اپنے اللہ کا راستہ لے لے اور نہیں چاہ سکتے تم مگر وہی کہ جو اللہ چاہے) یہاں اللہ نے بندہ کی مشیت کو ثابت کرکے یہ بتلا دیا کہ وہ بلا مشیت خداوندی کے حاصل نہیں ہوسکتی اور حضرت (ابراہیم خلیل علیہ السلام نے (جناب باری میں) دعا کی تھی کہ رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی (یعنے یا الٰہی مجھے اور میری اولاد میں سے پابند نماز کردے۔) اور یہ بھی دعا کی کہ واجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم۔ (یعنی لوگوں کے دلوں کو اُن کی طرف مائل کردے) اور اُنھوں نے اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی تھی۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" اور اللہ نے فرمایا۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" اور ایسی مثالیں قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت ہیں پس ان لوگوں کی دلیل بندہ کی مشیت اور اُس کی مقتضی ہے کہ بندہ باختیار فاعل ہے اور یہی دلیل اسکی بھی مقتضی ہے کہ یہ مشیت اور اختیار اللہ ہی کی مشیت سے حاصل

ہوتے ہیں اور یہ دونوں امر حق ہیں پس جو یہ کہے کہ بندہ کے لیئے نہ مشیت ہے اور نہ اختیار ہے یا یہ کہے کہ بندہ میں کسی طرح کی قدرت نہیں ہے یا یہ کہ اُس نے یہ فعل نہیں کیا یا اس فعل میں اُس کی قدرت کا کوئی اثر نہیں ہے اور نہ وہ کوئی تصرف کرتا ہے تو اُس شخص نے ضرورۃ اولی کا انکار کر دیا اور جسکا قول یہ ہے کہ بندہ کا ارادہ اور اُسکا فعل بلا ایسے سبب کے حادث ہوتا ہے جو اُسکے حدوث کا مقتضی ہو یا یہ کہ بندہ نے اُس فعل کو حادث کیا اور حادث کرنے کے وقت اُسکا حال ویسا ہی تھا جیسا کہ حادث کرنے سے پہلے تھا بلکہ دو زمانوں میں سے ایک کو احداث کے ساتھ بلا ایسے سبب کے خاص کیا جو اس خصوصیت کا مقتضی ہوتا تو گویا یہ شخص اس امر کا قائل ہے کہ حوادث کا حدوث بلا فاعل کے ہوتا ہے اور جب یہ لوگ کہیں گے کہ ارادہ کی کوئی علت نہیں ہوتی تو ان کا یہ کلام ایسا ہوگا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ ارادہ امر حادث ہے لہذا اسکے لیئے محدث ہونا ضروری ہے اور ان کا یہ قول ایسا ہے جیسا انھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالے ارادہ کو حادث کرتا ہی لیکن نہ کسی محل میں اور نہ اسکا کوئی ایسا سبب ہوتا ہے جو اُسکے حدوث کا مقتضی ہو پس اس قول کی وجہ سے ان پر تین محال لازم آتے ہیں اول تو حوادث کا حدوث ہونا بلا ارادہ اللہ کے دوسرے حدوث حادث کا بلا سبب حادث کے۔ تیسرے قیام صفت کا بنفسہا نہ کسی محل میں۔ اور اگر تم چاہو یہ کہہ سکتے ہو کہ بندہ کا مرید ہونا امر ممکن ہے جسکے وجود کو عدم پر ترجیح نہیں ہو سکتی اور نہ ممکن کی دونوں طرفوں (عدم وجود) میں سے ایک کو بلا مرجح تام کے ترجیح ہوتی ہے اور یہ وہ حجت ہے جس سے امام رازی نے انپر حجت کی ہے اور یہ فی نفسہ صحیح اور مسئلہ حدوث عالم کے مناقض ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان افعال کا محدث اللہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا محدث بندہ ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کے انہیں حادث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس نے ان کو پیدا کیا ہے یہ اُس سے منفصل ہو کر بندہ کے ساتھ قائم ہیں پھر اُس نے اپنی اُس قدرت اور مشیت سے جو اُس نے خود پیدا کی ہے بندہ کو ان کا فاعل کر دیا ہے اور بندہ کے حادث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ فعل جو اُسکے ساتھ قائم ہے اُس کی اس قدرت اور مشیت سے حادث ہوا ہے جو اللہ نے اُس میں پیدا کر دی ہے۔ اور ان دونوں احداثوں میں سے ایک دوسرے کو مستلزم ہے اور جہت اضافت کی دونوں میں مختلف ہے پس وہ فعل جو اللہ نے کیا ہے وہ اس سے مبائن اور مخلوق کے ساتھ قایم ہے اور جو

فعل بندہ نے کیا ہی وہ اُسکے ساتھ قائم ہے اور بندہ فعل کا فاعل اپنی مشیت اور قدرت سے نہیں ہو سکتا جب تک اللہ اُسکو ایسا نہ کر دے پس وہی اُسکی قدرت اور مشیت کو اور اُس فعل کو جو اُسکی وجہ سے ہوتا ہی پیدا اور حادث کرتا ہے اور جب اُس نے اُسکو فاعل کر دیا تو اب فعل کا ہونا ضروری ہی پس اللہ کا فعل کیلئے بندہ کو پیدا کرنا اُس فعل کے وجود کو مستلزم ہے اور بندہ کا اُس کے لیئے فاعل ہونا بعد اسکے کہ پہلے نہ تھا اُس فعل کے لیئے اللہ کے خالق ہونے کو مستلزم ہے بلکہ تمام حوادث اپنے اپنے اسباب کے ساتھ اسی طرح ہیں اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہی مطلب اُس شخص کے قول کا ہے جو کہتا ہے کہ یہ اللہ اور بندہ دونوں کا فعل ہے۔ جواب اسکا یہ ہے جس نے یہ کہا ہے کہ اللہ کا فعل وہ ہے جو اُس سے منفصل ہو اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں کا فعل ہے چنانچہ ابو اسحق اسفرایئنی کا یہی قول ہے تو اُسکے کلام کی ایسی تفسیر ہونی چاہیئے جو سمجھ میں آجائے۔ لیکن جمہور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ افعال اللہ کے مفعول ہیں اسکے فعل نہیں ہیں کیونکہ اسکا فعل وہ ہے جو اسکے ساتھ قایم ہو اور فعل اُن کے نزدیک مفعول کا غیر ہوتا ہے۔ اُنکا قول یہ ہے کہ اللہ کے مفعول ہیں اُسکے فعل نہیں ہیں۔ اور بندہ کے لیئے یہ فعل ہیں۔ جیساکہ بندہ کی قدرت کی بابت بھی ان کا یہی قول ہے کہ یہ بندہ کے حق میں قدرت ہے اور اللہ کے لیئے مقدور ہے نہ یہ کہ یہی اللہ کی نفس قدرت ہے اور یہی بندہ کے ارادہ کی کیفیت ہے کہ وہ بندہ کے لیئے ارادہ ہے اور اللہ کے لیئے مراد ہے اور اسی طرح بندہ کی تمام صفات کا حال ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے اکثر حوادث کو اپنی طرف نسبت کیا ہے اور ان ہی کو اپنی بعض مخلوق کی طرف بھی نسبت کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسك التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی" (یعنی سب جانوں کو اللہ ہی موت دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مریں اُن کی نیند میں پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ہے اُن کو روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک معین میعاد تک چھوڑ دیتا ہے۔ اور فرمایا وھو الذی یتوفاکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار۔ (یعنی اللہ تعالےٰ وہ ہے جو رات کو تمھیں مار دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے) حالانکہ یہ بھی فرمایا ہے۔ قل یتوفاکم ملك الموت الذی وکل بکم" (یعنے اے محمد تم کہدو کہ تمھیں وہ ملک الموت مارتا ہے جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے۔) اور فرمایا۔ توفتہ رسلنا وھم لا یفرطون۔ (یعنی ہمارے پیغمبر وفات پا گئے حالانکہ وہ کسی

بات میں کمی نہ کرتے تھے) اور اسی طرح ہوا کے بارے میں فرمایا - تدمر کل شیء بامر ربھا" (یعنی برباد کر دیتی ہے وہ ہوا ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے) اور فرمایا ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومه وما کانوا یعرشون (یعنی اکھاڑ مارا ہم نے اس شے کو جو فرعون اور اس کی قوم بناتے تھے اور جو کچھ وہ بلند کرتے تھے) اور فرمایا" ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم" (یعنی یہ قرآن شریف ایسی ہدایت کرتا ہے۔ جو سب سے سیدھی ہے اور فرمایا - یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام،، (یعنی جو شخص اللہ کی رضامندی کی جستجو میں رہتا ہے تو اللہ تعالے اس قرآن کے ذریعہ سے اسکو سلامتی کے راستے دکھلا دیتا ہے) اور فرمایا - نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هذا القرآن (یعنی اب ہم یہ قرآن تم پر نازل کر کے ایک بہت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں -) اور دوسری جگہ فرمایا - ان هذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی هم فیه یختلفون - (یعنی بے شک قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جس میں اختلاف کرتے تھے) اور فرمایا "ویستفتونك فی النساء قل الله یفتیکم فیهن وما یتلی علیکم فی الکتاب،، (یعنی اے نبی یہ لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں کہدو کہ اللہ تمھیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے اور وہ تمھیں کتاب (اللہ) میں پڑھکر سنایا جاتا ہے) اور فرمایا "فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیج،، (یعنی جب ہم اسپر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھجاتی ہے اور ہر قسم کی عمدہ چیز اگاتی ہے) یہاں اگانے کو زمین کی طرف نسبت کیا ہے اور فرمایا "والارض مددناها والقینا فیها رواسی وانبتنا فیها من کل زوج بهیج،، (یعنی اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں ہمنے (پہاڑوں کے) لنگر ڈالے ہیں اور اس میں ہم نے ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں) یہاں اگانے کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا - هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات (یعنی وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیئے پانی برسایا اسمیں کچھ (تمھارے) پینے کے کام آتا ہے اور اس سے درخت (پیدا ہوتا) ہے جسمیں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو۔ تمھارے لیئے اس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور چھوہارے اور انگور اور تمام میوے (کے درخت) پیدا کرتا ہے) اور دوسری جگہ فرمایا - حتی اذا اخذت الارض زخرفها وازینت

وظن اھلھا انھم قادرون علیھا" (یعنی یہانتک کہ جب زمین نے (سبزی اُگاکر) اپنی آرائش کر لی اور (خوب) آراستہ ہو گئی اور وہاں کے رہنے والے یہ سمجھے کہ بے شک وہ اسپر قابو رکھتے ہیں) یہاں آرائش اور آراستہ کرنے کی نسبت زمین کیطرف ہے اور دوسری جگہ فرمایا انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا" (یعنی جو کچھ زمین پر ہے اُسے زمین کے لیئے ہم نے زینت کر دیا ہے) اور فرمایا۔ انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب (یعنی ستاروں کی زینت کے ساتھ ہم نے آسمانِ دنیا کو مزین کر دیا ہے اور دوسری جگہ فرمایا "یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا" (یعنی وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو آسمان پر چڑھتا ہے اور فرمایا۔ ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ (یعنی فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جسپر چاہتا ہے نازل کرتا ہے) اور فرمایا۔ نزل بہ الروح الامین (یعنی اس قرآن کو لیکر روح الامین نازل ہوتے ہیں) اور فرمایا۔ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل (یعنی اس قرآن کو ہمنے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ہی ساتھ نازل ہوا ہے) اور فرمایا وانزلنا من السماء ماءً۔ اور اُتارا ہمنے آسمان سے پانی) اور فرمایا۔ وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ" (اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ بولینگی کہ ہمیں اُس اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے) اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شئ۔ (اے لوگو ہمیں چڑیوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے) اور فرمایا۔ فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون (پس قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ بے شک یہ بات ضرور یقینی ہی جیسے تمہارا بولنا (تمہارے نزدیک یقینی ہے) پس یہ بولتے ہیں اور اللہ انہیں بلاتا اور گویا کرتا ہی اور اُس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے جب (ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالےٰ نے جمادات میں ایسی قوتیں پیدا کی ہیں کہ وہ افعال کرتی ہیں اور اللہ تعالےٰ نے افعال کو اُن کی طرف نسبت بھی کیا ہے اور اس سے یہ ممتنع نہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے افعال کا خالق ہو تو ضروری ہے کہ فعل کی نسبت حیوان کی طرف ہونی بھی ممتنع نہ ہو اگرچہ اُس فعل کا خالق اللہ ہی ہے پس قدریہ

کا بھی اس بارے میں نزاع نہیں ہے کہ جمادات میں جو قوّتیں اور حرکات ہیں اُنکا خالق اللہ ہے۔ حالانکہ خود اللہ نے یہ بیان کر دیا ہے کہ زمین اُگاتی ہے اور ابر پانی اُٹھاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ والحاملات وقرا۔ اور ہوا بادلوں کو لے جاتی ہے جیساکہ اللہ فرماتا ہے وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقناہ لبلد میت اور یہ بھی بیان کر دیا کہ ہوا ہر شے کو برباد کر دیتی ہے اور اپنے قول انا لما طغی الماء حملناکم فی الجاریۃ سے یہ بیان کر دیا کہ پانی نے طغیانی کی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اُن چیزوں کا سجدہ کرنا اور تسبیح پڑھنا بیان فرمایا ہے جیسے اس آیت میں ہے "الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب (ترجمہ۔ اے شخص کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے آدمی اور بہت سے وہ جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے) اور یہ تفصیل اس سے مانع ہے کہ مراد ان سے انکا مخلوق ہو کر خالق پر دال ہونا ہے یا یہ کہ مراد انکی شہادت زبان حال سے ہے کیونکہ یہ تمام لوگوں کے لیئے عام ہے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا یا جبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید اور فرمایا۔ انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب (یعنی بیشک ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا وہ اُن کے ساتھ صبح و شام تسبیح پڑھا کرتے تھے اور (اُن کے سامنے) پرند جمع کر دیئے گئے تھے سب اُنکے فرمانبردار تھے) یہاں اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرند بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے اور فرمایا۔ الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموات والارض والطیر صافات کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ اور فرمایا وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور فرمایا وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرھا اور فرمایا۔ ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ اور اُن چیزوں کے سجدہ اور تسبیح کرنے کی بحث اور جگہ مذکور ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ سب بالاتفاق اللہ کی مخلوق ہیں باوجودیکہ ان چیزوں سے فعل کرانا قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالےٰ کے ہر شے کے خالق ہونے کے منافی نہیں ہے۔

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رہا منقول سو قرآن ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جنمیں انسان کے افعال کی اسناد انسان ہی کی طرف ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا- وابراھیم الذی وفّی الایۃ فویل للذین کفروا- ولا تزر وازرۃ وزر اخری- ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون- الیوم تجزی کل نفس بما کسبت- الیوم تجزون ما کنتم تعملون لتجزی کل نفس بما تسعی من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا- لیوفیھم اجورھم- لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات الایۃ- کل امرئ بما کسب رھین- من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا- ذلک بما قدمت یداک- وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم الخ

جواب

اسکا یہ ہے کہ یہ سب حق ہے اور تمام اہل سنت اِسکے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بے شک بندہ اپنے فعل کا حقیقۃً فاعل ہے مجازاً نہیں ہے ہاں اس بارے میں متکلمین کے ایک فرقہ نے اختلاف کیا ہے جیسے اشعری وغیرہ حالانکہ قرآن شریف ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جو اسپر دال ہیں کہ اللہ کی مشیت اور اُس کی قدرت اور خلق سے بندوں کے افعال حادث ہیں پس واجب ہے کہ قرآن شریف کے تمام امور پر ایمان لائے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ہم بعض کتاب پر ایمان لائیں اور بعض کے منکر رہیں اللہ تعالٰے فرماتا ہے- ولو شاء اللہ ما اقتتلوا ولکن اللہ یفعل ما یرید اور فرمایا فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا اور فرمایا- ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرھم وما یفترون اور فرمایا- ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ" اور تمام مسلمانوں کا اسپر اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی قسم کھاکر یہ کہے کہ میں انشاء اللہ تعالٰے کل ظہر کی نماز پڑھونگا یا وہ دَین جو میرے ذمہ ہے ادا کروں گا حالانکہ قرضخواہ اس سے مطالبہ بھی کرے یا کوئی اسپر حلف کرے کہ میں وہ امانت دیدونگا اور پھر اُس نے یہ افعال نہ کئے تو یہ شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا اور اگر مشیت بمعنی امر ہوتی تو یہ ضرور حانث ہو جاتا-

شیعی علماء کہتے ہیں اور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالٰے کو لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے باوجودیکہ وہ جہات سے مجرد اور منزہ ہے اور خود اللہ فرماتا ہے لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (یعنی آنکھیں اُسکا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے- اور اشاعرہ نے

اس بارے میں بداہت کا خلاف کیا ہے۔ کیونکہ آنکھ سے اُسی چیز کا ادراک ہوتا ہے جو مقابل ہو یا حکم میں مقابل کے ہو اور اسمیں یہ تمام عقلا کے مخالف ہیں اور یہ بھی اُن کا مذہب ہے یہ کہتے ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ زمین سے آسمان تک ایک پہاڑ ہو اور مختلف اُسکے رنگ ہوں اور وہ ہمیں نظر نہ آئے علی ہذا القیاس بڑی دہشت ناک آوازیں ہوں لیکن وہ ہمیں سنائی نہ دیتی ہوں اسی طرح بہت سے لشکر ہوں جو طرح طرح کے ہتیاروں سے مسلح ہوں اور ہم سے اسقدر قریب ہوں کہ ان کے بدن ہمارے بدنوں سے لگتے ہوں لیکن ان کی صورتیں ہمیں نظر نہ آئیں نہ اُن کی حرکات ہمیں معلوم ہوں اور نہ اُن کی آوازیں ہمارے کانوں میں آئیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سب سے چھوٹے جسم کو دیکھ لیں جیسے ذرہ اگرچہ وہ مشرق میں ہو اور ہم مغرب میں اور اگرچہ بہت سی چیزیں بھی ہمارے اُسکے درمیان حائل ہوں۔ اور یہی دھوکا ہے۔ اسکا جواب کئی طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ آخرت میں اللہ کو آنکھوں سے دیکھنے کو ثابت کرنا تمام امت کے سلف اور اُنکے ائمہ اور چاروں مذاہب کے جمہور مسلمانوں وغیرہ کا یہی قول ہے اور محدثین کے نزدیک اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث متواترہ وارد ہیں اور جو لوگ رویت کے قائل ہیں۔ وہ سب یہ کہتے ہیں کہ بے شک لوگ اللہ کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھیں گے جیسا کہ یہی عقل سے بھی معلوم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ قیامت کے روز تم اللہ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح سورج کو دیکھتے ہو کہ تمھیں اُسکے دیکھنے میں بالکل شک و شبہ نہیں رہتا اور ایک روایت میں یہ ہے حضور انور نے فرمایا کہ کیا تمھیں ایسے وقت سورج کو دیکھنے میں کچھ شک رہتا ہے جبکہ ابر وغیرہ بالکل نہ ہو صحابہ نے عرض کیا نہیں پھر آپنے پوچھا کہ آیا چاند کے دیکھنے میں کچھ شک رہتا ہی جبکہ ابر نہ ہو عرض کیا نہیں فرمایا تو بس جس طرح تم چاند اور سورج کو دیکھتے ہو اسی طرح (قیامت کے دن) اپنے اللہ کو دیکھو گے اور جب یہ اصطلاح ہے تو بس اُسکے بعض احکام میں بعض اہل سنت کے غلطی کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اہل سنت والجماعت کے مذہب میں قدح ہی کیونکہ اہل سنت والجماعت کے ہر فریق کی عصمت کے ہم مدعی نہیں ہیں بلکہ ہمارا دعوٰی فقط اتنا ہی کہ تمام اہل سنت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے اور یہ بھی دعوٰی ہے کہ جس مسئلہ کے اندر اہلسنت اور رافضہ کا اختلاف ہو گا پس صواب (اور حق) اہلسنت ہی کے ساتھ ہو گا۔ اور رافضہ کی جب ہی کوئی بات ٹھیک ہوگی

جس وقت یہ بعض اہل سنت کے موافق ہوں گے ورنہ رافضہ کا جو قول کسی اہل سنت کے بھی موافق نہ ہوگا تو یہ ضرور اسمیں خطا پر ہونگے جیساکہ بارہ اماموں کی امامت اور اُن کی عصمت کا مسئلہ۔

دوسرا جواب

یہ ہے جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالے کو بلا مقابلہ دیکھیں گے تو وہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالے عالم کے اُوپر نہیں ہے پس جب یہ روایت ہونے کو مانتے ہیں اور رویت کے منکر ہیں تو ان پر ان دونوں مسئلوں میں جمع کرنا ضروری ہے اور یہ قول کلابیہ اور اشعریہ میں سے ایک فرقہ کا ہے سب کا قول یہ نہیں ہے بلکہ اُن کے ائمہ کا بھی یہ قول نہیں ائمہ یہ کہتے ہیں۔ کہ بے شک اللہ تعالے بذاتہ عرش کے اوپر ہے اور اُن میں سے جس نے اسکا انکار کیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس انکار اور اُسکے ملزومات کا انکار کرنے میں معتزلہ کے موافق ہوگئے ہیں۔ جب یہ لوگ اُس دلیل کے صحیح ہونے میں معتزلہ کے موافق ہوگئے۔ جس سے معتزلہ نے حدوثِ عالم پر استدلال کیا ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جسم حرکت وسکون سے خالی نہیں ہوتا اور جو ان دونوں سے خالی نہیں ہوتا ہے وہ حادث ہوتا ہے کیونکہ ایسے حوادث کا ہونا ممتنع ہے کہ جسکا اول نہ ہو تو یہ بھی اسکے قائل ہوگئے کہ ہر جسم کا حادث ہونا لازم ہے اور ممتنع ہے کہ اللہ تعالے جسم ہو کیونکہ وہ قدیم ہے اور ممتنع ہے کہ وہ کسی جہت میں ہو کیونکہ جہت میں فقط جسم ہی ہوتا ہے تو اب یہ بھی ممتنع ہوگا کہ وہ کسی دیکھنے والے کے سامنے اور مقابل ہو۔ کیونکہ مقابلہ وہیں ہوتا ہے جہاں دو جسم ہوں۔ اسمیں شک نہیں کہ جمہور جو رویت کے مقر اور منکر ہیں۔ سب یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بالکل غلط ہے اور اسیوجہ سے امام رازی نے یہ ذکر کیا ہی کہ تمام امت کے فرقے اس بارے میں مخالف ہیں لیکن وہ اس سے یہ کہتے ہیں کہ ہم رویت کو ثابت مانتے ہیں اور جہت کی نفی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آیا جو تم نے بیان کیا ہے پس اگر بلا جہت کے رویت ممکن ہوجائے تو ہمارا قول صحیح ہوگا اور اگر ممکن نہ ہو تو دونوں مسئلوں میں سے ایک میں ہمارا خطا پر ہونا لازم آئیگا یا تو رویت کی نفی میں اور یا اللہ کا اپنی مخلوق سے مبائن اور اُن سے اُوپر ہونے کی نفی میں اور جب دونوں میں سے ایک میں خطا لازم آتی ہے تو رویت کی نفی میں خطا ہونی متعین نہ ہو بلکہ اُن لوگوں کا گمان ہے کہ مباینت اور علو کی نفی میں خطا ہو اور یہاں ہمارا تمھارے موافق ہوجانا تمھارے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارے قول میں تناقض ہونا تمھارے قول کے حق ہونے پر کہ اللہ تعالے اپنی

مخلوق سے اوپر نہیں ہے دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ رویت نصوص مستفیضہ اور اجماع سلف سے ثابت ہے باوجودیکہ اسپر عقل بھی دلالت کرتی ہے اور اسوقت پس لازم حق کا حق ہے اور جب ہم نے اس حق کو ثابت کردیا اور اُسکے بعض لوازم کی نفی کردی تو یہ تناقض حق اور اُس کے لوازم کی نفی کرنے سے کم ہے اور تم نے چونکہ رویت اور علو اور مباینت سب کی نفی کردی ہے تو تمھارا قول ہمارے قول سے باعتبار عقل اور نقل ہر طرح ابعد ہے اور اگر ہمارے قول میں تناقض ہے تو تمھارے قول میں اس سے بھی زیادہ تناقض ہے باوجودیکہ تم نصوص قرآن اور حدیث اور سلف امت کے اجماع کے بھی مخالف ہو کہ ان سے صفات (باری) اور رویت اور اللہ کا عرش پر ہونا متواتر ثابت ہے اور ان نفی کرنے والوں کے پاس کوئی سند نہیں ہے نہ قرآن نہ حدیث نہ اجماع بلکہ یہ رویت فاسدہ کے ساتھ اسکا مقابلہ کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواترا اور آپ کے اتباع یعنی مہاجرین اور انصار سے ثابت ہے اور وہ تناقض یہ ہے کہ جو لوگ رویت کی نفی کرتے ہیں انکا قول یہ ہے کہ اللہ بے شک موجود ہے لیکن نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے مباین ہے نہ کسی شے کو اس سے قربت ہے نہ اُسکو کسی شے سے قربت ہے نہ اُسکو کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ اُسکے دیکھنے میں کسی قسم کا کوئی حجاب ہے نہ اُسکی طرف کوئی شے چڑھ سکتی ہے اور نہ اُس کی طرف سے کوئی شے نازل ہوتی ہے اور اسی طرح کے اور اقوال ہیں اور جسوقت کوئی ان سے کہے کہ یہ تو عقل کے خلاف ہے اور یہ صفت ایسے معدوم کی ہے جسکا ہونا بھی ممتنع ہو تو کہتے ہیں کہ یہ نفی وہم (اور خیال) سے ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جب عقل پر کوئی ایسی موجود شے پیش کی جائے جس کا جسم قایم بنفسہ نہ ہو اور رویت اسکی ممکن ہو تو عقل اسے تسلیم کر لیتی ہے پس اس وقت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مع اُسکے بلا مواجہ بھی دیکھی جائے گی پس اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو ان کا قول باطل ہو جائے گا اور اگر کہے کہ عقل اسے مانع ہے تو جواب یہ ہے کہ عقل کا اُس چیز کو مانع ہونا جسے تم موجود واجب ٹھیراتے ہو بدرجہ اولیٰ ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ کہا جائے کہ اہل حدیث اور اہل سنت اللہ کا علو اور مباینت اور رویت ثابت کرنے پر متفق ہیں۔ اور اسوقت پس جو شخص دونوں میں سے ایک کو ثابت مانے گا اور دوسرے کا منکر

ہوگا تو یہ شرع اور عقل سے اُس سے زیادہ قریب ہوگا کہ جو دونوں کی نفی کرتا ہو لہذا وہ اشعریہ جو رویت کے ثبوت کے قائل ہیں اور جہت کے منکر ہیں وہ شرع اور عقل سے اِن معتزلہ اور شیعہ کی نسبت زیادہ قریب ہیں جو ان دونوں کی نفی کرتے ہیں باقی شرع سے قریب ہونا تو اسلیئے ہے کہ آیتیں اور حدیثیں اور آثار صحابہ علو اور رویت پر دلالت کرنے میں اسقدر وارد ہیں جو شمار میں نہیں آسکتے اور اُن لوگوں کے پاس جو علو اور رویت کے منکر ہیں ادلہ شرعیہ میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو ذکر کرنے کے قابل ہو بلکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری دلیل عقل ہے سو اب ہم کہتے ہیں کہ اشعریہ تمنا فضیین کا قول اُن لوگوں کے قول سے بہتر ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب ہم عقل پر ایسی شے کا ہونا پیش کرتے ہیں کہ جسکی طرف نہ اشارہ ہو اور نہ اُس سے کوئی شے قریب ہو اور نہ اُس کی طرف کوئی شے چڑھتی ہو اور نہ اُس کی طرف سے کوئی اترتی ہو نہ وہ عالم میں داخل ہو نہ عالم سے خارج ہو نہ اُس کی طرف ہاتھ اٹھتے ہوں وغیرہ وغیرہ تو فطرت اُس کی منکر ہے۔ اور وہ تمام عقلا جن کی فطرت متغیر نہیں ہوتی سب اسکا انکار کرتے ہیں اور کبھی اقرار نہیں کرتے سوائے نفی کرنے والوں کے اقوال اور ان کی حجت کے ورنہ پس فطرت سلیمہ اسکے انکار پر خرق عادات کے انکار سے زیادہ متفق ہے کیونکہ عادات کا خلاف ہونا تمام عقلا کے ساتھ جائز ہے اور عقلاء فلاسفہ بھی اس میں ان کے موافق ہیں اب ہم کہتے ہیں کہ اگر نفی کرنے والوں کا قول حق اور قابل تسلیم ہو تو اللہ تعالے کے عرش پر ہونے کو ثابت کرنا بلا اسکے کہ وہ کوئی جسم ہو عقل کے نزدیک زیادہ قابل تسلیم اور زیادہ تر قریب ہے اور جسوقت یہ ثابت ہو گیا کہ وہ عرش پر ہے تو ایسی شے کی رویت جو انسان سے فوق ہو اگرچہ وہ جسم نہ ہو عقل کے نزدیک نفی کرنے والوں کے قول سے زیادہ تر قریب اور قابل تسلیم ہے پس معلوم ہوا کہ باعتبار عقل کے نفاۃ کے اقوال سے ان لوگوں کے قول پر رویت ہونی زیادہ قریب ہے کیونکہ نفاۃ کا قول تو تمام عقلا کی فطرت میں ممتنع ہے اسکا جواز کسی طرح ممکن نہیں۔ باقی عادات کے خلاف ہونا جائز ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے اشعریہ کا قول ہے کہ اللہ تعالے اسپر قادر ہے کہ وہ ہمارے سامنے ایسے اجسام اور اصوات پیدا کردے کہ نہ ہم انھیں دیکھ سکیں اور نہ سن سکیں اور اسپر بھی کہ وہ ہمیں ایسی شے دکھلا دے جو ہم سے بعید ہو وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ موجود اور واقع ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے اسپر

قادر ہے اور یہ نہیں ہے کہ جسپر وہ قادر ہو اُسکے موجود ہونے میں انھیں شک ہے بلکہ وہ یقیناً
جانتے ہیں کہ یہ شئے اسوقت موجود نہیں ہے اور ایک شے کے وجود کو جایز سمجھنا اور چیز ہے
اور اُسکے موجود ہونے میں شک ہونا اور چیز ہے اس ناقل کی عبارت اس کو مقتضی ہے کہ اس
شے کے موجود ہونے کو (جسپر اللہ کو قادر مانا ہے) اسوقت جایز کہتے ہیں حالانکہ یہ کوئی عاقل نہیں
کہہ سکتا۔ ہاں یہ ان سے الزام کے طور پر کہا جاسکتا ہے۔ انپر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ جب تم نے
رویت کو بلاجہت جائز کہا تو تمھیں یہ بھی جائز کہنا چاہیئے اسپر اُنھوں نے کہا کہ ہاں ہم اسے بھی
جائز کہتے ہیں (اس معنی پر) جیساکہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار ہونا جایز ہے یعنی اللہ
اسپر قادر ہے کہ وہ اپنی پاک ذات کو ہمیں دکھا دے اور باوجودیکہ یہ وہ بھی جانتے ہیں ایسا کوئی
بشر نہیں ہے جو اللہ کو دنیا میں دیکھ سکے سوائے اسکے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کو دیکھنے
میں اختلاف ہوا ہے اور ان میں سے جسکو دنیا میں دیدارِ آلہی ہونے میں شک ہو تو اس کا
باعث ان ادلہ سے جاہل رہنا ہے جو اسکی نفی کرتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں کو
دنیا میں ان ہی آنکھوں سے دیدار آلہی نصیب ہونے کی بابت اشعری نے دو قول ذکر کئے
ہیں لیکن جسپر تمام اہلسنت ہیں یہ ہے کہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا امام احمد
وغیرہ نے اس نفی پر تمام سلف کا اتفاق ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ اُنکا کسی کے بارے میں اختلاف
اور نزاع نہیں ہے۔ سوائے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحیح مسلم وغیرہ میں نبی صلے اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور اپنے وقت وفات تک یہی فرماتے رہے کہ یاد رکھنا تم میں سے
اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور موسٰی علیہ السلام نے دیدار ہونے کی درخواست کی تھی سو ان کو اللہ
نے اس سے منع کر دیا تھا سو اب ان لوگوں میں موسٰے علیہ السلام سے کوئی افضل نہیں ہے۔

روزِ ازل میں امر و نہی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اشاعرہ کا یہ بھی مذہب ہے کہ ہمکو امر و نہی اللہ تعالےٰ نے ازل
میں فرمائے تھے اور اس وقت اُسکے پاس کوئی مخلوق نہ تھی جس سے وہ کہتا کہ یا ایھا الناس اتقوا
ربکم یا ایھا النبی اتق اللہ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حالانکہ اگر کوئی شخص کسی خالی مکان میں بیٹھا

ہو اور اُسکے پاس کوئی غلام وغیرہ نہ ہو پھر وہ (خود بخود ہی) کہے کہ اے سالم کھڑا ہو اے غانم کھاؤ۔ اے نجاح آؤ تو اس سے پوچھا جائیگا کہ تو کس کو پکارتا ہے۔ وہ کہے میں اپنے ان غلاموں کو پکارتا ہوں جنھیں اب سے بیس برس کے بعد میں خریدونگا تو اُسپر اُسے سب اہل عقل بیوقوف اور احمق کہیں گے۔ پھر ان لوگوں کو کہاں مناسب ہے کہ ازل میں اللہ تعالےٰ کی طرف ایسی نسبت کریں۔ اسکا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ یہ قول کلابیہ اور ان لوگوں کا ہے جو قرآن شریف کو مخلوق کہتے ہیں جیسے کہ معتزلہ نہ کہ اُن لوگوں کا جو کلام الٰہی کو غیر مخلوق کہتے ہیں جیسے کرامیہ اور سالمیہ اور سلف اور مذاہب اربعہ کے محدثین وغیرہ بس ایسے لوگوں کے ذکر کرنے سے اُس رافضی کا مقصود پورا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ کہا جائے کہ اکثر ائمہ شیعہ بھی قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور یہی ائمہ اہل بیت سے ثابت ہے اور اسوقت کہ قول اُن ہی لوگوں کے اقوال میں سے ہوگا۔ پس اگر یہ حق نہ ہو تو ممکن ہے کہ اُن کے اور کسی قول سے جواب دیا جائے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ ایسے معدوم سے خطاب ہونا جو ابھی موجود نہ ہو بشرط اسکے وجود کے عقل کے نزدیک اس متکلم سے قریب تر ہے کہ جسکے ساتھ کلام قائم نہ ہو اور اس سے بھی کہ اللہ تعالےٰ سے صفات کمال مسلوب ہوں وہ کلام نہ کرتا ہو اور جہاں کہیں وہ دوسرے میں کلام پیدا کرے گا تو یہ کلام اُس مخلوق کے لیئے نہیں ہوگا بلکہ اُسکے خالق ہی کے لیئے ہو جائیگا۔ اور جب اُس نے کسی میں کوئی حرکت پیدا کی تو یہ حرکت اُس محل کے لیئے ہوگی جس میں یہ حرکت پیدا کیگئی ہے نہ کہ اُسکے خالق کے لیئے اور باقی اعراض کا بھی یہی حال ہے پس جب اللہ تعالےٰ کسی جسم میں کوئی عرض پیدا کرے گا تو یہ اُس جسم ہی کے لیئے صفت ہوگی نہ کہ اللہ تعالےٰ کے لیے لیکن ویسے شخص سے خطاب کرنا جسے دیکھا نہ ہو بشرط اُسکے وجود کے جائز ہے۔ چنانچہ موصی کبھی بہت سی اشیا کی وصیت کرتا اور کہتا ہے کہ میں اپنے وصی کو یہ امر کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد

ایسا ایسا عملدرآمد کرے پھر جسوقت میرا فلانا بیٹا بالغ ہو جائے تو پھر وہی میرا وصی ہے اور میں
اُسکو بھی یا ایسا ایسا کرنے کی وصیت کرتا ہوں بلکہ کبھی موصی ایسا وقف کرتا ہے جو اُسکے بعد برسوں
تک رہتا ہے لیکن اے سالم اور اے عالم کہنے والے نے اگر اس پکارنے سے خطاب حاضر کا
قصد کیا ہے جواب موجود نہیں ہے تو یہ بے شک غلطی ہے اور اگر اُسکا مقصود ایسے شخص سے
کرنا ہو جو عنقریب ہوگا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ مجھ سے ایک بہت سچے آدمی نے یہ کہا
ہے کہ میری لونڈی کے لڑکا ہوگا اور اُسکا نام غانم رکھا جائے گا سو جسوقت وہ پیدا ہو وہ آزاد ہے
اور میں اُسکو اپنی اولاد پر وصی کرتا ہوں اور اے غانم میں تجھے یہ یہ امر کرتا ہوں! تو یہ ممتنع نہیں
ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ یہاں خطاب حاضر فی العلم کے لیئے ہے اگرچہ وہ آنکھوں کے سامنے نہیں
ہے اور انسان ایسے شخص سے خطاب کیا کرتا ہے جو اس نے اپنے دل میں مستحضر کر لیا ہو اور
چند اشخاص کو یاد کر کے انھیں چند اشیا کا امر کر دیتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ اے فلانے کیا میں نے
تجھے ایسا ایسا نہیں کہا تھا۔ چنانچہ شیعہ اور سنی دونوں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں
کہ جب آپ کربلا میں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ صبراً اباعبد اللہ صبراً اباعبد اللہ۔
اِس سے وہ علم میں امام حسین کو خطاب کرتے تھے اور یہ امام حسین کے کربلا میں پہنچنے سے پہلے
کا قصہ ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال اور اُسکے خروج کا ذکر کر کے یہ فرمایا کہ اے اللہ
کے بندو ثابت قدم رہنا حالانکہ وہ اللہ کے بندے اب تک بھی پیدا نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں سب
مسلمان اپنی نمازوں میں کہتے ہیں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (یعنی اِس میں
بھی حاضر کو خطاب ہے۔) حالانکہ نبی اِن کے پاس نہیں ہیں۔ لیکن وہ ان کے دلوں میں حاضر ہیں
اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون،، (یعنی جسوقت
اللہ تعالےٰ کچھ کرنا چاہتا ہے تو اُسکا حکم یہ ہے اُس سے کہدیتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے) اور اکثر علماء
کے نزدیک یہ اُن لوگوں کو خطاب ہے جنھیں اللہ تعالےٰ فی نفسہ جانتا ہے اگرچہ وہ ابھی تک موجود نہ
ہوئے ہوں اور جس نے یہ کہا کہ اس سے مراد اسکی شرح تکوین ہے تو اس خطاب کے مفہوم کی مخالفت کی
اور آیت کو اسپر حمل کرنا ایسے معنے میں خطاب کے استعمال کرنے کو مستدعی ہے اور یہ کہ یہ اس لغت کا
طریق ہے جسپر قرآن شریف نازل ہوا ہے ورنہ کسی کو یہ مجاز نہیں ہے کہ اللہ اور اُسکے رسول کے

خطاب کو اپنے من گھڑت معنی پر حمل کر لے بلکہ قرآن شریف لغت عرب اور لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ اللہ و رسول کے خطاب میں عادت معروفہ معلوم ہے پس کسی کو اس سے نکلنا جائز نہیں ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارا مقصود ان لوگوں کی امداد کرنا نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن قدیم ہے کیونکہ یہ قول اسلام میں سب سے پہلے ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کلاب سے جاری ہوا ہے۔ اور بعد میں بہت سے فرقے اُسکے تابع ہو گئے اور اُن کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ قدیم وہ معنی ہیں جو بالذات قائم ہیں اور دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ حروف ہیں یا حروف اور اصوات دونوں ہیں۔ امام مالک شافعی احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے جو اہل سنت کہلاتے ہیں بہت سے فرقے ان دونوں قولوں کی طرف گئے ہیں اور باقی تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ کلام الٰہی منزل غیر مخلوق ہے اور بہت سے علمانے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی مشیت اور قدرت سے متکلم ہے اور ایسی ہی تصریح کی ہے کہ جب اُس نے چاہا اور جس طرح چاہا وہ ہمیشہ متکلم رہا ہے اور اسکے سوا اور بھی بہت سے اقوال ان سے منقول ہیں۔

انبیاء کا غیر معصوم ہونا

شیعی علماء کہتے ہیں کہ سوائے امامیہ اور اسماعیلیہ کے اور سب کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء اور ائمہ معصوم نہیں ہوتے پس اُنھوں نے ایسے آدمی کا مبعوث (اور پیغمبر) ہونا جائز کر دیا کہ جس سے جھوٹ بولنا۔ سہو و خطا ہونی اور چوری کرنا ممکن ہو سو اب عام لوگ اُن پر کس طرح اعتماد کرینگے اور کیونکر ان کے مطیع ہونگے۔ اور مع اس جواز کے کہ جو کچھ وہ امر کریں وہ خطا ہو تو اُن کا اتباع کرنا کیونکر واجب ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ لوگ ائمہ کو معین عدد میں محصور نہیں کرتے بلکہ جس نے کسی قریشی سے بیعت کر لی اُسی کی امامت اُن کے نزدیک منعقد ہو گئی اور تمام مخلوق پر اُس کی اطاعت کرنی واجب ہے۔ چاہے وہ انتہا درجہ کے کفر و فسوق اور عصیان میں مبتلا ہو اسکا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ کہ شیعی علماء نے جو جمہور کی طرف سے یہ قول ذکر کیا ہے کہ وہ انبیاء کی عصمت کی نفی کرتے

ہیں اور وہ اُن سے چوری کذب سرزد ہونا اور اُن کے امر میں غلطی ہونا جائز کہتے ہیں۔ سو یہ جمہور پر بہتان ہے کیونکہ وہ اسپر متفق ہیں کہ تمام انبیاء تبلیغ رسالت میں بے شک معصوم ہیں اور باتفاق تمام مسلمانوں کے امور شرعیہ میں اُن سے خطا سرزد ہونی کبھی جائز نہیں ہے اور جو کچھ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے امر و نواہی کی تبلیغ کریں باتفاق تمام مسلمانوں کے اس میں انکی اطاعت کرنی ضروری ہے اور جو کچھ وہ خبریں بیان کریں باجماع تمام مسلمانوں کے اُن میں اُن کی تصدیق کرنی واجب ہے جس چیز کا وہ امر کریں اور جس چیز سے وہ منع کریں اُن میں اُن کی اطاعت کرنی اُنکے تمام فرقوں کے نزدیک ضروری ہے۔ سوائے خوارج کے ایک فرقہ کے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان امور میں بے شک معصوم ہیں جنکی وہ اللہ کی طرف سے تبلیغ کریں نہ کہ اسمیں جسکا وہ خود امر کریں یا جس سے وہ خود منع کریں۔ مگر باتفاق اہل سنت والجماعت کے تمام مسلمانوں میں یہ لوگ گمراہ ہیں۔ ہم یہ کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص ہو جسکا قول خطا ہو تو یہ تمام مسلمانوں میں قدح نہیں ہوگی اور اگر اس طرح ہوتا تو شیعوں کی خطا سے تمام مسلمانوں کے دین میں عیب شمار ہوتا۔ اکثر آدمی یا اُن میں سے زیادہ آدمی انبیاء پر کبیرہ گناہوں کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ جمہور جو ان سے صغیرہ گناہ ہونے کو اور وہ لوگ جو اُن سے کبیرہ گناہ ہونے کو جائز کہتے ہیں سب کا بالاتفاق یہ قول ہے کہ انبیاء اپنے اُن گناہوں پر رہ نہیں سکتے بلکہ فوراً اُس سے رُک جاتے اور توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ پہلے بھی اسپر تنبیہ گزر چکی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی اسکا قائل نہیں ہے کہ پیغمبر کے امر میں باوجود غلطی اور خطا ہونے کے بھی اسکی اطاعت کرنی واجب ہے بلکہ وہ سب اسپر متفق ہیں کہ وہ امر جسکی طاعت کرنی واجب ہے وہ صواب اور صحیح ہی ہوتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ پس معترضین کا یہ کہنا کہ انبیاء کا اتباع کرنا کیونکر واجب ہے باوجودیکہ جو کچھ وہ امر کریں اسمیں خطا ہونی جائز ہے ایسا لغو ہے کہ ائمہ میں سے کسی پر لازم نہیں آتا۔ پھر ملاحظہ فرمائیے انبیاء سے اجتہاد میں غلطی ہو جانے پر بھی علماء کے دو قول مشہور ہیں اور یہ بھی اسپر متفق ہیں کہ وہ اس خطا پر رہ نہیں سکتے بلکہ منجانب اللہ فوراً مطلع ہو جاتے ہیں اور ان کی اطاعت فقط اُن اُمور میں کی جاتی ہے جنپر اُن کا عملدرآمد ہوتا رہتا ہے نہ اُس میں جسے اللہ تعالٰے بدل دے اور اس سے منع فرما دے اور اُس میں طاعت کرنے کا

امر نہ فرمائے باقی رہی ائمہ کی عصمت سو اسکا کوئی قائل نہیں ہے۔ سوائے امامیہ اور اسماعیلیہ کے ایک قول کے حالانکہ اُس قول کی کسی نے بھی موافقت نہیں کی سوائے ان ملاحدہ منافقین کے جنکے شیوخ کبار یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سے بھی پرلے درجہ کے بدتر کافر ہیں ہمارے احباب کا ہمیشہ پہلے یہ قاعدہ رہا ہے کہ یہ مسلمانوں کی جماعت سے گزر کر یہود اور نصاریٰ اور مشرکین میں ملتے ہیں یعنی اقوال اور موالاۃ وغیرہ میں اُن ہی کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اس قوم سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے کہ جو سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے علیحدہ ہو کر منافقین اور کفار کا ساتھ دے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ الم تر الی الذین تولوا قوما غضب اللہ علیہم ما ھم منکم ولا منہم ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون اعد اللہ لھم عذابا شدیدا انھم ساءو ما کانو ایعملون اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ فلھم عذاب مھین لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون یوم یبعثھم اللہ جمیعا فیحلفون لہ کما یحلفون لکم ویحسبون انھم علی شئ الا انھم ھم الکاذبون استحوذ علیھم الشیطان فانساھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون ہ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون"۔

(ترجمہ) اے نبی کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی جنپر اللہ کا غضب ہے (اب) نہ وہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے اور یہ لوگ جھوٹ بات پر حلف کرتے ہیں حالانکہ وہ اُسکے جھوٹ ہونے کو جانتے ہیں اللہ نے اُن کے لیئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک بُرا ہے وہ کام جو یہ کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی قسموں کو (اپنی) سپر بنا رکھا ہے (ذرا ذرا سی بات پر قسم کھا لیتے ہیں) پھر اُنھوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا۔ لہٰذا اُن کے لیئے ذلت دینے والا عذاب ہے۔ اللہ کے عذاب سے نہ اُن کو اُن کے مال بچا سکتے ہیں اور نہ اُن کی اولاد یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ جسدن ان سب کو اللہ زندہ کرکے

اُٹھائے گا پھر یہ اسکے سامنے قسم کھا جائیں گے۔ جیسا کہ (اے مسلمانو) تمہارے سامنے قسم کھا جاتے ہیں اور (اسپر بھی) سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ آگاہ رہو بے شک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ شیطان اُن پر غالب آگیا ہے پس اُس نے اللہ کی یاد اُن کو بھلا دی ہے یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو بے شک شیطان ہی کے گروہ والے زیانکار ہیں۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ (سب سے) زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔ اللہ لکھ چکا ہے کہ بے شک یقیناً میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور غالب ہے۔ (اے نبی) تم اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں (کبھی ایسا) نہ پاؤ گے کہ وہ اُس شخص سے محبت کریں جو اللہ اور اُسکے رسول کی مخالفت کرے گو وہ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے عزیز (کیوں نہ) ہوں۔ یہی لوگ ہیں جنکے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اور ان کی اپنی روح (یعنی قرآن) سے مدد کی اور اُنھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہی اللہ کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو بے شک اللہ ہی کے گروہ (والے) کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ آیتیں منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ منافقین اور اہل تقیہ میں جتنا فرق ہے آپ اُسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ کفار سے مسلمانوں کے خلاف ملجانا یہ اُن کا پُرانا طریقہ ہے۔ نصیر الدین طوسی اور ہلاکو خاں کا معاملہ ابھی تک بھولا نہیں ہے۔ یہ ہمارے احباب اُن سے دوستی کرتے ہیں جنپر اللہ نے غضب کیا اب یہ نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے اور اسی لیئے تمام مسلمانوں کے نزدیک ان کی قسم ہی دوسری ہے یہانتک کہ شام کے قریب ایک پہاڑ پر جب مسلمانوں کی ایسے لوگوں سے جنگ ہوئی جو مسلمانوں کے خون کرتے اور اُن کے مال لوٹتے اور مسلمانوں کے زنی کرتے تھے جب اُن سے مقابلہ ہوا تو کہنے لگے ہم تو مسلمان ہیں جواب دیا گیا تم مسلمان نہیں ہو تم کوئی اور قسم کے آدمی ہو اُسوقت انھیں بھی یقین آگیا اور اقرار کر لیا کہ بے شک مسلمانوں سے ہماری علیحدہ ہی جنس ہے کیونکہ وہ اُن سے بالکل جُدا تھے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون (۱)۔ (یعنی جھوٹ پر یہ جان بوجھ کر حلف کرتے ہیں) یہی حالت ہمارے احباب کی ہے اسیو۔۔

یہ اپنی قسموں کو سپر بنا کر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ترکوں نے مشرق کی طرف سے کفار کو نکالا یا اور چند شہروں خراسان۔ عراق۔ شام۔ جزیرہ وغیرہ پر مسلمانوں سے جنگ ہوئی اور اُن کے بہت کچھ خون کئے تو یہ کمبخت مسلمانوں کے مقابلہ میں اُنھیں لوگوں کے معاون تھے علی ہذا القیاس شام اور حلب وغیرہ گے شیعہ بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں مخالفین کی امداد پر نہایت ہی سرگرم رہے ہیں۔ اسی طرح ملک شام میں وہ نصاریٰ جنھوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی ہمارے احباب اُنکے اعلےٰ درجہ کے معاون تھے اسی طرح جس وقت عراق وغیرہ میں یہود کا غلبہ ہوا تو سب بڑے اُن کے معاون یہ ہی لوگ تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے احباب مشرکین اور یہود و نصاریٰ ہی کی معاونت کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے دشمن ہو کر دوسروں کی سلامدذکی ہے۔ پھر اس شیعی علمار کا عصمت ائمہ کا دعوے کرنا جس کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ ہاں صرف یہ کہتے ہیں کہ ائمہ معصومین سے جہان کو اللہ تعالےٰ خالی نہیں رکھتا کیونکہ اس میں ایک بڑی مصلحت اور لطف ہے اور یہ بات معلوم اور متیقن ہے کہ ایسے مفقود اور غائب سے جسکا انتظار ہی انتظار ہو کوئی مصلحت اور لطف حاصل نہیں ہو سکتا خواہ وہ مردہ ہو جیسا کہ جمہور کہتے ہیں یا زندہ ہو جیسا کہ یہ امامیہ کہتے ہیں اور یہی اُن کے پہلے باپ دادوں نے کہا ہے ان سے کوئی صلاحیت ایسی نہیں ہو سکتی جو امام معصوم ذی سلطان سے ہوا کرتی ہے جیسا کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امام تھے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب تھی ان کے باعث مسلمانوں کو سعادت نصیب ہوئی تھی ان کے بعد کوئی ایسا با حکومت نہیں ہوا جسکی عصمت کا دعوے کیا گیا ہو سوائے علی کے یہ سب جانتے ہیں کہ وہ مصلحت اور لطف جو خلفار ثلثہ کے زمانہ میں مسلمانوں کو حاصل تھا اس مصلحت اور لطف سے بدرجہا زیادہ اور بہتر تھا جو حضرت علی کی خلافت میں فتنہ و فساد پھیل کر ہوا پس جب سوائے حضرت علی کے اور کوئی ایسا نہیں ہوا جو امام ہونے کا دعویٰ کرتا اور معصوم ہوتا تو بیچارا علی کس گنتی میں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا کے بارے میں وہ مصلحت اور بھلائی جو خلفار ثلثہ کے زمانہ میں تھی حضرت علی کے زمانہ میں بہت ہی کم رہی۔ لہذا اب یقیناً معلوم ہو گیا کہ جس مصلحت وغیرہ کا ائمہ معصومین سے حاصل ہونے کا یہ لوگ دعوے کرتے ہیں بالکل غلط اور جھوٹ ہے پھر رجال غیب

کی ایک کہانی ہے اور لطف یہ ہے کہ ان کے قیام کی جگہ بھی یاروں نے مقرر کردی ہے مثلاً کوہ لبنان کوہ قاسیون۔ مغارۃ العدم۔ کہتے ہیں کہ یہاں ان کی زیارت ہوتی ہے اور یہیں رجال غیب آکے جمع ہوتے ہیں۔ سمجھ لیجئے کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو بھلا اُسکی عقل سالم کس طرح رہ سکتی ہے ہاں وہ مشائخ جو رجال غیب کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں اتنی خرابی اور بُرائی نہیں ہے جتنی ان لوگوں میں ہے جو امام معصوم کے مدعی ہیں بلکہ وہ خرابی اور برائی جو اُن لوگوں میں ہے سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ لوگ امام معصوم کا دعوے تو بے شک کرتے ہیں لیکن ایسا کوئی امام ہتیار بندان میں کبھی نہیں ہوتا جس سے یہ امداد لیں بلکہ کوئی کافر یا فاسق یا منافق یا جاہل انھیں مل جاتا ہے جسے یہ امام بنا لیتے ہیں لہذا ان قسموں سے یہ علیحدہ نہیں ہوسکتے اب رہ گئے اسماعیلیہ فرقے والے وہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ امام معصوم کے مدعی تو وہ بھی ہیں اور انجام اُن کے دعوے کا صرف چند ملحدین منافقین فاسقین کیطرف نکلتا ہے اُنھیں میں بعض وہ لوگ ہیں جو در پردہ یہود اور نصاری سے بھی بدتر ہیں جو لوگ معصوم کے مدعی ہیں وہ سلطان معصوم کے (درحقیقت مدعی نہیں ہیں بلکہ سلطان کافر یا ظالم کے مدعی ہیں اور یہ امر مشہور ہے ہر ایک ایسا شخص اُسے پہچان سکتا ہے جسے اُنکے حال کی کچھ بھی اطلاع ہو حالانکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔ (یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہوجاؤ تو اگر تم اللہ اور قیامت پر دل سے) ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور اُسکے رسول کے پاس لے جاؤ۔ یہ (تمھارے حق میں) بہتر اور باعتبار انجام کے اچھا ہے) پس باہمی اختلاف ہوتے وقت مسلمانوں کو اللہ نے حکم دیدیا کہ وہ اُسے اللہ اور رسول کی جناب میں پیش کیا کریں اور اگر سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آدمیوں میں اور کوئی بھی معصوم ہوتا تو اختلافی معاملہ کو اُس پر پیش کرنے کے لیئے اللہ تعالےٰ ضرور فرماتا۔ پس قرآن شریف سے معلوم ہوگیا کہ سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی معصوم نہیں ہے۔

ائمہ کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنی ائمہ کو کسی معین عدد میں محصور نہیں کرتے سو یہ نہ کرنا حق ہے
وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے - یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم،، (یعنی اے ایمان والو اللہ اور رسول اور ذوی اختیار لوگوں کی اطاعت کرو)
تو اس آیت میں اللہ نے کوئی عدد معین نہیں فرمایا - اسی طرح ان احادیث میں ہے جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ آپ نے بھی با اختیار لوگوں کو کسی خاص عدد میں معین نہیں کیا
چنانچہ صحیحین میں ابو ذر رضی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے مکرم دوست نے مجھے وصیت فرمائی تھی
کہ میں (اپنے حاکم کا) کہنا سنکر اسکی اطاعت کروں اگرچہ وہ کوئی غلام حبشی لنگڑا لولا کیوں نہ ہو اور صحیح
مسلم میں ام الحصین سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں منا یا عرفات کے موقع پر
میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اگر تم پر کوئی حبشی لنگڑا لولا حاکم بنا دیا
جائے کہ وہ تمھیں کتاب اللہ کے موافق چلائے تو تم ضرور اسکا کہا ماننا اور اطاعت کرنا - بخاری نے
انس بن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (حاکموں کا)
کہا ماننا اور اُن کی اطاعت کرنا اگرچہ تمھارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی ہو کہ اسکا سر بھی (چھوٹا سا) منقی سا
ہو - صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جب تک دو آدمی بھی باقی رہیں تو یہ امر (خلافت) قریش ہی میں رہے گا - صحیحین میں ابو ہریرہ رضی
اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امر میں تمام لوگ قریش
کے تابع رہیں گے ان کے مسلمان ان کے مسلمانوں کے تابع اور انکے کافر ان کے کافر کے تابع حضرت
جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ بھلائی
اور بُرائی میں قریش کے تابع ہیں - بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں
میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ یہ امر قریش ہی میں
رہیگا اور جو کوئی اُن سے دشمنی کرے گا اللہ تعالٰے اُسے انتہا درجہ ذلیل کرے گا لیکن جب ہی
تک کہ یہ دین کو ٹھیک رکھیں گے -

قریشی کی بیعت

پھر شیعی علماء یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں کا یہ عقیدہ ہے جو شخص قریشی سے بیعت کرلے اُسی کی امامت منعقد ہوجاتی ہے اور تمام مخلوق پر اُس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے اگرچہ اسمیں انتہا درجہ کا کفر اور فسق اور نفاق ہی پوشیدہ ہو۔

پہلا جواب

اوّل یہ کہ یہ قول اہلسنت والجماعت کا نہیں ہے اور نہ یہ اُنکا مذہب ہے کہ فقط ایک قریشی کے بیعت کرنے سے اس کی بیعت منعقد ہوجائے گی اور لوگوں پر اُسکی اطاعت واجب ہو گی اگرچہ بعض اہل کلام نے ایسا کہا ہے لیکن اہلسنت والجماعت کے ائمہ کا قول یہ نہیں ہے بلکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ جو شخص بلا مشورہ مسلمانوں کے کسی سے بیعت کرے گا تو اُن کی بیعت نہ ہو گی۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ یہ حدیث پوری آگے آجائے گی۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ امام جو امر کرے ہر امر میں اسکی اطاعت کرنے کو یہ لوگ جایز ہی نہیں کہتے بلکہ اسکی اطاعت کو فقط اُنھیں امور میں واجب کہتے ہیں جہاں شریعت میں اُن کی اطاعت کرنی جایز ہو پس اللہ کی معصیت میں امام کی اطاعت کرنی جائز نہیں ہے اگرچہ وہ امام عادل ہی ہو پس جو وقت وہ طاعت الٰہی کا امر کرے گا تو لوگ اُس کی اطاعت کرینگے مثلاً لوگوں کو نماز پڑھنے زکوٰۃ و صدقہ دینے عدل اور حج کرنے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے کا وہ امر کرے پس درحقیقت اُن لوگوں نے اللہ ہی کی اطاعت کی ہے اور کافر اور فاسق جسوقت ایسا امر کرے جسمیں طاعت الٰہی ہو تو اس فاسق کے امر کرنے کی وجہ سے اسکا وجوب ساقط نہیں ہوگا جیسے کوئی اگر حق بات کہے تو اُس کی تکذیب کرنی جایز نہیں ہے اور نہ محض اسوجہ سے کہ یہ فاسق کا قول ہے اُس حق کے اتباع کا وجوب ساقط ہوتا ہے پس اہل سنت بااختیار لوگوں کی مطلقاً اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طاعت کے ضمن میں اُن کی اطاعت کرتے ہیں جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔ پس اللہ کی طاعت کا تو مطلقاً حکم ہے اور رسول کی

طاعت کا اسلیئے حکم ہے کہ آپ بھی اللہ ہی کی طاعت کا حکم کرتے ہیں (خود اپنی طرف سے یا اپنی طاعت کے لیئے نہیں فرماتے) لہذا جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے یقیناً اللہ ہی کی طاعت کی اولی الامر کی طاعت کو بھی اس میں داخل رکھا ہے اِن کے لیئے تیسری طاعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اولی الامر کی مطلقاً طاعت نہیں کی جاتی بلکہ نیک ہی امور میں اطاعت کی جاتی ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما الطاعة فی المعروف اور فرمایا لا طاعة فی المعصیة ولا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (یعنی معصیت میں اطاعت نہ کرنی چاہیئے اور مخلوق کو اس امر میں طاعت نہ کرنی چاہیئے جسمیں خالق کی نافرمانی ہو) پھر فرمایا۔ من امرکم بمعصیة اللّٰہ فلا تطیعوہ (یعنی جو شخص تمہیں اللہ کی معصیت کا امر کرے تو تم اسکی اطاعت نہ کرو) اور یہ لوگ جو حضرت علی کے شیعہ کی طرف منسوب ہیں اُن کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غیر کی اطاعت کرنی بھی جو کچھ وہ امر کرے واجب ہے یہ اُن لوگوں کے قول سے بھی بدتر اور غلط قول ہے۔ جو حضرت عثمان کی طرف منسوب ہونے والے شیعہ باشندگان ملک شام کہتے ہیں کہ اولی الامر کی طاعت کرنی مطلقاً واجب ہے کیونکہ یہ لوگ ذی حکومت کی طاعت کرتے ہیں اور وہ موجود ہے اور امامیہ معصوم مفقود کی اطاعت کو واجب کہتے ہیں۔ علاوہ اسکے یہ لوگ اپنے ائمہ کے لیئے اس عصمت کا دعوےٰ نہیں کرتے جسکے ہمارے احباب مدعی ہیں بلکہ یہ اُن کو مثل خلفاء راشدین کے سمجھتے ہیں یا یہ کہتے ہیں ...... کہ اللہ تعالےٰ ان کی حسنات کو قبول فرماتا ہے اور سیئات سے درگذر کرتا ہے یہ اُن لوگوں کے قول سے بہت کم ہے جو کہتے ہیں کہ ائمہ معصوم ہیں وہ کبھی خطا نہیں کرتے پس معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے شیعہ اگرچہ بعض امور میں حق اور عدل سے خارج ہیں لیکن امامیہ کا حق اور عدل سے خارج ہونا اُن سے زیادہ ہے پس ائمہ سنت جو قرآن اور حدیث کے موافق ہیں اُن کے قول کا مقابلہ کیونکر ہو سکتا ہے اور وہ قول یہ ہے کہ اولی الامر کی طاعت کرنے کا حکم فقط انھیں امور میں ہے جو طاعت الٰہی کے موافق وہ حکم کریں نہ کہ اس میں کہ وہ اللہ کی معصیت کا حکم کرنے لگیں۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ علمار کا اس بارے میں جو اختلاف ہے کہ جو اولوالامر فاسق اور جاہل ہو آور اللہ کی اطاعت

کا حکم کرے تو اُسکی اطاعت کی جائے گی یا نہیں اور اُسکا حکم جاری ہوگا یا نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جسوقت وہ انصاف سے کسی شے کو تقسیم کرے تو اسکی یہ تقسیم تسلیم کی جائے گی یا نہیں امام اکبر اور قاضی وغیرہ کے درمیان میں فرق ہے۔ غرضکہ یہ تین قول ہیں اہل سنت کے نزدیک سب میں زیادہ ضعیف قول اسکے تمام امور اور اسکے حکم اور اسکی تقسیم کو رد کر دینا ہے اور محدثین اور ائمہ فقہا کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ طاعت الٰہی میں مطلقاً اس کی اطاعت کی جائے اور تیسرا قول یہ ہے کہ امام اکبر اور قاضی وغیرہ میں فرق ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جسوقت یہ فسق و فجور کرے تو بلا فتنہ و فساد پھیلے اسکو معزول کرنا ممکن نہیں ہے بخلاف حاکم وغیرہ کے کہ اسکو بدون اسکے بھی معزول کر دینا ممکن ہے اور یہ فرق ضعیف ہے کیونکہ حاکم کو جب کسی صاحب شوکت نے حاکم کر دیا تو اب بلا فتنہ پھیلے اسکو معزول کر دینا بھی ممکن نہیں اور جب اسکے رکھنے سے موقوف اور معزول کرنے میں زیادہ فساد کا خیال ہو تو ادنی درجہ کے فساد کو دفع کرنے کے لیئے اعلیٰ درجہ کے فساد کو اختیار کرنا جائز نہیں مشہور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ ائمہ کا مقابلہ کرنا اور ان کے ساتھ تلوار سے لڑنا جایز نہیں ہے اگرچہ وہ ظلم ہی کرتے ہوں۔ چنانچہ احادیث صحیحہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اسپر دال ہیں یہ بات مذہبی ہے کہ محض اُن کے ظلم سے اتنا فتنہ و فساد نہیں پھیلتا جتنا کہ اُن سے خلاف کرنے میں فساد پھیلتا ہے اور جس فرقہ نے کسی ذی حشمت حاکم کا کبھی مقابلہ کیا ہے تو اُن کے مقابلہ کرنے میں اِس سے زیادہ فساد ہوا ہے جو ان کے مقابلہ نہ کرنے سے ہوتا علاوہ ازیں ہر ظالم اور ہر باغی خواہ وہ کیسے ہی ہوں اللہ تعالےٰ نے بھی سب سے لڑنے کا حکم نہیں دیا اور نہ باغیوں سے ابتداءً لڑنے کا حکم کیا ہے بلکہ یہ فرمایا۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل۔ (یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اُس سے تم (سب ملکر) لڑو یہانتک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ (صلح کیطرف) رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان میں برابری کی صلح کرادو) غرضکہ باغیوں سے لڑنے کا ابتداءً حکم نہیں فرمایا تو اب اولوالامر سے ابتداءً جنگ کا کیونکر حکم ہو سکتا ہے صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیکون امراء

تعرفون وتنکرون فمن عرف برئ ومن انکر سلم ولکن من رضی وتابع» یعنی عنقریب ایسے حاکم ہونگے
کہ ان کے بعض امور کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر سو جس نے معروف دیکھا وہ بھی بری ہوگا
اور جس نے منکر کو سمجھا وہ بھی سلامت رہے گا لیکن جس نے ان سے راضی ہو کر ان کی بیعت کر لی
وہ تباہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا (یا رسول اللہ کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں فرمایا نہیں جب تک کہ وہ
نماز پڑھے جائیں) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود یہ بیان کر دینے کے کہ وہ منکر کرینگے پھر
بھی انکے ساتھ جنگ کرنے سے منع فرما دیا اس سے معلوم ہوا کہ تلوار سے ان کا مقابلہ کرنا جایز نہیں ہے
جیسا خوارج زیدیہ معتزلہ اور ایک گروہ فقہا وغیرہ میں سے اولو الامر سے مقابلہ کرنے کو جایز کہتے ہیں اور
صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے
فرمایا۔ انکم سترون بعدی اثرۃ وامورا تنکرونہا قالوا فما تامرنا یا رسول اللہ قال تؤدون الحق الذی
علیکم وتسالون اللہ الذی لکم» یعنی میرے بعد میں بہت سے حاکم ایسے ہونگے جنھیں تم برا سمجھو گے۔
(یعنی درحقیقت وہ خلاف شریعت ہونگے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمیں ان کے بارے
میں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تمھارے ذمہ جو کچھ انکا حق ہو اُسے ادا ہی کرتے رہنا اور اپنے حق کی
اللہ سے دعا کرتے رہنا) یہاں حضور انور نے یہ بیان فرما دیا کہ بے شک امراء اور حاکم لوگ ظلم اور خلاف
شریعت امور کرینگے اور باوجود اسکے ہمیں یہی ارشاد فرما دیا کہ ہمارے ذمہ ان کا جو حق ہو اُسے
ادا ہی کرتے رہیں اور ہم اپنے حق کی اللہ سے دعا کرتے رہیں ہمیں ان کا حق ادا نہ کرنے کی اجازت
نہیں دی صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا
من رای من امیرہ شیئا یکرہہ فلیصبر علیہ فانہ من فارق الجماعۃ شبرا فمات مات میتۃ جاہلیۃ
(یعنی جسنے اپنے حاکم سے کوئی خلاف شریعت امر دیکھا تو اُسپر اُسے صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو شخص جماعت
سے ایک بالشت بھر بھی علیحدہ ہو کر مر گیا تو گویا وہ جاہلیت کا مرنا مرا۔) اور ایک روایت میں اس طرح ہے
من خرج من سلطان شبرا فمات مات میتۃ جاہلیۃ (یعنی جو بادشاہ کے حکم سے ایک بالشت بھر
بھی علیحدہ ہو کر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں حضور انور کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے
جسوقت آپ نے یہ فرمایا کہ وہ امرا نہ میری ہدایت پر رہیں گے اور نہ میرے طریقہ پر چلیں گے تو اسپر
حذیفہ نے پوچھا تھا یا رسول اللہ اگر میں اس زمانہ میں ہوا تو کیا کروں حضور نے فرمایا کہ تم اپنے حاکم کا

کہا ماننا اور اطاعت کرنا اگرچہ وہ (ناحق) تمہیں پٹوائے اور تمہارا مال چھین لے لیکن تم اُس کی اطاعت ہی کرنا باوجود اسکے ظلم کرنے کے بھی اسکی اطاعت ہی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور انور کا یہ قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ من ولی علیہ وال فراٰہ یاتی شیئاً من معصیة اللّٰہ فلیکرہ ماٰیاتی من معصیة اللّٰہ ولا ینزعن یداً عن طاعة ،، یعنی جو کسی پر کوئی حاکم کر دیا جائے اور پھر یہ اُس سے ایسا امر دیکھے جسمیں اللہ کی معصیت ہو تو اُسے چاہیئے کہ اِس معصیت خداوندی کو بُرا سمجھے لیکن طاعت کرنے سے ہاتھ نہ موڑے) پھر عبادہ کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بیعت کی تھی کہ ہم اپنی خوشی اور ناخوشی تنگی اور فراخی ہر حالت میں آپ کی اطاعت کریں گے اور یہ کہ اولوالامر کا ہم کبھی خلاف نہ کریں گے ہاں اگر ہم انکا صریح کفر دیکھیں اور ہمارے پاس من جانب اللہ اِسکی کوئی دلیل ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ہم جہاں کہیں ہوں حق کہیں یا حق پر قائم رہیں اور اللہ کے (احکام کے) بارے میں کسی کی ملامت وغیرہ کا اندیشہ نہ کریں۔

چوتھا جواب

ہم نے یہ مان لیا کہ ہر متولی میں عدل ہونا شرط ہے تو پس اب اُسی کی اطاعت کیجائیگی جو عادل ہو نہ کہ اُس کی جو ظالم ہو اور یہ سب جانتے ہیں کہ حاکموں میں عدل کا شرط ہونا اس درجہ کا نہیں ہے جیساکہ گواہوں میں شرط ہے کیونکہ گواہ کبھی ایسے امر کی بھی گواہی دیدیتا ہے جسکی اُسے خبر نہ ہو پس اگر وہ عادل نہ ہوگا تو اُسکی گواہیوں میں اُسکا سچا ہونا معلوم نہ ہوگا بخلاف حاکم کے کہ وہ ایسے امر کا حکم کیا کرتا ہے جسمیں اُسکی ذاتی رائے کو بڑا دخل ہے۔ لہذا وہاں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیا یہ اللہ کی طاعت ہے یا کہ معصیت اسیواسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ ان جاءکم فاسق بنباً فتبینوا۔ (یعنی اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو لائے تو تم تحقیق کر لیا کرو) تو فاسق کے خبر لانے پر اللہ نے تحقیق کر لینے کا امر فرمایا ہے یہ سب جانتے ہیں کہ ظلم فعل طاعت سے نہیں روکتا اور نہ اُسکا امر کرنے سے روکتا ہے۔ یہ امر ایسا ہے کہ امامیہ بھی اسپر متفق ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی یہ نہیں کہتے کہ اہل کبائر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے پس فسق اُنکے نزدیک کل حسنات کو برباد نہیں کرتا۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو اس بارے میں اُن کے مخالف ہیں جیسے زیدیہ معتزلہ۔ خوارج۔ جو کہتے ہیں کہ فسق تمام حسنات کو برباد کر دیتا ہے اور اگر تمام حسنات برباد ہو جائیں گی تو پھر ایمان بھی نہ رہے گا

اور جب ایمان نہ رہا تو وہ شخص کافر مرتد ہو جائے گا اُس وقت اُسکا قتل کرنا واجب ہوگا حالانکہ نصوص قرآن حدیث اور اجماع اس پر دال ہیں کہ زانی ۔ سارق ۔ قاذف اپنی اپنی خطاؤں میں قتل نہ کئے جائیں بلکہ اُنپر سزا قائم کی جائے پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ مرتد نہیں ہوتے اور اسی طرح اللہ کا یہ فرمانا وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما الایۃ ایمان ہونے اور باوجود لڑائی اور سرکشی کرنے کے اخوت (اسلامی) رہنے پر دلالت کرتا ہے ۔ صحیح حدیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ۔ من کانت عندہ لاخیہ مظلمۃ من عرض او شیء فلیتحلل منہ الیوم قبل ان لا یکون درہم ولا دینار ان کان لہ عمل صالح اخذ منہ بقدر مظلمتہ وان لم یکن لہ حسنات اخذ من سیئات صاحبہ فطرح علیہ ثم القی فی النار، یعنی جسکے ذمہ کبھی اپنے (مسلمان) بھائی کا حق ہو تو اُسے چاہیئے کہ جلد اُس سے سبکدوش ہو جائے قبل اسکے کہ نہ اسکے پاس کوئی درہم رہے نہ دینار (اور وہ دن قیامت کا ہے) اگر اُسکے پاس عمل صالح ہیں تو وہ اپنے حق کے موافق اسمیں سے لے لیگا اور اگر اسکے پاس (عمل صالح اور) حسنات بالکل نہیں ہیں تو اُسکی سیات اُسکے ذمہ لکھکر اُسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا) اسی طرح ایک صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم اپنے گروہ میں مفلس کسے سمجھتے ہو عرض کیا حضور مفلس ہم میں وہ ہے کہ نہ اُسکے پاس درہم ہو اور نہ دینار ۔ فرمایا (یہ مفلس نہیں) مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر حسنات لیکر آئے مگر (اُسکے ذمہ اوروں کے یہ حق ہوں کہ) کسیکو اُس نے بُرا کہا ہو کسیکا مال چھینا ہو کسی کی خونریزی کی ہو کسی کو تہمت لگائی ہو کسی کو مارا ہو پس اُس کی حسنات میں سے کچھ یہ لے لیں گے کچھ وہ لے لیں گے (سب اسی طرح تقسیم ہو جائیں گے) اور جب اُسکے حسنات ختم ہو جائیں گے اور اُن کے حق اگر اب بھی پورے نہ ہوئے ہوں تو انکی خطائیں اُسکے ذمہ لکھکر پھر اُسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ ان الحسنات یذھبن السیئات (یعنی حسنات سیات کو کھو دیتی ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ آدمی گنہگاری کی حالت میں بھی حسنات کرتا ہے جن سے اُسکے گناہ مٹ جاتے ہیں ورنہ اگر سیات توبہ وغیرہ سے پہلے ہی جاتی رہتیں تو پھر حسنات ان کو نہ کھوتیں باقی یہ موقع اُس کی تفصیل بیان کرنے کا نہیں ہے ۔ مقصود یہاں یہ ہے کہ فسق کو اللہ تعالےٰ نے خبر کے قبول کرنے سے مانع ٹھیرایا ہے

مگر فسق ہر نیکی کے کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ حدیث اور اجماع سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گواہ
فقط عادل ہی لوگ بنائے جاتے ہیں پھر اسمیں فقط ظاہری ہی عدالت کافی ہوجاتی ہے تو جو وقت
اولوالامر ہونے میں عدالت کو شرط ٹھیرایا جائے گا تو وہاں ظاہری عدالت بدرجہ اولی کافی ہوگی
پس معلوم ہوا کہ ولایت میں علم اور عدالت کی اتنی زیادہ شرط نہیں ہے جتنی شہادت میں ہے اس سے
صاف ظاہر ہوگیا کہ امامیہ اور تمام علما اسکو جائز سمجھتے ہیں کہ امام کے نائب غیر معصوم ہوں اور یہ کہ امام
اُن کی عصمت سے آگاہ نہ ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور انور نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حاکم
(اور والی) کردیا تھا پھر اُس نے اُن لوگوں کی جنگ کی آپ کو خبر دی جنکی طرف حضورؐ اُسے بھیجتے تھے
اسپر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یاایھاالذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان
تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (یعنی اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی
خبر کو لائے تو (بے) تحقیق (اُسپر عمل) کیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم پر جا پڑو پھر اپنے
کئے پر پشیمان ہو) دیکھو حضرت علی کے اکثر نائب یعنی خلیفہ آپ کی خیانت کرتے تھے اور بعض اُن میں آپ
سے (ناراض ہوکر) بھاگ بھی گئے تھے آپ کا اپنے نائبوں کے ساتھ برتاؤ کرنا سب کو معلوم ہے اس سے
معلوم ہے کہ امام کے معصوم ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ظاہر کا اعتبار نہ کیا کرے اور ایسے مفاسد
پیش نہ آیا کریں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ائمہ میں عصمت شرط ہونا نہ مقدور ہے نہ مامور ہے اور نہ دین و دنیا
میں اُس سے کوئی منفعت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ عابدوں میں اکثر لوگ شیخ میں یہ شرط لگاتے ہیں
کہ وہ ایسے امور جانتا ہو جنھیں بشر میں کوئی بھی نہ جان سکے پس یہ لوگ شیخ کی طرف ایسی صفات کو منسوب
کرتے ہیں جو امامیہ کے نزدیک معصوم کی صفات کی قسم میں سے ہیں یہانتک کہ انجام کار یہ لوگ کسی ظالم یا
جاہل شیخ کے پیرو ہوجاتے ہیں اور وہ کسی ظالم جاہل حاکم کے مطیع بنجاتے ہیں اِن کی مثال ایسی ہے کہ
ایک شخص کو بھوک لگی اُس نے کہا میں شہر کا کھانا کبھی نہ کھاؤنگا۔ جب تک کہ میرے لیئے اہل بہشت
کے کھانے جیسا کھانا نہ آئے پھر وہ نکل کر جنگل چلا گیا اور سوائے چوپایوں کی گھاس کے اور وہاں اُسے کچھ
نہ ملا لیکن وہ طعام جنت ہی پکارتا پھرے گیا یہانتک کہ بھوک کے مارے اخیر اُسے گھاس ہی کھانی پڑی
بس یہی مثال اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو زہد وورع میں زیادہ غلو کرکے یہانتک بڑھتے ہیں کہ عدل شرعی کی حد
سے نکل جاتے ہیں انکا آخر بھی رغبت فاسدہ اور رجوع محارم پر یہی ہوجاتا ہی جیسا کہ اکثر دیکھا اور تجربہ کیا گیا ہے۔

اہل سنت اوراُن پر قیاس کا الزام

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اہل سنت میں سے تمام لوگ قیاس کو مانتے اور رائے پر عمل کرتے ہیں۔ اسکی وجہ سے اُنھوں نے دین الٰہی میں وہ امور داخل کر دیئے ہیں جو درحقیقت دین میں نہ تھے احکامِ شریعت کو بدل ڈالا ہے۔ چار مذہب گھڑ لیے ہیں جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اور صحابہ کے اقوال کو مہمل سمجھ لیا ہے باوجودیکہ اُنھوں نے قیاس کے کرنے پر نص (اور تشریح) کردی تھی اور یہ فرما دیا تھا کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے۔ فقط شیعی علماء کا الزام ختم ہوگیا۔

پہلا جواب

اول یہ کہ ان تمام اہل سنت پر جو خلفاء ثلثہ کی امامت کے قایل ہیں یہ دعوی کرنا کہ وہ قیاس کے قائل ہیں بالکل جھوٹا دعوٰے ہے کیونکہ ان میں بہت سے فرقے ایسے نکلتے ہیں جو قیاس کے قائل نہیں جیسے معتزلہ اسی طرح بغداوین اور اہل ظاہر مثل داؤد اور ابن حزم وغیرہ ان کے علاوہ ایک فرقہ محدثین اور صوفیہ کا بھی ہے جو قیاس کے قائل نہیں ہے۔ علاوہ اسکے شیعہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو قیاس کے قایل ہیں جیسے کہ زیدیہ پس یہ نزاع شیعہ میں بھی ہوگیا جیسا کہ اہل سنت والجماعت میں ہے

دوسرا جواب

قیاس اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ ایسے شخص کی تقلید کرنے سے (بدرجہا) بہتر ہے جو علم میں مجتہدین کے مبلغ علم کو نہ پہنچا ہو کیونکہ جس میں کچھ بھی علم اور انصاف ہے وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ امام مالک۔ لیث بن سعد۔ اوزاعی۔ امام ابوحنیفہ۔ امام ثوری۔ ابن ابی لیلےٰ۔ اور امام شافعی۔ امام احمدؒ۔ امام اسحاق۔ ابی عبیدہ۔ ابی ثور۔ جیسے لوگ علم اور فقہ دونوں میں عسکریین وغیرہ سے بہت زیادہ ہیں۔ اسکے علاوہ یہ لوگ اُس سے بہت بہتر ہیں جسکا انتظار ہی انتظار ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہے گا اور ان حضرات میں سے اگر کسی کے پاس ایسی نص ہو جو حضور انور سے منقول ہو تو اس میں شک نہیں کہ یہ نص جو حضور انورؐ سے منقول ہے قیاس پر بے شک متقدم ہوگی اور اگر کسی کے پاس کوئی نص نہیں ہے اور نہ قیاس سے کہہ سکتا ہے تو وہ جاہل ہوتا ہے اور وہ قیاس جو مفید ظن ہو محض جہل سے بہتر ہے جسمیں نہ علم ہو نہ ظن ہو۔

تیسرا جواب

جن لوگوں نے دین الٰہی میں وہ امور داخل کر دیئے ہیں جو دین میں نہ تھے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے ایسے لوگ ہمارے مہربانوں میں سے زیادہ کسی فرقہ میں نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے اللہ کے دین میں حضور انور پر اسقدر جھوٹ بولا ہے کہ اور کسی نے اتنا جھوٹ نہیں بولا اور صدق کا اس قدر رد کیا ہے کہ اور کسی نے اتنا رد نہیں کیا۔ پھر قرآن شریف کی اسقدر تحریف کی ہے کہ اور کسی نے اتنی تحریف نہیں کی جیسا کہ اس آیت کی بابت "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" (ترجمہ) اے مسلمانو! تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اسکا (برگزیدہ) رسول اور وہ مسلمان جو (نہایت) خشوع کی حالت میں نماز پڑھا کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس وقت آپ نے نماز پڑھتے ہوئے انگوٹھی صدقہ کر دی تھی اور آیت مرج البحرین میں بحرین سے مراد علیؓ اور فاطمہؓ زہرا ہیں۔ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان سے مراد حسن اور حسین ہیں وکل شئ احصیناہ فی امام مبین میں امام سے مراد علی بن ابی طالب ہیں ان اللہ اصطفٰی آدم و نوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین" میں آل عمران سے مراد آل ابی طالب ہے اور ابو طالب کا نام عمران تھا۔ فقاتلوا ائمۃ الکفر میں ائمہ کفر سے مراد طلحہ اور زبیر ہیں۔ والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن میں شجرہ سے مقصود بنو امیہ ہیں۔ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ سے مراد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں (نعوذ باللہ) ولئن اشرکت لیحبطن عملک میں شرک سے مراد ابو بکرؓ اور علیؓ کو ولایت میں برابر سمجھنا ہے غرض اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ان کتابوں میں موجود ہیں پھر ان ہی میں سے اسماعیلیہ اور نصیریہ فرقہ کے لوگ ہیں جو واجبات اور محرمات کی تاویل کرتے ہیں گھسے ہوئے ہیں پس یہی لوگ ائمہ تاویل ہیں جنھوں نے تمام الفاظ اور کلموں کو اُن کے موقعوں سے بدل ڈالا ہے اور جو شخص ان میں تدبر اور غور کرے تو وہ ان میں سراسر کفر معانی کی تعریف اسقدر پائیگا کہ مسلمانوں کے کسی فرقہ میں بھی اسقدر نہیں ہے اور ان لوگوں نے یقیناً سب سے زیادہ وہ امور دین میں داخل کر دیئے جو درحقیقت دین میں نہ تھے اور کتاب اللہ کی اسقدر تحریف کی ہے کہ اور کوئی تحریف کرنے میں اُن کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ان لوگوں نے چار مذہب ایسے گھڑ لیئے ہیں کہ نہ وہ حضور انور کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اور صحابہ کے اقوال کو مہمل سمجھ لیا ہے تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ جب صحابہ کی مخالفت اور اُن کے اقوال سے عدول کرنا امامیہ کے نزدیک بھی خلاف ہے تو صحابہ سے محبت کرنے اور دوستی رکھنے اور تمام قرون پر اُنھیں فضیلت دینے پر وہ بھی متفق نہ رہے نہ اسپر کہ انکا اجماع حجت ہے یا اُن کے اجماع سے علیحدہ قول کرنے کا کسیکو مجاز نہیں ہے بلکہ عام ائمہ مجتہدین اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ ہمارے لیئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ہم صحابہ کے اقوال سے علیحدہ ہوں پھر صحابہ کی مخالفت سے ایسا شخص انھیں کس طرح طعنہ دے سکتا ہے جو یہ کہتا ہو کہ صحابہ کا اجماع حجت نہیں ہوتا ادھر ان میں کفر وظلم ہونا بیان کرے پس اگر صحابہ کا اجماع حجت ہے تو وہ دونوں فریق پر حجت ہے اور اگر حجت نہیں تو ان پر اس سے حجت نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہے کہ اہل سنت اسے حجت ٹھیرا کر اسکی مخالفت کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کی بابت ہرگز یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کے اجماع کی مخالفت کرنے کے عترۃ نبویہ کے اجماع کی مخالفت کرنے پر بھی سب متفق ہیں کیونکہ حضور انورؐ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں کوئی سُنی ہاشم بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ تھا اور نہ حضور انور کے بعد کسی کے معصوم ہونے کا کوئی قائل ہوا اور نہ خلفار ثلثہ کے کفر کا کوئی قایل ہوا بلکہ ان کی امامت میں کسی نے کچھ طعن تک بھی نہ کیا اور نہ کوئی انکی صفات کا منکر ہوا نہ کسی نے تقدیر کی تکذیب کی ہاں اسکے مقابلہ میں عترۃ نبویہ کی مخالفت پر امامیہ بیشک متفق ہیں۔ ساتھ ہی یہ اجماع صحابہ کی بھی مخالفت کرتے ہیں پس یہ اُن لوگوں کو کیونکر بُرا کہہ سکتے ہیں جو نہ اجماع صحابہ کے مخالف ہیں اور نہ اجماع عترت کے مخالف ہیں۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ شیعی علمار کا یہ کہنا کہ سنیوں نے چار مذہب ایسے ایجاد کر لیئے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے تو اس سے مراد اگر یہ ہے کہ باوجود صحابہ کی مخالفت کے اُنھوں نے چار مذہب ایجاد کر کے سب نے اُنپر اتفاق کر لیا ہے تو یہ اُنپر اتہام اور بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ سب ائمہ ایک ہی زمانہ میں نہیں ہوئے بلکہ امام ابو حنیفہ رح کا وصال سنہ ۱۵۰ھ میں ہوا ہے اور

امام مالک کا وصال ۱۷۹ھ میں ہوا ہے اور امام شافعی کا وصال ۲۰۴ھ میں ہوا ہے اور امام احمد بن حنبل کا وصال ۲۴۱ھ میں ہوا ہے نہ ان لوگوں میں ایک نے دوسرے کی تقلید کی نہ کوئی ان میں سے لوگوں کو اپنے اتباع کا امر کرتا تھا بلکہ یہ سب ائمہ قرآن وحدیث کی پیروی کرنے کی دعوت دیتے تھے اور جسوقت کوئی اُن کے روبرو ایسی بات کہتا تھا جو قرآن اور حدیث کے مخالف ہوتی تو یہ فوراً اُسکی تردید کردیتے تھے۔ اسکے علاوہ اُنھوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہماری تقلید کرو اور اگر تم یہ کہو کہ تمام لوگوں نے اُن ہی مذہب والوں کا اتباع کیا ہے تو یہ بھی مجموعی طور پر نہیں ہے بلکہ اتفاق ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے اُس امام کا اتباع کر لیا اور بعض نے دوسرے امام کا کر لیا جیسے حاجی لوگ ایسے آدمی کے متلاشی ہوتے ہیں جو اُنھیں راستہ بتلا دے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی ایک عمدہ دلیل دیکھ کر اُسکا اتباع کر لیا بس یہی دوسرے لوگوں کا حال ہے اور جب یہ اس طرح ہے تو اس بارے میں تمام اہلسنت کا اجتماع باطل پر نہ ہوا بلکہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے میں جو کچھ غلطی اور خطا دیکھتا ہے اُسکا برابر انکار کرتا ہے پس یہ اسپر متفق نہیں ہیں کہ ایک شخص معین پر یہ لازم ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے قول کو وہ قبول کیا کرے بلکہ سوائے حضور انور کے اور کسی معین شخص کی تقلید کرنے کے لیے جمہور علماء بھی عام آدمی کو امر نہیں کرتے اسیطرح اللہ تعالےٰ نے بھی امت کے لیئے ایک عصمت معین کی ہے اور اسی عصمت میں یہ بھی داخل ہے کہ چند علماء کر دیئے جسوقت کسی مسئلہ میں ایک سے غلطی ہو تو دوسرا درستی کرے تاکہ حق ضائع نہ ہو اور اسی واسطے جب بعض مسائل میں بعض کا قول خطا پر ہوتا ہے تو دوسرے کے قول سے وہ صحیح ہو جاتا ہے لہٰذا تمام اہل سنت کا اتفاق گمراہی پر ہرگز نہیں ہوتا باقی بعض علماء سے بعض مسائل میں خطا ہونی سو یہ ہم پہلے کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ یہ کچھ مضر نہیں ہو سکتی جیسا کہ بعض مسلمانوں سے کچھ خطا ہو جائے لیکن شیعہ جس مسئلہ میں تمام اہل سنت کا خلاف کرینگے اس میں یہ بے شک خطا پر ہوں گے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کا جس امر میں خلاف کرتے ہیں یقیناً خطا پر ہوتے ہیں۔

چھٹا جواب

یہ ہے شیعی علماء کا یہ کہنا کہ چاروں مذہب نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں تو اس سے اگر یہ مراد ہے کہ ان کے اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے منقول نہیں

ہوئے بلکہ اُنھوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر ان کے خلاف مسائل گھڑ لیئے ہیں۔ سو یہ اُنپر یقینًا تہمت اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ صحابہ کی مخالفت پر کبھی ان کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اور تمام اہل سنت صحابہ کے اقوال میں ان کے پیرو اور تابع ہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صحابہ کے اقوال سے ناواقف ہونے کے باعث بعض اہل سنت صحابہ کے مخالف ہوگئے ہیں تو اُن کے مقابلہ میں دوسرے اہل سنت نے ان کی موافقت کی اور اُن کی مخالفت کی خطا کو ظاہر کر دیا ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نفس ان مذاہب والے اُس زمانہ میں نہ تھے تو اُس سے کچھ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ ہر زمانہ پہلے زمانہ کے بعد میں ہوتا ہے۔

ساتواں جواب

یہ ہے شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اُنھوں نے صحابہ کے اقوال کو مہمل کر دیا ہے تو یہ بھی ان کا جھوٹ اور بہتان ہے بلکہ ان اہل مذاہب کی کتابیں صحابہ کے اقوال نقل کرنے اور ان کے ساتھ استدلال کرنے سے بھری ہوئی ہیں اگرچہ اُن میں سے ہر فرقہ کے پاس وہ اقوال ہیں جو دوسرے کے پاس نہیں ہیں پس اگر اس سے انکی یہ مراد ہے کہ یہ لوگ ابوبکر و عمر وغیرہ کے مذہب کے قایل نہیں ہیں تو اسکا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کے آثار اور اُن سے مستنبط احکام کو جمع کیا ہے اور یہی آثار اور احکام ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں جیساکہ حدیث کی کتابیں اُن ہی لوگوں کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے اُنھیں جمع کیا تھا جیسے امام بخاری۔ امام مسلم۔ ابوداود اور جیسے کہ قراءتیں اُنھیں لوگوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں جنھوں نے اُن کو اختیار کیا ہے مثلًا نافع ابن کثیر اور اکثر اُن لوگوں کے اقوال متقدمین سے منقول ہیں بعض کے مذہب میں جو ایسے مسائل ہیں کہ وہ متقدمین سے منقول نہیں ہیں۔ تو اُن کو اس نے اُنہیں کے اصول اور قواعد سے استنباط کیا ہے پھر ان کے بعد میں وہ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اُن کے قول پر خوب غور کیا اور جو ان کے نزدیک خطا اور غلطی معلوم ہوئی اُسکو اُنھوں نے ظاہر کر دیا یہ سب کچھ دین محمدی کی حفاظت ہی کے لیئے ہوا ہے یہانتک کہ یہ لوگ اس درجہ کے ہوگئے جیساکہ اللہ نے بھی اس بارے میں ان کی تعریف کی کہ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" (یعنی نیک امر کے لیئے کہتے ہیں اور خلاف سے روکتے ہیں پس جسوقت اُن میں کسی سے کوئی غلطی ہوئی خواہ خطأً یا عمدًا (بھولے سے یا جانکر) تو فورًا دوسرے نے اسکا انکار کر دیا۔ دیکھو علماء

انبیاء سے بڑھکر نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے" داؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمہم شاھدین ففہمناھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما (دیکھئے داؤد اور سلیمان کو (یاد کرو) جب وہ دونوں (ایک) زراعت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جسوقت اُس میں (گھسکر اُسکو) لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم اُنکے فیصلہ سے واقف ہیں پس ہمنے اس (مقدمہ کے اصلی حکم) کو سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم عنایت کیا تھا) صحیحین میں فاروق اعظم سے روایت ہے کہ خندق کے سال حضور انور نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ ہر آدمی عصر کی نماز (قبیلہ) بنی قریظہ میں پہنچکر پڑھے پھر (اتفاق سے) نماز کا وقت اُس سے پہلے راستہ ہی میں ہوگیا تو بعض صحابہ نے تو اُسوقت یہ کہا حضور نے ہمسے نماز کا فوت کرانا نہیں چاہا اس خیال سے اُنھوں نے راستہ ہی میں پڑھ لی اور بعض صحابہ نے یہ کہا کہ نہیں ہم (حضور کے ارشاد کے مطابق) بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے چنانچہ ان لوگوں نے سورج غروب ہوجانے کے بعد عصر کی نماز پڑھی لیکن دونوں فرقوں میں سے تنبیہ کسیکو بھی نہ کی گئی۔ پس یہ امر اسپر یقیناً دلیل ہے کہ مجتہدین فقط رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام سمجھنے میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کا یہی اختلاف ہے

آٹھواں جواب

یہ ہے کہ اہل سنت میں کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہے کہ فقہاء اربعہ کا اجماع حجت معصومہ ہے نہ یہ کسی نے کہا کہ حق ان ہی میں منحصر ہے اور جو ان سے خارج ہو وہ باطل ہے بلکہ جب کوئی ایسا شخص جو اتباع ائمہ سے نہ ہو (اور اتباع ائمہ یہ ہیں۔ جیسے سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ لیث بن سعد۔ اور مجتہدین میں سے جو ان سے پہلے تھے اور جو اُن کے بعد میں ہوئے) اور وہ کوئی ایسا قول کہے جو ائمہ اربعہ کے مخالف ہو تو اس اختلاف کو اللہ اور اُسکے رسول کی طرف رجوع کرینگے اور راجح قول وہی سمجھا جائیگا جسپر دلیل قائم ہوجائے۔

نواں جواب

شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کرنی کہ صحابہ نے قیاس کے ترک کرنے پر نص کردی ہے سو ان سے کہا جائیگا کہ وہ جمہور جو قیاس کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ اُنھوں نے بھی اپنی رائے اور اجتہاد سے کہا اور قیاس کیا ہے جیسا کہ اُن سے قیاس کی بُرائی بھی ثابت ہے اور یہ

دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ مذموم قیاس تو وہ ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو جیسا کہ اُن لوگوں کا قیاس جو کہتے ہیں "انما البیع مثل الربا" (یعنی خرید و فروخت کرنا بھی ربا ہی جیسا ہے) اور جیسا کہ ابلیس کا قیاس تھا کہ اُس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے میں قیاس کے ذریعہ سے امر الٰہی کا مقابلہ کیا اور جیسا کہ ان مشرکین کا قیاس ہے جو مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنا مارا ہوا (یعنے ذبح کیا ہوا) جانور کھا لیتے ہو اور اللہ کا مارا ہوا نہیں کھاتے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ "وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون" (یعنی اور شیاطین تو بیشک اپنے دوستوں (یعنے کافروں) کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے (فضول) جھگڑے (کیا) کریں اور اگر تم ان کی اطاعت کر لو تو بے شک مشرک ہو جاؤ گے) غرض ایسا ہی حکم کی علت میں وہ قیاس ہوتا ہے جسمیں فرع اصل کے مشارک نہ ہو غرضکہ قیاس اسی لیئے مذموم ہوتا ہے کہ یا تو اُس کی شرط نہ ہو اور یا مناط (علت) حکم میں مساوات نہ ہو اور یا اُسکا کوئی مانع ہو اور مانع نص ہوتی ہے جسکا قیاس پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے اگرچہ نفس الامر میں دونوں متلازم ہیں پس شرط تو فوت نہیں ہوئی لیکن مانع موجود ہے اور مانع نہیں ہوتا تو شرط مفقود ہوتی ہے ہاں وہ قیاس کہ وہاں مناطِ حکم میں اصل اور فرع دونوں برابر ہیں اور ایسا کوئی معارض (اور مانع) بھی نہ ہو جو اس سے راجح ہو تو بھی وہ قیاس ہے جو ممتنع نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ قیاس فاسد بھی ہوتا ہے۔

اور اکثر فقہاء نے فاسد قیاس کیئے ہیں کہ بعض ان میں نص سے باطل ہو جاتے ہیں اور بعض اُن میں ایسے ہیں جن کے بطلان پر تمام سلف کا اتفاق ہے لیکن اکثر قیاسوں کے بطلان سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب ہی قیاس باطل ہوں جیسا کہ اکثر احادیث میں جھوٹ ہونے سے ضروری نہیں ہو سکتا کہ تمام حدیثوں کو جھوٹی کہدیا جائے دیکھو دار مدار قیاس کا اسپر ہوتا ہے کہ حکم کی علت اور مقتضا میں دونوں صورتیں برابر ہوں پس جو ثبت اسطرح ہوگا تو یہ قیاس بے شک صحیح ہوگا لیکن بعض قیاس کرنے والوں سے کبھی وہم ہو جاتا ہے جو علت حکم کی نہیں ہوتی وہ اُسے علت حکم خیال کر لیتے ہیں اس لیئے غلطی ہو جاتی ہے اسیوجہ سے قیاس کرنے والوں کے نزدیک عمدہ قیاس وہ ہے جو مشترک تاثیر کے بیان پر ہو جسکا نام وہ لوگ جواب سوال المطالبة رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کوئی کہے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ اصل میں حکم کی علت وہی وصف ہے جو اصل و فرع میں

مشترک ہے تاکہ اس فرع کو اس اصل کے ساتھ (حکم میں) ملا دیا جائے کیونکہ قیاس کی اتنے صحت ہی ثابت نہیں ہو سکتی جبتک کہ دونوں صورتیں اُس وصف مشترک میں شریک نہ ہوں کہ جو حکم کو مستلزم ہے یا تو نفس علت میں شریک ہوں .... اور یا علت کی دلیل میں سو کبھی تو کوئی جامع ظاہر کرنے کی وجہ سے اور کبھی کوئی فارق نہ ہونے کی وجہ سے پس جس وقت کسیکو یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو یہ معلوم ہونا ان دونوں کے حکم میں مساوات کے علم کے متعلق ضرور مؤثر ہو گا اگرچہ اُسے عین جامع معلوم نہ ہو۔

ایک اور حملہ

شیعی علماء یہ سخت حملہ کرتے ہیں کہ اسی سبب سے ان لوگوں کو بہت سے امور شنیعہ اختیار کرنے پڑے ہیں چنانچہ اُس بیٹی کو مباح کہتے ہیں جو زنا سے پیدا ہوا اور جو شخص اپنی ماں یا بہن یا بیٹی سے باوجود حرام سمجھنے کے نکاح کرے تو اُس سے حد ساقط ہونے کے قائل ہیں اور ایسے عقد (اور رشتہ) کے واسطہ سے جسکے نہ ہونے کو وہ خود بھی جانتا ہو نسبت ثابت ہونے کو کہتے ہیں اور جو شخص اپنے فکر پر چیتھڑا لپیٹ کر اپنی ماں یا بیٹی سے زنا کرلے تو اس سے اور لوطی سے حد کو ساقط کہتے ہیں حالانکہ یہ افعال زنا سے بھی بدتر اور قبیح تر ہیں پھر مشرقیہ عورت کا نسب مغربی مرد سے ثابت کرتے ہیں یعنی مثلاً ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا نکاح جو مشرق میں تھی ایسے آدمی سے کر دیا کہ جو مغرب میں رہتا تھا مگر وہ مغرب سے مشرق میں نہیں آیا یہانتک کہ چھ مہینے اسی طرح گزر گئے۔ پھر اُس لڑکی کے مشرق ہی میں لڑکا ہو گیا تو اُس لڑکے کا باپ یہی آدمی ہو گا جس سے نکاح ہوا تھا حالانکہ اُسکا باپ مغرب ہی میں رہا باوجودیکہ بلا چند سال چلنے کے یہ اُس لڑکی کے پاس پہنچ بھی نہیں سکتا بلکہ اگر نکاح ہی کے وقت سے اِسے بادشاہ نے روک لیا اور پچاس برس تک بڑے سنگین پہرے میں اُسے قید رکھا اور اس مدت کے بعد یہ اپنی سسرال گیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس عورت کی اولاد اور اولاد کی اولاد اس کثرت سے ہے کہ اُن کے آپس میں کئی قبیلے اور خاندان ہو گئے ہیں اور وہ سب کے سب اُسی آدمی کے کہلاتے ہیں جو اُس عورت یا اور کسی عورت کے پاس تک بھی نہیں گیا۔ علی ہذا القیاس اُس نبیذ کو جو نشہ میں شراب کے مشارک ہو مباح اور اُس سے وضو کو جائز کہتے ہیں۔ اسیطرح کتے کی کھال

پر اور خشک ناپاکی پر نماز پڑھنا جائز بتاتے ہیں۔

حکایت ہے کہ ایک بادشاہ کے ہاں چند فقہاء حنفیہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں ایک دوسرے مذہب کے فقیہ نے حنفیہ کی نقل کی وہ ایک مغصوبہ مکان میں گیا اور نبیذ سے وضو کیا اور تکبیر کہکر بلا نیت فارسی میں قرارت شروع کی اور فقط مدہامتان فارسی میں کہہ کر رکوع کے لیے سر جھکا لیا اور ذرا سر جھکا کر پھر سجدہ میں چلا گیا اسی طرح سجدہ بھی بقدر تلوار لگنے کے کر کے فوراً سر اٹھا لیا اور کھڑے ہو کر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی اور سلام کی جگہ یعنی سلام پھیرنے کے عوض وضو توڑ کر بھاگ گیا بادشاہ یہ دیکھکر ناراض اور خفیف ہوا کیونکہ وہ اسی حنفی مذہب کا تھا۔

اور سنیئے سُنّی قائل ہیں کہ اگر غاصب مغصوب شے کی صورت بدل دے تو وہ غاصب کے علاوہ اوروں کے حق میں مباح ہے۔ سُنّی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی چور کسی کے گھر میں گھسا اور وہاں چکی وغیرہ اور غلہ دیکھا اور اس غلہ کو اُس چکی سے پیس دیا تو اس آٹے کا یہی مالک ہو جائیگا پھر اگر مالک آجائے اور اس آٹے کو اُس سے چھیننے لگے تو مالک ظالم ہو گا اور یہ چور مظلوم اور اگر ان میں مار پیٹ تک نوبت پہنچے اُسوقت اگر یہ مالک مارا گیا تو اُسکا خون بیکار رہے گا اور اگر چور مارا گیا تو یہ شہید ہو گا سنیوں کا عقیدہ ہے کہ زانی گواہوں کو جھوٹا بتائے تو اُسپر حد واجب کرتے ہیں اور اگر وہ گواہوں کو سچا کہے تو اُس سے حد کو ساقط کر دیتے ہیں تو یہاں باوجود اقرار اور بینہ ہونے کے حد کو ساقط کرنا ہے اور یہ حدود الٰہی کو ساقط کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ جب ایک شخص پر کسی نے زنا کی گواہی دی اور اس گواہی کی اُس نے بھی تصدیق کر لی تو اُس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر اور سنیئے سنیوں کی کاروائی کتّے خوری کو مباح کرنا اور غلاموں سے بدفعلی کرنا اور باقی کھیل جیسے شطرنج اور گانا وغیرہ اسقدر مسائل ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ شیعی علماء کے زہریلے طعنے یا اعتراض ختم ہو گئے۔

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ ان ہی مسائل میں وہ مسئلے بھی ہیں جو تمام اہل سنت پر بہتان اور جھوٹ ہیں اور اُنکے سوا ان میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسمیں جمہور اہل سنت کا خلاف نہ ہو اگرچہ فقہا ان کے قائل ہیں لیکن اگر اُنکا قول غلط ہوا تو پھر بھی صحیح ان کے سوا اہل سنت ہی میں ہے اور اگر ان کا قول ٹھیک ہے تو پھر بھی اہل سنت صواب پر ہیں غرضکہ صواب اہل سنت سے دونوں طرح خارج نہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ بہت سے مسائل شیعوں میں بھی ایسے ہیں جنکا دین اسلام میں سے کوئی مسلمان بھی آجتک قائل نہیں ہوا بعض ان میں ایسے ہیں کہ انپر سب کا اتفاق ہے اور بعض ایسے ہیں جنکے بعض ہی قائل ہیں۔ مثلاً جمعہ اور جماعت کو ترک کرنا پس یہ لوگ جمعہ اور جماعت کو ترک کر کے اُن مسجدوں کو ویران کر دیتے ہیں جنکے آباد رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور یہ کہ اُن میں اللہ کا نام لیا جائے اور ایسے مجلس خانے تعمیر کراتے ہیں جنکے بنانے کو اللہ نے اور اُسکے رسول نے حرام فرما دیا ہے اور یہ لوگ اُن کو بمنزلہ بتخانوں کے کرتے ہیں اور بعض ان میں اسکی زیارت کرنے کو ثواب میں حج کے برابر سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ مفید نے اس بارے میں ایک کتاب تصنیف کر کے مناسک حج المشاہد اُسکا نام رکھا ہے جسمیں کذب اور شرک بھرا ہوا ہے ان ہی امور میں سے یہود کی طرح مغرب کی نماز کو موخر کر کے پڑھنا ہے علی ہذا القیاس اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کو حرام سمجھنا اور مچھلی کی ایک قسم کو حرام سمجھنا اور بعض کے نزدیک اونٹ کے گوشت کو حرام سمجھنا اور موزہ پر مسح نہ کرنا اور طلاق دینے میں بعض کے نزدیک گواہوں کا شرط ٹھیرانا اور مسلمانوں کی مزدوریوں میں سے پانچواں حصہ لینے کو واجب کہنا اور ساری میراث بیٹی کے لئے کر دینی اور عصبوں میں سے چچا وغیرہ کو محروم کرنا اور ہمیشہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا اور روزے بلا چاند دیکھے محض دنوں کے شمار پر رکھنے کہ چاند دیکھنے سے پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں اور پہلے ہی عید بھی کر لیتے ہیں غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جو یقیناً مسلمانوں کے اُس دین کے بالکل خلاف ہیں جو اللہ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکر بھیجا تھا اور انپر اپنی کتاب نازل فرمائی تھی اور اُن کے علاوہ اُن کی بہت سی بیہودہ باتیں ہیں اگرچہ اُن میں بعض متقدمین نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ متعہ کو حلال کرنا اور معلق بالشرط طلاق کو واقع نہ کہنا اگرچہ اُس نے شرط کے وقت طلاق دینے کا قصد کر لیا ہو اور یہ کہنا کہ کنایات سے طلاق نہیں ہوتی یا طلاق دینے میں گواہوں کا ہونا شرط ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ جو فقہا ان مسائل کے قائل ہوئے ہیں اُن کے نزدیک ان کے ماخذ ہیں اگرچہ وہ جمہور کے نزدیک غلط ہوں غرضکہ خود اہلسنت بھی اُن میں غلطی ثابت کرتے ہیں لہذا صواب (اور حق) بیان کرنا

اُن سے خارج نہ ہوگا جیسا کہ صواب اُن سے خارج نہیں ہوتا۔ پس جو لڑکی زنا سے پیدا ہو تو جمہور فقہا جیسے امام ابو حنیفہ امام احمد امام مالک اظہر روایتیں میں اسے حرام کہتے ہیں اور ایک قول امام شافعی سے بھی اسی کے موافق منقول ہے اور امام احمد کا تو یہ گمان بھی نہیں ہے کہ ان مسائل میں نزاع ہو یہانتک کہ اُنھوں نے ایسے شخص کے قتل کر دینے کا فتویٰ دیا ہے جو ایسا فعل کرے اور جو لوگ اسکے قایل ہیں جیسے امام شافعی اور ابن ماجشون تو یہ بھی وراثت نہ ثابت ہونے کے باعث نسب کو منتفی سمجھتے ہیں لہٰذا اب اسکے کل احکام منتفی ہونگے۔ رہا حرام ہونا وہ بھی انھیں احکام میں سے ہے اور جن لوگوں نے اسکا انکار کیا ہے اُن کا قول یہ ہے کہ نسبوں کے احکام مختلف ہوتے ہیں بعض نسب کے لیئے وہ احکام ثابت ہو جاتے ہیں جو بعض کے لیئے نہیں ہو سکتے پس باب تحریم اس کو متناول ہوگا جسے لفظ شامل ہو اگرچہ مجازاً ہی ہو یہانتک کہ نو اسی بھی حرام ہوگی بلکہ رضاع سے بھی وہ حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں پس جو لڑکی زنا سے ہوگی وہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگی بخلاف وراثت کے کہ یہ خاص ان کے لیئے ہوتی ہے جو میت کی اولاد میں سے اُسکی طرف منسوب ہو چنانچہ بیٹے کی اولاد کے لیئے ورثہ ہوتا ہے اور بیٹی کی اولاد کے لیئے نہیں ہوتا۔ باقی ذوات محارم سے نکاح سو امام ابو حنیفہ نے اُسکو شبہ قرار دیا ہے اور حد شبہ سے جاتی رہتی ہے وجہ شبہ کی یہ ہے کہ بظاہر یہاں عقد ہو گیا ہے لیکن جمہور اسکو شبہ نہیں کہتے بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ اسکی وجہ سے ڈبل سزا دینی چاہیئے اسی طرح لواطت میں اکثر سلف کا قول یہ ہے کہ اُسکے کرنے والے کو مطلقاً قتل کر دینا واجب ہے اگرچہ وہ محصن نہ ہو (یعنی عاقل بالغ نکاح صحیح سے صحبت نہ کئے ہوئے ہو) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اسپر صحابہ کا اجماع ہے اور یہی مذہب اہل مدینہ مثل امام مالک وغیرہ کا ہے صحیح روایت امام احمد کے مذہب کی بھی یہی ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اُسی کے موافق ہے اسی قول پر مفعول بہ بشرطیکہ بالغ ہو مطلقاً قتل کر دیا جاتا ہے۔

دوسرا قول اسکی بابت یہ ہے کہ اسکی حد بھی زنا کی سی ہے یہی قول امام ابو یوسف امام محمد کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد سے بھی ایک قول اسی طرح کا مروی ہے غرض جب یہ ثابت ہو گیا کہ فاعل (یعنی بدفعلی کرنے والا) مثل زانی کے ہے تو اسپر بعض کا قول یہ ہے کہ مفعول بہ کو مطلقاً قتل کر دینا چاہیئے اور بعض کہتے ہیں قتل نہ کیا جائے اور بعض فرق کرتے ہیں جیسا کہ فاعل میں ــہا حاکا ساقط

ہونا فقط امام ابو حنیفہ کے مفردات میں سے ہے یعنی اُسکے وہی قائل ہیں پھر شرقیہ لڑکی کا نکاح مغربی مرد سے کر کے پھر اُن میں نسب ثابت کرنا بھی امام ابو حنیفہ کے ہی مفردات سے ہے اور اصل اس بارے میں یہ ہے کہ ان کے نزدیک نسب سے مقصود مال ہوتا ہے پس وہ اُسکے مقصود کو قائم رکھتے ہیں مثلاً جب دو عورتوں نے اپنے آپ کو کسی کی بیٹیاں ہونے کا دعوے کیا تو امام صاحب ان دونوں کو اُسکے ساتھ ملا دینگے مطلب اسکا یہ ہے کہ یہ دونوں اسکی میراث کو تقسیم کر لیں گی یہ مطلب نہیں کہ یہ دونوں اُسکے نطفہ سے پیدا ہوئی ہیں اسی طرح جب کسی نے اپنی بیوی کو اُس سے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی اور اسی حالت میں اُسکے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو یہ اُسی مرد کا بیٹا کہلائیگا یعنی وہ عورت اور یہ لڑکا دونوں اُسکے وارث ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ یہ لڑکا اُسکے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ حقیقت امام موصوف کے مذہب کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک نسب کے حکم میں حقیقی ولادت کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک بچہ اُسی مرد کا کہلائیگا جسکے نکاح میں یہ عورت بچہ والی ہوا اگرچہ اُس سے وہ یقیناً حاملہ نہ ہوئی ہو اور یہ ایسی ہی صورت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیویوں میں بلا تعیین ایک کو طلاق دیدی اور دیتے ہی مر گیا اور کسیکو یہ معلوم نہ ہوا کہ اُن میں مطلقہ کونسی ہے تو امام ابو حنیفہ میراث کو دونوں پر تقسیم کرتے ہیں اور امام شافعی اس بارے میں توقف کرتے ہیں جب تک یہ امر ظاہر نہ ہو جائے یا یہ دونوں صلح نہ کر لیں وہ کچھ حکم نہیں لگاتے مگر جمہور علماء اسکے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب ولادت نہ ہونا معلوم ہو گیا تو اب نسب ثابت کرنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ نسب کے متعلق اور کوئی حکم ہو سکتا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ ولادت ثابت نہ ہونے پر بھی بعض احکام ثابت ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنے ایسے غلام سے جو عمر میں اس سے بہت بڑا تھا یہ کہا کہ تو میرا بیٹا ہے تو یہ کہنا اُسکے آزاد ہونیکا شارہ قرار دیا جائیگا نہ یہ کہ یہ اسکے نسب ثابت ہونے کا اقرار ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ اقرار ہے جسکا جھوٹ ہونا یقیناً معلوم ہے لہذا اس کہنے سے کچھ ثابت نہ ہوگا پس یہ بُرائی جو امام ابو حنیفہ پر آتی ہے اگر یہ حق ہے تو جمہور اہل سنت بھی اس میں اُن کے موافق ہیں اور اگر یہ باطل ہے تب بھی اُنھیں یہ کچھ مضر نہیں کیونکہ یہ بُرائی اسی پر رہے گی جسکا گمان یہ ہو کہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ یہ لڑکا اُسی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جو اپنی بیوی سے کبھی ملا تک بھی نہیں

حالانکہ یہ بات کوئی انتہا درجہ کا کم عقل بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ امام ابوحنیفہ جیسے لوگ ایسا کہیں لیکن ہاں وہ بدون ولادت کے نسب کے حکم کو ثابت مانتے ہیں اور یہ اصول فقط اُن ہی کا ہے ہاں جمہور اُن کے مخالف ہیں اور جبکا یہ قول ہے اُسے خطا پر کہتے ہیں اُن ہی میں بعض علمار وہ ہیں جو نسب کو اُسوقت ثابت کرتے ہیں کہ جب مرد اُس عورت سے صحبت کرنے پر قادر ہو جائے جیساکہ امام شافعی اور امام احمد کے اکثر شاگردوں کا قول ہے۔ بعض ان میں یہ کہتے ہیں کہ جبتک یہ مرد اُس عورت سے دخول نہ کرلے نسب ثابت نہ ہوگا یہی دوسرا قول امام احمد اور امام مالک وغیرہ کا ہے۔

اسی طرح نبیذوں کے حلال ہونے میں اختلاف ہے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہلسنت اُسکو حرام فرماتے ہیں بلکہ اُسکو یہانتک بڑھاتے ہیں کہ جو کوئی تاویل کر کے پیتا ہو اسپر حد لگاتے ہیں اور ایسے شخص کے فاسق ہونے میں اُن کے دو قول ہیں۔ ایک روایت میں تو امام مالکؒ و امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ فاسق نہیں ہوتا امام محمد بن حسن اُسکی تحریم کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے بھی اہل انصاف کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے۔ جیسے کہ ابو اللیث سمرقندی وغیرہ۔

باقی رہا نبیذ سے وضو کرنا سو جمہور علمار اسکے منکر ہیں اور امام ابوحنیفہ سے بھی اِس بارے میں دو روایتیں ہیں اور اُنھوں نے اُسکو فقط ایک حدیث ہی کی وجہ سے اختیار کیا ہے جو اسی بارے میں ابن مسعود سے مروی ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں کہ ثمرة طيبة وماء طهور (یعنی نبیذ میں پھل بھی عمدہ پڑا ہوا ہوتا ہے اور پانی بھی پاک ہوتا ہے) لیکن جمہور اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح بھی ہو اور ضعیف نہ ہو تو آیتِ وضو اور آیت تحریم خمر سے منسوخ ہے باوجودیکہ وہ کبھی نبیذ نہیں بنتی بلکہ بلا تغیر محض شربت ہی رہتا ہے یا تغیر آتا بھی ہے تو بہت کم جسکا اتنا اعتبار نہیں یا تغیر زیادہ بھی آتا ہے تو پھر بھی وہ پانی ہی کے حکم میں رہتا ہے ان لوگوں کے قول کے مطابق جو باقلے اور چنے وغیرہ کے ملے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا یہی مذہب ہے اور ان سے اور بھی بہت روایتیں ہیں اور حجت میں دوسرے قول سے یہی اقوی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالے کے اِس قول میں فلم تجدوا ماءً

ماءً کا لفظ نکرہ نفی کے تحت میں ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت نفی میں عام ہوتا ہے لہذا یہ اُس پانی کو بھی شامل ہوگا جسکا ان چیزوں کے ڈالنے سے رنگ بدل جائے گا جیسا کہ یہ اُس پانی کو بھی شامل ہے جسمیں اصل ہی سے تغیر آیا ہوا ہو یا ایسی چیز سے تغیر آگیا ہو جس سے بچنا ممکن نہ ہو کیونکہ اس لفظ کا دونوں کو شامل ہونا برابر ہے جیسا کہ دریا کے پانی سے وضو جائز ہے۔ حالانکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جب کسی نے یہ پوچھا کہ ہم دریا کے پانی سے وضو کرلیں یا نہیں کیونکہ ہم اکثر دریا (یعنی سمندر) کے سفر کرتے ہیں اور پانی ہمارے ساتھ بہت تھوڑا سا ہوتا ہے اگر اُس سے ہم وضو کرلیں تو پھر پیاسے رہ جائیں تو اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں دریا کا پانی بالکل پاک ہے اور اُسکا مرا ہوا جانور (یعنی مچھلی) حلال ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے پس دریا یعنی سمندر کا پانی باوجودیکہ انتہا درجہ کا کھاری اور کڑوا ہوتا ہے لیکن ہے پاک پس جو پانی پاک چیزوں کے ملنے سے متغیر ہو جائے وہ اُس سے بہت ہی بہتر ہوتا ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ وہ تغیر دریا کے پانی میں اصلی ہوتا ہے اور یہ عارضی مگر یہ فرق پانی کے نام میں کچھ فرق نہیں ڈالتا جس نے اسکا اعتبار کیا ہے اُس نے قیاس کا مقتضا یہی ٹھیرایا ہے کہ دریا وغیرہ کے پانی سے وضو نہ کیا جائے۔ ولیکن مباح اسلیئے کیا گیا ہے کہ ایسے متغیرات سے بچنا ممکن نہیں ہے بات یہ ہے احکام ثبوت قیاس کے موافق ہی ہوتا ہے خلاف نہیں ہوتا پس اگر یہ پانی اس لفظ میں داخل ہوگا تو یہ دوسرا پانی بھی داخل ہوگا ورنہ نہیں اور یہ سب دلالۃ لفظیہ ہے قیاسیہ نہیں ہے تاکہ اس میں مشقت اور عدم مشقت کا اعتبار کیا جائے۔

اب رہی کتے کی کھال پر نماز پڑھنی سواسے امام ابو حنیفہ اُسوقت جائز کہتے ہیں کہ جب کھال دباغت دی ہوئی ہو اور یہی قول علماء کے ایک گروہ کا ہے فقط امام ابو حنیفہ ہی کا یہ قول نہیں ہے۔ خود حضور انور کا یہ ارشاد ہے کہ ایما اھاب دبغ فقد طھر۔ یعنی جس کھال کو دباغت دے دیجائے وہ پاک ہوجاتی ہے اسکے علاوہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے یہ مسائل شناعات میں سے نہیں ہے۔ اگر کوئی شیعی علماء سے کہے کہ اسکے حرام ہونے پر ایک عمدہ دلیل لاؤ تو انھیں کوئی بھی دلیل نہیں ملے گی بلکہ اگر اُس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم کتے ہی کے حرام ہونے کی کوئی دلیل بیان کردو تاکہ اس سے امام مالک پر رد کیا جائے کیونکہ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ وہ کتے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

حرام نہیں کہتے تو شیعی علماء سے یہ رد بھی نہ ہوگا باوجودیکہ صحیح مذہب جیسا جمہور علماء ہیں یہ ہے کہ کتے کی کھال بلکہ اور تمام درندوں کی کھالیں دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد طریقوں سے مروی ہے کہ حضور انور نے درندوں کی کھالوں سے منع فرما دیا ہے۔ باقی رہا حضور انور کا یہ ارشاد ایما اھاب دبغ فقد طھر سو ائمہ محدثین میں سے امام احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور مسلم نے اسے نقل کیا ہے اسی طرح کتے کے حرام ہونے پر بھی شرعی بہت سی دلیلیں دلالت کرتی ہیں لیکن شیعی علماء انھیں نہیں جانتے۔

باقی خشک ناپاکی اور پلیدی پر بلا کسی حائل شے کے نماز پڑھنا سو یہ نہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسیکا ہاں اگر زمین پر کوئی نجاست لگ جائے اور پھر دھوپ یا ہوا سے خشک ہو کے اسکا اثر جاتا رہے تو (اس صورت میں اکثر کا مذہب یہ ہے کہ زمین پاک ہو جاتی ہے اور نماز پڑھنی اسپر جائز ہے یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے امام مالک اور امام احمد کے مذہب کی بابت بھی ایک قول یہی ہے اور یہی پہلا قول امام شافعی کا ہے اور یہی قول بظاہر اُسکا بھی معلوم ہوتا ہے۔ جو زمین کے اس طرح پاک ہونے کا قائل نہیں ہے باقی یہ نماز جو شیعی علماء نے بیان کی ہے کہ امام ابو حنیفہ اسے جائز کہتے ہیں اور کسی بادشاہ کے روبرو اُسے کیا تو وہ بادشاہ اُس مذہب سے پھر گیا تو اہل سنت کے مذہب کے فاسد ہونے پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اہل سنت تو یہ کہتے ہیں کہ حق ہم سے نہیں نکل سکتا یہ نہیں کہتے کہ ہم میں کسی سے کوئی خطا یا غلطی نہیں ہوتی۔ اب رہی یہ نماز اس کا تو جمہور اہل سنت بھی انکار کرتے ہیں جیسے امام مالک امام شافعی امام احمد اور وہ بادشاہ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ محمود بن سبکتگین تھا۔ حضور انور کی سنت کا پیرو اور منصف بادشاہ تھا بدعت اور رفض سے اُسے کمال نفرت تھی۔

پھر شیعی علماء کا یہ قول کہ سنیوں نے مغصوب شے کو مباح کر دیا جس وقت کہ غاصب اُس شے کی صورت کو بدل دے اور کہتے ہیں اگر چور کسی کے گھر میں گھسا وہاں اُسکو کچھ غلہ اور ایک چکی اور ایک بیل ملا اُس چور نے اُسکے غلہ کو اُسکی چکی کو بیل سے چلوا کر پیس دیا تو اُس آٹے کا یہی چور مالک ہو جائیگا پھر اگر مالک اگر اُس سے آٹے کو چھیننے لگے تو مالک ظالم ہوگا اور یہ چور مظلوم پھر اگر یہ دونوں لڑنے لگے اور مالک مارا گیا تو اُسکا خون بے کار رہے گا اور اگر چور مارا گیا تو یہ شہید ہوگا۔ فقط

جواب

اول تو یہ ہے کہ اہل سنت کے جمہور علماء کا یہ قول نہیں ہے یہ فقط اُسی کا قول ہے جو اس بارے میں جمہور کے بھی مخالف ہے اور جمہور اسکے قول کو ادلۂ شرعیہ سے رد کرتے ہیں لیکن فقہا کا اُس غاصب کے بارے میں اختلاف ہے کہ جسوقت وہ مغصوب شے میں اسقدر تغیر کر دے کہ اُس شے کا نام بھی نہ رہے جیساکہ (غلہ کو) پیس دینا اُس کی بابت بعض کا قول یہ ہے کہ اُس شے کو بمنزلۂ تلف کر دینے کے ہے لہٰذا مالک کے لیئے اب اُس سے قیمت لینی واجب ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ وہ شے مالک ہی کی ملک ہے اور جو اس میں زیادتی ہو گی وہ مالک کی ہے اور جو نقصان ہوگا وہ غاصب کے ذمہ ہے یہی قول امام شافعی کا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ یہ بھی ٹھیک نہیں بلکہ مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے اُسی چیز کو لے لے اور جو اُس میں نقصان ہوا ہے اُسکا غاصب سے مطالبہ رکھے اور یا یہ چیز تو غاصب ہی کو دیدے اور اُسکا عوض اُس سے اور لے امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے اور جسوقت مالک اُس چیز کو لے گا تو اس میں غاصب بھی اسوجہ سے شریک ہو جائے گا کہ اُس نے کچھ اس میں محنت کی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ غاصب کو کچھ نہیں ملے گا اور یہی اقوال امام احمد وغیرہ کے مذہب میں ہیں اب دیکھو وہ قول جسکا اُنھوں نے انکار کیا ہے وہ جمہور اہل سنت کے قول کے خلاف ہے اسکے علاوہ اسکے نقل کرنے میں بھی افترا بندی کی ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں لڑے تو مالک ظالم ہوگا یہ ٹھیک نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مالک متاول ہو سوائے اس قول کے اور کچھ اسکا عقیدہ ہی نہ ہو تو اُسوقت یہ ظالم نہ ہوگا اور نہ اس سے لڑنا جائز ہے بلکہ جسوقت اُن میں جھگڑا ہو تو کسی ایسے کے پاس اُنھیں لے جانا چاہیئے جو ان میں فیصلہ کر دے یہ اُسوقت ہے کہ جب دونوں میں سے ہر ایک کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ شے میری ملک ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ سب مسائل جنکا شیعی علماء نے انکار کیا ہے امام ابو حنیفہ کے مذہب کے ہیں سوائے اُس لڑکی کے مسئلہ کے جو زنا سے پیدا ہو یہ امام شافعی کے مذہب کا مسئلہ ہے۔ اب شیعی علماء سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شیعہ اسکے قائل ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب باقی کے تینوں مذہبوں سے زیادہ صحیح ہے اور کہتے ہیں کہ جب انسان ان چاروں

مذہبوں میں سے کسی سے فتویٰ لینے پر مجبور ہوتا ہے تو وہ حنیفہ ہی سے فتویٰ لیتا ہے۔ اور یہ لوگ امام محمد بن حسن کو امام ابو یوسف پر ترجیح دیتے ہیں غرضکہ ان لوگوں کو چونکہ حدیث اور سنت سے نفرت ہے اسلیئے یہ اُن لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو حدیث اور سنت سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں پس جب یہ بات اس طرح ہے تو یہ سب خرابیاں امام ابو حنیفہ ہی کے مذہب میں رہیں پس اگر چاروں اماموں کے مذہب سے امام ابو حنیفہ ہی کا قول راجح ہی تو زیادہ تشنیع بھی اُن ہی پر ہوگی نہ کہ اور ائمہ پر ہمارے دوست اپنی زیادتی جہالت اور ظلم کی وجہ سے بغیر علم اور انصاف کے تعریف بھی کردیتے ہیں اور بُرائی بھی کردیتے ہیں پس اگر امام ابو حنیفہ ہی کا مذہب راجح ہے تو جو کچھ اُنھوں نے خاص خاص یہ ضعیف مسئلے ذکر کیئے ہیں کہ ایسے اور کسی مذہب میں نہیں پائے جاتے تو یہ تناقض ہوا اور اگر وہ راجح نہیں ہے تو اور بقیہ مذہبوں پر اُسے ترجیح دینا باطل ہے غرضکہ یہ ضروری لازم آئیگا کہ شیعہ ہر طرح اور ہر صورت میں باطل پر ہیں۔ یہ ہر موقع پر ایسی گفتگو کرتے ہیں جو ان کی اغراض کے مناسب ہوتی ہے خواہ وہ حق ہو خواہ باطل۔ چنانچہ اس مقام میں بھی اُن کا مقصود یہی تھا کہ اہل سنت کے ہر مذہب اور ہر فرقہ کی بُرائی ہو اسی لیئے ایسے موقع پر وہ امور ذکر کرتے ہیں جو اُن کے خیالات میں مذموم ہوتے ہیں برابر ہے کہ نقل کرنے میں سچے ہوں یا جھوٹے ہوں اور برابر ہے کہ جو برائی اُنھوں نے ذکر کی وہ حق ہو یا باطل ہو اگرچہ ان کے مذہب میں اور سب مذہبوں سے زیادہ اور بڑے بڑے عیب ہوں۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ جسوقت زانی گواہوں کی تکذیب کرے تو اُسپر حد واجب کرتے ہیں اور اگر ان کی تصدیق کرے تو حد کو ساقط کرتے ہیں باوجودیکہ اس صورت میں اقرار اور گواہ دونوں ہوجاتے ہیں اور یہ اُن کے ہاں حدود الٰہی کو ساقط کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ جسکے زنا پر گواہی ہوگئی اور اُس نے گواہوں کی تصدیق کرلی تو پھر بھی اُس سے حد ساقط ہوجاتی ہے۔ فقط

جواب

یہ بھی امام ابو حنیفہ ہی کے اقوال میں سے ہے اور جمہور علمار جیسے امام مالک امام شافعی امام احمد وغیرہ سب اسکے مخالف ہیں مگر امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جسوقت اُس نے خود اقرار کرلیا تو

شہادت کا حکم جاتا رہا اور اقرار پر حکم اُسیوقت کیا جاتا ہے کہ جب چار مرتبہ اقرار کرلے جمہور یہ کہتے ہیں کہ اقرار کرنا گواہوں کی خبر کی اور تاکید کرتا ہے اُسے باطل نہیں کرتا کیونکہ یہ اُن کے موافق ہے مخالف نہیں ہے اگرچہ اسکی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ چار گواہوں سے زیادہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور جیساکہ کوئی چار مرتبہ سے زیادہ اقرار کرے تو وہ بھی فضول ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور اہل سنت کا یہ قول ہے پس اگر یہ ٹھیک ہے تو اُنکا ہی قول ہے اور اگر وہ دوسرا قول ٹھیک ہے تو بھی وہ انکا ہی قول ہے علاوہ ازیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جمہور اہل سنت ان سب مسائل کا انکار کرتے ہیں اور جو اُنکا قائل ہوا ہے ایسی حجتوں اور دلیلوں سے اسکی تردید کرتے ہیں کہ شیعی علمار کو وہ معلوم بھی نہیں ۔۔

پھر شیعی علمار کا یہ قول کہ کتوں کے کھانے اور غلاموں سے بدفعلی کرنے کو مباح کرنا اور لہو ولعب جیسے شطرنج اور گانے وغیرہ کو مباح سمجھنا یہ اسقدر مسائل ہیں کہ اُنکے لئے ایک دفتر ہونا چاہئے

جواب

ان مسائل کو تمام اہل سنت والجماعت کی طرف سے کہنا اور نقل کرنا بالکل جھوٹ ہے اسی طرح جمہور سے بھی نقل کرنا غلط ہے بلکہ ان میں بعض مسائل ایسے ہیں کہ خلفار ثلثہ کی خلافت کا اقرار کرنے والوں میں سے بعض لوگ اُن کے قائل ہوئے ہیں اور بعض اُن میں ایسے بھی ہیں کہ اُن میں سے اُنکا کوئی بھی قائل نہیں ہوا اور یہ مسائل جنکے ان میں سے بعض لوگ قائل ہوئے ہیں جمہور اُنکا بھی انکار کرتے ہیں لہذا سب اہل سنت والجماعت گمراہی پر متفق نہ ہوئے ۔

اِسکے علاوہ شیعوں میں بھی بہت سے امور ایسے ہیں جو قرآن حدیث اور اجماع کے بالکل خلاف اور نہایت ہی بدتر ہیں پس اگر کوئی مسئلہ ہمارے مذہب میں ضعیف ہوگا تو اُن کے مذہب میں اس سے زیادہ ضعیف اور اضعف ہوگا لہذا اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ ہر تقدیر پر اہل سنت والجماعت کا تمام فرقہ اُن سے بہتر ہے علاوہ اسکے حق کی تکذیب جہالت کی کثرت محالات کی تصدیق کم عقلی خواہش نفس کی پیروی مجہولات سے تعلق ۔ لکھنا وغیرہ اسقدر امور ہیں کہ اور کسی میں ان کے برابر نہیں پائے جاتے ۔ یہ حکایت کرنا کہ غلاموں سے بدفعلی کرنے کو مباح کہتے ہیں سو یہ اہل سنت پر بائیں بہتان ہے علمار سنت میں سے اسکا کوئی قائل نہیں ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے

مقصود امام مالک پر تشنیع کرنا ہے کیونکہ میں نے بعض جاہلوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس مسئلہ کو امام موصوف کی طرف سے نقل کرتے ہیں اور اصل اس کی یہ ہے کہ عورتوں سے بدفعلی کرنے میں ان سے حکایت کی جاتی ہے اور جب اہل مدینہ کے ایک گروہ سے اسکی اباحت منقول ہوئی اور امام مالک سے بھی اس بارے میں دو روایتیں نقل کی گئیں تو اس سے جاہلوں کو وہم ہو گیا کہ غلاموں یعنی مملوکوں سے بدفعلی کرنی بھی ایسی ہی ہو گی حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے ایک معمولی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر امام مالک پر ایسا خیال کس طرح ہو سکتا ہے باوجودیکہ وہ ایسے جلیل القدر ایسے محتاط اور شریف المذہب ہیں اور حدود کے قائم کرنے اور منکرات سے روکنے میں انکا مذہب سب مذاہب سے زیادہ بلیغ تر ہے اور اُن کے مذہب میں تو ایسے شخص کی بابت اختلاف بھی نہیں ہے کہ جو مملوکوں سے بدفعلی کرے اُسے کافر کہا جائے جیسا کہ یہی قول تمام ائمہ مسلمین کا ہے کیونکہ ان سب کا اسپر اتفاق ہے کہ اس فعل کا حلال سمجھنا بعینہ ایسا ہے کہ کوئی اپنی لونڈی سے وطی کرنے کو حلال سمجھے جو رضاعت سے اُسکی بیٹی ہی یا رضاعی بہن ہے یا اُس کے بیٹے کی موطورہ یعنی صحبت کردہ ہے یا اُسکے باوا کی موطوءہ ہے کہ ان عورتوں سے صحبت کرنا ہرگز جائز نہیں قطعی حرام ہے پس جیسا کہ اُس کی مملوکہ لونڈی جسوقت وہ رضاعت کی وجہ سے یا کسی اور رشتہ کی وجہ سے ایسی حرام ہو جاتی ہے کہ باتفاق تمام مسلمانوں کے وہ مباح نہیں ہوتی تو اس کا مملوک تو حرام ہونے میں اِس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ جنس تو مطلقاً حرام ہے نہ عقد نکاح سے مباح ہوتی ہے اور نہ ملک میں آنے سے بخلاف وطی عورتوں کے کہ وہ ان دو وسیلوں سے حلال ہو جاتی ہے اسیوجہ سے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہ مذہب ہے کہ بدفعلی کرنے والا سنگساری کے عوض قتل کر دیا جائے خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن برابر ہے کہ اپنے مملوک سے بدفعلی کی ہو یا اور کسی کے مملوک سے پس ان کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اقتلوا الفاعل والمفعول بہ یعنی فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کرو۔ یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے اور یہی مذہب ایک صحیح روایت میں امام احمد کا منقول ہے اور یہی ایک قول امام شافعی کا ہے پس جسکا یہ مذہب ہو کہ یہ فعل زنا سے بھی زیادہ اشد ہے تو اُس کی طرف سے یہ حکایت کوئی کیونکر کر سکتا ہے کہ اُسکو اُس نے مباح کر دیا ہے اسی طرح امام مالک

کے سوا اور علماء میں سے بھی کسی نے اسکو مباح نہیں کہا بلکہ وہ سب اُسکے حرام ہونے پر متفق ہیں ہاں ایسی بہت سی اشیاء ہیں کہ ان کے حرام ہونے پر سب علماء متفق ہیں اور اُنکے کرنے والے پر حد لگانے میں اختلاف کرتے ہیں یعنی یہ کہ آیا حد ہی لگائی جائے یا حد سے کم کوئی اور سزا دی جائے جیساکہ اگر کوئی اپنی لونڈی سے وطی کرلے جو رضاعت سے اُسکی بیٹی ہو اسکی سزا میں اختلاف ہے۔

اب رہا یہ الزام کہ اہل سنت لہو ولعب جیسے شطرنج اور گانے کو مباح کہتے ہیں! اسکا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء کا مذہب تو یہی ہے کہ شطرنج قطعی حرام ہے خود علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ اتفاق سے ایسے لوگوں کے پاس سے نکلے جو شطرنج کھیل رہے تھے آپ نے اُنھیں دیکھکر یہ فرمایا۔ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔ یعنی یہ کیا صورتیں ہیں جنکی پرستش تم کرتے ہو علی ہذا القیاس بہت سے صحابہ ابوموسیٰ ابن عباسؓ ابن عمرؓ وغیرہ سے اسکا منع ہی ہونا منقول ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ شطرنج اور نرد دونوں میں سے کونسا کھیل زیادہ حرام ہے سو امام مالک کا قول یہ ہے کہ شطرنج نرد سے زیادہ حرام ہے اور یہی ابن عمر سے منقول ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اسمیں غور وفکر کرنے کے باعث نماز اور ذکر الٰہی سے دل زیادہ غافل ہوتا ہے نرد میں اتنا نہیں ہوتا امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ نرد شطرنج سے زیادہ حرام ہے۔ اب رہے امام شافعی اُنھوں نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ شطرنج حلال ہے بلکہ یہ فرمایا کہ نرد حرام ہے اور شطرنج اس سے کم ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حرام ہے غرضکہ اُنھوں نے اسے حرام کہنے میں توقف کیا ہے۔ پھر اُن کے شاگردوں کے اس بارے میں دو قول ہیں پس اگر حلال کہنا ہی راجح ہو تو بھی کوئی ہرج نہیں اور اگر حرام ہی کہنا راجح ہو تو بس یہی قول جمہور اہل سنت کا ہے غرض کہ دونوں تقدیر پر اُن سے حق دور نہیں ہے۔

گانے کا مباح ہونا

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ گانے کو مباح کہتے ہیں۔ اُسکا جواب یہ ہے کہ یہ چاروں اماموں پر اتہام ہے کیونکہ وہ سب اسپر متفق ہیں کہ جو گانے بجانے کی چیزیں ہیں جیسے ستار وغیرہ یہ سب حرام ہیں اور اگر کوئی اُنھیں توڑ پھوڑ دے تو ان کے نزدیک اُسکے ذمہ ضمان یعنی اسکا تاوان

نہیں ہے بلکہ اُن کے نزدیک ان چیزوں کا بنانا بھی حرام ہے۔ اور آیا فقط لکڑی کا جس کا وہ باجا بنا ہوا ہے ضمان دینا ہوگا یا نہیں۔ اس میں اُن کے دو قول ہیں جیسا کہ اگر کوئی شراب کے برتنوں کو توڑ دے تو اُن کے ایک قول میں اسپر ضمانت نہیں آئے گی چنانچہ یہی مذہب امام مالک کا ہے اور ایک مشہور تر روایت امام احمد سے بھی ہے جیسا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اُس گوسالہ کو توڑ دیا تھا جو سونے کا بنایا گیا تھا اور جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضور انور نے عبداللہ بن عمرو کو یہ حکم دیا تھا کہ اُن دونوں کپڑوں کو جو ایک قسم کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جلادیں۔ اور جیسا حضور انور نے جنگ خیبر میں اُن ہنڈیوں کو توڑوا دیا تھا جن میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا پھر یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ خیر جو کچھ گوشت وغیرہ ان میں ہے وہی پھینکدیا جائے اور ہنڈیاں نہ توڑی جائیں اس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر جائز ہیں اور جیسا کہ شراب کے حرام ہونے پر اُسکے برتنوں کو توڑنے اور اُسکی گولوں کو پھوڑنے کا حکم دیدیا تھا اور جیسا کہ فاروق اعظم اور حضرت علی دونوں نے یہ حکم دیدیا تھا کہ جس مکان میں شراب کی خرید وفروخت ہو اُس مکان کو بھی پھونک دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے جو اُسے جائز نہیں کہتے اُنکا قول یہ ہے کہ یہ عقوبات (یعنی سزائیں) مالیہ ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ منسوخ اُن میں سے کوئی شے نہیں ہوئی کیونکہ منسوخ کوئی امر فقط اُس نص سے ہوا کرتا ہے جو پہلی نص کے بعد اور اُسکے معارض ہو مگر اس بارے میں کوئی نص وارد ہی نہیں ہوئی بلکہ عقوبات مالیہ مثل عقوبات بدنیہ کے ہیں کہ مشروع طریقہ پر مستعمل کی جاتی ہیں بلکہ اُن کا استعمال کرنا اولےٰ ہے کیونکہ ابدان اور اعضا کا تلف مال کے تلف کرنے سے بڑھا ہوا ہے پس جب اول جنس مشروع ہے تو جنس ثانی بطریق اولیٰ مشروع ہوگی اب رہا اموال کا قصاص لینا اسمیں بھی علماء کا اختلاف ہے یعنی جس وقت کسی نے کسیکا کپڑا جلادیا تو اُسکے عوض اسکا ایسا ہی کپڑا یہ جلا سکتا ہے یا نہیں اور جیسا اُسکا مال اُس نے تلف کیا تھا یہ بھی اُسکا مال تلف کرسکتا ہے یا نہیں اسمیں دو قول ہیں یہی دو روایتیں امام احمد سے مروی ہیں پس جو یہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ یہ فساد ہے اور جو کہتا ہے کہ جائز ہے اُسکا قول یہ ہے کہ اگر یہی فساد کا خیال ہے تو جان اور ہاتھ پاؤں تلف

کرنے میں اور بھی زیادہ فساد ہے حالانکہ انصاف کی رُو سے یہ جائز ہے اور قصاص اسی لیئے ہے کہ اسکے باعث لوگ ظلم کرنے سے رُک جاتے ہیں اور مظلوم کو ایکقسم کی خوشی ہو جاتی ہے۔

فرقہ ناجیہ کونسا ہے

شیعی علماء کہتے ہیں کہ دوسری وجہ مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی یہ ہے جو ہمارے شیخ امام اعظم خواجہ نصر الملت والحق والدین محمد بن حسن طوسی نے فرمایا ہے اِن سے کسی نے مذاہب کی بابت سوال کیا تھا آپ نے فرمایا کہ ہم ان مذہبوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ملا کے دیکھ چکے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ منہا فرقۃ ناجیۃ والباقی فی النار (یعنی عنقریب میری امت کے تہتّر فرقے ہو جائیں گے جنمیں سے فقط ایک فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) ہوگا اور باقی سب دوزخی اور اس فرقۂ ناجیہ اور دوزخی کو ایک دوسری صحیح متفق علیہ حدیث میں خود ہی معین فرمادیا ہے اور وہ رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق (یعنی میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی جیسی ہے جو اُسمیں بیٹھ گیا اُس کی نجات ہو گئی ہے اور جو اُس سے رہ گیا وہ غرق ہو گیا پس اس سے ہم سمجھ گئے کہ فرقۂ ناجیہ یہ فرقۂ امامیہ ہی ہے۔ کیونکہ اس فرقہ کے لوگ تمام مذاہب سے علیحدہ ہیں اور باقی تمام مذاہب اصول عقائد میں مشترک ہیں۔ اِسکا جواب چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ کہ شیعی علماء ایسے آدمی کو کافر کہتے ہیں جو یہ کہتا ہو کہ اللہ موجب بالذات ہے چنانچہ پہلے اُنکا قول ذکر ہو چکا ہے اُنھوں نے خود کہا تھا کہ اس سے یہ لازم آئیگا کہ اللہ موجب بذاتہٖ ہو مختار نہ ہو اور یہ کفر ہے حالانکہ یہ شخص جسے شیعی علماء نے اپنا شیخ امام اعظم ٹھیرایا ہے اور اسکے قول سے حجت لاتے ہیں۔ وہی یہ کہتا ہے کہ اللہ موجب بالذات ہے اور عالم کو قدیم بھی کہتا ہے۔ چنانچہ اُسکا یہ قول اُس کی کتاب شرح الاشارات سے پہلے منقول ہو چکا ہے پس اس کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ اُن کا یہ شیخ جس سے یہ حجت لاتے ہیں کافر ہو لہٰذا مسلمانوں کے دین میں کافر کا قول تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا جواب

طوسی کو عام خاص سب جانتے ہیں کہ یہ ملاحدہ باطنیہ اسماعیلیہ کا الویت میں وزیر تھا اور جب ہلاکو کا یہ وزیر اعظم بن گیا تو اس نے اس بادشاہ کو بہکا کے اہل علم اور اہل دین سب کو قتل کروا ڈالا ہاں فقط انہیں پیشہ ور اور تاجروں کو رہنے دیا جو اسے دنیاوی نفع پہنچاتے تھے۔ یہ وزیر صاحب سلمانوں کے ایک وقف کے متولی بھی تھے مگر اس وقف کے روپے میں سے علما مشرکین اور اُن کے شیوخ یعنی جادوگروں وغیرہ کو بے انتہا دیتے تھے پھر جب آپ نے ایک رصد خانہ بنایا جو مراغہ میں صابیہ مشرکین کے رستہ پر واقع ہے تو مذہب اسلام کو بالکل خیر باد کہدیا اسلامی عقائد کا عام طور پر مضحکہ اُڑایا جاتا تھا۔ اور مشرک نجومیوں کو ہزارہا روپیہ دیا جاتا تھا یہ مشہور بات ہے کہ یہ طوسی اور اُسکے ہم مشرب واجبات اسلام اور محرمات اسلام کو جھوٹ سمجھتے تھے اور فرائض یعنی نماز وغیرہ کے کبھی پابند نہیں ہوتے تھے اور نہ محارم آلہی یعنی شراب اور فواحش وغیرہ منکرات سے بچتے تھے یہاں تک کہ لوگ ذکر کرتے تھے کہ رمضان شریف کا بھی کبھی پاس نہیں کیا گیا۔ فحش امور میں مستغرق رہنا یہ اُن کا خاص اصول تھا اُن کی امداد کا ہاتھ صرف اُن ہی مشرکوں تک پہنچتا تھا جنکا دین یہود اور نصاریٰ کے دین سے بھی بدتر ہے اسیوجہ سے مغل وغیرہ ترکوں کے زمانہ میں جب اسلام کو غلبہ ہوا تو چونکہ یہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے اس لیئے سب کی نظروں سے گر گئے اور یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ بادشاہ کے دربار میں سب سے ادنیٰ درجہ کے شمار کیئے جاتے تھے یہ لوگ اس مجاہد شہید فی سبیل اللہ سے بھی دشمنی کرتے تھے۔ جس نے شاہ مغل غازان کو اسلام کی دعوت دی تھی اور یہ التزام کر لیا تھا کہ جسوقت یہ سلمان ہو جائیگا تو اسکی مدد کرونگا اور اس نے جادوگر مشرکوں کو قتل کر ڈالا تھا جو سلمان نہیں ہوئے تھے اور ان کے بتخانوں کو توڑ پھوڑ اُن کے لشکروں کو بالکل برباد کر دیا تھا غرض مغلوں کا خدا بھلا کرے جن کی سلطنت میں اس ناپاک الحاد کو شکست ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس طوسی اور اُسکے ساتھیوں کی کارگزاریاں مسلمانوں میں اسقدر مشہور اور معروف ہیں کہ مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں بعض نے یہ ضرور کہا ہے کہ اخیر عمر میں یہ نماز کا پابند ہو گیا تھا اور تفسیر بغوی اور فقہ وغیرہ کا شغل رکھتا تھا اگر یہ صحیح ہے اور اُس نے درحقیقت ۱ - سے توبہ کر لی تھی تو ہم اُس کی

تو بہ پر نکتہ چینی نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ شیعی علماء نے جو طوسی کی طرف سے ذکر کیا ہے اگر یہ اسکی توبہ سے پہلے کا قول ہے تو اُسکا قول ہرگز مقبول نہیں اور اگر توبہ کے بعد کا یہ قول ہے تب بھی یہ خرابی ہے کہ اُس نے رفض سے توبہ نہیں کی تھی بلکہ فقط الحاد سے توبہ کری تھی غرضکہ دونوں تقدیر پر اسکا قول تسلیم نہیں کیا جا سکتا پس جو شخص ابوبکر و عمر اور عثمان وغیرہ سابقین اولین مہاجرین اور انصار کی شان میں گستاخی کرے اور امام مالک امام شافعی امام ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل اور اُن کے اتباع پر طعن کرے اور اُن کی بعض غلطیوں پر جیسے شطرنج اور گانے کے مباح کرنے میں اُنپر طعن کرے تو اُسے کیونکر لائق ہے کہ اپنے مذہب پر ایسے لوگوں کے قول سے حجت لائے جنکا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں ہے اور نہ وہ اللہ اور اُسکے رسول کی حرام کی ہوئی اشیاء کو حرام سمجھتے ہیں جنکی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے جیسے فواحش اور شراب خوری لیکن اُن کا یہ حال ہمیشہ سے رہا ہے کہ وہ اولیاء اللہ متقین سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے دشمنی کرتے رہے ہیں اور کفار اور منافقین ہی کا ساتھ دیتے رہے ہیں پس اسلام کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں میں سب سے بڑے منافق ملاحدہ اسماعیلیہ فرقے والے ہیں۔ پس جو شخص اپنے قول کی تائید میں اُن مذکورہ لوگوں کے اقوال سے حجت کرے باوجودیکہ ائمہ مسلمین کے اقوال پر اسکی طعنہ زنی پہلے گذر چکی ہے تو یہ اہل نفاق اور اہل ایمان کے دشمنوں کا سب سے زیادہ مددگار ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارے شیعی علماء ابوبکر و عمر و عثمان اور تمام ائمہ مسلمین کے ذمہ ایسے ایسے بڑے الزام لگاتے ہیں جنھیں انھوں نے خود افترا کیا ہے اور اُن حضرات کو چھوڑ کے ایسے آدمی کی طرف آتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اُسکے رسول کی مخالفت کرنے میں مشہور رہے اور یہ حضرات اُس کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ امام اعظم نے اس طرح فرمایا ہے اور باوجودیکہ اُسکے اور اُسکے ساتھیوں کے کافر ہونے پر خود گواہی دے چکے ہیں مگر پھر بھی اُسے قدس اللہ روحہ کہے جاتے ہیں۔ یہ بھی عجیب تماشا ہے خیار مسلمین کا ایک فرقہ اسپر لعنت کرتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس آیت کے تحت میں داخل ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین اٰمنوا سبیلا ۱ولئک

الذین لعنهم الله ومن یلعن الله فلن تجد له نصیرا) (یعنی کیا تم نے اُن (لوگوں کی حالت) پر نظر نہیں کی جنھیں کتاب (الہی) سے کچھ حصہ دیا گیا تھا (اور باوجود اسکے) وہ (اللہ کو چھوڑ کر) جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز (کبھی) اسکا مددگار نہ پاؤ گے)"۔ پس یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ اُنھیں کتاب الہی کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ قرآن شریف کے بعض احکام کے مقر ہیں اور اُن ہی میں ایک شاخ جبت اور طاغوت اور جادو پر بھی ایمان لانے کی ہے کیونکہ یہ لوگ اُس فلسفہ کی عظمت کرتے ہیں جس میں ایسے ہی امور مذکور ہوئے ہیں۔ قبروں پر مسجدیں بنانے کو جائز سمجھتے ہیں اور اُن کا سفر کرنے کو حج کی برابر ٹھیراتے ہیں مجھ سے اکثر معتبر لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حج کو یہ لوگ بیت العتیق یعنی بیت اللہ کے حج سے زیادہ سمجھتے ہیں غرضکہ یہ شرک کو اللہ کی عبادت سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور یہی طاغوت پر اعلےٰ درجہ کا ایمان لانا ہے۔ کتنے غضب کا مقام ہے کہ یہی لوگ اُن ملاحدہ مشرکین کو مہاجرین اور انصار پر فضیلت دیتے ہیں۔ پس سمجھ لیجئے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہیں اور اُن کا فضیلت دینا کیا وزن رکھتا ہے۔

تیسرا جواب

ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسماعیلیہ اور نصیریہ اُن فرقوں میں سے ہیں جو تشیع کو ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ سب باطن میں کافر ہیں اور ہر مذہب سے خارج ہیں دیکھو یہ نصیریہ ہی اُن امامیوں میں سے ہیں جو علی کے معبود ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو باتفاق تمام مسلمانوں کے یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ اب رہے اسماعیلیہ باطنیہ وہ ان سے بھی اول درجہ کے کافر ہیں کیونکہ ان کے قول کی حقیقت تعطیل یعنی اللہ کو بیکار سمجھنا ہے پھر ناموس اکبر والے اور بلاغ اعظم ہیں وہ ان دہریہ لوگوں میں سے ہیں جو اس امر کے قائل ہیں کہ دعالم کا کوئی فاعل ہے نہ اُس کی کوئی علت ہے نہ اُسکا کوئی خالق ہے اور کہتے ہیں کہ ہم میں اور فلاسفہ میں فقط واجب الوجود کا خلاف ہے کہ وہ واجب الوجود کو ثابت کرتے ہیں حالانکہ وہ ایسی قسم ہے کہ اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ اللہ کے نام کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور اُنھیں اس نام سے

یہانتک پہنچا ہے کہ اُسے اپنے پیروں کے تلووں پر لکھکر اُسے ایڑیوں سے رگڑتے ہیں لیکن جو اُن سے کم درجہ کے ہیں وہ بھی سابق اور تالی کے قائل ہیں جو فلاسفہ کے نزدیک عقل اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے لیئے صابئہ اور مجوس کے مذہب کو ملاکر اپنا ایک مذہب بنالیا ہے جسکا ظاہر تشیع ہے اور یہ لوگ اپنے کو شیعہ کہتے ہیں اور اُس کے اظہار کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ شیعہ تمام فرقوں سے جلدی ہمارے اقوال کو تسلیم کر لیتے ہیں کیونکہ شریعت کی وہ اتنی پروا نہیں کرتے اور مجہولات کی تصدیق کر لیتے ہیں۔ اسیواسطے در پردہ اُن کے ائمہ فلاسفہ ہوتے ہیں جیساکہ یہ نصیر الطوسی اور سنان البصری وغیرہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اسلام میں تشیع کو یہ نصیر یہ اسماعیلیہ ہی ظاہر کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے حق میں اسماعیلیہ کی یہ شہادت دینی کہ یہ حق پر ہیں باتفاق تمام عقلا کے بالکل جھوٹی اور مردود شہادت ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے اول تو یہ کہا جائے کہ ایسی حدیثوں سے تم لوگ حجت نہیں لا سکتے کیونکہ اس حدیث کو فقط اہل سنت نے اہل سنت ہی کی سندوں سے نقل کیا ہے ورنہ نفس حدیث صحیحین میں نہیں ہے بلکہ بعض اہل حدیث جیسے ابن حزم وغیرہ نے اس میں طعن بھی کیا ہے لیکن اہل سنن جیسے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے اور اہل اسانید مثلاً امام احمد وغیرہ بھی اس کو نقل کرتے ہیں پس تمھارے اصول پر اسکا ثبوت کہاں ہے تاکہ تم اُسکے ساتھ دوسروں کے مقابلہ میں حجت لاسکو اور اگر اُسکے ثبوت کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ اخبار احاد سے ہے۔ پس یہ اخبار احاد جنسے یہ خود فروع عملیہ میں بھی حجت نہیں کر سکتے تو اصول دین کی اصل ہیں اور سوائے ایک فرقہ کے اور تمام مسلمانوں کو گمراہ بنانے میں اس سے کیونکر حجت کرنی جائز ہو سکتی ہے اور یہ اعلےٰ درجہ کا تناقض اور جہالت ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ اس حدیث کی دو طرح تفسیر مروی ہے ایک تو یہ کہ کسی نے حضور انور سے فرقۂ ناجیہ کی بابت پوچھا تھا آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جس طریقہ پر آجکل میں اور میرے صحابہ ہیں اس طریقہ پر ہوں اور دوسری روایت میں یہ ہے آپ نے فرمایا کہ وہ جماعت ہیں اور یہ دونوں تفسیریں اما کیچہ

قول کے مناقض ہیں بلکہ اس سے تو اُن کا ہی فرقۂ ناجیہ سے خارج ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں کیونکہ یہ لوگ ائمہ جماعت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو کافر یا فاسق بتاتے ہیں اور اسی طرح علماء جماعت اور عابدین جماعت کو بھی کافر یا فاسق کہتے ہیں۔ جیسے امام مالک سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ لیث بن سعد۔ ابو حنیفہ شافعی۔ احمد۔ اسحق۔ ابی عبید۔ ابراہیم بن ادہم۔ فضیل بن عیاض۔ ابا سلیمان دارانی معروف کرخی وغیرہ۔ حالانکہ ہمارے احباب سیر صحابہ اور حضور انور کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں کیونکہ یہ واقفیت تو انھیں کو ہو سکتی ہے جنھیں احادیث اور منقولات کی خبر ہو قوی اور ضعیف حدیثوں کو پہچانتے ہوں۔ حالانکہ یہ لوگ احادیث سے بغض اور اہل حدیث سے دشمنی رکھنے کے باعث ساری دنیا سے زیادہ کورے ہیں۔ غرض جب فرقۂ ناجیہ کی یہ علامت ہوئی کہ حضور انور کے زمانہ میں جو صحابہ نے حضور کا اتباع کیا اسپر قدم بقدم چلیں تو یہ طریقہ سنت والجماعت کا ہے۔ لہذا فرقۂ ناجیہ بھی یہی سنت والجماعت کے لوگ ہوئے۔ سنت تو وہ ہے جسپر حضور انور کے زمانہ میں خود حضور انور اور آپ کے صحابہ رہے ہوں یعنی حضور انور نے صحابہ کو امر فرمایا ہو یا خود کیا ہو پھر جماعت والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے تفریق کردہ دین کو جمع کیا۔ جن لوگوں نے دین میں تفریق کی اور تفرقہ ڈالا حالانکہ وہ بہت سے فرقے ہیں بس یہی لوگ فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں اللہ نے اپنے نبی کو اُن سے بیزار کر دیا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ وصف اہل سنت والجماعت ہی کا ہے نہ کہ اور کسی گروہ کا۔ حدیث میں بھی فرقۂ ناجیہ کی یہی تعریف آئی ہے کہ اُس سنت کا اتباع کرتے ہوں۔ جسپر خود حضور انور اور آپ کے صحابہ تھے اور جماعت مسلمین سے ملے ہوئے ہوں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حدیث میں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جس طریقہ پر آجکل میں اور میرے صحابہ ہیں وہی فرقۂ ناجیہ میں سے ہیں تو پس جو لوگ حضور انور کے بعد اس طریقہ سے نکل گئے وہ فرقۂ ناجیہ کے طریقہ پر نہ ہونے چاہئیں جیسا کہ آپ کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے لہذا وہ ایسے نہ ہوں گے۔

ہم کہتے ہیں ہاں مرتد ہونے میں زیادہ تر مشہور وہی لوگ ہیں جو صدیق اکبر اور آپ کے اتباع کے مخالف ہوئے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب اور اُسکے ہم مشرب وغیرہ اور یہی وہ لوگ ہیں جنکا ہمارے احباب نے ساتھ دیا ہے ہمارے دوست کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ حق پر تھے لہذا صدیق اکبر نے اُن

سے ناحق جنگ کی اور سب سے زیادہ مرتد وہ لوگ تھے جنکو حضرت علی نے آگ میں جلادیا کیونکہ یہ لوگ حضرت علی کی بابت معبود ہونے کے مدعی تھے اور ان ہی لوگوں کا فرقہ فرقۂ سبائیہ ہے جو عبداللہ بن سبا کے متبع ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر سب وشتم کرنے کی بنا ڈالی تھی۔ پھر مسلمان کہلانے والوں میں سے جس نے سب سے پہلے نبوت کا دعوے کیا ہے وہ مختار بن ابی عبید ہے جو امامیہ مذہب رکھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ جتنے مرتد اس گروہ میں ہوگئے اور کسی گروہ میں نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے ہم لوگ انھیں ردۂ غالیہ نصیریہ اور ردۂ اسماعیلیہ باطنیہ سے برا نہیں سمجھتے یاد رکھو مرتدین کے کسی فرقہ میں اتنا مرتدپن نہیں ہو سکتا جتنا صدیق اکبر کے مخالفوں میں تھا اس سے معلوم ہوا کہ جو مرتدین ہمیشہ الٹے پھر پھر کر مرتد ہوئے ہیں وہ ہمارے احباب ہی میں سے ہیں نہ کہ اہل سنت والجماعت میں سے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے اور ہر عاقل جو اسلام سے واقف ہو اسے جانتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا کہ مرتدین کی وہ قسم جو شیعہ کی طرف منسوب ہے کفر اور فحش میں مرتدین کی اس قسم سے کہیں زیادہ ہے جو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہے اور یہ بھی اسوقت کہ ان میں کوئی مرتد ہو۔

چھٹا جواب

یہ ہے کہ یہ حجت جس سے طوسی اس امر پر دلیل لایا ہے کہ امامیہ ہی فرقہ ناجیہ ہے جیسی یہ اپنی دلالت میں باطل ہے ویسے ہی اسکے بیان کرنے میں بھی غلطی اور جھوٹ ہے وجہ اس کی یہ ہے اسکا یہ کہنا کہ امامیہ فرقہ کے لوگ سب فرقوں سے علٰحدہ ہیں اور تمام باقی مذاہب اصول عقائد میں شریک ہیں تو اس سے اگر اسکا یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خاص خاص مسئلوں میں تمام مذاہب سے علٰحدہ ہیں تو یہ حال تو سب ہی مذہبوں کا ہے۔ چنانچہ خوارج بھی اپنے خاص خاص مسئلوں میں سب سے علٰحدہ ہیں کہ گناہ ہو جانے پر انسان کو کافر کہتے ہیں۔ حضرت علی کی تکفیر کرتے ہیں۔ حضور انور جو امور اللہ کی طرف سے بیان نہ فرمائیں ان میں ان کی طاعت سے منع کرتے ہیں۔ حضور انور کی تقسیم اور حکم میں ظلم اور زیادتی کو جائز سمجھتے ہیں اور اس سنت متواتر کے اتباع کو ساقط کرتے ہیں جو ان کے خیال میں ظاہر قرآن کے مخالف معلوم ہو جیسا کہ چور کا ہاتھ مونڈھے سے کاٹنا وغیرہ وغیرہ۔ اشعری نے مقالات میں کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب

کی تکفیر پر تمام خوارج کا اجماع ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ انکا کفر شرک ہے یا نہیں اسپر بھی اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ کفر ہے لیکن نجد والے اسکے قائل نہیں ہیں اور اسپر بھی اجماع ہے کہ اصحاب کبائر کو دائمی عذاب ہوگا اسیطرح معتزلہ بھی اپنے خاص مسئلوں میں تمام فرقوں سے علٰحدہ ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اہل کبائر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ لوگ نہ مؤمن ہیں نہ کافر پس اسی قول کے باعث انکا نام معتزلہ رکھا گیا ہے اسکے علاوہ تمام فرقے جو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہیں ان میں ہر ایک فرقہ اپنے خاص خاص مسائل میں دوسرے سے علٰحدہ ہے پس فرقہ کلابیہ اپنے اس کلام میں تمام سے علٰحدہ ہے کہ جو کلام معنی واحد ہے یا معانی متعددہ ہیں وہ چار ہیں یا پانچ جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں وہ امر اور نہی اور خبر ہیں اگر انھیں عربی زبان میں بولا گیا تو یہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں بولا گیا تو توراۃ ہے پس یہ قول ان کے سوا تمام فرقوں میں سے اور کسیکا بھی نہیں ہے اسی طرح کرامیہ بھی اپنے قول میں تمام فرقوں سے علٰحدہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان فقط زبان سے کلمہ کہنا ہے پس جس نے زبان سے اقرار کر لیا وہ مومن ہوگیا اور اگر اس نے دل میں انکار کیا تو بھی وہ مومن ہے لیکن ہمیشہ دوزخ میں جلے گا پس یہ قول انکے سوا اور کسیکا نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے فرقوں میں ہر فرقہ کا ایک قول ہے کہ بقیہ فرقے والے اسمیں ان کے موافق نہیں ہیں چنانچہ امام ابو حنیفہ - امام مالک - امام شافعی امام احمد ہر ایک کے بکثرت ایسے مسائل ہیں کہ ان میں ہر امام تینوں سے علٰحدہ ہے اور اگر اسکا یہ مقصود ہے کہ امامیہ فرقے کے لوگ اپنے تمام اقوال میں سب سے علٰحدہ ہیں تو یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ سب لوگ توحید بیان کرنے میں معتزلہ کے موافق ہیں اور ان کے قدماء میں اکثر تقدیر کے قائل ہیں حالانکہ اسکا انکار بھی ان میں انکار صفات سے بھی زیادہ مشہور اور رائج تھا اور گنہگاروں کے دوزخ سے نکلنے اور اہل کبائر کی خطائیں اللہ کے معاف کر دینے کی بابت ان کے دو قول ہیں اور ان کے متاخرین اس بارے میں فرقہ واقفیہ کے موافق ہیں جو کہتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اہل قبلہ یعنی جو قبلہ کو ماننے والے ہیں ان میں سے کوئی دوزخ میں جائیگا یا نہیں اور یہ فرقہ اشعریہ کا ایک گروہ ہے اگرچہ وہ یہ بھی کہتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ اکثر اہل کبائر دوزخ میں جائیں گے - یہی قول جمہور

اہل سنت کا بھی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُمن کے بہت سے اقوال تو ایسے ہیں جو خاص اُن ہی کے ہیں اور بہت سے اقوال ہیں اور لوگ بھی اُنکے شریک ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ ۔ اب رہے اہلحدیث اور اہل سنت والجماعت اُنھیں قرآن اور اُس حدیث پر عمل کرنے میں خصوصیت ہے جو اصول اور فروع کی بابت حضور انور سے ثابت ہے جسپر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کاربند رہے ہیں برخلاف خوارج معتزلہ اور شیعوں کے اور ان لوگوں کے جو بعض اقوال میں اُنکے موافق ہیں کیونکہ یہ لوگ ان احادیث کی پیروی نہیں کرتے جنکو حضور انور سے ثقات نے نقل کیا ہے یعنی وہ حدیثیں جنکے صحیح ہونے کو محدثین جانتے ہیں۔ پس معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار احاد ہیں اور شیعہ صحابہ کی شان اور اُن کے احادیث نقل کرنے میں طعنے کرتے ہیں اور اصل میں اُنپر اُنکا طعن کرنا رسالت میں طعن کرنا ہے خوارج کہتے ہیں کہ اعدل یا محمد یعنے یہ لوگ حضور انور سے ظلم ہونے کو جائز کہتے ہیں۔ اسیواسطے حضور انور نے ایسے آدمی سے فرمایا تھا کہ تیرا ناس ہو اگر میں بھی انصاف نہ کرونگا تو اور کون کریگا۔ غرض یہ لوگ جہاں ہیں جہالت ہی کے باعث سنت والجماعت سے علیحدہ ہوتے ہیں لیکن اب رہے ہمارے احباب اُن کی بدعت کی اصل نفاق سے ہے اسی وجہ سے بعض اُن میں ایسے اجہل اور سرکش لوگ ہیں جو خوارج میں بھی نہیں ہیں۔ برخلاف اسکے اہل سنت اور اہل حدیث کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کا اُسکے فرشتوں کا اُسکے رسولوں کا اور جو احکام اللہ کی طرف سے آئیں اور جو روایتیں حضور انور سے ثقہ راوی نقل کریں ان سب کا اقرار اور یقین ہو ان میں سے کسی شے کو رد نہ کریں اور یہ کہ اللہ ایک ہے اکیلا ہے بے پروا بے نیاز ہے اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں نہ اُس نے کوئی جورو نہ بیٹا بنایا اور یہ کہ بے شک محمد اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ جنت ۔ دوزخ ۔ قیامت کا آنا حق ہے۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالے قبروں سے سب کو اُٹھائے گا اور بے شک اللہ عرش پر ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا کہ الرحمن علی العرش استوی اور یہ کہ بلا کیفیت اُسکے دو ہاتھ ہیں جیسا کہ اُس نے خود فرمایا خلقت بیدی اور فرمایا بل یداہ مبسوطتان وغیرہ۔

ساتواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ اس امامیہ فرقہ کا تمام مذاہب سے علٰحدہ ہونا اُن کے صحیح ہونے سے باطل ہونے پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ فقط ایک فرقہ کا تمام فرقوں سے علٰحدہ ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ یہی ٹھیک ہو۔ علی ہذا القیاس ایک قول میں اُن کے شریک ہونے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ باطل اور غلط ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تہتّر فرقے ٹھیرائے اور سوائے ایک فرقہ کے سب کو دوزخی قرار دیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک فرقہ باقی کے بہتّر فرقوں سے ضرور علٰحدہ ہو۔ یہ مانا مگر پھر بھی حدیث میں تفریق موجود ہے یعنی ایک کو دوسرے فرقہ سے علٰحدہ کر دیا ہے۔ اسکے علاوہ اس حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو ان بہتّر فرقوں کے اصول عقائد میں مشترک ہونے پر دلالت کرے بلکہ ظاہر حدیث میں تو فقط اتنا ہے کہ ان تہتّر فرقوں میں ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے علٰحدہ ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ افتراق کی صورت بُرائی کی ہے نہ کہ تعریف کی کیونکہ جماعت بنانے اور آپس میں محبت رکھنے کا اللہ نے بھی امر فرمایا ہے اور تفریق و اختلاف کی بُرائی کی ہے چنانچہ فرمایا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (یعنی اور سب کے سب مل کے اللہ کے (دین) کی رسی مضبوطی سے پکڑو اور (آپس میں) متفرق نہ ہو) اور فرمایا۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون" یعنی تم اُن کی طرح نہ ہونا کہ جو اسکے بعد کہ اُن کے پاس کھُلی کھُلی نشانیاں آچکی تھیں متفرق ہو گئے اور آپس میں (دین کے بارے میں) اختلاف کرنے لگے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لیئے (سخت سے) سخت عذاب ہے (اور اُسدن کو یاد کرو) کہ کچھ (لوگوں کے) چہرے سفید ہونگے اور کچھ (کے) چہرے سیاہ ہونگے تو جنکے چہرے سیاہ ہونگے (اُن سے کہا جائیگا) کیا تم اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے (اچھا) تو (اب) جو تم کفر کرتے تھے اُسکی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو۔

ابن عباس وغیرہ نے تبیض وجوہ سے مراد اہل سنت اور تسود وجوہ سے مراد اہل بدعت بتایا ہے اور اللہ نے فرمایا ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئ (یعنی بے شک جن

لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنائے ہیں اور (جدا جدا) گروہ بنگئے ہیں (اے نبی تم ان کی کسی بات میں (شریک) نہیں ہو - اور فرمایا - وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتہم البینات بغیا بینہم (یعنی اور (اسپر بھی ان کا اختلاف بند نہ ہوا) جن لوگوں کو کتاب الٰہی دی گئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے احکام آمیکے بعد آپس کی ضد سے اُن میں اختلاف کرنے لگے) اور فرمایا - وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتہم البینۃ " (یعنی) اور اہل کتاب (اُن کے نبی ہونے میں) مختلف نہیں ہوئے مگر اسکے بعد کہ ان کے پاس دلیل آگئی) غرض جب یہ اس طرح ہے تو جو فرقہ تمام فرقوں سے زیادہ جماعت سے علیحدہ ہوا اور خود اس میں بھی اختلاف پڑا ہوا ہو تو وہ سب سے زیادہ بُرائی کا مستحق ہے اور جس میں اختلاف کم ہو اور جماعت سے مفارق بھی کم ہو تو وہ حق سے زیادہ قریب ہوگا چونکہ امامیہ فرقہ کے لوگ تمام فرقوں سے علیحدہ اور مفارق ہیں لہٰذا یہی حق سے بھی ابعد ہونگے خاصکر وہ لوگ جن کے آپس میں تمام فرقوں سے زیادہ اختلاف ہو یہانتک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے بہتر فرقے ہیں یہی طوسی سے اُسکے بعض شاگردوں نے نقل کیا ہے اور یہ خود بھی کہا کرتا تھا کہ شیعہ بہتر فرقے تک پہنچ جائیں گے ۔حسن بن موسیٰ نوبختی وغیرہ نے شیعہ کے فرقوں کی تعداد میں کتابیں تصنیف کی ہیں برخلاف اہل جماعت کے اُن کے اصول دین میں سب فرقوں سے کم اختلاف ہے اور جو دو فرقے ایک دوسرے کی ضد (اور آپس میں مخالف) ہوں یہ دونوں سے اقرب ہوتے ہیں غرضکہ یہ اصل اسلام میں وسط ہیں جیسا کہ اہل اسلام تمام اہل ملل میں وسط ہیں اور یہ لوگ اللہ کی صفات کے بارے میں بھی اہل تعطیل اور اہل تمثیل کے درمیان ہیں جیسا کہ حضور انور نے فرمایا ہے خیر الامور اوسطہا - یعنی بہترین امور اُن میں اوسط ہی ہوتا ہے - لہٰذا اسوقت اہل سنت والجماعت سب فرقوں سے بہتر ہیں علی ہذا القیاس تقدیر کے بارے میں اہل تکذیب اور اہل احتجاج دونوں کے درمیان ہیں اسیطرح اسماء اور احکام کے بارے میں وعیدیہ اور مرجیہ کے درمیان ہیں - پھر صحابہ کے بارے میں غلاۃ اور جفاۃ کے درمیان ہیں اسی لیئے نہ وہ شیعوں کی طرح علی کی تعریف وغیرہ میں غلو کرتے ہیں نہ خوارج کی طرح کافر کہتے ہیں علی ہذا القیاس نہ ابوبکرؓ عثمانؓ کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ رافضی انھیں کافر کہتے ہیں -

نہ عثمان اور علی کو کافر کہتے ہیں۔ جیساکہ خوارج کہتے ہیں۔

آٹھواں جواب

خود شیعوں میں کوئی ایسا ایک قول نہیں ہے جسپر یہ سب متفق ہوں چنانچہ یہ قول جو شیعی علمار نے ذکر کیا ہے امامیہ کے اقوال میں سے ہے حالانکہ خود امامیہ میں بھی بعض فرقے ایسے ہیں کہ توحید اور عدل میں اُن کے مخالف ہیں جیساکہ اسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے مثلاً جمہور شیعہ بارہ امام کہنے میں امامیہ کے مخالف ہیں۔ چنانچہ زیدیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ بارہ اماموں کے انکار پر سب متفق ہیں۔ لوگوں کے اقوال نقل کرنے والوں نے کہا ہے کہ شیعہ تین قسم کے ہیں۔ شیعہ انھیں اسلیئے کہتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت علی کو بہت شائع کیا (یعنی شہرت دی) اور اُن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے مقدم رکھا پھر اُن میں سے بعض کا نام غالیہ ہے یہ اُن کا نام اس لیئے رکھا گیا کہ اُنھوں نے علی کی ذات میں بہت غلو کیا ہے اور اُن کی شان میں بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں۔ جیساکہ اُن کے معبود یا نبی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اُن لوگوں کی متعدد قسمیں ہیں نصیریہ فرقہ بھی ان ہی میں ہے۔ دوسری قسم کے شیعہ رافضی ہیں۔ اشعری نے کہا ہے کہ ان کے ایک فرقہ کا نام رافضی اس لیئے ہے کہ اُنھوں نے ابوبکر اور عمر کی امامت کو رفض یعنی ترک کر دیا تھا میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ اُنکا نام رافضی اس لیئے ہوا کہ اُنھوں نے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو چھوڑ دیا تھا جسوقت ہشام بن عبد الملک کے زمانۂ حکومت میں کوفہ میں لڑنے نکلے تھے اشعری وغیرہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں اُن لوگوں کا نام زیدیہ اسلیئے پڑا کہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے قول سے یہ لوگ تمسک پکڑتے تھے اور شہر کوفہ میں عبد الملک کے زمانہ میں لوگوں نے زید سے بیعت کر لی تھی اُسوقت کوفہ کا حاکم یوسف بن عمر ثقفی تھا۔ زید نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو حضرت علی بن ابی طالب پر فضیلت دیتے تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی بھی تعظیم کرتے تھے۔ ائمہ جور وظلم کا مقابلہ کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ پھر جسوقت یہ کوفہ میں اپنے اُن ہمراہیوں کو لیکر جنھوں نے اُن سے بیعت کر لی تھی لڑنے کے لیئے تیار ہوئے تو وہاں اُنھوں نے بعض آدمیوں سے سنا کہ وہ ابوبکر وعمر پر انگشت نمائی کرتے ہیں تو اُنھوں نے فوراً اُن لوگوں کو منع کر دیا اسپر ان کے بعض مرید اُن سے علیحدہ

ہو گئے۔ حالانکہ وہ بہت چھوٹی سی جماعت تھی آپ نے اُن سے فرمایا رفضتمونی۔ پھر آپ نے یوسف بن عمر کا مقابلہ کر کے اُس سے مارے گئے۔ ان کو کہتے ہیں رافضیوں کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کو اپنا خلیفہ کرنے کے لیئے اُن کا نام لیکر صاف طور سے فرما دیا اور اعلان کرا دیا تھا پھر اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علی کی اقتدا نہ کرنے کے باعث اکثر صحابہ گمراہ ہو گئے تھے اور یہ کہ امامت بلانص اور توقیف کے نہیں ہوتی اور یہ کہ امامت قرابت ہے کہ بیعت کرنے کے وقت امام کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں امام نہیں ہوں ان لوگوں کا بھی یہ خیال ہے کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو سب لوگوں سے افضل ہو اور کہتے ہیں کہ علی ہر وقت اور ہر حالت میں مصیب ہوتے تھے اور یہ کہ امور دین کے بارے میں اُن سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی مگر کاملیہ یعنی ابو کامل کے ساتھی علی کی اقتدا ترک کرنے پر لوگوں کو کافر کہتے ہیں بلکہ علی کو بھی خلافت کے طلب کرنے پر کافر کہتے ہیں۔ ائمہ جور کے ساتھ لڑنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فقط اُس امام کے لیئے جائز ہے جس کی امامت پر نص ہو اور یہ لوگ سوائے کاملیہ کے چوبیس فرقے ہیں جن میں فرقہ اولی کا نام قطعیہ ہے کیونکہ انھوں نے موسیٰ بن جعفر بن محمد کے مرنے پر امامت کو قطع کر دیا تھا ان کا اور شیعہ کے سب فرقوں کا یہ خیال ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی امامت کو صاف طور پر فرما دیا تھا اور علی نے امام حسن کی امامت کو امام حسن نے امام حسین کی امامت کو امام حسین نے اپنے صاحبزادے علی کی امامت کو علی بن حسین نے اپنے بیٹے ابی جعفر محمد کی امامت کو محمد نے اپنے بیٹے جعفر کی امامت کو۔ جعفر نے اپنے بیٹے موسیٰ کی امامت کو موسےٰ نے اپنے بیٹے علی کی امامت کو علی نے اپنے بیٹے محمد بن علی کی امامت کو محمد نے اپنے بیٹے علی کی امامت کو علی نے اپنے بیٹے حسن کی امامت کو حسن نے اپنے بیٹے محمد بن حسن کی امامت کو اور یہ اُن کے نزدیک غائب ہیں اُن کی بابت دعوے کرتے ہیں کہ یہ ظاہر ہو کر تمام روئے زمین کو انصاف سے بھر دینگے جیسا کہ اب ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

پھر تیسرا فرقہ کیسانیہ ہے اور اُن لوگوں کے بارہ فرقے ہیں۔ کیسانیہ اُنھیں اس لیئے کہتے ہیں کہ مختار جو امام حسین کا انتقام لینے کے لیئے جنگ پر آمادہ ہوا تھا اور لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی طرف

بلاتا تھا اسی سے لوگ کیسان کہتے تھے یہ مشہور تھا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب کا آزاد کردہ غلام ہے
پس کیسانیہ میں بعض وہ لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی نے محمدؐ بن حنفیہ کی امامت پر نص
کردی تھی۔ بعض کا قول یہ ہے کہ محمدؐ بن حنفیہ زندہ ہیں رضوی کے پہاڑوں میں رہتے ہیں
ایک شیران کی دائیں طرف رہتا ہے اور ایک چیتا بائیں طرف۔ یہ دونوں اُن کی حفاظت کرتے
ہیں۔ صبح وشام اُن کے کھانے کے لیئے آجاتا ہے اور اُن کے ظاہر ہونے تک اسی طرح آتا
رہے گا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سبب جسکی وجہ سے اُنھوں نے اپنی اس حالت پر صبر کر رکھا
ہے کہ وہ مخلوق سے غائب ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اسمیں کوئی تدبیر ہے جسے اُسکے سوا
اور کوئی نہیں جانتا کہتے ہیں۔ اِس مذہب کے قائلین میں بڑی تعداد شعرار کی ہے۔

بعض اُن ہی لوگوں میں وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ محمدؐ بن حنفیہ مرچکے ہیں اور اُن کے بعد امام ان
کا بیٹا ابو ہاشم عبداللہ ہے پھر اُن ہی میں بعض کا یہ قول ہے کہ ابو ہاشم عبداللہ نے اپنے بھائی
حسن کو وصیت کردی تھی اور حسن نے اپنے بیٹے علی بن حسن کو مگر علی مرگئے ہیں اُنھوں نے
کسیکو خلیفہ نہیں کیا لہٰذا اب محمدؐ بن حنفیہ کے واپس آنے کا انتظار ہے اور کہتے ہیں کہ وہ ضرور
واپس آئیں گے اور روئے زمین کے مالک ہوں گے غرض یہ کہ آجتک اسی انتظاری کے جنگل
میں پڑے ہوئے ہیں کوئی ایسا امام نہیں ملتا جو اُن کے خیال کے مطابق محمد بن حنفیہ کو اُن تک پہنچادے
بعض یہ کہتے ہیں کہ ابی ہاشم کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس یا اُن کے باپ علی امام ہیں وجہ
اسکی یہ ہے کہ ابو ہاشم ملک شام سے لوٹتے ہوئے سرات کے ملک میں انتقال کرگئے اور وہیں محمدؐ
بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت کردی محمد بن علی نے اپنے بیٹے ابراہیم بن محمدؐ کو وصیت کردی
پھر ابراہیم بن محمد نے ابوالعباس سفل کو وصیت کردی غرضکہ اسی طرح آپس میں وصیت ہوتے ہوئے
ابوجعفر منصور تک خلافت آگئی علمار کہتے ہیں بعد میں اُنھوں نے اس قول سے رجوع کرلیا اور یہ
کہا کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب کو امام بنانے میں ولیعہد کردیا تھا۔
پھر عباس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پھر عبداللہ نے اپنے بیٹے علی بن عبداللہ کو پھر اسیطرح امامت کو چلاکر
ابوجعفر منصور پر یہ سلسلہ ختم کردیا۔ یہ لوگ راوندیہ کہلاتے ہیں ابومسلم کے بارے میں پھر اس فرقہ میں بھی
دو فرقے ہوگئے ان میں سے ایک فرقہ تو رزامیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ لوگ اُسکے شاگرد اور

چیلے ہیں جسے لوگ رزام کہتے تھے اُنکا قول یہ ہے کہ ابو سلم قتل ہو چکے ہیں دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ابو سلم ابھی مرے نہیں اور اُن سے اُن چیزوں کا حلال سمجھنا نقل کیا جاتا ہے جنکو اُن کے سلف نے اور بزرگوں نے حلال نہیں کیا۔ کیسانیہ میں ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ابو ہاشم نے عبداللہ بن عمرو بن حرب کو امام مقرر کر دیا تھا ابو ہاشم کی روح بھی اسی میں گھس گئی ہے۔ پھر اُنھوں نے عبداللہ بن عمرو کے جھوٹ پر توقف کیا اور امام کو ڈھونڈنے کیلئے مدینہ منورہ پہنچے وہاں یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ملے اُنھوں نے اُن سے کہا کہ تم مجھے امام بنا لو چنانچہ اُنھوں نے اُن کو امام بنا کر اُن کے حق میں وصیت کا دعوی کر دیا اور اُنھیں میں بعض کا قول یہ ہے کہ ابو سلم مرے نہیں وہ یقیناً آئیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ مہدی ہیں جنکی جانب بشارت ہے اور اصبہان کے پہاڑوں میں رہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہاشم نے بیان بن سمعان کو وصیت کر دی تھی بعض کا قول یہ ہے کہ علی بن حسین کو وصیت کی تھی غرضکہ یہ اُن لوگوں کے اقوال ہیں جو محمدؐ بن حنفیہ سے ابو ہاشم تک نص پہنچنے کے قائل ہیں بعض رافضی کہتے ہیں یہ صورت نہیں ہے بلکہ نص تو حسین بن علی کے بعد اُن کے بیٹے علی بن حسین ہی کے لیئے تھی پھر اُنھوں نے اپنے صاحبزادے ابو جعفر کو ولیعہد کر دیا ابو جعفر نے مغیرہ بن سعید کو وصیت کر دی پس یہ لوگ امام کے آنے تک مغیرہ کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور مہدی اُن کے خیال میں وہی محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب ہیں جنھیں وہ زندہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حاجر کے کنارے پر رہتے ہیں اور اپنے ظاہر ہونے کے وقت تک ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ رافضیوں میں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو جعفر محمد بن علی کے بعد امام محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین ہی ہیں جو ابو جعفر منصور کے زمانۂ خلافت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوئے تھے اُنکا قصہ مشہور ہے اور اُن کا خیال یہ ہے کہ یہی مہدی ہیں مگر مغیرہ بن سعید کی امامت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔ بعض رافضی یہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے ابو منصور کو وصیت کر دی تھی پھر ان ہی میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ابو منصور نے اپنے بیٹے حسن بن حسین بن ابی منصور کو وصیت کر دی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین کو وصیت کر دی تھی اور کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے ابو منصور کو وصیت کی بنی ہاشم کو نہ کی یہ بعینہ ایسی صورت ہے کہ موسیٰ نے یوشع بن نون کو وصیت کی تھی نہ اپنے صاحبزادے کو نہ ہارون کے صاحبزادے کو ہاں ابو منصور کے بعد

پھر یہ امر اولاد علی کی طرف لوٹ آیا جیسا کہ یوشع بن نون کے بعد ہارُون کے صاحبزادے کیطرف چلا گیا تھا۔ بعض ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ابو جعفر نے اپنے بیٹے جعفر بن محمد کو ولیعہد کر دیا تھا اور جعفر زندہ ہیں مرے نہیں جب تک اُن کی خلافت وغیرہ ظاہر نہ ہو وہ مرینگے بھی نہیں۔ وہی مہدی کے نام سے اُٹھیں گے۔ بعض رافضیوں کا قول یہ ہے کہ جعفر بن محمد تو مر چکے ہیں ان کے بعد اُنکے بیٹے اسماعیل امام ہیں یہ اسکا انکار کرتے ہیں کہ اسماعیل اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائیں بلکہ کہتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں مر سکتے جب تک کہ وہ روئے زمین کے مالک نہ ہو جائیں کیونکہ اُن کے باپ اُن سے کہہ گئے ہیں کہ میرے بعد تم میرے وصی اور امام ہو۔ رافضیوں کی ایک قسم قرامطہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خلافت نص کے ذریعہ سے ابوجعفر تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ اثنی عشریہ کہتے ہیں اُنکا یہ بھی قول ہے کہ ابو جعفر نے اپنے پوتے محمد بن اسماعیل کو ولیعہد کر دیا تھا پھر کہتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل آج تک زندہ ہیں مرے نہیں اور نہ بلا روئے زمین کے مالک ہوئے وہ مرینگے اور یہی وہ مہدی ہیں جنکی بابت پہلے ہی بشارت ہو چکی ہے۔ اس بارے میں اُنھوں نے ایسی چند حدیثوں سے حجت کی ہے جنھیں اپنے بزرگوں سے نقل کیا ہے۔ ان میں یہ بیان ہے کہ ساتواں امام زندہ ہے۔ انھیں رافضیوں کو لوگ سبعیہ کہتے ہیں جیسا کہ وہ اثنی عشریہ کہلاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ سنہ ۲۹۶ھ سے قبل یعنی غرب اور قاہرہ میں ان کا ظہور ہونے سے پہلے جو شروع میں اُنکے اقوال تھے مصنفوں نے اُن کو ذکر کیا ہے مگر سنہ [illegible]ھ میں ان کا حال نہایت ہی پریشان رہا۔ بعد اسکے الحاد اور دہریپن اُن میں اسقدر بڑھ گیا کہ اتنا غلاۃ وغیرہ کسی فرقہ میں بھی نہیں ہوا۔ ان ہی کے بقیہ یہ ملحد لوگ تھے جو خراسان اور شام وغیرہ میں ہوئے ہیں اسیطرح یہ طوسی اور اُسکے معاونین بھی تھے ایسے ہی سنان وغیرہ ہوئے مگر جو لوگ اُن میں فہمیدہ ہیں وہ اُن کے جھوٹ اور جہل کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن چونکہ ان کی خدمت کرنے سے اُنھیں ریاست اور مال ملتے ہیں اور وہ خواہشیں پوری ہوتی ہیں جو بغیر اس کے نہیں ہو سکتیں۔ اس لیئے وہ ان کی معاونت کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے امثال اہل کذب اور اہل ظلم کی معاونت کرتے ہیں تاکہ اُن کی اغراض پوری ہوں۔ شیعوں میں بعض کا قول یہ ہے کہ خلافت محمد بن اسماعیل ہی کی اولاد میں ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ محمد بن جعفر بن محمد کی اولاد

میں ہے نہ اُن کے بیٹے اسماعیل میں اور نہ موسےٰ بن جعفر میں بعض کا قول یہ ہے کہ خلافت اُن کے بیٹے عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں ہے اور یہ اُن کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے تھے یہی وہ شیعہ ہیں جنھیں لوگ نعلجیہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی بہت بڑی جماعت ہے۔ بعض شیعہ وہ ہیں جو موسیٰ بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ موسےٰ زندہ ہیں مرے نہیں ہیں اور جب تک مشرق و مغرب کے مالک نہ ہو جائیں نہیں مرنے کے یہی وہ قسم ہے جو واقفیہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ لوگ موسیٰ بن جعفر پر توقف کرتے ہیں اُنہیں حد سے نہیں بڑھاتے۔ انھیں لوگ مطورہ بھی کہتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یونس بن عبدالرحمن کا اُن سے مناظرہ ہوا تھا اُسوقت اُس نے کہا کہ تم تو کلاب مطورہ سے بھی زیادہ غلو کرنے والے ہو بس اُسیوقت سے ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ ان ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو موسیٰ بن جعفر کے بارے میں توقف کرکے ہیں اور کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ موسےٰ مر گئے یا نہیں ہر پھر ان ہی میں بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ موسیٰ بن جعفر نے اپنے بیٹے احمد کو ولیعہد کر دیا تھا۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ محمد بن حسن کے بعد جنکا اثنی عشریہ کے نزدیک انتظار ہے ایک اور امام ہے وہی زندہ ہے جو ظاہر ہو کر ساری دنیا کو انصاف سے بھر دے گا اور ظلم کی جہان سے بیخ کنی کر دے گا غرض یہکل بیان اُن شیعوں کے اختلاف کا ایک ٹکڑا اور ایک حصہ ہے جو نص کے قائل ہیں۔ پس جب ساری امت کے تمام فرقوں سے زیادہ ان میں تباین اور اختلاف ہے تو اس فرقہ کا ناجیہ ہونا یقیناً ممتنع ہے کیونکہ فرقہ ناجیہ میں کم سے کم یہبات ضروری ہے کہ اُس فرقہ کے لوگ اپنے دین کے اصول میں سب متفق ہوں جیساکہ اہل سنت والجماعت کا اپنے دین کے اصول پر اتفاق ہے۔ دیکھو امامیہ اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ دین کے چار اصول ہیں۔ ۱ توحید - ۲ عدل - ۳ نبوت - ۴ امامت - مگر تماشا یہ ہے کہ توحید - عدل اور امامت میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں - ہاں نبوت کی بابت یہ ہے کہ جیسے اور تمام امت اُس کی مقر ہے یہ بھی اُسکے مقر ہیں - ہاں امامت میں اُن کا اختلاف تمام امت کے اختلاف سے بڑھا ہوا ہے - اب اگر اثنا عشریہ یہ کہیں کہ ہم ان سب فرقوں سے زیادہ ہیں تو حق ہمارے ساتھ ہے نہ کہ اُن کے ساتھ اسکا جواب یہ ہے کہ اہل سنت تم سے بھی زیادہ ہیں - لہذا حق اُن ہی کے ساتھ ہوگا نہ کہ تمہارے ساتھ کیونکہ تمہاری انتہا یہ ہے کہ امامیہ کے سب فرقے تمہارے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے تم مسلمانوں کے مقابلہ میں - حالانکہ اسلام اللہ کا وہ دین ہے جسپر اہل حق کا اجماع ہے -

مذہب امامیہ کا وجوب

شیعی علمار فرماتے ہیں مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ امامیہ فرقہ کے لوگ اپنی نجات ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی انھیں یقین ہے کہ ہمارے علاوہ دوسروں کی نجات ناممکن ہے۔ مگر اہل سنت کا معاملہ اس سے غیر ہے انھیں نہ اپنی نجات کا یقین ہے نہ دوسروں کی۔ پس ان ہی امامیہ کے اتباع اولےٰ ہوئے مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی بغداد سے کوفہ کا ارادہ کرکے چلے پھر ان دونوں کو دو رستے ملے یہ دونوں اُن میں سے ایک ایک رستہ کو چلے گئے پھر ایک تیسرا آدمی کوفہ کا رستہ تلاش کرتا ہوا آیا اُس نے اُن دونوں میں سے ایک سے پوچھا تم کہاں جاتے ہو جواب دیا کوفہ کو اُس نے پوچھا کیا تمھارا یہ رستہ تمھیں کوفہ پہنچا دے گا اور کیا یہ رستہ پُرامن ہے یا کچھ اُس میں اندیشہ ہے اور آیا تمھارے اِس ساتھی کا رستہ اُسے کوفہ پہنچا دے گا اور اُسکا رستہ بھی پُرامن ہے یا اسمیں بھی کچھ اندیشہ ہے اُس نے کہا مجھے اسکی کچھ خبر نہیں پھر اُس نے اُسکے ساتھی سے یہی باتیں پوچھیں اُس نے کہا میں یقیناً جانتا ہوں کہ میرا رستہ مجھے کوفہ پہنچا دے گا اور یہ میرا رستہ بے شک امن کا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے ساتھی کا رستہ اُسے کوفہ نہیں پہنچائے گا اور نہ وہ رستہ امن کا ہے تو اب اگر یہ تیسرا آدمی اُس پہلے آدمی کے پیچھے پیچھے جائے تو تمام عقلا اُسے بے وقوف اور احمق شمار کرینگے اور اگر اُس دوسرے کے پیچھے جائیگا تو اُسے عقلمند کہیں گے۔

اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ اگر ائمہ دین کے اتباع یہ دعوےٰ کریں کہ ائمہ کی مطلقاً طاعت کرنی چاہیئے اور یہ کہ اسی طاعت سے نجات ہونی ضروری ہے تو خلفار بنی امیہ کے وہ اتباع جو اپنے ائمہ کی طاعت کو مطلقاً ضروری کرتے اور یہ کہتے تھے کہ اس سے ضروری نجات ہوگی وہ حق پر ہوں علاوہ ازیں علی وغیرہ کو سب وشتم کرنے میں اور شیعہ میں سے جو اُن کا مخالف ہو اُس سے جنگ کرنے میں وہ حق پر ہوں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ائمہ کی طاعت کرنی تمام امور میں واجب ہے اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام سے اللہ تعالےٰ کسی گناہ پر مواخذہ نہیں کرتا اور یہ کہ جن امور میں لوگ امام کی طاعت

کرینگے ان کی بابت اُن کے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔ دیکھو یہ لوگ حجت میں تم شیعوں سے اولیٰ ہیں کیونکہ یہ اُن ائمہ کے مطیع تھے جنکو اللہ نے مقرر کیا تھا اور سلطنت دیکر اُن کی تائید اور مدد کی تھی اور جب قدریہ کا مذہب صاف ہے کہ اللہ تعالےٰ وہی افعال کرتا ہے جنہیں بندوں کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہو تو بس اُن لوگوں کا حاکم اور بادشاہ ہونا بھی بندوں کے حق میں مصلحت ہی ہوگا یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ لطف اور مصلحت جو اُن کے طفیل سے ہوگی وہ اُس لطف و مصلحت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوگی جو کسی امام معدوم یا عاجز کے طفیل سے ہو۔ اسوجہ سے جو دین و دنیا کی بہتری خلفاء بنی امیہ کے اتباع کو نصیب ہوئی وہ امام منتظر کے اتباع سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ان لوگوں کو تو اب تک کوئی امام ہی نہیں ملا کہ وہ اُنھیں معروف شے کا امر فرماتا اور شئے منکر یعنی خلافت سے روکتا نہ اُس نے اُن کی دینی یا دنیوی بھلائی میں کہیں کچھ اعانت کی بخلاف اُن لوگوں کے کہ وہ اپنے ائمہ کے وسیلے سے دین و دنیا کے منافع بکثرت اُٹھارہے ہیں ایسے منافع جو شیعوں نے اپنے ائمہ سے آج تک نہیں اُٹھائے۔ بس اس سے معلوم ہوا کہ اگر اُن لوگوں کی حجت جو علی کے شیعہ کہلاتے ہیں صحیح ہو تو اُن لوگوں کی حجت جو عثمان کے شیعہ کہلاتے ہیں بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی اور اگر یہ باطل ہے تو وہ اس سے بھی زیادہ باطل ہوگی۔ لہذا جب یہ شیعہ مع تمام اہل سنت کے اس امر پر متفق ہیں کہ جسوقت یہ لوگ اُن ائمہ کی مطلقاً طاعت کا دعوےٰ کریں تو پھر ان لوگوں کا اپنی نجات پر یقین کر لینا محض غلطی اور گمراہی ہے تو بس اُن لوگوں کی خطا اور گمراہی اِن سے بہت ہی بڑھی ہوئی ہوگی جو ایسے لوگوں کی طاعت کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ امام معصوم کے نائب ہیں۔ حالانکہ معصوم کا کوئی نشان تک نہیں کیونکہ ہمارے احباب کے ایسے امام بالکل عنقا ہیں جن سے یہ مونہ بمونہ باتیں کر سکیں۔ سوائے اِن کے اِن شیوخ کے جو انھیں بہکا کر اُن کے مال کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ مثل جو شیعی علماء نے بیان کی ہے اُسوقت مطابق ہو سکتی ہے کہ پہلے حسب ذیل دو مقدمے ثابت ہو جائیں۔ ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ ہمارا ایک امام معصوم ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ وہ امام ایسے ایسے امر کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں مقدمے ابھی نامعلوم بلکہ باطل ہیں۔ پہلے مقدمہ کو تو

چھوڑو بلکہ دوسرے کو بھی کیونکہ وہ ائمہ جن کی بابت یہ عصمت کا دعوے کرتے ہیں بہت برس ہوئے کہ وہ مرچکے ہیں جنکا انتظار ہے ان کو بھی غائب ہوئے ایک ہزار برس سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسے معدوم ہوئے ہیں کہ بس قیامت میں کروٹ بدلیں تو بدلیں۔ ہاں جن کی اطاعت کی جاتی ہے وہ چند کتابیں ہیں جن کی نسبت شیوخ شیعہ نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ ان میں جتنے اقوال ہیں وہ سب معصوموں سے منقول ہیں حالانکہ ان بیچاروں کو اس کی خبر بھی نہیں اسکے علاوہ نقل کرنے والے معصوم نہیں ہیں کہ اُن کی بات کا اعتبار کیا جاے اور اُن کی نجات کا یقین کیا جاے پس اس صورت سے شیعہ ان ہی ائمہ کا اتباع کرتے ہیں کہ نہ اُن کی نجات کا یقین ہے اور نہ اُن کی سعادتمندی پر اطمینان ہے لہذا نہ وہ اپنی نجات کا یقین کر سکتے ہیں اور نہ اپنے اُن ائمہ کی نجات پر اطمینان کر سکتے ہیں جن سے یہ امر و نہی بیان کرتے ہیں۔ توحید کی حقیقت تو یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی ہم عبادت کریں اُسی کو پکاریں اُسی سے ڈریں اُسی پر توکل کریں اور اُسی کا دین دین سمجھیں نہ کسی امام کا اور یہ کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو اپنا مشکلکشا نہ بنائیں نہ ائمہ شیوخ علماء اور بادشاہوں پر اپنے مذہب کا دار و مدار سمجھیں۔ سوائے اُس ذات باری تعالےٰ کے مخلوق کی مُطلقًا اطاعت کبھی نہیں کی جائے گی اور جسوقت امام اور شیخ کو ایسا سمجھ لیا جاے کہ وہ معبود ہے اور باوجود غائب ہونے کے اور بعد مرنے کے بھی پکارا جاتا ہے اس سے فریاد رسی کی جاتی ہے۔ حاجتیں مانگی جاتی ہیں۔ حالانکہ طاعت اُسی کی ہو سکتی ہے جو حاضر ہو جو چاہے امر کرے جس سے چاہے نہی کر دے۔ اسپر بھی مردہ پرستی پر جو لوگ مٹے ہوئے ہیں وہ اس اسلام کی حقیقت سے خارج ہوگئے جسکی اصل اس کلمہ کی شہادت ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شیعہ کا طریقہ ٹھیک ہے کیونکہ اس میں نجات کا قطعی یقین ہے۔ جب نجات کا مدار یقین ہی پر ہوا تو مشائخ کا طریقہ بھی ٹھیک ہوگا کیونکہ اس میں بھی نجات کا قطعی یقین ہوتا ہے پھر اُس شخص کے طریقہ کو لو جسکا پورا اعتقاد اور یقین ہے کہ یزید ان انبیاء میں سے ایک نبی تھا جو شراب پیتے تھے اور شراب حلال ہے انبیاء نے اُسے پیا ہے یزید بھی اُنھیں میں سے ہے اور جب یزید نبی ہو گیا تو جو نبی سے لڑتا ہے وہ کافر ہوتا ہے تو اس اعتقاد سے حسین وغیرہ کا کافر ہونا لازم آئے گا اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ان لوگوں کا مذہب ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ ہم وہ رزق

نہیں جاہتے جو شیخ ہمیں ہے علی ہذا القیاس اُن لوگوں کا بھی مذہب ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ زمین پر اُترتا ہے اور ہر سجدہ پر وہ اپنا قدم رکھتا ہے اسیطرح اُنکا کہنا بھی ٹھیک ہو جو کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے ہم سے نماز کو ساقط کر دیا ہے اِس قسم کی گمراہیاں جو اکثر عام لوگوں میں ہوتی ہیں اتباع مشائخ کی وجہ سے ہیں کیونکہ اِن میں اکثر لوگ اپنی نجات کا یقین رکھتے ہیں اور اپنے مشایخ کی سعادت مندی پر اثنی عشریہ کے اُس یقین سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے ہیں جو وہ اپنے ائمہ اور اتباع ائمہ کے بارے میں رکھتے ہیں پس اگر ایسے شخص کا اتباع جو نجات کا یقین رکھتا ہے واجب ہو جیسا کہ شیعی علماء فرماتے ہیں تو اُن لوگوں کا اتباع بھی واجب ہوگا اور منجملہ اُن لوگوں کے اتباع کے شیعہ پر قدح کرنا اور اُن کے مذہب کو باطل سمجھنا بھی ہے پس جازم (یعنی نجات کے یقین کرنے والوں) کے اتباع سے شیعہ کے مذہب کا باطل ہونا لازم آئے گا اور اگر جازم کا طریقہ مطلقاً صحیح نہ ہو تو اُسکی حجت باطل ہو جائے گی۔ اسیطرح اور اور مذہب والوں سے بھی کہا جائیگا کہ اگر اہل جزم کا اتباع اُن لوگوں کے اتباع سے بہتر ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی طاعت کا امر کرتے ہیں اور سوائے اللہ اور رسول اللہ کے اور کسی شخص کی طاعت کو واجب نہیں کہتے نہ اور کسی کے سعادت کے ضامن ہوتے ہیں سوائے اس کے جو اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کرے اور اسکے بھی قائل ہیں کہ سوائے رسول کے اور ہر شخص کے قول میں صدق و کذب کا احتمال ہے لہٰذا مطلقاً کسی کی اطاعت نہ کرنی چاہیئے اگر ان لوگوں کے اتباع میں نقص اور خطا ہے اور اہل جزم کا اتباع مطلقاً صواب ہے تو جیسے ائمہ معصومین کے شیعہ کا اتباع کرنا واجب ہے۔ اسیطرح مشائخ محفوظین کے شیعہ کا بھی حالانکہ یہ شیعہ اُن شیعہ پر قدح کرتے ہیں اور وہ شیعہ ان شیعہ پر۔ پس اس سے لازم آیا کہ دونوں فریق باطل بھی ہوں اور حق بھی ہوں اور یہ جمع بین النقیضین ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اصل ہی غلط ہے اور وہ اصل یہی ہے کہ نجات کے یقین رکھنے والوں کا بلا علم اور بلا دلیل کے اتباع کرنا۔ تو پھر اُس کی فروعات کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں یعنی جب کسی نے شیخ جازم بالنجات کا بلا حجت اور بلا دلیل اتباع کر لیا یا کسی امامی جازم بالنجاۃ کا بلا دلیل اور بلا حجت اُن امور میں اتباع کر لیا جن میں اُس کا اتباع واجب تھا تو اُن کے اقوال میں تناقض لازم آئے گا بخلاف اُن اقوال کے جن کا مرجع کوئی صحیح اصل ہو کیونکہ اُن میں تناقض نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ مثل جو شیعی علمار نے بیان کی ہے اور جسے اصل ٹھیرا کر اُسپر قیاس کر لیا ہے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہ آدمی جس سے ایک نے تو یہ کہا کہ میرا رستہ امن کا ہے یہ مجھے کو نفع پہنچا دیگا عقل باور نہیں کرتی کہ یہ شخص محض پہلے آدمی کے کہنے ہی سے اُس کی تصدیق کرے بلکہ عقلا کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اِسے دھوکا دینے کے لیئے جھوٹ بولتا ہو تاکہ اپنے ساتھ لیجا کر کہیں رستہ میں مار ڈالے اور اُسکا سب مال چھین لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جاہل ہو رستہ کے خوف و خطر کی اِسے کچھ خبر نہ ہو باقی یہ دوسرا شخص جو سائل کی کسی بات کا ضامن نہیں ہوا بلکہ اُس نے اُسی کے دیکھنے پر چھوڑ دیا کیونکہ عقلمندی تو یہی ہے کہ آدمی خود دیکھے کہ دونوں رستوں میں چلنے کے لیئے بہتر کونسا ہے اور جو شخص یہ کہے کہ میرا رستہ امن کا اور منزل مقصود پر پہنچا دینے والا ہے اسکی تصدیق کرنی ایسے آدمی سے چاہیئے جو اس بارے میں توقف کرتا ہو اسیطرح سب جاہل اور مفتری مسائل مشتبہ میں یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن میں ہمارا ہی قول ٹھیک ہے اور اُن مسائل کے حق ہونے کا ہمیں یقین ہے لہذا ہمارے اتباع اُن لوگوں سے بہتر ہیں جو غور کرتے اور استدلال لاتے ہیں علی ہذا القیاس وہ جھوٹے شیوخ جو اپنے مریدوں کے لیئے بہشت کے ضامن ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہیں آخرت میں اس قدر اجر عظیم ملے گا اور یہ کہ جو اُن سے محبت رکھے وہی بہشت میں جائے گا اور جو اُنھیں مال دیدے تو وہ اُسے ایسا سرٹیفکٹ عطا کر دینگے جو اُسے اللہ کا مقرب بنا دے تو اُن کا اتباع اُن اہل علم اور اہل صدق اور اہل عدل سے بہتر ہو جو اُسکے لیئے کسی شے کے ضامن نہیں ہوتے سوائے اُسکے کہ جسکی اللہ نے اور اُسکے رسول نے اپنے مطیع بندوں کے لیئے ضمانت کی ہے۔ علاوہ اسکے مناسب یہ ہے کہ ائمہ اسماعیلیہ یعنی معز اور حاکم وغیرہ کا اتباع ائمہ اثنا عشریہ کے اتباع سے بہتر ہو کیونکہ وہ لوگ تو علم الغیب اور باطن شریعت کے کشف اور علو درجہ کے اس سے بھی زیادہ مدعی ہیں کہ جو اثنا عشریہ دعوے کرتے ہیں اور باوجود اسکے کہ وہ محرمات کو حلال سمجھتے اور واجبات کو ترک کرتے ہیں مگر تو بھی اپنے مریدوں کے لیئے ضامن ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے لیئے نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ سب ساقط کر دیا اور ہم اپنے تعلق کے باعث تمہارے لیئے جنت کے ضامن ہیں اور ہمیں اُسکا یقین ہے۔

حالانکہ اثنا عشریہ کا مقولہ یہ ہے کہ ہم بہشت کے مستحق نہیں ہوتے جبتک کہ واجبات کو ادا نکریں اور محرمات کو ترک نہ کریں۔ پس اگر جازم کا اتباع محض اُسکے جزم کی وجہ سے اولے ہو تو اُن لوگوں کا اتباع اُن سے بہتر ہوگا جو کہتے ہیں جس وقت تم نے گناہ کیا تو احتمال ہے کہ تمہیں اُس کی سزا دیجائے اور یہ بھی امید ہے کہ تمہاری خطا معاف ہو جائے کیونکہ یہ لوگ خوف و امید میں ہی پھنسے رہے اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں۔ غرض اس سے معلوم ہوگیا کہ جزم پر محض پیش قدمی کر لینا اُس شخص کے علم اور سچے ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور یہ کہ جب تک دلیل معلوم نہ ہو توقف کر لینا اور رُکا رہنا ہی عقلا کی عادت ہے۔

چوتھا جواب

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہم لوگ اپنی نجات کے جازم ہیں اور اہل سنت نہیں ہیں تو اس سے اگر اُن کی یہ مراد ہے کہ جو کوئی اُن جیسا اعتقاد رکھے گا وہی بہشت میں جائے گا اگرچہ واجبات کو ترک کرتا ہو اور محرمات کا مرتکب ہو تو یہ قول امامیہ کا نہیں ہے اور نہ کوئی عاقل ایسا کہہ سکتا ہے اور اگر یہ مقصود ہے کہ حُبِّ علی ایسی حسنہ چیز ہے کہ اُسکے ہوتے کوئی گناہ مضر نہیں ہو سکتا تو اس بنا پر نمازوں کا ترک کرنا اور بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب ہونا بھی مضر نہیں ہوگا علیٰ ہذا القیاس جس میں حُبِّ علی ہو اُسے بنی ہاشم کی خونریزی کر کے اپنی اغراض پوری کرنے میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا اور اگر کہو کہ صادق محبت (شریعت کی) موافقت کو مستلزم ہوتی ہے تو پھر وہی بات لازم آئے گی کہ واجبات کا ادا کرنا اور محرمات کو ترک کر دینا ضروری ہے اور اگر اس کا مقصود یہ ہو کہ امامیہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جسکا اعتقاد صحیح ہو پھر واجبات کو وہ ادا کرے اور محرمات کو ترک کرے تو وہ بہشت میں جائیگا تو بس یہی اعتقاد اہل سنت کا بھی ہے کیونکہ ایسے شخص کی نجات کا وہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے۔ چنانچہ قرآن شریف بھی اس کا موید ہے ہاں کسی خاص آدمی کے حق میں اُسکے متقین ہونے پر (علم اور یقین نہ ہونے کے باعث وہ توقف کرتے ہیں) اور جس وقت یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص تقوی پر مرا ہے تو اُس وقت اسکا بھی ضرور یقین ہوگا کہ یہ اہل جنت سے ہے اسی وجہ سے جسکے حق میں حضور انور نے فرمادیا کہ یہ جنتی ہے تو اُسکے جنتی ہونے کا سب اہلسنت اقرار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جسکی لوگوں میں تعریف ہوتی ہو تو اُس کی بابت بھی

اہل سنت کا یہی قول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامیہ میں تعریف کے قابل کوئی جزم نہیں ہے جو اہل سنت والجماعت میں نہ ہو اور خاص اُن ہی میں ہو اور اگر وہ یہ کہیں کہ جسے ہم ایسا دیکھیں کہ وہ ہمارے نزدیک واجبات کا پابند اور محرمات کا تارک ہے تو ہم اُسپر یقین کر لیتے ہیں کہ یہ شخص بے شک اہل جنت سے ہے بلا اسکے کہ کوئی معصوم اپنے باطن سے یہ بات ہمیں بتائے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو امامت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اگر اُس کی کوئی دلیل صحیح ہو تو یہ طریق اہل سنت ہی کا ہے اور وہی اِس طریق کے لایق بھی ہیں اور اگر اُس کی کوئی دلیل صحیح نہ ہو تو یہ قول بلا دلیل ہوگا اور کوئی اِس میں فضیلت نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ جس صحیح دلیل کے مدعی ہوتے ہیں اہل سنت اسکے ان سے زیادہ مستحق ہیں اور جس جہالت کا یہ دعوے کرتے ہیں وہ نقص ہوتا ہے اہل سنت اس سے بہت بعید ہیں اب رہا ایک خاص معین آدمی کو بہشتی کہنا سو کبھی تو اُسکا سبب معصوم کا بیان کرنا ہوتا ہے اور کبھی اُن مسلمانوں کی شہادت کا متفق ہو جانا باعث ہو جاتا ہے جو روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضور انور سے مروی ہے کہ آپ ایک جنازہ پر سے گزرے تو لوگ اُس مردے کی خوبیاں بیان کر رہے تھے حضور انور نے اُن لوگوں کے اقوال سنکر فرمایا وجبت وجبت (یعنی اسے بہشت ملنی ضروری ہوگئی) اسکے بعد آپ ایک اور جنازہ پر سے گزرے تو لوگ اُسکی بُرائیاں کر رہے تھے۔ تب بھی آپ نے یہی فرمایا وجبت وجبت اسپر صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ آپ کے وجبت وجبت فرمانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جس جنازہ کی تم لوگ خوبیان بیان کر رہے تھے اُسکے بارے میں میں نے کہا تھا کہ وجبت لہا الجنۃ (اسے جنت ملنی ضروری ہوگئی) اور جس جنازہ کی تم بُرائیاں کر رہے تھے اُسکی بابت نے کہا تھا کہ وجبت لہا النار (اسے دوزخ ملنی ضروری ہوگئی) کیونکہ تم لوگ روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو لہذا جیسا تمھاری زبانوں سے نکلتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔ مسند میں حضور انور سے مروی ہے فرمایا۔ یوشك ان تعلموا اهل الجنة من اهل النار قالوا بم یارسول الله قال بالثناء الحسن والثناء السيء (یعنی اب عنقریب دوزخیوں میں سے بہشتی لوگ تمھیں معلوم ہو جائیں گے صحابہ نے عرض کیا رسول اللہ کس طرح آپ نے فرمایا ان کی خوبیاں اور بُرائیاں معلوم ہونے سے کبھی اُسکا سبب مومن کے خوابوں کا موافق ہونا بھی ہوتا ہے کیونکہ حضور انور نے فرمایا کہ لم یبق بعدی من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراها

العبد الصالح او ترٰی لہ (یعنی میرے بعد نبوت تو بالکل نہیں رہی ہاں عمدہ خوابیں کہ نیک بندے اُنھیں دیکھیں گے یا کوئی کسی کے لیئے دیکھ لے گا) پھر کسی نے حضور سے اس آیت کا مطلب پوچھا لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ (یعنی اُن کے لیئے زندگانی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی) حضور نے فرمایا کہ اس بشارت سے مراد رویائے صالحہ (اچھی خواب) ہیں جسے نیک آدمی خود دیکھے یا کوئی اور دیکھے۔ اسکی تفسیر حضور انور نے مسلمانوں کے تعریف کرنے کے ساتھ بھی فرمائی ہے کسی نے حضور انور سے پوچھا تھا یا رسول اللہ آدمی عمل تو اپنے لیئے کرتا ہے اور لوگ اُسپر اُس کی تعریف کرتے ہیں فرمایا یہ مومن کی بشارت ہے جو دنیا میں مل گئی۔ اور خواب کبھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی حدیث نفس (یعنی محض خیالات کی خواب) ہوتے ہیں اور کبھی شیطان کی طرف سے بھی ہوتے ہیں پس جسوقت کسی امر پر بہت سے مسلمانوں کی خوابوں کا اتفاق ہوگا تو وہ امر بیشک حق ہوگا کیونکہ ایک آدمی سے کبھی غلطی ہو جاتی ہے یا کبھی وہ جھوٹ بول دیتا ہے اور کبھی خواب میں خطا ہو جاتی ہے اور کبھی وہ جان کر بھی جھوٹ بول دیتا ہے پس جسوقت کسی امر پر سب جمع ہو جائینگے تو سب اہل سنت گمراہی اور جھوٹ پر نہیں جمع ہو سکتے لہذا وہ امر حق ہوگا اور جسوقت بہت سے خوابوں میں تواتر ہوگا تو وہ بھی یقین کا فائدہ دینگے پس اسیطرح رویا بھی ہے حضور انور نے فرمایا کہ مجھے متواتر خواب دکھائی دیئے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کے اخیر ہفتہ میں ہوگی۔ لہذا تم میں سے جو کوئی تلاش کرنی چاہے تو اُسے اخیر ہی ہفتہ میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اور یہ تمام اسباب اہل سنت والجماعت کے نزدیک اُن سے اتم واکمل ہیں جو اسباب شیعہ کے نزدیک ہیں۔ پس سعادت کے جاننے اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ شیعہ کے پاس کوئی نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے پاس یہ طریقہ نہایت ہی عمدہ اور کامل ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ اہل سنت اپنے ائمہ کی نجات ہونے کا اس سے زیادہ یقین رکھتے ہیں جتنا کہ امامیہ کو یقین ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ حضور انور کے صحابہ اُن کے ائمہ مہاجرین اور انصار ہیں جن کی بابت اللہ نے فرمایا ہے۔ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار اور اُن کی نجات ہونے کا سب کو یقین ہے کیونکہ سب اہل سنت اسکے قائل ہیں کہ عشرہ مبشرہ یقیناً جنتی ہیں علیٰ ہذا القیاس

اسکے بھی قائل ہیں کہ اہل بدر کے حق میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا تھا اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم (یعنی تم جو چاہو کرو میں تمہاری مغفرت کر چکا ہوں) ہاں وہ یہ بھی کہتے ہیں جس نے بیعت شجرہ کر لی وہ دوزخ میں نہ جائیگا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں حضور انور صلعم سے ثابت ہے اور یہ ایک ہزار چار سو سے زیادہ ائمہ اہل سنت کے ہیں سب اہل سنت اسکے گواہ ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائیگا اور یہ شہادت علم اور دلیل کے ساتھ ہے چنانچہ قرآن اور حدیث بھی اسپر دال ہیں

چھٹا جواب

یہ ہے کہ اہل سنت بھی نجات کے قائل ہیں یا تو مطلقا اور یا خاص طور پر جسکی سند کی کوئی دلیل ہو لیکن ان کے مقابلہ میں امامیہ اگر قائل بھی ہوں گے تو بلا دلیل ہوں گے اور یا ایسے کذب کے قائل ہونگے جسکے کذب ہونے کو وہ خود بھی جانتے ہیں غرض کہ انکا وہی حال ہے جو امام شافعی نے فرمایا ہے۔ کہ "ما رایت قوما اشھد بالزور من الرافضۃ"

ساتواں جواب

یہ ہے کہ یہ امام جسکی نجات کے یہ لوگ قائل ہیں یا تو وہ ہر امر میں مطاع ہوگا (یعنی ہر کام میں اُس کی اطاعت کی جائے گی) اگرچہ مومنین میں سے کوئی اُسکے مخالف بھی ہو اور یا وہ ان ہی امور میں مطاع ہوگا کہ جہاں اللہ اور اُسکے رسول کی طاعت کا امر کرے اور ان امور میں بھی جنکو وہ جتہلو سے بتائے جس وقت یہ معلوم نہ ہو کہ اُسکے سوا اُس سے اولی ہے پس اگر امام وہ پہلا ہی ہے تو اس معنے پر اہل سنت کا امام حضور انور کے سوا اور کوئی نہیں ہے کیونکہ اُن کے نزدیک حضرت کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ ہر امر میں اُس کی اطاعت کرنی ضروری ہو وہ سب اُس کے قائل ہیں جیسا کہ مجاہد۔ حکم۔ امام مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے قول پر عمل کیا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی کیا جاتا۔ سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور وہ اپنے امام کے حق میں اس امر کے گواہ ہیں کہ وہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اس امام کی اقتدا کرے یعنی جو وہ امر فرمائے اُسے کرلے اور جس سے وہ منع کرے اُس سے رُک جائے تو یہ شخص ضرور بہشت میں جائے گا اور یہ شہادت اِن دلائل کے ساتھ امامیہ کی اُس شہادت سے بہت ہی کامل ہے جو وہ عسکریین وغیرہ کے لیئے دیتے ہیں یعنی جو شخص ان کی اطاعت کرلے وہ ضرور بہشت میں جائیگا

اس سے ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کے امام اکمل ہیں اور جسوقت یہ اُن کی اطاعت کریں تو اُنکی شہادت بھی اُن کے حق میں اکمل ہے اور اس میں اُن کی کوئی برابری نہیں کر سکتا اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ آاللہ خیرا مایشرکون (یعنی آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جسے یہ (اسکا) شریک بناتے ہیں۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت محض شر پر محض خیر کی فضیلت ذکر کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ محض شر میں خیر بالکل نہیں ہوتی۔ اور اگر ان کی امام سے مراد مقید امام ہے تو اہل سنت پر اسکی طاعت اسوقت ضروری نہیں ہے جسوقت اسکا امر امام مطلق یعنی حضور انور کے امر کے موافق نہ ہو یہ لوگ جسوقت اسکی اُن امور میں اطاعت کرینگے جنمیں اُس کی طاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے تو یہ اللہ اور اُسکے رسول ہی کے مطیع ہوں گے پس اُسوقت اُنہیں امام مقید کے بارے میں توقف کرنا کہ وہ بہشت میں ہے یا نہیں کچھ مضر نہ ہوگا جیسا کہ معصوم کے اتباع کو مضر نہیں ہوتا جسوقت وہ معصوم کے خلفار کا اتباع کرتے رہیں باوجودیکہ کبھی وہ خلفاء دوزخیوں میں بھی ہوتے ہیں خاصکر وہ خلفا جو ان کے نزدیک خود بھی یہ نہیں جانتے کہ وہ لوگوں کو وہی امر کر رہے ہیں جو اُنہیں معصوم نے کیا تھا یا اُسکے خلاف کر رہے ہیں کیونکہ اُنھیں اس کی خبر ہی نہیں ہے کہ معصوم نے کیا فرمایا ہے۔ اب رہے اقوال رسول اُنھیں سب جانتے ہیں جو کوئی اُن کے موافق امر کرے گا فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ اُن اُمور کے موافق ہے علی ہذالقیاس جو خلاف امر کرے گا وہ بھی فوراً معلوم ہو جائیگا کہ یہ امر خلاف ہے اور اُن امور میں سے جسمیں اختلاف ہوگا اُس میں خلیفہ رسول اجتہاد کریگا پس یہ اُس خلیفہ کی طاعت سے بہتر ہے جو کسی مدعی عصمت کا خلیفہ ہو۔ حالانکہ کوئی ایسا نہیں ہے جو اُسکو جانتا ہو کہ اُس غائب منتظر نے کیا کیا امر کئے ہیں۔ چہ جائیکہ کوئی یہ جانتا ہو کہ ان کا خلیفہ اُن کے موافق ہے یا مخالف پھر اگر یہ اس امر کا دعویٰ کریں کہ خلفا عامل ہیں اُن ہی کی طرف سے امر کرتے ہیں تو اُن لوگوں کے علم سے علماء امت کا علم حضور انور کے امر کے ساتھ اتم اور اکمل ہوگا اور اگر ان کے اقوال کی کوئی صحیح دلیل مانگ لے جو حضرت علی وغیرہ سے منقول ہو تو اُسوقت یہ بالکل بند ہو جائیں گے اُنھیں کوئی راستہ نہ ملیگا کیونکہ اسناد اور راویوں کا انھیں علم نہیں ہوتا جتنا اہل سنت کو ہے۔

آٹھواں جواب

یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُسی شخص کے لیئے سعادت کی ضمانت کی ہے جس نے اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کی۔ اور جس نے نہ کی اُسکے حق میں شقاوت کی وعید ہے پس دار مدار سعادت کا اللہ اور اُسکے رسول کی طاعت پر ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ”ومن یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا“ یعنی اور جو اللہ اور (اُسکے) رسول کی اطاعت کرے تو وہ (اُن مقبول بندوں میں سے ہوگا جو قیامت میں) ایسے (برگزیدہ) لوگوں کے ساتھ ہوں جن پر اللہ نے (اپنی) نعمت اُتاری ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ (ہوں گے) اور یہ لوگ (بہت) اچھے رفیق ہیں۔ اسکے سوا اور ایسی ہی آیتیں ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ خود یہ فرماتا ہے کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم (یعنی اللہ سے تم حتی الوسع ڈرتے رہو) تو اب جو کوئی حتی الوسع اللہ اور اُسکے رسول کی طاعت میں کوشش کرے گا تو وہ ضرور جنتی لوگوں میں سے ہوگا۔ پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ”لن یدخل الجنۃ الا من کان امامیا“ (یعنی جنت میں وہی شخص جائے گا جو امامیہ فرقہ میں ہو) تو یہ بعینہٖ یہود اور نصاریٰ کے قول کی طرح ہے کہ قالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ تلك امانیہم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون“ (یعنی) اور (یہود) کہتے ہیں کہ ہرگز یہود کے سوا (نصاریٰ کہتے ہیں) نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں جانے ہی نہ پائے گا۔ یہ اُن کی خیالی آرزوئیں ہیں (اَے محمد ان سے) کہو کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو (کوئی) اپنی دلیل پیش کرو۔ ہاں جس نے خدا کے آگے اپنا سر جھکایا اور وہ اچھے کام (بھی) کرتا رہا تو اُسکے رب کے ہاں اُسکا اجر اُس کو ملیگا اور نہ اُن کو (آخرت میں کسی قسم کا) ڈر ہوگا اور نہ اُن کو (دنیا کے فوت ہونے کا اندیشہ اور غم ہوگا) یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ منتظر جسکے شیعی علماء مدعی ہیں اسکی اطاعت کسی پر واجب نہیں ہے کیونکہ خاص اُسکا قول کسیکو معلوم ہی نہیں ہے پس اسوقت جس نے حضور انور کی اطاعت کر لی وہی بہشت میں جائے گا اگرچہ اُس امام پر وہ ایمان بھی نہ لایا ہو اور جو شخص اُس امام پر ایمان لے آیا وہ بہشت میں نہ جائے گا ہاں اگر اُس نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر لی غرض سعادت کا دار مدار رسول ہی کی اطاعت کے ہونے نہ ہونے

پہ ہے اور یہی جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان میں فارق ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں میں فارق ہیں پس اس سے معلوم ہوگیا کہ سعادت کا یقین رکھنے والے اہل سنت ہی ہیں اور نجات بھی اُن ہی لوگوں کی ہے جو اہلسنت میں سے ہوں۔

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امامیہ۔ نے اپنا مذہب اُن ائمہ معصومین سے حاصل کیا ہے جو علم۔ فضل۔ زہد۔ ورع۔ عبادت۔ دعاء۔ تلاوت قرآن میں مشغول رہنے کے ساتھ مشہور ہیں اور اول سے آخر عمر تک ہمیشہ اسی پر رہے ہیں۔ اور بعض اُن میں سے لوگوں کو علم سکھاتے تھے اور ہل اتی اور آیت طہارت اور آیت ابتہال وغیرہ اُنھیں کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک رات دن میں ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے اور باوجود اس قدر جہاد کے قرآن شریف کی تلاوت بھی برابر کرتے رہتے تھے۔ سو اول ان ائمہ میں علی بن ابو طالب ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے افضل تھے اور جنکو اللہ تعالے نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جان بنادیا تھا چنانچہ فرمایا وانفسنا وانفسکم اور رسول اللہ نے اُنھیں بھائی کرلیا تھا اور اپنی صاحبزادی اُن سے بیاہ دی تھی۔ علاوہ اسکے اُن کے فضائل بے انتہا ہیں اور بہت سے معجزے بھی اُن سے ظاہر ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اُن کی بابت رب ہونے کا بھی دعوے کیا تھا۔ لیکن آپ نے ان کو قتل کردیا تھا اُن کے مراتب کا غلو یہاں تک ہوگیا تھا جس سے غلاۃ اور نصیریہ بنے۔ اُن کے دو صاحبزادے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد تھے وہ اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اُن دونوں کو رسول اللہ نے امام فرمایا ہے اور وہ دونوں سب لوگوں سے زیادہ زاہد اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے ان دونوں نے راہِ خدا میں لڑنے کا یہاں تک حق ادا کیا کہ خود بھی شہید ہوگئے۔ اور امام باوجود اپنے نہایت فاخرانہ لباس کے کمل پوش تھے۔ بلا اسکے کہ کسی کو اسکی اطلاع ہو۔ ایک دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امام حسین کو لیکر اپنی دائیں ران پر بٹھالیا اور حضرت کے صاحبزادے ابراہیم آپ کی بائیں ران پر تھے اُسیوقت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ فرمایا کہ اللہ ان دونوں کو آپ کے پاس رکھنا نہیں چاہتا لہذا آپ اُن میں سے ایک کو پسند کرلیجئے اُسوقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ کہ اسوقت اگر حسین مرے تو میں اور علی اور فاطمہ تینوں روئیں گے اور اگر ابراہیم مرگئے تو اُن کے صدمہ میں میں ہی روؤنگا چنانچہ آپ نے یہ سوچ کر

اپنے صاحبزادے ابراہیم کے مرنے کو اختیار کر لیا۔ پھر تین ہی روز کے بعد وہ اللہ کے ہاں سدھار گئے۔ جب حسین رسول اللہ کے سامنے آتے تو آپ یہ فرمایا کرتے کہ ایسے شخص کو مرحبا ہو جسپر میں نے اپنا بیٹا قربان کر دیا۔ اِن کے بعد علی بن حسین امام زین العابدین ہیں جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے اور کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتے رہتے تھے اور ایک رات دن میں ہزار رکعت نماز کی پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت کے بعد وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے جو اُن سے اور اُن کے باپ دادوں سے منقول ہوئی ہیں پھر صحیفہ کو ہاتھ میں سے رکھ کے یہ فرمایا کرتے کہ مجھے علی کی عبادت سے کیا نسبت ہے پھر اس قدر روتے کہ آنسو رخساروں کے گوشت میں سے بہنے لگتے۔ حضور انور نے آپ کا نام سید العابدین رکھا تھا۔ ہشام بن عبد الملک نے اپنے حکومت کے زمانہ میں حج کیا تھا۔ جہاں استلام رکن کی اُس نے ہر چند ہی کوشش کی لیکن کثرت اژدحام کے باعث اُسے استلام نصیب نہ ہوا پھر زین العابدین آئے تو اُن کے لیئے سب لوگ کھڑے ہو گئے بلکہ حجر اسود سے سب ہٹ گئے یہانتک کہ امام نے اُسکا استلام کر لیا اُسوقت سوائے اُن کے حجر اسود کے پاس اور کوئی نہ رہا اسپر ہشام بن عبد الملک کو بہت تعجب ہوا اُس نے پوچھا تو فرزدق شاعر نے بہت سے اشعار کے ساتھ اُسے جواب دیا جن میں امام کی اعلےٰ درجہ کی تعریف تھی اسپر ہشام بہت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ فرزدق کو قید کیا جائے۔ پھر امام زین العابدین نے ایک ہزار اشرفیاں فرزدق کے پاس بھیجیں اُس نے وہ واپس کر دیں اور کہا کہ میں نے یہ اشعار فقط اللہ اور اُسکے رسول کی خوشنودی کے لیئے کہے ہیں۔ لہٰذا اسکا میں معاوضہ نہیں لینا امام نے فرمایا کہ ہم اہل بیت ہیں ہم اپنے ہاں سے جس چیز کو نکال دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیا کرتے اِسوقت فرزدق نے وہ اشرفیاں قبول کر لیں۔ مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اُن کے کھانے کے لیئے رات کو اُن کے پاس آجاتا تھا اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں سے آتا ہے مگر جب ہمارے آقا امام زین العابدین کا وصال ہو گیا تو وہ رزق آنا بھی بند ہو گیا اُس وقت معلوم ہوا کہ یہ اُن ہی کی طرف سے تھا۔

آپکے بیٹے محمدؐ باقر زہد اور عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اور اپنے زمانہ کے سب بڑے عالم تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کا نام باقر رکھا تھا ایک دن جابر بن عبد اللہ

انصاری اُن کے پاس آئے اُس زمانہ میں یہ بہت چھوٹے تھے۔ جابر نے اُن سے کہا تمھارے دادا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمھیں سلام کہتے تھے آپ نے فرمایا میرے دادا پر بھی سلام ہو کسی نے جابرؓ سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کیونکہ حضرت کی وفات ہوئے تو کئی برس گزر گئے جابر نے کہا میں ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اور حسین حضور کی گود میں بیٹھے کھیل رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے جابر حسین کا ایک بیٹا ہوگا جسکا نام علی ہوگا اور جب قیامت آئے گی تو ایک منادی پکاریگا کہ سید العابدین کھڑے ہو جائیں چنانچہ ان کے وہ بیٹے کھڑے ہونگے پھر سید العابدین کا بھی ایک بیٹا ہوگا جسکا نام محمد باقر ہوگا وہ علم کو خوب پھیلائے گا۔ جو وقت تم اُن سے ملو تو میری طرف سے اُنھیں سلام کہنا۔ ان سے امام ابو حنیفہ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

جعفر

ان کے صاحبزادے حضرت جعفر صادق علیہ السلام تھے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ عابد تھے علماء سیر کا قول ہے کہ اُنھوں نے ریاست کی خواہش نہیں کی عبادت ہی میں مشغول رہے عمر بن ابی المقدام کہتے تھے کہ جب میری نظر جعفر بن محمد صادق پر پڑتی تھی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بقیہ انبیاء میں سے ہیں اور فقہ امامیہ۔ معارف حقیقت۔ عقائد یقینیہ کو ان ہی نے پھیلایا تھا جس امر کی آپ خبر دیتے تھے وہ اُسی طرح ہو جاتا تھا۔ اسیواسطے لوگوں نے اُن کا نام صادق امین رکھ چھوڑا تھا۔ عبد اللہ بن حسن نے اپنے دونوں صاحبزادوں سے بیعت کرانے کے لیئے اکابر علویہ کو جمع کیا تھا اسپر جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ امر اس طرح راست نہیں آئے گا۔ عبد اللہ اس بات سے ناخوش ہو گئے آپ نے منصور کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تو قبا اصفر والے کا حصہ ہے منصور نے جس وقت یہ سنا بہت خوش ہوئے کیونکہ اُنھیں یقین تھا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے یقیناً ہو کر رہے گا اور سمجھ گئے کہ بیعت مجھ سے ہوگی۔

موسےٰ کاظم

ان کے بیٹے تھے جو عبد صالح کے نام سے پکارے جاتے تھے یہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عابد تھے رات کو نمازیں پڑھتے دن کو روزے رکھتے کاظم ان کا نام اسلیئے ہو گیا تھا کہ جب آپ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اُس سے عداوت رکھنے اور سزا دینے کے عوض اور اُسے

مال دیدیتے تھے اُن کے فضائل موافق مخالف سب نے نقل کئے ہیں - ابن جوزی حنبلی کہتے ہیں۔ شقیق بلخی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کرنے گیا اور اتفاق سے قادسیہ میں اُترا یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان نہایت ہی خوبصورت گندمی رنگ اونی کپڑے پہنے ہوئے سر پر عمامہ باندھے پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے سب سے علٰحدہ بیٹھا ہے - مینے اپنے دل میں کہا کہ یہ جوان کوئی صوفی معلوم ہوتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لوگوں پر بار ہو یعنی لوگوں سے کچھ وصول کرے مینے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ میں اُسکے پاس جاکر اُسے دھمکاؤنگا اتنے میں اُس جوان نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اے شقیق " اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم " (یعنی بہت بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی یقیناً گناہ ہوتی ہے) اُسوقت مینے دل میں کہا کہ یہ تو کوئی بڑا نیک آدمی ہے کہ جو کچھ میرے دل میں تھا وہی بیان کردیا میں ضرور اس سے ملونگا اور اپنی خطا معاف کراؤنگا اتنے میں وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے کہیں نظر نہ آئے پھر جب ہم ایک اور منزل پر جاکر اُترے تو پھر میں نے دیکھا کہ وہی جوان وہاں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں تمام اعضا جنبش میں ہیں - اور آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں - پھر میں نے سوچا کہ اب ان سے ملکر عذر معذرت کرونگا اس وقت اُنھوں نے اپنی نماز جلدی سے ختم کردی پھر فرمایا اے شقیق وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدی (یعنی اور یقیناً میں اُس شخص کو بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے پھر ہدایت یافتہ ہو جائے) مینے کہا یہ تو کوئی ابدال میں سے ہے کیونکہ میرے دل کی باتیں دو دفعہ بتلا چکا ہے - خیر پھر ہم آگے میں پہنچے تو مینے دیکھا کہ وہی جوان وہاں کوئیں پر کھڑے ہیں اور ہاتھ میں لوٹا ہے پانی لینا چاہتے ہیں اتفاق سے لوٹا ہاتھ سے چھٹ کر کوئیں میں جا پڑا اُسیوقت آپ نے آسمان کی طرف مونہ اُٹھاکر یہ مثلث پڑھی۔

انت ربی اذا ظمئت الی الماء — وقوتی اذا اردت الطعاما

یا سیدی مالی سواھا

یعنی اے پاک پروردگار جسوقت مجھے پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو ہی میری سیرابی (کا باعث) ہے اور جسوقت مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو ہی میری روزی (کا سبب) ہے اے میرے آقا میرے پاس تو اسکے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے لہذا اب میں پانی کاہے سے پیونگا)

شقیق کہتے ہیں اللہ کی قسم میں نے خود کوئیں کو دیکھا کہ اُسکا پانی اُوپر چڑھ آیا لوٹا اُوپر تیر رہا تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے لوٹا اُٹھا لیا اور پانی بھر کر وضو کیا چار رکعت پڑھیں۔ پھر وہیں ریتے کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور اُس کی مٹھیاں بھر بھر کر اُس لوٹے میں ڈالدیں اور اُسے پینے لگے۔ میں نے کہا اُس رزق میں سے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے یا جو اللہ نے آپ پر انعام کیا ہے کچھ بچا کھچا مجھے بھی عنایت کر دیجیئے فرمایا اَئے شقیق ہمپر تو ظاہر اور باطن میں اللہ تعالےٰ ہمیشہ انعام کرتا ہی رہتا ہے لیکن تم اپنے اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھا کرو پھر آپ نے وہ لوٹا مجھے دیدیا مینے بھی اُس میں سے پیا دیکھتا کیا ہوں کہ وہ تو میٹھے ستو ہیں۔ قسم ہے اللہ کی ایسے مزے دار اور خوشبودار ستو میں نے کبھی نہیں پیئے میرا پیٹ بھر گیا اور میں خوب سیر ہو گیا بعد میں کئی روز تک مجھے کھانے پینے کی مطلق خواہش نہ ہوئی۔ پھر میں نے اُنھیں دیکھا یہانتک کہ میں مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ اتفاق سے جو میری نظر قبہ سراب پر پڑی تو دیکھتا ہوں کہ وہی حضرت نہایت گریہ وزاری اور خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور صبح تک اسی طرح کھڑے پڑھتے رہے جو وقت صبح صادق ہو گئی تو آپ وہیں مصلے پر بیٹھے تسبیح پڑھتے رہے پھر صبح کی نماز پڑھی اور سات طواف بیت اللہ کے کئے پھر جب چلنے لگے تو میں بھی پیچھے ہو لیا دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کے ساتھ تو بہت سے خادم غلام اور بڑا جاہ وحشم ہے جو حالت میں نے ان کی پہلے دیکھی تھی اب تو رنگ ہی اور ہے۔ بہت لوگ آ آ کر سلام کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں میں نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں کہا یہ موسےٰ بن جعفر ہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی اِس سے تعجب ہوتا تھا کہ ایسی کرامتیں تو سوائے ایسے سید کے اور کسی سے نہیں ظاہر ہو سکتیں۔ اس روایت کو حنبلی نے نقل کیا ہے۔ بشر حافی نے جو بڑے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام میں سے ہیں اِن ہی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی اور صورت اسکی یہ تھی کہ یہ موسےٰ کاظم بغداد میں ایک گھر کے پاس سے نکلتے تھے کہ وہاں سے گانے بجانے اور باجوں گاجوں کی آواز آئی تھوڑی دیر کے بعد ایک لونڈی کوڑے کی ٹوکری لے کے باہر آئی اور اُسے دروازہ پر پھینک دیا آپ نے اُس سے پوچھا کہ اے لونڈی یہ صاحبِ خانہ غلام ہے یا آزاد وہ بولی نہیں بلکہ آزاد ہے آپ نے فرمایا تو سچ کہتی ہے اگر غلام ہوتا تو اپنے آقا سے ضرور ڈرتا پھر وہ لونڈی اندر گئی اُسکے آقا نے پوچھا

وہ اُسوقت شراب کے دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا کہ تونے اتنی دیر کہاں لگائی لونڈی نے کہا مجھ سے ایک آدمی نے یہ یہ باتیں کہی ہیں اُسیوقت وہ ننگے پاؤں بھاگا گیا اور مولانا موسیٰ بن جعفر سے ملا۔ آپ کے ہاتھ پر توبہ کی فقط۔شیعی علمار کا قول یا عقیدہ ختم ہوگیا۔

جواب

اول توہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ امامیہ نے اپنا مذہب اہل بیت سے لیا ہے نہ امامیہ نے اور نہ اور کسی نے بلکہ یہ تو حضرت علی اور ائمہ اہل بیت کے اُن تمام اصول میں مخالف ہیں جنھیں یہ اہل سنت والجماعت کا خلاف کرتے ہیں ان کی توحید۔ عدل۔ امامت۔ تینوں کے مخالف ہیں کیونکہ حضرت علی اور ائمہ اہل بیت کے نزدیک تو اللہ تعالےٰ کی صفات تقدیر خلفار ثلثہ کی خلافت حضرت ابوبکر اور عمر کی فضیلت وغیرہ بہت سے مسائل کا ثبوت ہے اور یہ سب کے سب شیعوں کے مذہب کے مناقض ہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مسائل امامیہ یعنی صفات اور تقدیر وغیرہ اپنے دینی اصول کے مسائل میں شیعہ کا بہت ہی اختلاف ہے ایسا ان کا ایک قول بھی نہیں ہے جو ائمہ معصومین سے منقول ہو یہانتک کہ مسئلہ امامت کی بابت اُن کا اضطراب مشہور ہے اسیطرح نص کی بابت بھی اُن کے بعض اختلافات پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اِس کے علاوہ امام منتظر میں بھی اُن کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں جعفر بن محمد زندہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادہ زندہ ہیں بعض کہتے ہیں عبداللہ بن معاویہ زندہ ہیں۔ بعض کا اُن میں یہ بھی قول ہے کہ علی نے حسن اور حسین کو خاص کردیا تھا اور یہی لوگ محمد بن حنفیہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی بن حسین نے اپنے صاحبزادے ابی جعفر کو وصیت کردی تھی اور یہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کردی تھی یہ بھی اُن کا قول ہے کہ جعفر نے اپنے بیٹے اسماعیل کو وصیت کی تھی اسمٰعیل نے اپنے بیٹے محمد بن اسماعیل کو وصیت کردی تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کردی تھی اور اُنھوں نے اپنے بیٹے موسےٰ کو وصیت کردی تھی۔ غرض یہ کہ کچھ شیعہ تو نص کو محمد بن حسن تک پہنچاتے ہیں اور کچھ لوگ بنی میمون القداح تک جو اپنی

جماعت میں حاکم تھا اور کچھ لوگ نص کو بنی ہاشم سے لیکر بنی عباس تک پہنچاتے ہیں اور یہ ممتنع ہے کہ ایسے متناقضہ اقوال امام معصوم سے ماخوذ ہوں لہذا نکا یہ قول باطل ہو گیا کہ اُن کے تمام اقوال معصوم سے ماخوذ ہیں۔

تیسرا جواب

یہ ہے ہم نے بفرض محال مان لیا کہ حضرت علی معصوم ہیں لیکن جب شیعوں میں اسقدر بے انتہا اختلاف اور اتنا نزاع ہے تو یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ قول حضرت علی کا ہی اور پھر لطف یہ کہ ہر شخص اسکا مدعی ہے کہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ میں نے معصوم ہی کے اقوال سے اخذ کیا ہے۔ اسکے علاوہ اُن کے پاس مشہور راویوں کی اسانید وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ جیسی اہل سنت کے پاس ہیں تاکہ اُن کی سندوں اور راویوں کے عادل ہونے کو ہم خود دیکھ بھال لیں بلکہ وہ محض منقولات اور ایسے لوگوں پر منقطع ہو جاتی ہیں جنکا نقل میں کثرت کذب اور کثرت تناقض مشہور ہے تو پھر بھلا کوئی عاقل اسپر کس طرح اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہے اور اگر یہ نص کے تواتر کا دعوے کریں تو یہ دعوے اوروں کے دعوے سے معارض ہو جائے گا کہ وہ بھی ایسے ہی تواتر کے مدعی ہیں کیونکہ وہ تمام لوگ جو نص کے قایل ہیں جس وقت ایسا ہی دعوے کریں تو پھر دونوں دعووں میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ ان وجوہات سے علی کی عصمت کا ثبوت فرض کرنا ایک ایسا مذہب ہے جو اُن سے ماخوذ نہیں ہے لہذا حضرت علی کی بابت اُن لوگوں کا محض دعوی عصمت کا کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا مسیح کی بابت نصارے کا دعوے الہیت ہے۔ حالانکہ یہ مذہب مسیح سے ماخوذ نہیں ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب میں دو مقدموں کے محتاج ہیں ایک تو یہ کہ ائمہ میں سے جسکی طرف یہ اپنے کو منسوب کرتے ہیں اُس کی عصمت ثابت ہونی چاہیئے دوسرے یہ کہ اس نقل کا اُس امام سے ثبوت ہونا چاہیئے حالانکہ یہ دونوں مقدمے باطل ہیں کیونکہ مسیح معبود نہیں ہیں بلکہ وہ رسول کریم ہیں اور بفرض محال کہ وہ معبود ہوں یا رسول کریم ہوں اُن کا فرمانا حق ہے لیکن جو نصاری کہتے ہیں یہ اُن کا فرمان نہیں ہے اسی طرح علی میں بھی مسیح کی مشابہت ہے

کہ کچھ لوگ ان کا مرتبہ حد سے بڑھاتے ہیں کچھ حد سے زیادہ گھٹاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس مسیح کی بابت کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ معبود ہیں اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ کافر اور ناجائز طریقہ کی اولاد ہیں۔ اسی طرح حضرت علی کو بھی کچھ لوگ معبود بتلاتے ہیں اور کچھ لوگ کافر ظالم کہتے ہیں۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب امام حسن امام حسین ۔علی بن حسین اور اُن کے صاحبزادے محمد اور جعفر بن محمد کے مناقب اور فضائل اس قدر ثابت ہیں کہ شیعی علماء نے بھی ذکر نہیں کیئے برخلاف اسکے بہت سی ایسی جھوٹی باتیں ذکر کی ہیں جو اپنے ناقل کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اُن کا یہ کہنا کہ ہل اتی ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے ۔ حالانکہ باتفاق تمام علماء کے ہل اتی مکیہ ہے اور حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہ زہرا سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور حضرت فاطمہ کی رخصت جنگ بدر کے بعد ہوئی ہے اور امام حسن ہجرت کے دوسرے سال اور امام حسین ہجرت کے چوتھے سال ہل اتی نازل ہونے سے کئی سال کے بعد پیدا ہوئے ہیں ۔اب اُنکا یہ کہنا کہ یہ سورت اُنھیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ایسا جھوٹ ہے کہ جسے قرآن شریف کے نازل ہونے اور ان سادۃ الاخیار کے احوال کی کچھ بھی خبر ہو اُس سے یہ جھوٹ چھپ نہیں سکتا باقی رہی آیت طہارت اُس میں بھی اہل بیت کی طہارت اور اُن سے پلیدی رفع کرنے کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اللہ کا یہ فرمانا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا بعینہ اس آیت جیسا ہے مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ۔ اور جیسی کہ یہ آیت ہے ۔یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشھوات ان تمیلوا میلا عظیما ہ یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا ہ یعنی اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیئے (اپنے) احکام صاف صاف ظاہر کر دے اور جو (اچھے) لوگ تم سے پہلے (گزر چکے) ہیں ان کے طریقے تمھیں تعلیم کرے اور تم پر رحم کرے اور اللہ دانا اور حکمت والا ہے اور اللہ (تو) چاہتا ہے کہ تم پر رحمت (نازل) کرے اور جو لوگ (نفسانی) خواہشوں کے پیرو ہیں (یعنی کفار) وہ (کمبخت یہ) چاہتے ہیں کہ تم (راہ حق سے) بہت دور ہٹ جاؤ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (اگلی امتوں کی سختیاں دور کر کے دین کو تم پر) ہلکا

کردے اور انسان کو کمزور پیدا (بھی) کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں ارادہ امر۔نہی۔رضا۔تینوں پائے
جاتے ہیں کیونکہ یہ ارادہ وہ مشیت نہیں ہے جسمیں وقوع مراد پائی جائے اگر اس میں وقوع مراد پایا جانا
تسلیم کرلیا جائیگا تو جن لوگوں کی طہارت کا اللہ نے ارادہ کیا ہے وہ سب ظاہر ہوگئے ہوں گے یہ بات
ان قدریہ شیعہ کے قول کے زیادہ مناسب ہے جنکے نزدیک اللہ تعالےٰ وہ امر چاہا کرتا ہے جو
ہوتا نہیں اور ہوتا وہ ہے جو وہ چاہتا نہیں۔ دیکھو اس آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس
اھل البیت ویطھرکم تطھیرا کا مقصود یہ ہے کہ مامور کا کرانے اور ممنوع کے نہ کرانے کا تعلق ان کے
ارادے اور افعال کے ساتھ ہے جسوقت یہ مامور کو کرلیں گے طاہر ہوجائیں گے نہیں کرینگے
نہیں ہونگے خود شیعہ بھی اسکے قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے افعال پیدا نہیں کرتا تھ وہ اُن کی
تطہیر کرسکتا ہے۔ ہاں جو لوگ تقدیر کے قایل ہیں اُن میں بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں
کے افعال بھی پیدا کرتا ہے اور تطہیر پر بھی قادر ہے پس جسوقت وہ انھیں اُن امور کا کرنا جنکا انھیں
حکم ہے اور اُن امور کو ترک کرنا جو اُن کے حق میں ممنوع ہیں الہام کردے گا تو طہارت وغیرہ حاصل
ہوجائیگی۔ جس سے یہ معلوم ہوجائیگا کہ یہ آیت اُن امور میں سے ہے جن کا اہل بیت کو حکم تھا
نہ کہ اُن میں سے جنکے وقوع کی اُن کو خبر دی گئی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا۔ علی۔ حسن۔ حسین سب کو ایک چادر اوڑھاکر یہ دعا کی تھی کہ الٰہی یہ میرے
اہل بیت ہیں تو ان کی پلیدی دور کرکے انھیں خوب پاک کردے۔ اِس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح
میں عائشہ صدیقہ سے نقل کیا ہے اور اہل سنن نے ام سلمہ سے نقل کی ہے مگر یہ حدیث دو طرح
سے شیعوں کے قول کے خلاف پڑتی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضور انور نے اُن کے لئے پاکی کی دعا مانگی
اور یہ اسکی دلیل ہے کہ آپ نے اُسکے وقوع کو نہیں بتایا۔ کیونکہ اگر اُسکا وقوع ہوجاتا تو اُسکے ہوجانے
پر حضور اللہ کا ضرور شکریہ ادا کرتے اور اُس کی حمد وثنا بیان کرتے محض دعا ہی پہ نہ رہتے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اسپر دلالت کرتی ہے کہ افعال عباد کا خالق اللہ ہی ہے اور اس
آیت میں امر ونہی دونوں شامل ہیں۔ اب دیکھئے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ یا نساء النبی من یات
منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین ط وکان ذلک علی اللہ یسیرا ہ ومن یقنت منکن
للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما ہ یا نساء النبی لستن کاحد من النساء

ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفاً ۝ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوۃ واتین الزکوۃ واطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ۝ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ و الحکمۃ - ان اللہ کان لطیفاً خبیراً ۝ ترجمہ اے نبی کی بی بیو جو کوئی تم میں سے صریح برائی کرے گی تو اُسکے لیئے دوہرا عذاب دوگنا کیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے - اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اُسکے رسول کی تابعداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اُسے اُس (کے نیک کاموں) کا ثواب دوونا دینگے اور ہم نے (آخرت میں) اُسکے لیئے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے اَے نبی کی بی بیو اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم مثل کسی (معمولی) عورت کے نہیں ہو (بلکہ تمھارا بڑا مرتبہ ہے) پس تم (اجنبی مردوں سے) بات کرنے میں نرمی نہ کرو (اگر ایسا کروگی) تو جسکے دل میں بیماری ہے وہ (کچھ اور) آرزو کرے گا اور اچھی بات کہا کرو - اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو اور اگلی جاہلیت کے ظاہر کرنے کی مثل تم (اپنی زینت) ظاہر نہ کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ کی اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو - سوا اسکے نہیں کہ اے (نبی کے) گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دُور کردے اور تمھیں خوب پاک کرے اور اُن کو یاد کرو جو اللہ کی آئتیں اور حکمت (کی باتیں) تمھارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں - بے شک اللہ پاکیزہ باخبر ہے -

یہ سیاق یعنی طرز بیان اسپر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر اور نہی ہے اور اسپر بھی دال ہے کہ حضور انور کی بی بیاں اہل بیت میں داخل تھیں کیونکر سیاق مخاطبین ہی کے لیئے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آیت لیذھب عنکم الرجس اھل البیت بی بیوں کے علاوہ اوروں کو بھی شامل ہو جیسے علی - فاطمہ زہرا حسن - حسین یہاں اہل بیت کو مذکر صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ وہ مذکر ومؤنث دونوں پر یکساں دلالت کرے - علی وغیرہ اہل بیت ہونے میں ازواج مطہرات سے کچھ زیادہ خصوصیت نہیں رکھتے - اب رہی یہ بات کہ ان ہی کو چادر میں لے لینے کی خصوصیت کیا تھی تو اسکا جواب مسجد قبے والی آیت ہے - چنانچہ ملاحظہ ہو - اسس علی التقوی (یعنے اسکی بنیاد تقوے پر ہے - اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضور انور کی مسجد کی بنیاد تقوی پر نہیں ہے - پس اللہ کا یہ فرمانا لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم

احق ان تقوم فیه فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین ؕ بسبب مسجد قبا ہی کے ہے لیکن باعتبار لفظ کے مسجد قبا کو بھی شامل ہوگا اور مسجد نبوی کو تو بدرجہ اولیٰ شامل ہوگا علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت کی ازواج مطہرات آل میں داخل ہیں یا نہیں اسمیں دو قول ہیں یہ دونوں روایتیں امام احمد سے منقول ہیں لیکن اصح یہ ہے کہ ازواج مطہرات آل اور اہل بیت میں داخل ہیں۔ چنانچہ صحیحین کی روایت اسپر صریح دال ہے جیسا کہ حضور انور کا یہ قول ہے اللهم صل علی محمد وعلیٰ ازواجه وذریته باقی اہل بیت کے موالی یعنی لونڈی غلام یہ بلا اختلاف اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔

اسی طرح شیعی علماء کا محبت کو واجب کہنا بھی غلط ہے کیونکہ صحیح میں سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ابن عباس سے کسی نے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ (یعنی اے نبی کہدو کہ میں تم سے اس (دین کی تبلیغ) پر کچھ اجرت نہیں مانگتا بجز اسکے کہ میرے ساتھ قرابت کی محبت کرو میں نے کہدیا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قرابتیوں کے ساتھ محبت ضرور رکھو۔ اسپر ابن عباس بولے کہ تمنے جواب دینے میں جلدی کی اصل میں اسکا مطلب یہ نہیں ہے کیونکہ قریش میں کوئی بھی ایسا کنبہ قبیلہ نہ تھا جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کچھ قرابت داری نہ ہو۔ تو اسلیئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے نبی تم کہدو کہ میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا سوائے اسکے کہ مجھ سے محبت رکھو اس قرابت میں کہ میرے تمھارے درمیان میں ہے ابن عباس اہل بیت کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور قرآن شریف کی تفسیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے یہ تفسیر اُن سے ثابت ہے اور یہی مطلب اصل معلوم بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے الا المودة لذی القربیٰ نہیں فرمایا بلکہ الا المودة فی القربےٰ فرمایا ہے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے ذوی القربےٰ کا ارادہ کیا تو فرمایا واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ اور نہ المودة فی ذی القربیٰ کہیں محاورہ میں آتا ہے بلکہ لوگ المودة لذی القربیٰ بولتے ہیں۔ لہٰذا اب یہ مطلب کیونکر بنے گا حالانکہ اللہ نے قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ فرمایا ہے اور یہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور اُجرت کا کبھی سوال نہ کرتے تھے بلکہ آپ کی اُجرت اللہ پر تھی لیکن اس آیت کے سوا اور دوسری دلیلوں کے باعث اب اہل بیت کے لیئے ہمارا خبر گیری کرنا حضور کی مزدوری کی

وجہ سے ہرگز نہ ہوتا تھا علاوہ اسکے یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ یہ آیت مکّی ہے (یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے) اور اُسوقت حضرت علی کی فاطمہ زہراء سے شادی بھی نہ ہوئی تھی اور نہ کوئی اولاد تھی پھر یہ آیت اُن کے بارے میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ باقی رہی آیت ابتہال اس کی نسبت صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے علی حسن حسین چاروں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان کو لیکر مباہلہ کیا جائے گا۔ لیکن یہاں اُن کی خصوصیت آپ نے اسلیئے کی کہ اُن کے سوا اور کوئی ان سے زیادہ قریب رشتہ دار نہ تھا کیونکہ اسوقت آپ کا کوئی لڑکا ایسا نہ تھا جو اپنے پاؤں آپ کے ساتھ چلتا لیکن آپ حسن کی نسبت فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا ہے اُس وقت سوائے فاطمہ زہراء کے اور بیٹی بھی نہ رہی تھی کیونکہ یہ مباہلہ اُسوقت ہوا ہے کہ جب نجران کا وفد آیا اور یہ سب نصاریٰ تھے یہ قصہ فتح مکہ کے بعد بلکہ ۹ھ میں ہوا ہے اسی بارے میں آل عمران کے شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں ۔اسی میں حج فرض ہوا ہے اور اسی کا نام سنۃ الوفود یعنی وفد کا سال ہے کیونکہ جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو ہر طرف سے وفود عرب حضور انور کی خدمت میں آنے شروع ہوگئے تھے غرض یہ ہے کہ یہ آیت صرف اسقدر دلالت کرتی ہے کہ حضور انور کے ساتھ رشتہ کا سب سے زیادہ تعلق تھا لیکن یہ دلالت اسکی مقتضی نہیں ہے کہ اُن میں سے فرد واحد تمام مسلمانوں سے افضل ہو اور نہ یہ کہ اُن سب سے اعلم ہو کیونکہ فضیلت تو کمال ایمان اور کمال تقوے سے ہوتی ہے نہ کہ قرابت نسب سے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (یعنی اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ اعزاز کے قابل وہ ہوتا ہے جو زیادہ متقی ہو) یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کتاب و سنت کے اعتبار سے سب سے زیادہ متقی صدیق اکبر ہی تھے حضور انور سے متواتر ثابت ہے آپ نے فرمایا لوکنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا (یعنی روئے زمین کے تمام لوگوں میں سے کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ اِس کی مفصل بحث پہلے ہو چکی ہے۔

حضرت علی کا رات دن میں ایک ہزار رکعت پڑھنا

پھر شیعی علماء کا یہ نقل کرنا کہ حضرت علی رات دن میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے عجیب و غریب بات ہے اصل میں یہ اُن کی فضیلت اور واقعی حال سے بے خبری ہے اول تو اسلیئے کہ یہ

کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ حضور انور سے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رات کو حضور تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ایک اور صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے آپ نے فرمایا افضل القیام قیام داؤد کان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثه وینام سدسه (یعنی رات کو نماز پڑھنے کا افضل طریقہ وہ ہے جس طرح داؤد نے کیا ہے کہ آدھی رات تک سوئے اور رات کے تہائی حصہ میں نماز پڑھتے رہے اور چھٹے حصے میں پھر سو گئے) یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور رات کو مرغ کی آواز پر اٹھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے آپ نے یہ خبر سنی کہ چند آدمی ایسا کہہ رہے ہیں ایک کہتا ہے کہ میں دن رات روزہ سے ہی رہا کرونگا اور افطار نہ کیا کروں گا دوسرا کہتا ہے کہ میں ساری رات نماز ہی پڑھتا رہا کرونگا اور ذرا نہ سوؤں گا۔ تیسرا کہتا ہے کہ میں کبھی گوشت نہ کھاؤنگا چوتھا کہتا ہے۔ میں کبھی شادی نہ کرونگا۔ حضور انور نے یہ خبریں سنکر انھیں بلا کے فرمایا کہ یاد رکھو میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادی بھی کر رکھی ہے۔ اب جو میری سنت اور میرے طریقہ سے منہ موڑے گا وہ میری اُمت میں سے نہیں ہونے کا۔ پھر ایک حدیث میں حضور انور سے مروی ہے جب آپ نے عبداللہ ابن عمرو بن عاص کو یہ کہتے سنا جب تک میں زندہ رہونگا دن کو ہمیشہ روزے رکھوں گا اور ساری رات نماز پڑھا کرونگا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ عبداللہ تم ایسا نہ کرنا کیونکہ اگر ایسا کروگے تو نہ سونے کے باعث آنکھیں علٰحدہ آشوب کر آئیں گی بدن میں جدا ناطاقتی آجائیگی حالانکہ تمھارے ذمہ اللہ کا بھی حق ہے تمھارے نفس کا بھی حق ہے تمھارے ہمسایوں کا بھی حق ہے کہ وقت بے وقت اُن کا بھی کچھ کام وغیرہ کردو اور تمھاری بیوی کا بھی حق ہے لہذا سب ہی کے حق ادا کرنے چاہئیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ ساری رات نماز پڑھنی مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے حضور انور کی ثابتہ سنت میں سے نہیں ہے اسی طرح ہمیشہ روزے رکھنے کیونکہ روزے رکھنے کا افضل طریقہ وہ ہے جس طرح داؤد علیہ السلام رکھتے تھے کہ ایک دن روزہ رکھا دوسرے دن نہ رکھا[۲] اور اسی طرح حضور انور سے جو اس بارے میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور رات دن میں چالیس رکعت کے قریب پڑھتے تھے اور علی چونکہ حضور انور کی سنت سے بخوبی واقف اور آپ کی ہدایت کے انتہا درجہ کے پیرو تھے لہذا اُن کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ ایسی مخالفت

۲ تیسرے دن رکھا چوتھے دن رکھا

کرتے بفرض محال اگر ایسا ہونا ممکن بھی ہو تو ایک رات دن میں ہزار رکعتوں کا پڑھنا مع قیام اور تمام واجبات ادا کرنے کے ممکن نہیں ہے کیونکہ کھانا۔ سونا۔ گھر کے کاروبار۔ رعایہ کے حقوق ادا کرنا وغیرہ یہ ایسے ضروری امور ہیں کہ اُن میں معقول وقت صرف ہو جاتا ہے خواہ آدھا یا کچھ کم وزیادہ اور ایک گھنٹہ میں تو دو سو رکعت یا اُسکے قریب قریب پڑھی بھی نہیں جا سکتیں ہاں اگر کوئی کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے لگے تو اُسکا کچھ ذکر نہیں ہے مگر حضرت علی سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ منافقوں کی سی نماز پڑھتے ہوں کہ منافق سورج کے غروب ہونے کا انتظار دیکھتا رہتا ہے جو وقت وہ ڈوبنے لگتا ہے تو جھٹ اُٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ ذکر الٰہی بھی اُن میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے حالانکہ حضور انور نے کوّوں کی سی ٹھونگیں مارنے سے منع فرمایا ہے۔ غرض ایسے امور حضرت علی طرف سے نقل کرنے کہنے والے کی جہالت پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تہجد کے ساتھ شب بیداری کرنا اور ایک رکعت میں قرآن شریف پڑھ لینا تو حضرت عثمان سے بھی ثابت ہے لہٰذا اُن کا تہجد اور تلاوت قرآن اوروں سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں شیعی علمار کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے افضل علی بن ابی طالب ہی تھے سو یہ محض دعوے ہی دعوے ہے اگلے پچھلے سلمانوں میں سے تمام سلمانوں کا اس میں نزاع ہے۔

پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ حضرت علی کو اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نفس بنا دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔ وانفسنا وانفسکم تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث مواخاۃ تو باطل اور موضوع ہے کیونکہ حضور انور نے خود اپنی کسی سے بھائی بندی کی ہی نہیں۔ اور نہ مہاجرین کی آپس میں کرائی نہ انصار کی ایک دوسرے سے کرائی۔ ہاں مہاجرین اور انصار کی آپس میں کرادی تھی چنانچہ سعد بن ربیع اور عبد الرحمن بن عوف دونوں آپس میں بھائی کر دیئے تھے اسیطرح سلمان فارسی اور ابو الدرداء آپس میں دونوں بھائی تھے جیسا کہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے رہا اللہ کا یہ فرمانا وانفسنا وانفسکم سو یہ بعینہ ایسا ہے جیسا اللہ نے یہ فرمایا ہے۔ لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسہم خیرا (یعنی جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو سلمان مردوں اور سلمان عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلائی کا گمان کیوں نہ کیا) یہ آیت عائشہ صدیقہ کے افک کے قصہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مومنین میں سے ایک آدمی نفس مومنین اور نفس مومنات سے ہوتا ہے اسیطرح اللہ کا

یہ ارشاد ہے۔ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم (یعنے تم سب اپنے اللہ کے سامنے توبہ کرو اور بعض بعض کو قتل کر دے ایساہی اللہ کا یہ قول ہے واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم (یعنی اور وہ وقت یاد کرو کہ) جب ہم نے تم سے (اس بات کا) عہد لے لیا (تھا) کہ آپس میں خونریزیاں نہ کرنا اور نہ اپنے شہروں سے ایک دوسرے کو جلا وطن کرنا) یعنی بعض بعض کو نہ نکال دینا۔ پس اس آیت میں انفس سے مراد اخوان (یعنے بھائی ہیں خواہ نسبی ہوں یا دینی۔ حضور انور نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ انت منی وانا منک (یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے) یہی اشعریین سے فرمایا تھا جو قت اشعریین جنگ میں جاکر عاجز و ناچار ہو گئے یا مدینہ منورہ ہی میں اُنکا روپیہ پیسہ ختم ہو گیا تو جو کچھ لوگوں کے پاس تھا سب ایک جگہ جمع کیا اور جمع کرکے برابر ان میں تقسیم کر دیا اُسوقت حضرت نے اُن کے حق میں فرمایا کہ ھم منی وانا منھم (یعنی وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے) اور یہ حدیث میں ہے اور پہلی دلیل بھی صحیح حدیث میں ہی ہے اور ایک صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت نے خلیبب سے فرمایا کہ ھذا منی وانا منہ اسکا بھی ہم مفصل بیان کر چکے ہیں۔

علیؓ و فاطمہؓ کی شادی

اب رہا حضرت علی کی حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ شادی کر دینا اس میں حضرت علی کی بیشک فضیلت ہے جیساکہ حضور انور نے حضرت عثمان کے ساتھ اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی کر دی تھی۔ لہذا یہی فضیلت عثمان کے لیئے بھی ہے۔ اسی وجہ سے انکا نام ذی النورین تھا۔ اسیطرح حضور انور نے ابو بکر و عمر کی صاحبزادیوں سے شادی کی تھی تو یہ اُن دونوں کے لیۓ فضیلت ہی غرض کہ خلفاء اربعہ سے حضور انور کا سمدھیانہ تھا۔

علیؓ کے معجزات

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی سے بہت سے معجزات بھی صادر ہوئے ہیں ایک تعجب خیز امر ہے شیعی علماء نے کرامات اولیاء کا نام معجزات رکھ لیا ہے اہلسنت والجماعت میں ایسے

صدہا لوگ ہیں جنسے صدور کرامت بیان کیا جاتا ہے۔ ہاں کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ کرامت والوں میں علی کا مرتبہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔ اسکے علاوہ کرامتیں متواتر تھا اہل سنت میں اُن عام لوگوں سے بھی اکثر صادر ہوئی ہیں جو ابو بکر و عمر کی فضیلت کے قائل ہیں لہذا علی سے کرامتوں کا ثابت ہونا کچھ تعجب انگیز امر نہیں ہو باقی محض کرامات کے صادر ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس امر پر دلالت کرے کہ علی سب سے افضل ہیں۔ پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ بعض لوگ اُن کے معجزات کے باعث اُن کے رب ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اور آپنے انکو قتل کردیا ہے تو یہ مقولہ انتہا درجہ کی جہالت کا ہے جسکی چند دلیلیں ہیں ایک تو یہ کہ حضور انور کے معجزات بہت بڑے بڑے ہیں لیکن اُن کی بابت کسی ایک صحابی نے بھی معبود ہونے کا دعوے نہ کیا۔

دوسری دلیل یہ کہ ابراہیم خلیل اور موسٰی کے بھی بہت بہت بڑے معجزے ہیں حالانکہ انکی بابت بھی معبود ہونے کا کوئی مدعی نہ ہوا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ ہمارے نبی کے معجزے اور موسٰے کے معجزے مسیح کے معجزوں سے بہت بڑے ہیں۔ لیکن ان دونوں کی بابت کسی نے بھی معبود ہونے کا دعوے نہ کیا جیسا کہ مسیح کی بابت دعوے کیا گیا ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ مسیح کی بابت معبود ہونے کا دعوے کیا گیا ہے۔ محمدؐ وابراہیم اور موسٰی کی بابت یہ دعوٰی نہیں کیا گیا حالانکہ یہ دعوے اسپر دلالت نہیں کرتا کہ عیسٰی ہی ان سب سے افضل تھے اور نہ اسپر کہ اُن کے معجزے ان سب سے بڑھے چڑھے تھے۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی بابت معبود ہونے کا دعوے کرنا جھوٹا دعوٰی ہی اور جھوٹے ہی دعوے نے اسکا مقابلہ کیا ہے یعنے مسیح کی بابت معبود ہونے کا دعوے کرنا جھوٹا دعوے اور علی کی بابت خوارج کا دعوے کیونکہ خوارج علی کو کافر کہتے ہیں پس اگر یہ کہنا جائز ہو کہ ان کی بابت معبود ہونے کا دعوے محض شبہ قوی ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے اور یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ اُن سے اسقدر گناہ صادر ہوئے ہیں کہ ان کا مقتضٰی یہ تھا کہ خوارج ان کے باعث اُنھیں کافر کہیں۔ ساتھ ہی خوارج اُن لوگوں سے زیادہ عقلمند ہیں جو اُن کی بابت معبود ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ پس اگر ایسی باتوں سے حجتیں کرنی جائز ہوں اور یہ دعوے تعریف

دعویٰ بھی شبہ ہی قوی ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے

اور منقبت شمار کئے جائیں تو علی سے بغض رکھنے والوں اور خوارج کے دعوے ان سے بہت ہی قوی ہوں گے علاوہ ازیں خوارج کو غالیہ رافضیوں سے کیا نسبت ہے۔ کیونکہ خوارج تو نماز۔ روزے اور تلاوت قرآن میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اُن کے بڑے بڑے لشکر اور عساکر ہیں اور وہ ظاہر اور باطن میں دین اسلام کے پیرو ہیں حالانکہ غالیہ رافضی جو معبود ہونے کے مدعی ہیں یا تو وہ سب سے زیادہ جاہل ہیں اور یا سب سے زیادہ کافر ہیں بلکہ غالیہ کے کافر ہونے پر تمام علمار شیعہ سنی کا اجماع ہے اور خوارج کو فقط وہی لوگ کافر کہتے ہیں جو امامیہ کو کافر بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ امامیہ سے بہتر ہیں خود علی نے بھی اُنھیں کافر نہیں کہا اور نہ اُن میں سے کیسکو قتل کرنے کا حکم دیا جیساکہ غالیہ کو جلا دینے کا حکم کر دیا تھا بلکہ آپ نے اُن سے جنگ بھی نہیں کی باوجودیکہ اُنھوں نے عبد اللہ بن جباب کو قتل کر دیا تھا۔ اور لوگوں کی کھیتیاں لوٹ لی تھیں پس علی اور تمام صحابہ اور علما کے اجماع سے یہ ثابت ہو گیا کہ غالیہ رافضیوں سے خوارج بدرجہا بہتر ہیں پس اگر شیعہ کے لیے یہ جائز ہو کہ وہ فرقۂ غالیہ کے آلہیت کے دعوے کو علی کی فضیلت پر حجت پیش کریں تو خوارج کے لیئے بطریق اولے یہ جائز ہو گا کہ وہ اسی کو اُسکے خلاف پر حجت ٹھیرائیں۔

حسن وحسین

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ علی کے دونوں صاحبزادے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اہل جنت کے جوانوں کے سردار تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو امام فرمایا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو صحیح حدیث میں حضور انور سے بلا شک و شبہ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور نے حسن کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالے اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کی بڑی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضور انور سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے انھیں اپنے زانو پر بٹھالیا۔ جبکہ دوسرے زانو پر اُسامہ بن زید بیٹھے ہوئے تھے اُسوقت آپ نے یہ دعا کی۔ اللھم انی احبھما واحب من یحبھما،، (یعنی یا الٰہی مجھے ان دونوں سے محبت ہے اور اس سے بھی کہ جو ان دونوں سے محبت کرے) یہ حدیث اسپر دلالت کرتی ہے کہ حسن نے جو امامت لینے پر جنگ نہیں کی اور لوگوں میں صلح کرانے ہی کو مقصود سمجھا تو اُن کا یہ فعل محبوب یعنی اللہ اور

اُسکے رسول دونوں کو پسندیدہ تھا اور یہ مصیبت نہ تھی بلکہ مسلمانوں سے لڑنے سے زیادہ یہ نہ لڑنا ہی اللہ اور رسول کو پسند تھا اسی وجہ سے ان سے اور اسامہ بن زید سے حضور انور محبت بھی کرتے تھے اور یہی وجہ دعا کرنے کی بھی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں فتنہ و فساد میں پڑنے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ بن زید نے تو نہ کبھی علی کا مقابلہ کیا نہ امیر معاویہ سے کبھی لڑے علی ہذا القیاس حسن بھی علی کو ہمیشہ جنگ نہ کرنے ہی کا مشورہ دیتے تھے اور یہ اسکے خلاف ہے جسپر شیعہ جمے ہوئے ہیں کہ یہ صلح ہی مصیبت اور بُرائی تھی اور یہی باعث ذلت تھی اور یہ کہ اگر وہاں امام معصوم ہوتے تو ہر ایک کے ذمہ ان کی طاعت کرنی واجب تھی اور جو اُن کے سوا والی ہو اُسکی ولایت باطل ہے یہ جائز نہیں ہے کہ اُسکے ساتھ ہو کر جہاد کیا جائے اور نہ اُسکے پیچھے نماز پڑھی جائے تو اس بنا پر امت محمدؐ پر یہ صلح سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہوتی۔ حالانکہ اس میں فساد دین لازم آتا ہے اور پھر اس بارے میں حسن کے لیئے کونسی فضیلت رہے گی جسپر ان کی تعریف کی جائے ہاں غایت درجہ یہ نکلتا ہے کہ حسن کے ضعیف ہونے کی وجہ سے قتال واجب میں شامل ہونے سے اُنھیں معذور سمجھا جائے حالانکہ حضور انور نے حسن کو صلح ہی کرانے میں سید اور محمود فرمایا ہے عاجز اور معذور نہیں فرمایا نہ حسن جنگ کرنے میں امام حسین سے زیادہ عاجز تھے بلکہ یہ اس میں ان سے کہیں زیادہ قوی تھے امام حسین نے تو یہاں تک جنگ کی جیساکہ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ خود بھی قتل ہو گئے اب اگر جو کچھ حسین نے کیا ہے یہی افضل اور واجب تھا تو گویا حسن نے واجب کو ترک کیا اور یا اس سے عاجز رہے اور اگر حسن ہی کا کرنا افضل اور اصلح ہوگا تو یہ اُسپر دلالت کریگا کہ جنگ کا نہ کرنا ہی افضل اور اصلح تھا اور یہ کہ حسن نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ اور اُسکے رسول کو اس سے زیادہ محبوب ہے۔ جو اُنکے سوا اوروں نے کیا۔ حضور انور سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ان دونوں کو مع اُن کے والدین کے چادر کے نیچے کر لیا تھا اور یہ دعا کی تھی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں ان کی ناپاکی دُور کرکے اُنھیں خوب پاک کردے اور یہ کہ آپ نے اُنھیں مباہلہ میں بھی بلایا تھا۔ اسکے علاوہ بھی اُن کے فضائل بہت سے ہیں گو ہم یہ مانتے ہیں کہ سادات مومنین کے بڑے لوگوں میں سے تھے لیکن ان دونوں کا اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ زاہد اور عالم ہونا محض قول بلا دلیل ہے۔ اسکی دلیل ضرور ہونی چاہیئے۔

حسن حسین کا جہاد

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ان دونوں۔نے راہِ خدا میں جہاد کرنے کا یہانتک حق ادا کیا کہ خود بھی شہید ہو گئے یہ اُنپر محض اتہام ہی اتہام ہے کیونکہ حسن نے تو اس کام سے خود علٰحدہ ہو کر خلافت امیر معاویہ کو سونپ دی تھی باوجودیکہ اُن کے ساتھ بہت سے لشکر تھے لیکن اُنھوں نے مسلمانوں سے لڑنا پسند نہ کیا اُن کے فضائل ہیں اس قسم کے امور متواتر ہیں باقی رہی اُن کی موت بعض کا قول یہ ہے کہ یہ زہر دیکر مارے گئے ہیں اور یہی اُن کے لیئے شہادت اور اُن کے حق میں کرامت ہے اگر اس تخیل کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا تو ضرور پڑے گا کہ وہ جہاد کرتے ہوئے میدان جنگ میں تو نہیں مارے گئے۔اب رہے حسین اُنھیں جب اس بات کا علم ہو گیا کہ لوگ میرا ساتھ دینگے تو وہ کربلا پہنچے لیکن جب یہ خبر ہوئی کہ جنھوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ پھر گئے تو آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔اور خلاف شریعت لڑکے جان نہ دی جسے ہم آیندہ ثابت کر دینگے۔انشاء اللہ۔

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ حسن اپنے فاخرانہ لباس کے نیچے اونی کپڑا کمبل وغیرہ پہنتے تھے تو اُن کا یہ قول اسی قسم کا ہے جیسا علی کی بابت کہا تھا کہ وہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے کیونکہ اسمیں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ محض غلط ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر سوت وغیرہ کے کپڑوں کے نیچے اُونی کپڑوں کے پہننے میں کوئی فضیلت ہوتی تو حضور انور اپنی امت کے لیئے ضرور مشروع کر دیتے یا فرما دیتے یا خود کرتے۔نہ حضور انور کے زمانہ میں آپ کے کسی صحابی نے کیا اور نہ اسکی آپ نے رغبت ظاہر فرمائی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں کسی طرح کی فضیلت نہیں ہے لیکن ہاں حضور انور نے سفر میں کپڑوں کے اوپر اونی جبہ پہنا ہے۔

اب رہا اونی ہی کپڑے پہننا اور سوتی وغیرہ نہ پہننا۔ہماری شریعت میں یہ مستحب نہیں ہے اور نہ حضور انور کی یہ ہدایت ہے کسی نے محمد بن سیرین سے کہا تھا کہ ایک فرقہ کے لوگ صرف اُونی کپڑا پہنتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسیح اُونی کپڑا پہنتے تھے اسپر آپ نے یہ فرمایا کہ اوروں کے طریقے سے ہمارے نبی کا طریقہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے پھر علمار کا اس بارے میں اختلاف

ہے کہ حضر میں بلا ضرورت اونی کپڑا پہننا مکروہ ہے یا نہیں ہاں سفر میں اسکا پہننا نہایت عمدہ ہے کیونکہ وہاں اُس کی ضرورت ہونے کا خیال ہے کہ شاید کہیں سردی یا بارش وغیرہ کی تکلیف ہونے لگے پھر اس تقدیر پر کہ آپ نے محض طاعت اور قربتِ الٰہی کے لیئے اونی کپڑا پہنا ہو تو خاکساری کے لیئے اُسکا ظاہر کرنا کپڑوں کے نیچے پہنکر چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ کپڑوں کے نیچے پہننے میں تو سوائے اپنی جان کو بلا فائدہ تکلیف دینے کے اور کوئی بھی نفع نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر وہی امر فرمایا ہے جسمیں اللہ کی زیادہ اطاعت ہو اور بندوں کا اسمیں بے اچھا نفع ہو ایسی تکلیف کا اُنھیں حکم نہیں فرمایا جسمیں اُن کا کوئی نفع نہ ہو۔ حضور انور نے تو یہ فرمایا ہی کہ ان اللہ غنی عن تعذیب ھذا انفسہ " (یعنی اللہ تعالےٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالے)۔

حسین وابراہیم

پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ایک دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حسین کو اپنی دائیں ران پر بٹھایا اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم آپ کی بائیں ران پر تھے اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور حضور انور سے یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ ان دونوں کو آپ کے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ لہذا آپ ان میں سے ایک کو پسند فرما لیجئے اُسوقت حضور انور نے یہ فرمایا کہ اگر حسین مرگئے تو مجھے اور علی اور فاطمہ زہرا تینوں کو صدمہ ہوگا اور اگر ابراہیم فوت ہوئے تو مجھ ہی پر صدمہ گزرے گا اس خیال سے آپ نے ابراہیم ہی کا فوت ہونا اختیار کر لیا چنانچہ تین ہی دن کے بعد پھر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور اُسکے بعد پھر یہ حالت رہی کہ جب کبھی حسین آپ کے سامنے آتے تو آپ یہ فرماتے مرحبا ہو ایسے آدمی کو جسپر میں نے اپنا بیٹا ابراہیم قربان کر دیا۔ فقط

جواب

اس حدیث کو علمار میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا نہ اس کی کوئی سند مشہور ہے نہ حدیث کی کتابوں میں کہیں اسکا پتہ چلتا ہے نہ کوئی اس کی اسناد کو پہچانتا ہے خود شیعی علمار نے بھی نہ کوئی اسکی سند ذکر کی اور نہ کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ دیا بلکہ اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق بلا زمام احادیث سائبہ کی طرح نقل کر دیا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ احادیثِ منقولہ کے سچے جھوٹے ہونے

میں تمیز ہو ہی نہیں سکتی بلا اُن طریقوں کے جو اُسپر دلالت کیا کرتے ہیں ورنہ محض نقل کا دعوے کرنا بمنزلہ باقی اور دعووں کے ہے اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ یہ جہلا کی حدیثوں سے ہے کیونکہ اس حدیث کے مقتضا پر ابراہیم اور حسین دونوں کے جمع کرنے اور دنیا میں رہنے دینے میں اللہ کے ہاں کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جو حسن اور حسین کے جمع کرنے میں ہے۔ لہذا حسن کا جینا ابراہیم کے جینے سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ جب حسن یا حسین کی موت ابراہیم کی موت سے زیادہ کی بات تھی تو حسن کا جینا بھی ابراہیم کے جینے سے بڑا ہی درجہ رکھتا ہوگا حالانکہ حسن مع حسین کے زندہ رہے۔ علاوہ ازین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حق اوروں کے حق سے بڑا ہے اور علی خود بھی یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اولے ہیں چنانچہ وہ اپنی جان سے زیادہ آنحضرت سے محبت رکھتے تھے پس اِس بنا پر اگر ابراہیم فوت ہوئے تھے تو حضرت علی کو اپنے بیٹے کے صدمہ سے زیادہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ابراہیم کا صدمہ ہونا چاہیئے تھا۔ ہاں اِس کے جواب میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بیٹے کی فطری محبت ہوتی ہے وہ نہیں ٹل سکتی تو بس یہی جواب حضور انور کی محبت میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ جسوقت ابراہیم فوت ہوئے۔ حضور انور کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دل غم کے مارے چور ہو رہا تھا اُسوقت آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے ابراہیم مرضی مولیٰ میں ہم دم نہیں مار سکتے لیکن ہمیں تمہاری وجہ سے صدمہ بہت ہے۔ صحیح حدیث میں اسی طرح کہنا مستحب بھی آیا ہے تو اس صورت میں آپ اُن کی موت کو کیونکر اختیار کرکے دوسروں پر قربان کر سکتے تھے اسکے علاوہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک معصوم بے گناہ بچہ دوسرے معصوم بچہ پر قربان کردیا جائے بلکہ اگر یہ جائز بھی تھا تو اسکا عکس ہونا اولے تھا کیونکہ اگر کسی کے پاس فقط اتنا ہی خرچ ہے کہ یا تو بیٹے کو پرورش کرلے یا نواسے کو تو باتفاق تمام مسلمانوں کے بیٹے ہی کا پرورش کرنا واجب ہے کیونکہ بیٹا ہر طرح نواسے سے مقدم ہے اور اگر موت یا کسی صدمہ کا دفع کرنا بلا بیٹا یا نواسا دیئے ممکن ہی نہ ہو تو اس صورت میں بیٹے ہی کو بچانا مشروع ہے خاصکر اس صورت میں کہ کرامت کا دار مدار یہ لوگ حضور انور کی قرابت ہی کو سمجھتے ہیں اور حضرت علی کے فضائل میں اعلیٰ حضور انور کی قرابت ہی کو شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح حسن اور حسین کے حق میں بھی یہی سمجھتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بیٹا سب سے زیادہ

قریب ہوتا ہے تو اب اقرب پر بھلا ابعد کیونکر مقدم ہو جائیگا کیونکہ سبب تو فقط قرابت ہی ہے انس بن مالک نے فرمایا ہے کہ اگر حکم الٰہی یہ ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی ہو تو صاحبزادے ابراہیم یقیناً زندہ رہتے لیکن اوروں کا اس امر میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے جس کو اللہ تعالےٰ نبی بنا دے تو اُسکا بیٹا بھی نبی ہو علاوہ ازیں یہ کیوں ہوا کہ ابراہیم حسین پر فدا کیے گئے اور حسن پر فدا نہ کئے گئے حالانکہ صحیح حدیثیں اسپر دال ہیں کہ ان دونوں میں حسن ہی افضل تھے اور اسی پر تمام اہل سنت اور شیعہ کا اتفاق بھی ہے ایک صحیح حدیث میں یہ مروی ہے کہ حضور انور نے حسن کے حق میں یہ دعا کی تھی "الٰہی مجھے اس سے محبت ہے اور تو بھی اس سے محبت کر اور اُس سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کرے تو اُن پر ابراہیم کیوں فدا کیے گئے جنسے محبت رکھنے والوں کے حق میں بھی حضور انور نے اللہ کے محبت رکھنے کی دعا کی۔

علی بن حسین

یہ علم اور دین میں بڑے تابعین اور سادات میں سے تھے انھوں نے اپنے والد ابن عباس مسور بن مخرمہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی۔ ابو رافع اور امہات المؤمنین یعنی عائشہ صدیقہ ام سلمہ صفیہ اور مروان بن الحکم۔ سعید بن المسیب۔ عبد اللہ بن عثمان بن عفان اور عائشہ کے مولیٰ ذکوان وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور ان سے ابو سلمہ بن عبد الرحمن یحییٰ بن سعید انصاری زہری۔ ابو الزناد۔ زید بن اسلم یا اُن کے بیٹے اور ابو جعفر نے حدیثیں روایت کی ہیں یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں میں نے جتنے بھی ہاشمی دیکھے ہیں ان سب میں یہی افضل تھے۔ محمد بن سعد نے طبقات میں کہا ہے کہ علی بن حسین ثقہ مامون کثیر الحدیث عالی رفیع آدمی تھے اور حماد بن زید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی بن حسین سے سنا ہے کہ جتنے ہاشمیوں سے میری ملاقات ہوئی ہے ان سب میں یہی افضل تھے کہتے تھے کہ اے لوگو تم ہم سے اسلامی محبت رکھو اور تمھیں ہمسے ہمیشہ محبت رہے گی یہانتک کہ پھر وہ ہم پر عار ی ہو جائے گی۔ شیبہ بن نعامہ کہتے ہیں کہ علی بن حسین دینے میں بخل کیا کرتے تھے لیکن جب اُن کا وصال ہو گیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ منورہ میں در پردہ سو اہلبیت کو کھانا دیتے تھے۔ غرض کہ خشوع خضوع اور پوشیدہ صدقہ کرنا وغیرہ ان

ہیں ایسے فضائل تھے کہ جو مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنی صلاحیت اور دین کی وجہ سے اکابر کی مجلسوں سے بھی علیحدہ رہتے تھے اور عمر فاروق کے مولیٰ زید بن اسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے یہ زید بھی تابعین میں بڑے اہل علم اور اہل دین میں سے تھے لوگ علی بن حسین سے طعنہ کے طور پر کہتے کہ تم اپنے لوگوں کی مجلسیں چھوڑ کر اس کی مجلس میں جاتے اور بیٹھتے ہو آپ فرماتے کہ ہاں ہر آدمی وہیں بیٹھتا ہے جہاں اپنے دل کی صلاحیت اور صفائی پاتا ہے۔

باقی شیعی علمار کا یہ بیان کہ آپ ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اسپر ہم پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے ہاں ایسے طریقہ پر جسکی شریعت میں بُرائی آئی ہے لہذا ایسے لوگوں کے مناقب میں ایسے امور ذکر کرنا مناسب ہی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ امور بھی جو انھوں نے ذکر کئے ہیں کہ ان کا نام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سید العابدین رکھا تھا یہ بھی ایسی بات ہے کہ اسکی کچھ اصل نہیں نہ اہل علم اور اہل دین میں سے کسی نے اسے نقل کیا ہے +

امام باقر

اسی طرح ابو جعفر محمد بن علی بھی بہترین علما راور اہل دین میں سے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ اُن کا نام باقر اسی لیئے ہوا تھا کہ اُنھوں نے علم کو بہت پھیلایا تھا نہ اس لیئے کہ اُنھوں نے سجدے کر کر کے اپنی پیشانی کو زخمی کر لیا تھا باقی اُن کا اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عالم ہونا سکے ثبوت کے لیئے دلیل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زہری ان ہی کے ہم عمروں میں سے ہیں حالانکہ وہ لوگوں کے نزدیک ان سے بڑے عالم تھے۔ حضور انور سے اُن کا نام باقر نقل کرنا اہل علم کے نزدیک اسکی بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ موضوع حدیثوں میں سے ہے۔ اسی طرح جابر کا انھیں حضور انور کی طرف سے سلام پہنچانا بھی محدثین کے نزدیک احادیث موضوعہ میں سے ہے۔ ہاں اس حدیث کے سوا اور حدیثیں انھوں نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہیں جیساکہ غسل اور حج وغیرہ کی بابت جو احادیث صحیحہ میں سے ہیں۔ والد علی بن حسین کے ساتھ جابر کے بوڑھے ہو جانے کے بعد اُن کے پاس گئے تھے۔ ابو جعفر نے جابر اور انس بن مالک سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور صحابہ میں ابن عباس۔ ابی سعید خدری۔ ابو ہریرہ وغیرہ سے بھی روایت کی ہے۔ سعید بن المسیب۔ محمد بن حنفیہ۔ عبد اللہ

بن ابی رافع علی کے محرر سے بھی روایت کی ہے۔ اور ان سے ابو اسحاق ہمدانی۔ عمرو بن دینار۔ زہری۔ عطار بن ابی رباح۔ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن۔ اعرج جو عمر میں اُنسے بڑے تھے اور انکے صاحبزادے جعفر۔ ابن جریج۔ یحییٰ بن ابی کثیر۔ اوزاعی وغیرہ نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

جعفر

آپ بھی بہترین علماء اور دیندار لوگوں میں سے تھے آپ نے اپنے نانا اپنی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کے والد سے علم حاصل کیا تھا اور محمد بن منکدر۔ نافع مولی بن عمر۔ زہری۔ عطار بن ابی رباح وغیرہ سے بھی حدیث سیکھی تھی اور اُن سے یحییٰ بن سعید انصاری۔ مالک بن انس۔ سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ۔ ابن جریج۔ شعبہ۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ حاتم بن اسماعیل حفص بن غیاثؒ۔ محمد بن اسحاق بن بشار نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ عمرو بن ابی المقدام کہا کرتے تھے جسوقت جعفر بن محمد کو دیکھتا ہوں تو معاً مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بقیۂ انبیاء میں سے ہیں۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ ریاست کو لات مار کے عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔ یہ بات عقائد امامیہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک امام پر واجب ہے کہ وہ ریاست پر قائم رہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اُسکے وقت میں اور کوئی امام نہیں ہوتا تو اب اُن کے خیال کے مطابق اگر یہ واجب تھا تو نوافل عبادات میں مشغول ہونے سے حکمرانی کرنا بہتر تھا۔ اب شیعی علما کا یہ دعویٰ کرنا کہ جعفر صادق ہی نے فقہ امامیہ معارف حقیقیہ اور عقائد یقینیہ کو پھیلایا ہے اسمیں دو باتیں پائی جاتی ہیں یا تو یہ کہ اُنھوں نے علم میں وہ وہ امور ایجاد کیے ہوں جو اُن سے پہلے لوگ نہ جانتے تھے اور یا یہ کہ اُن سے پہلے لوگوں نے اِس علم کے شائع کرنے میں کوتاہی اور قصور کیا ہو جسکا شائع کرنا واجب تھا اور بھلا کسی عاقل کو اس میں شک ہو سکتا ہے کہ معارف حقیقیہ و عقائد یقینیہ حضور انور نے اپنی امت کے لیئے کامل طور پر نہیں بیان فرمائے اور یہ کہ آپ سے آپ کے صحابہ نے حاصل کر کے تمام مسلمانوں کو نہیں پہنچائے اس سے یا تو امام جعفر پر اعتراض لازم آتا ہے اور یا اُن لوگوں پر۔ لہٰذا یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اتنی جھوٹی باتیں تو اُن کے اب وجد کے بھی سر نہیں منڈھی گئیں۔ وہ بیچارے ان جھوٹی باتوں سے بری الذمہ ہیں مثلاً

اُنپر یہ بہتان اُٹھایا گیا ہے کہ کتاب البطاقہ اُن ہی کی تصنیف سے ہے اور وہ نجوم اور جفر میں یدطولیٰ رکھتے تھے اُسکے علاوہ حقائق التفسیر میں ابو عبدالرحمن نے اُن سے وہ وہ جھوٹی باتیں نقل کی ہیں جن سے اللہ نے اُنھیں منزہ رکھا ہے اور یہانتک کہ اگر کوئی شخص ان جھوٹی باتوں کی تحقیق کرنی چاہے تو وہ انکو امام جعفر ہی کی طرف منسوب کریگا بلکہ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ رسائل اخوان الصفا ان ہی کی تالیف خود سے ہے جسکی بابت ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ امام جعفر کا انتقال سنہ ۱۴۸ھ میں ہوا ہے اور یہ رسالے قریب قریب دوسو سال کے بعد تصنیف ہوئے ہیں یعنی یہ اُسوقت تصنیف ہوئے ہیں کہ جب سنہ ۳۵۰ھ سے بھی کچھ زیادہ میں دولت اسماعیلیہ باطنیہ کا ظہور ہوا ہے جو بنو قاہرہ معزیہ کہلاتے تھے اور اُس زمانہ میں یہ رسالے اُس مذہب ہی کے ظاہر ہونے کے سبب تصنیف کئے گئے ہیں کہ جو ظاہر میں مذہب رفض تھا اور باطن میں کفر محض۔ یہ لوگ اتباع شریعت پر غالب آگئے حالانکہ اُن کے باطن اُن کے ظاہر کے بالکل خلاف تھے باطن میں یہ لوگ فلاسفہ کا مذہب رکھتے تھے اور اسی کے مطابق یہ رسالے وضع کئے گئے۔ ان رسالوں کو چند متفلسفہ شہور لوگوں نے تصنیف کیا تھا۔ غرضکہ یہ قصہ سنہ ۳۰۰ھ کے بعد چوتھی صدی کے شروع میں ہوا ہے۔

موسیٰ بن کاظم

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابو حاتم رازی نے کہا ہے یہ ثقہ امین بڑے سچے ائمہ مسلمین میں سے تھے

جواب

موسیٰ مدینہ منورہ میں سنہ ۱۲۰ھ کے کچھ دن بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ اول اول خلیفہ مہدی نے اُنھیں بغداد لے جاکر پھر مدینہ پہنچا دیا تھا ہاروں رشید کے زمانہ تک یہ مدینہ ہی میں رہے پھر ہاروں رشید عمرہ سے واپس آتے ہوئے موسیٰ کو اپنے ہمراہ بغداد لے گئے اور وہاں قید کردیا آخر وقت وفات تک یہ قیدخانہ ہی میں رہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کی وفات سنہ ۱۸۳ھ میں ہوئی ہے ان کی ایسی کچھ زیادہ روایتیں نہیں ہیں۔ انھوں نے فقط اپنے والد جعفر سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی علی نے ترمذی اور ابن ماجہ میں نقل کی ہے۔ لیکن موسیٰ کے بعد پھر اہل بیت میں سے کسی نے کوئی ایسا علم نہیں سیکھا جسکی خبریں مشہور کتابوں اور تواریخ میں مذکور ہوں ہاں ان تینوں

کی حدیثیں صحاح ستہ۔ سنن اور سندوں میں پائی جاتی ہیں اور اُن کے فتوے بھی اُن کتابوں میں ملتے ہیں جو فتاوی سلف کے بارے میں تصنیف کی گئی ہیں جیسے کہ ابن مبارک۔ سعید بن منصور۔ عبدالرزاق ابی بکر بن ابی شیبہ وغیرہ کی کتابیں۔ لیکن اُن کے بعد اُن کی اولاد میں سناٹا رہا۔ نہ اُن کی کوئی روایت کسی حدیث کی بابت ہے نہ اُن مشہور کتابوں میں جو سلف کے فتاوے کے بارے میں تصنیف کی گئی ہیں اُن کا کوئی فتوٰی ہے نہ اُن کی کوئی تفسیر ہے۔ نہ اور کچھ ہے نہ اُن کے کہیں کچھ اقوال مشہور ہیں ہاں اُن کے بعض فضائل و محاسن ایسے ہیں جنکے یہ اہل تھے موسٰے بن جعفر عبادت اور زہد میں بیشک مشہور تھے۔ مگر وہ حکایت مشہورہ جو شفیق بلخی سے مروی ہے بالکل جھوٹی ہے۔ کیونکہ موسٰی بن جعفر کے حسب حال یہ حکایت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے والد جعفر کے انتقال کے بعد مدینہ ہی میں رہتے رہے جعفر کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا تھا اور یہ اُسوقت تک عراق کی طرف بھی نہیں گئے تھے۔ بھلا پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ قادسیہ میں پہنچتے اور باوجود اس قدر مشہور ہونے کے تن تنہا وہاں اُترتے اُنھیں تو بہت سے امور در پیش تھے مثلاً ملک گیری میں یہ متہم تھے اور اُنپر بغاوت کر دینے کا شبہ تھا اسی وجہ سے اول مہدی نے پھر ہارون رشید نے اُنھیں ماخوذ کرکے بغداد پہنچا دیا تھا اب رہا یہ کہ بشر حافی نے اُن ہی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ موسٰی بن جعفر کو جبوقت ہارون رشید عراق لے گیا تو اُس نے فوراً اُنھیں قید کر دیا اتنی مہلت کہاں تھی کہ یہ بشر کے یا اور کسی کے مکان پر چلے جاتے۔

علی رضا

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے علی رضا ہیں جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زاہد اور سب سے بڑے عالم تھے بہت سے مشہور فقہا نے اُن سے علم تحصیل کیا تھا۔ مامون کو جبوقت اُن کا کمال اور فضل معلوم ہوا تو اُس نے اُنھیں حاکم کر دیا تھا یہانتک کہ سکّہ بھی اُن ہی کے نام کا چلتا تھا اہل آفاق کے نام حکمنامے بھیجدیئے تھے کہ سب اُن سے بیعت کریں اور اُنکے میلے کچیلے کپڑے بھیکوا کر سبز لباس پہن کرادیا تھا

جواب

افسوس ہے کہ ہمارے دوست شیعہ ایسے الفاظ سے اُن کی تعریف کرتے ہیں جو درحقیقت تعریف نہیں ہوتی اور ایسے ایسے دعوے گھڑتے ہیں جنکی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور ایسی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں کہ اگر اُن حضرات

کی فضیلت شیعوں کے کلام کے سوا اور کسی کے کلام سے کسی کو معلوم نہ ہو تو اُن کی مصنوعی تعریفیں ہمیشہ کے لیے آنکھ کے واسطے ہجو ملیح بن جائیں۔ علی بن موسیٰ کے مشہور محاسن اور مکارم اور پسندیدہ تعریفیں ہیں جو اُن کی حالت کے مناسب اور لائق ہیں جنھیں اہل معرفت بخوبی جانتے ہیں لیکن شیعی علمار نے ابھی تک اُنکی ایک فضیلت بھی دلیل سے جا تفظ ذکر نہ کی۔ باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زاہد اور سب سے بڑے عالم تھے محض دعوے بلا دلیل ہے جو شخص کسی کی تعریف کرنے میں حد سے زیادہ بڑھ جائے وہ ایسے ہی دعوے کیا کرتا ہے سب جانتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں ایک نہیں بلکہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو علم اور زہد میں اُن سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ جیسے امام شافعی۔ اسحٰق بن راہویہ۔ احمد بن حنبل اشہب بن عبدالعزیز۔ ابو سلیمان دارانی معروف کرخی اور اُن کے امثال نیز علاوہ ازیں محدثین میں سے کسی نے بھی اُن سے کچھ نہیں سیکھا نہ حدیث کی کتابوں میں اُن کی کوئی روایت نقل کی ہاں ابوصلت ہروی وغیرہ نے ان کی ایسی جھوٹی باتیں نقل کی ہیں کہ خدا تعالےٰ نے صادقین کو اُن سے محفوظ رکھے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بہت سے مشہور فقہار نے اُن سے علم حاصل کیا ہے سو یہ سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ جمہور فقہا جو مشہور ہیں اُنھوں نے اُن سے کچھ حاصل نہیں کیا اور اگر کسی ایسے فقیہ نے کچھ حاصل کیا ہو جو جمہور فقہار میں معروف نہیں ہے تو اُسکا کوئی انکار نہیں کرتا کیونکہ فقہا اُن لوگوں سے بھی حاصل کیا کرتے ہیں جو علم میں متوسط درجہ کے ہوں یہانتک کہ جو متوسط سے کم ہوں بعض لوگوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ معروف کرخی علی بن موسےٰ کے خادم تھے اور اُن ہی کے ہاتھوں پہ مسلمان بھی ہوئے یا یہ کہ خرقہ اُن کو اُن ہی سے پہنچا تھا یہ سراسر کذب اور معروف کرخی پر بہتان عظیم ہے۔

فاطمۃ الزہرار

شیعی علماء نے اسی قسم کی فضیلتوں سے حضرت بی بی فاطمہ کو بھی نہیں بخشا۔ چنانچہ وہ متفق اللفظ خاتون محشر کی فضیلت میں مفصلہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان فاطمۃ احصنت فرجہا فحرمہا اللہ وذریتہا علی النار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اسلیئے اُنپر اور اُن کی اولاد پہ آگ (یعنی دوزخ) کو حرام کر دیا ہے۔ مگر یہ بھی باتفاق تمام محدثین کے جھوٹی ہے اور اسکا جھوٹ محدثین کے علاوہ اوروں کو

بھی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اُن کا یہ کہنا کہ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی اسلیئے اللہ نے اُن پر اور اُن کی اولاد پر دوزخ کو حرام کر دیا یقیناً باطل ہے۔ کیونکہ سارہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی) نے بھی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی لیکن اللہ نے اُن کی تمام اولاد پر آگ کو حرام نہیں فرمایا اور یہ فرمایا۔

"وبشرناہ باسحٰق نبیا من الصالحین وبارکنا علیہ وعلےٰ اسحٰق ومن ذریتہما محسن وظالم لنفسہ مبین"

(یعنی اور ہم نے اُن (ابراہیم) کو اسحاق کی بشارت دی جو نیکوں میں ایک نبی ہیں اور ہم نے اُنپر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور اُن دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے)

اور فرمایا "ولقد ارسلنا نوحا وابراہیم وجعلنا فی ذریتہما النبوۃ والکتاب فمنہم مھتد وکثیر منہم فاسقون"

(یعنی اور بیشک یقیناً ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی پس اُن میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور اُن میں کے اکثر بدکار ہوئے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل اُن ہی کی اولاد میں ہیں۔ حالانکہ اُن میں کفار اسقدر ہیں کہ اللہ کے سوا اُن کا کوئی شمار نہیں کر سکتا اسکے علاوہ حضور انور کی پھوپی صفیہ نے بھی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی حالانکہ اُن کی اولاد بھی محسن اور ظالم دونوں طرح کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ عورتیں جنھوں نے شرمگاہوں کی حفاظت کی ہے اسقدر ہیں کہ اُن کی تعداد اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا حالانکہ پھر ان کی اولاد میں نیک اور بد۔ مومن اور کافر سب قسم کے لوگ ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت فاطمہ کو فضیلت اور عظمت محض اسی وجہ سے نہیں ہے کہ انھوں نے شرمگاہ کی حفاظت کی۔ کیونکہ اس میں تو حضرت فاطمہ اور مسلمانوں کی تمام عورتیں شریک ہیں اور حضرت فاطمہ سیدۃ نساء العالمین بھی اسی وصف کے باعث نہیں ہوئیں بلکہ اس وصف کے ساتھ جو اس سے بھی زیادہ اخص ہے بلکہ یہ تو شیعی علماء کی علمیت کا پورا ثبوت ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے نہ عمدہ دلیل بیان کر سکتے ہیں اور نہ ایسا جھوٹ بول سکتے ہیں جو چلنے کے قابل ہو۔ ان سب کے علاوہ حضرت فاطمہ کی بھی ساری اولاد پر دوزخ حرام نہیں ہے بلکہ اُن میں بھی نیک اور بد دونوں ہیں۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جنھیں شیعی علماء کافر کہہ چکے ہیں۔ ان ہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے ابوبکر اور عمر کا ساتھ دیا جیسے کہ زید بن علی بن حسین وغیرہ جو حضرت فاطمہ زہرا ہی کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ شیعوں نے زید بن علی بن حسین کو اور جو اُن کے ساتھی تھے سب کو چھوڑ دیا اور اُن کے حق میں کافر اور فاسق ہونے کے قائل ہو گئے بلکہ اُسکے

علاوہ علی بن موسیٰ کا اپنے بھائی کو نصیحت کرنا بھی اسپر دال ہے کہ فاطمہ کی اولاد میں مطیع اور عاصی دونوں قسم کے لوگ ہیں اور انھیں کرامت الٰہی اللہ کی اطاعت ہی کے باعث نصیب ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات تمام مخلوق میں قدر مشترک ہے کیونکہ جو کوئی اللہ کی اطاعت کرے گا اللہ اُس کی عزت اور تکریم کریگا اور جو کوئی اُسکی نافرمانی کریگا تو وہ اللہ کے اہانت کرنے کا مستحق ہوگا۔ اسی پر قرآن اور حدیث دلالت کرتے ہیں۔ لیکن شیعی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ مامون نے اُن کو حاکم کر دیا تھا ہاں یہ صحیح ہے لیکن اُن کا یہ کہنا پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ علی بن موسےٰ اپنے مرنے تک برابر حاکم ہی رہے۔ مامون نے اس عہدہ سے انھیں معطل نہیں کیا۔ حالانکہ شیعوں کا یہ خیال ہے کہ مامون نے انھیں زہر دیکر مار دیا تھا پس اگر مامون کا پہلا فعل یعنی حاکم بنانا حجت ہے تو یہ دوسرا فعل یعنی زہر دیدینا بھی حجت ہوگا اور اگر یہ حجت نہیں ہے تو پھر علی بن موسے کے مناقب میں ایسے امور ذکر کرنے بھی مناسب نہیں ہیں لیکن حقیقت مناقب سے ہمارے دوست مزید واقفیت نہیں رکھتے نہ انھیں ان طرق کی خبر ہے جن سے مناقب معلوم ہوتے ہیں۔ اسیوجہ سے یہ لوگ ابی نواس کے اشعار سے استدلال لاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اشعار سچے بھی ہوں تو ایسے شاعر کی شہادت سے جو کذب و فجور میں مشہور ہو کسی شخص کے فضائل کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ ابو نواس نے جو شعر کہا ہے۔ وہ بھی ٹھیک نہیں کہا کسی نے ابو نواس سے کہا تھا کہ تو علی رضا کے مناقب کیوں نہیں بیان کرتا تو اُسوقت اُس نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

قلت لا استطیع مدح امام　　کان جبریل خادماً لابیہ

یعنی میں نے کہا میں ایسے امام کی مدح نہیں کر سکتا جسکے باپ کا جبریل خادم تھا۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ یہ وصف مشترک ہے جو حضرت علی کی اولاد ہیں اُن میں بھی اور جو اُن کی اولاد نہیں ہیں اُن میں بھی کیونکہ آدمی کا انبیاء کی اولاد سے ہونا سب میں قدر مشترک ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ تمام لوگ نوح اور آدم کی اولاد سے ہیں اور بنی اسرائیل خواہ یہودی ہوں یا غیر یہودی یہ ابراہیم اسحٰق یعقوب کی اولاد سے ہیں ہمارے احباب شیعوں کی اکثر حجتیں اور دلیلیں یہی اشعار ہوتے ہیں جس سے اُن کی لاعلمی پائی جاتی ہے۔ معمولی عقل کا انسان بھی اشعار اور حکایتوں سے کسی کے مناقب پر کبھی استدلال نہیں لایا کرتا۔

علی جواد

شیعی علما فرماتے ہیں محمد بن علی جواد علم۔ سخاوت۔ اتقا میں اپنے والد کی طرح نہایت ہی حاذق و فیاض آدمی تھے۔ جب اُن کے والد رضا کا انتقال ہو گیا تو باوجود اُن کی کم عمری کے اُن کی زیادتی علم اور

دینداری اور کمال عقل کی وجہ سے مامون اُن کا گرویدہ ہوگیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی اُن سے کرنی چاہی۔ پہلے اُس نے اپنی دوسری بیٹی ام حبیب کی شادی اُن کے والد سے کردی تھی۔ اس خبر سے عباسیوں کو بہت فکر ہوا اور اُنھیں بُرا لگا اور یہ اندیشہ ہوا کہ ہم میں سے کہیں حکومت نہ جاتی رہے جس طرح اُن کے باپ سے بیعت ہوگئی تھی اب اُن سے نہ ہو جائے اس سے مقرب اور درباری لوگ مامون کے پاس جمع ہوئے اور اس خیال سے اُسے باز رکھنا چاہا اور یہ کہا کہ یہ ابھی بچہ ہے انہیں ابھی علم بھی کچھ نہیں ہے مامون نے یہ جواب دیا کہ میں اُن کی حالت اور علم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اگر تم چاہو تو اُن کا امتحان لے لو چنانچہ اس پر وہ سب رضامند ہوگئے اور قاضی یحییٰ بن اکثم کو بہکا سکھا کے اور بہت سا مال و دیگر اسباب پر جمایا کہ اُنکا کسی ایسے مسئلہ میں امتحان لو جس میں اُن سے جواب نہ بن آئے یہ ساکت ہو جائیں۔ اس امتحان کا اُن لوگوں نے ایک دن معین کردیا۔ مقررہ دن پر مامون نے محمد بن علی قاضی اور عباسیین کو جمع کیا اس مجمع میں قاضی نے امام سے کہا کہ آپ سے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا پوچھو۔ قاضی نے کہا آپ اُس محرم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی شکار کو مار ڈالے۔ آپ نے اُس سے یہ سنتے ہی چند الزامی سوال کیئے اور یہ فرمایا کہ اُس نے حل میں مارا ہے یا حد حرم میں عالم تھا یا جاہل۔ پہلی ہی مرتبہ کیا ہے یا کہ اب دوبارہ کیا ہے۔ شکار چھوٹی قسم کے جانوروں میں سے تھا یا بڑی قسم کے۔ یہ محرم غلام تھا یا حر۔ بچہ تھا یا بوڑھا۔ یہ شکار پرندوں میں سے تھا یا کہ چوپایوں میں سے یہ سوال ہوتے ہی یحییٰ بن اکثم کے ہوش باختہ ہوگئے۔ اُسکے چہرے پر زردی چھاگئی یہانتک کہ تمام اہل مجلس کو قاضی کی پریشانی کی کیفیت معلوم ہوگئی اُسوقت مامون نے اہل مجمع سے کہا بولو یہ بچہ عالم ہے یا جاہل۔ سب نے اپنا کان پکڑا اور خاموش ہو رہے۔ اِسکے بعد مامون ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا آپ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ کہا تو نکاح کا خطبہ اپنے لیئے آپ خود ہی پڑھ لیجئے۔ آپ نے خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر معین ہو کر جیسا کہ حضرت فاطمہ کا تھا نکاح ہوگیا۔

جواب

محمد بن علی جواد بنی ہاشم میں سے تھے اور یہ سخاوت میں بے شک مشہور تھے اسی لیئے اُن کا نام جواد پڑ گیا تھا پچیس برس کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا ۱۹۵ھ میں یہ پیدا ہوئے تھے اور ۲۲۰ھ یا ۲۱۹ھ میں انتقال ہوگیا تھا ہاں یہ صحیح ہے مامون نے اپنی بیٹی کا نکاح اُن سے کردیا تھا اور وہ اُنھیں ہر سال ایک

لاکھ درہم دیتا تھا پھر معتضد اُنھیں بغداد لے گیا اور وہیں اُنکا انتقال ہوگیا۔ باقی سب کہانیاں ہیں یہ حکایت یحییٰ بن اکثم کی جو شیعی علماء نے بیان کی ہے یہ اُن جھوٹی حکایتوں میں سے ہے جنسے سوائے عوام کے اور کوئی ہرگز خوش نہ ہوگا یحییٰ بن اکثم بڑے فقیہ اور عالم آدمی تھے اُن کی شان سے یہ بعید بات ہے کہ وہ کسی کو ساکت کرنے کے لیئے یہ مسئلہ پوچھتے کہ ایک محرم نے شکار کو مار ڈالا کیونکہ اس مسئلہ کا حکم تو فقہا کے بچے بھی جانتے ہیں یہ کوئی بڑی عجیب و غریب علمی بات نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی بات ہے جسے خاص خاص مشہور علماء ہی جانتے ہوں۔ اسکے علاوہ شیعی علماء نے جو علی جواد کے نام سے ذکر کیا ہے وہ فقط مارنے والے کے احوال کی تقسیم اور تفصیل ہے اس میں بھی اُن اقسام کے حکم کا بیان نہیں ہے اور محض تقسیم کو ذکر کر دینا اقسام کے احکام سے واقف ہونے کو مقتضی نہیں ہے اور اگر یہ دلالت بھی کرے تو اس سوال ہی کے حسن ہونے پر دلالت کرے گی۔ حالانکہ یہ لازم نہیں ہے کہ اگر کوئی سوال اچھے کرے تو وہ جواب بھی اچھے ہی دے پھر اگر ان اقسام کا ذکر کرنا قاضی پر ضروری تھا تو پوری قسمیں تو امام نے بھی ذکر نہیں کیں اور اگر واجب نہ تھا تو چند قسموں کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ منجملہ ان اقسام کے یہ دریافت کرنا بھی ضروری تھا کہ آیا جان بوجھ کر مارا ہے یا غلطی سے مر گیا ہے اور یہ تقسیم اُن کے اس طرح پوچھنے سے زیادہ بہتر تھی کہ وہ عالم تھا یا جاہل کیونکہ جان بوجھ کر مارنے اور غلطی سے مر جانے میں باتفاق تمام علماء کے گناہ ہونے میں فرق ہے اور غلطی سے مر جانے پر جزا لازم ہونے کی بابت اختلاف مشہور ہے۔ چنانچہ سلف اور خلف میں سے ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ اُسکے ذمہ کوئی جزا نہیں ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے وہ کہتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم الایۃ (یعنی اور تم سے جو کوئی اُسے قصداً ماریگا تو جس (شکار) کو مارا ہے چوپایوں میں سے اُسکا مثل (اس جرم کا) بدلہ ہے)۔

پس اس آیت میں جزا واجب ہونے کے لیئے خاص متعمد ہی کو ذکر کیا ہے اور یہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اسکو مقتضی ہے کہ اگر خطاءً کسی سے کوئی شکار مر جائے تو اُسکے ذمہ جزا نہیں ہے۔ کیونکہ اصل قانون ذمہ کا بری ہی ہونا ہے اور نص نے فقط متعمد ہی پر جزا واجب کی ہے۔ اور مخطی اصل پر ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خاص متعمد کے حق میں حکم بیان کرنا مخطی سے اُسکے منتفی ہونے کو مقتضی ہے کیونکہ یہ صفت کا مفہوم ہے۔ جو سیاق شرط میں ہوتا ہے لیکن وہ جمہور جو مخطی پر جزا واجب ہونے کے قائل ہیں وہ اُسے عموم احادیث اور

آثار سے ثابت کرتے ہیں اور اسپر قیاس کرتے ہیں کہ آدمی کے خطاءً قتل کر دینے میں جرمانہ ہے اور کہتے ہیں کہ خاص متعمد کو اللہ نے اسلیئے ذکر کیا ہے کہ اُس نے اور احکام بھی وہی ذکر کئے ہیں جو متعمد کے ساتھ خاص ہیں۔ اور وہ وعید ہیں کیونکہ فرمایا ہے۔

لیذوق وبال امرہٖ عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ، یعنی تاکہ وہ اپنے کام کی سزا کو چکھ لے جو کچھ گزر چکا اللہ نے اُس سے درگزر فرمائی اور جو کوئی دوبارہ کریگا اللہ اُس سے انتقام لیگا۔

جب اُس نے جزا اور انتقام کو ذکر کر دیا تو یہ مجموع متعمد کے ساتھ مختص ہوگا اور یہ لازم نہیں ہے کہ عمد کے نہ ہونے پر اُن میں سے بعض ثابت ہو اور اسی کی مثل یہ آیت ہے۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا یعنی اور جب تم زمین پر سفر کیا کرو تو (اس میں) تمپر کچھ گناہ نہیں ہے کہ نماز سے کچھ کم کر دیا کرو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے)

پس یہاں اللہ تعالےٰ نے قصر سے عدد اور ارکان دونوں کی کمی کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس قصر میں جو دونوں قسمیں شامل ہیں سفر اور خوف کے متعلق ہے لیکن دونوں کے ساتھ خاص ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں سے ایک احد الامرین کے ساتھ ثابت نہ ہوگا۔ اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں اور اسی وجہ سے امام کو یہ پوچھنا چاہیئے تھا کہ آیا اس محرم کو وہ شکار مارتے وقت اپنا محرم ہونا یاد تھا یا وہ بھول گیا تھا کیونکہ بھولکر مارنے والے میں جاہل سے زیادہ اختلاف ہے حالانکہ امام نے جاہل کو تو پوچھا اور اسکو نہ پوچھا اور یہ بھی پوچھنا تھا کہ اس محرم نے اُسکو اسلیئے مار دیا کہ اُس نے اسپر حملہ کیا تھا یا اس لیئے کہ یہ بھوک میں بے بس اور مجبور تھا اور یا اُس نے بلا سبب محض ظلم اور عبث ہی سے مارا ہے علاوہ ازیں ان قسموں میں سائل کی اس صریح جہالت سے امام معصوم کا مرتبہ بلند ہے اللہ تعالےٰ ایسی جہالت سے اُسے منزہ اور بری رکھتا ہے خیال تو کیجئے کتنا جاہلانہ سوال ہے کہ آیا حل میں مارا ہے یا حرم میں! کیونکہ محرم تو جس وقت شکار کو مارتا ہے اُسکی جزا اسپر واجب ہو جاتی ہے اور اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے چاہے وہ حل میں ہو یا حرم میں۔ ہاں حرم کے شکار کو مارنا حلال اور محرم دونوں پر حرام ہے۔ اُس وقت کوئی محرم تھا اور اُس نے حرم کے شکار کو مار دیا تو وہ حرمت اور زیادہ مؤکد ہو گئی۔ لیکن جزا ایک ہی ہے (باقی امام کا یہ پوچھنا کہ اب پہلی ہی دفعہ مارا ہے یا دوبارہ مارا ہے) سو یہ فرق ضعیف ہے۔ اہل علم میں سے اسکی طرف کوئی نہیں گیا تمام جمہور اسی کا

ہیں کہ خواہ کوئی پہلی دفعہ مارے یا دوسری دفعہ جزا برابر واجب ہو گئی (اور اُسکا یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ کا مہر پانسو درہم کا تھا) یہ بھی ثابت نہیں ہے بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بی بیوں اور صاحبزادیوں میں سے کسیکا مہر پانسو درہم بارہ اوقیہ اور نش سے زیادہ نہیں کیا (نش کے معنی نصف کے ہیں (اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) یہی حضرت عمر وغیرہ سے مشہور ہے۔ لیکن اب رہیں ام حبیبہ تو اُن کا نکاح حضور انور سے نجاشی (شاہ حبشہ) نے کر دیا تھا اور اُنھوں ہی نے اپنے پاس سے مہر بھی زیادہ دیدیا تھا بہرحال یہ ثابت ہو یا نہ ہو۔ مہر کا کم ہی ہونا سنت ہے اور اسیواسطے علمار نے اُسکو مستحب قرار دیا ہے کہ حضور انور کی بیبیوں اور صاحبزادیوں کے مہر سے زیادہ مہر نہ کیا جائے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے مہر میں اپنی درع دی تھی بہرحال دونوں امروں میں سے کسی میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو امام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو چہ جائے کہ اُن کے عالم ہوتے پر دلالت کرے اگرچہ اُن کے لیئے بدون اسکے بھی بہت سے فضائل ثابت ہیں۔

امام عسکری

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے علی ہادی تھے اور اُن ہی کو عسکری بھی کہتے تھے اور وجہ عسکری کہنے کی یہ تھی کہ متوکل نے اُن کو مدینہ منورہ سے بغداد بلوالیا تھا پھر وہاں سے رُسنے کے علاقہ میں سر کی طرف چلے گئے اور وہاں ایک موضع میں رہنے لگے جسے لوگ عسکر کہتے تھے لیکن پھر وہاں سے مصر ہی واپس چلے آئے۔ وہاں بیس برس اور نو مہینے رہے۔ متوکل نے اُن کو اسلیئے بلوالیا تھا کہ وہ علی سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ پھر اُس نے سُنا کہ علی کا مدینہ میں بہت اعزاز ہے اور لوگوں کا اُن کی طرف بہت میلان ہے اِس لیئے اُسے اُن سے اندیشہ ہوا اُس نے یحیٰی بن ہرثمہ کو بلا کر حکم دیا کہ علی کو حاضر کر۔ اسپر اہل مدینہ میں شور مچ گیا کہ مبادا ان کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کی جائے کیونکہ علی ان لوگوں پر بہت احسانات کرتے تھے اور نماز کی وجہ سے ہمیشہ مسجد ہی میں رہتے تھے۔ آخر یحیٰی بن ہرثمہ نے یہ قسم کھائی کہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جائیگی۔ پھر اُن کے مکان کی تلاشی ہوئی تو وہاں سے سوائے مصاحف اور چند دعاؤں اور علم دین کی کتابوں کے کچھ نہ نکلا اس سے یحیٰی کے دل میں اُن کی بہت وقعت ہو گئی اور اُس نے اُن کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ جب بغداد پہنچے تو اول ابو اسحاق بن ابراہیم طائی والی بغداد سے ملاقات ہوئی اُس نے کہا اے یحیٰی یہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہے اور متوکل کو تو جانتا ہے اب اگر تو ذرا بھی متوکل

کے سامنے اُن کی طرف سے بُرائی کر دے گا تو وہ فوراً انھیں قتل کرا دے گا اور قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس خونِ ناحق پر باز پُرس کریں گے لہٰذا سوچ سمجھکر کام کرنا۔ یحییٰ نے اُس سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو اُن کی خوبیاں ہی بیان کرونگا۔ پھر یحییٰ کا قول ہے جب میں متوکل کے پاس پہنچا تو میں نے اُن کی خوش اخلاقی زہد اور پرہیزگاری اس سے بیان کی۔ اُس نے امام کا بہت اعزاز کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد متوکل بیمار ہو گیا پھر اُس نے یہ نذر مانی کہ اگر مجھے آرام ہو گیا تو میں بہت سے درہم خیرات کرونگا پھر آرام ہوتے کے بعد اُس نے تمام فقہاء سے دریافت کیا کہ بہت سے درہموں کی تعداد بتلاؤ لیکن کسی فقیہ کو اسکا جواب نہ آیا اور سب ساکت ہو گئے آخر اُس نے علی ہادی کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیئے آدمی بھیجا آپنے فرمایا کہ تراسی درہم خیرات کر دے تیری نذر پوری ہو جائے گی۔ متوکل نے اس فتوے کا سبب پوچھا تو آپنے فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ (یعنی بے شک اللہ نے تمہاری بہت جگہ مدد کی ہے) اور وہ بہت جگہ اسی قدر تھیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائیس غزوے کیئے ہیں اور چھپن لشکر بھیجے ہیں اور یہ سب تراسی ہوئے۔

مسعودی کا قول ہے کہ متوکل کے دل میں علی بن محمد کی طرف سے کسی نے یہ شبہ ڈال دیا کہ اُن کے مکان میں قم کے باشندوں کے ہتیار ہیں اور اُن کا ارادہ ملک گیری کا ہے۔ متوکل نے یہ سنکر ترکوں کی دوڑ بھیجدی۔ اُنھوں نے راتوں رات اُن کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور تلاشی لی تو وہاں کچھ بھی نہ ملا ایک بند کمرہ میں دیکھا تو وہاں علی ہادی بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ ایک اونی درع اُنپر پڑی ہوئی تھی غور سے دیکھا تو آپ ریتے اور کنکریوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کے شوق و ذوق میں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں سپاہیوں نے اسی حالت میں اُٹھا کے اور سوار کر کے آپ کو متوکل کے پاس پہنچا دیا جسوقت آپ اُسکے پاس پہنچے تو وہ شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیئے ہوئے تھا اُس نے اس حالت پر بھی آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اپنے پاس بٹھا لیا اور وہ پیالہ شراب کا آپ کی نذر کیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میرے گوشت اور خون کو آجتک کبھی شراب کا نشہ نہیں ہوا۔ لہٰذا مجھے معاف رکھو۔ چنانچہ پھر اُس نے نہیں دیا اور یہ کہا کہ مجھے کچھ سنایئے آپ نے کم ترکوا من جنات وعیون سے لیکر آگے تک آیتیں سنائیں پھر اُس نے کہا کہ کوئی شعر بھی سناؤ آپ نے فرمایا کہ مجھے شعر گوئی کا ربط بہت کم ہے اُس نے کہا نہیں کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے۔ اُس وقت آپنے چند شعر پڑھے وہ شعر سنکر متوکل اسقدر رویا کہ اُسکی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی فقط شیعی علماء کا کلام ختم ہوا۔

جواب

یہ کلام بھی ویسا ہی ہے جیسا شیعی علمار نے پہلے بیان کیا ہے انھوں نے کوئی تعریف صحیح دلیل کے ساتھ نہیں کی بلکہ ایسے امور ذکر کئے ہیں جنکو سب علما جانتے ہیں کہ یہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ انھوں نے اس حکایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ والی بغداد اسحق بن ابراہیم طائی تھا۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ یہ اسحق بن ابراہیم خزاعی تھے انھیں اور ان کے گھر والوں کو سب جانتے ہیں کہ یہ سب خزاعہ کے خاندان میں سے تھے کیونکہ یہی اسحق بن ابراہیم حسین بن مصعب کے بیٹے ہیں اور ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب خراسان کے حاکم مشہور تھے اور ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن طاہر متوکل وغیرہ کے زمانۂ حکومت میں بغداد میں نائب رہے ہیں۔ جس وقت امام احمد بن حنبل کا انتقال ہوا تو ان کی جنازہ کی انہی نے نماز پڑھائی تھی اور معتصم اور واثق کی حکومت میں اور کچھ متوکل کے زمانہ میں بھی یہی اسحق بن ابراہیم نائب رہے ہیں اور یہ بھی سب کے سب خزاعہ ہی کے خاندان سے تھے۔ ان میں کوئی طے کے خاندان کا نہ تھا ساتھ ہی اہلبیت مشہور ہیں۔

باقی یہ بات جو شیعی علمار نے ذکر کی ہے کہ متوکل نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ بہت سے درہم خیرات کریگا اور اس نے یہ مسئلہ تمام فقہا سے دریافت کیا لیکن کسی سے جواب نہ ملا اور یہ کہ علی بن محمد نے اُسے یہ حکم دیا کہ تراسی درہم خیرات کر دے نذر پوری ہو جائیگی اور دلیل میں یہ آیت پڑھی لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ اور یہ کہ یہ مواطن کثیرہ اسیقدر تھے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ستائیس غزوے کئے ہیں اور چھپن لشکر بھیجے ہیں۔ یہ حکایت کیا تو سراسر لغو ہے اور یا عسکری پر فتوی دینے کا محض بہتان باندھا ہے کیونکہ کسیکا یہ کہنا کہ میرے ذمہ بہت سے درہم ہیں یا کوئی یہ کہدے کہ قسم ہے اللہ کی میں فلاں آدمی کو بہت سے درہم دونگا یا میں بہت سے درہم خیرات کرونگا تو علمار مسلمین سے کسی کے نزدیک بھی اسطرح کہنے کو تراسی پر حمل نہیں کر سکتے۔ یہ حجت مذکورہ چند وجوہ سے باطل ہے۔

اول تو یہ کہ مواطن سے یہ مراد لینی کہ ستائیس غزوے ہوئے اور چھپن مرتبے لشکر کشی ہوئی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ باتفاق تمام علمار سیر کے حضور انور نے ستائیس غزوے نہیں کیئے بلکہ اس سے کم کیئے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آیت جنگ حنین میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالے نے ان موقعوں کی خبر دی ہے جو اس سے پہلے ہو چکے تھے لہذا واجب ہے کہ مواطن کثیرہ اس سے پہلے ہو لیئے ہوں

حالانکہ جنگ حنین کے بعد ہی طائف اور تبوک کی بھی جنگ ہوئی ہے بلکہ اُسکے بعد اور بھی بہت سی جگہ لشکر کشی ہوئی ہے جیسا کہ جریر بن عبد اللہ کو ذی الخلصہ کی طرف بھیجنا۔ جریر حضور انور کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے مسلمان ہوئے تھے اکثر غزوے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی ہوئے ہیں تو اس آیت میں تمام غزوں وغیرہ کی خبر ہرگز نہیں ہوسکتی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان سب لڑائیوں میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جنگ احد اور جنگ موتہ کا وقوعہ ہی موجود ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سے مواقع اسی قسم کے ہیں کہ مسلمان منصور نہیں ہوئے پس اگر تمام مغازی اور سرایا مراد ہوں تو سب میں یہ منصور نہیں ہوتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ آیت میں کثیر سے مراد مراسی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس لفظ سے یہی خاص عدد مراد ہو اگرچہ کیونکہ کثیر کا لفظ تو عام ہے ہزار دو ہزار ہی نہیں بلکہ بہت سے ہزاروں کو شامل ہے اور جب یہ اتنی مقداروں کو شامل ہے۔ تو اب بعض قسموں کو مراد لینا اور بعض کو نہ لینا یہ حکم بلا دلیل ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ۔ (یعنی کوئی ایسا ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ (اللہ تعالےٰ) اُسکے مال (کے ثواب) کو کئی گُنا بڑھا دے) پھر نص حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نیکی کو اللہ تعالےٰ سات سو گُنے تک بڑھا دیتا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیکی کو اللہ دو ہزار گُنے تک بڑھا دیتا ہے اور ان سب ضعاف (یعنے گنوں) کا نام کثیرہ ہے اور اسی طرح وہ مواطن بھی کثیرہ ہی ہیں اور دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین (یعنی بسا اوقات اللہ کے حکم سے تھوڑے لوگ بہت لوگوں پر غالب آجاتے ہیں اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے) تو یہاں بھی کثرت اعداد کی بہت سی قسموں کو شامل ہے کیونکہ جن لوگوں کو بہت کہا گیا ہے وہ کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں کیونکہ اگر تھوڑے آدمی ایک ہزار ہوں اور جو بہت ہیں وہ تین ہزار ہوں تو بہ نسبت بڑے عدد کے یہ بھی کم ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا۔ اذ یریکہم اللہ فی منامک قلیلا ولو اراکہم کثیرا لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلم (یعنی (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب ان (کافروں) کو اللہ تمھیں تمھارے خواب میں کم دکھلاتا تھا اور اگر انھیں تم کو بہت (کرکے) دکھا دیتا تو یقیناً تم سست ہوجاتے اور (لڑائی) کے کام میں باہم اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں اِس سے

بچالیا) سب جانتے ہیں کہ اللہ نے اہل بدر کو سو سے زیادہ کر کے دکھایا تھا حالانکہ نسبت اور اضافت کے اعتبار سے اُسے قلیل ہی فرمایا اور ان سب امور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلت اور کثرت اضافی امر ہیں اسی لئے اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ذمہ فلاں شخص کا مال عظیم ہے یا خطیر ہے یا کثیر ہے یا جلیل ہے تو آیا اسکی تفسیر اس سے کی جائیگی اور وہ یہ معنی کہے کہ جس سے آدمی متمول ہو جائے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے ایک گروہ کا قول ہے یا اُسکی تفسیر تسلیم نہ کی جائیگی مگر یہ کہ جسے مال خطیر کہہ سکیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول ہے اور امام احمد کے بعض شاگردوں کے اس میں دو قول ہیں اور دوسرے قول والوں میں سے بعض نصاب سرقہ معین کرتے ہیں۔ بعض نصاب زکوٰۃ مقرر کرتے ہیں اور بعض دیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ غرض یہ نزاع تو اقرار میں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور کسی امر ماضی کی خبر دینی اسکا تو فقط مخبر کو علم ہوتا ہے مگر مسئلہ مذکور انشاء ہے جیسا کوئی وصیت کرے کہ فلاں کو میرے مال میں سے بہت سے درہم دیدینا اس موقع پر راجح تر صورت یہ ہے کہ اسمیں متکلم کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے پس جس عدد کا نام اُسکے عرف میں کثیر ہوگا اسی کے مطابق کلام کو اسپر حمل کریں گے اور اگر کوئی بادشاہ اپنی نذر میں دراہم کثیرہ کہے تو اُسکے کہنے کو سو یا سو کے قریب درہموں پر حمل نہیں کرینگے۔ بلکہ اگر اسکا کلام دیت کی مقدار یعنی بارہ ہزار درہموں پر حمل کیا جائے تو اس سے کم پر حمل کرنے سے بہتر ہے اور لفظ تو اس سے بھی زیادہ کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ مقدار تو وہ ہے جو شرع میں بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قلت اور کثرت امور نسبیہ اضافیہ میں سے ہے جیسے کہ عظیم اور لوگوں کی حالت میں اختلاف ہونے سے ان میں بھی اختلاف آجاتا ہے۔ لہذا ہر آدمی کا کلام اسی معنی پر حمل کیا جاتا ہے جو اس مقام میں اُسکے حال کے مناسب ہو۔

اب رہی وہ حکایت جو شیعی علمار نے مسعودی سے نقل کی ہے اسکی سند منقطع ہے۔ علاوہ اس کے مسعودی کی تاریخ میں اسقدر جھوٹی باتیں ہیں کہ سوائے اللہ کے اُنھیں کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا پھر اس حکایت منقطعۃ الاسناد پر کیونکر کوئی اعتماد کر سکتا ہے جو ایسی کتاب میں ہو جو کثرت کذب میں مشہور ہے ساتھ ہی اسکے یہ کہ اسمیں کوئی فضیلت بھی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو ایسی ہے کہ وہ اکثر عام مسلمانوں میں بھی ہوتی ہے بلکہ عام لوگوں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حسن

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے حسن عسکری تھے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل

بڑے عالم زاہد فاضل عابد آدمی تھے اور بہت سے علماء نے اُن سے روایت کی ہے۔ فقط

جواب

یہ کہانی بھی بالکل جھوٹ ہے کیونکہ وہ علماء جو احادیث روایت کرنے میں معروف و مشہور ہیں وہ ان حسن بن علی عسکری کے زمانہ میں تھے۔ لیکن علماء کی کتابوں میں ان کی کوئی روایت ان سے مشہور نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس احادیث کی کتابوں کے شیوخ بخاری مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ بھی اُس زمانہ میں موجود تھے یا اُن سے کچھ پہلے اور کچھ بعد میں ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اُن شیوخ کے نام جمع کئے ہیں یعنی ان ائمہ کے اساتذہ کے نام لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے حسن بن علی عسکری سے روایت کی ہو باوجودیکہ اُن کی روایتیں اہل حدیث کے ہزاروں مؤلفوں سے مروی ہیں تو اب کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ حسن سے اکثر علماء نے روایت کی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ روایتیں کہاں ہیں جو اُن سے مروی ہوئی ہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے۔ یہ بھی محض غلط اور لغو ہے۔

محمدؐ

شیعی علماء کہتے ہیں کہ اُن کے صاحبزادے مولانا مہدی محمد علیہ السلام ہیں ابن جوزی نے سند کے ساتھ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا اُسکا نام میرے نام پر ہوگا اور اُسکی کنیت بھی میری کنیت پر ہوگی وہ تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جیسی کہ پہلے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی پس یہ وہی مہدی ہیں جنکی بابت حضرت نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

جواب

علماء میں سے محمد بن جریر طبری اور عبدالباقی بن نافع وغیرہ نے انساب اور تواریخ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حسن بن علی عسکری کی نہ کوئی نسل تھی نہ اُن کا کوئی بیٹا تھا۔ امامیہ فرقہ کے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اُنکا ایک بیٹا تھا جسکی بابت اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بچپن ہی میں سامرا کے جزیرہ سرداب میں داخل ہوگیا تھا۔ بعض کہتے ہیں اُسکی عمر دو سال کی تھی بعض کہتے ہیں تین سال کی تھی۔ بعض کہتے ہیں پانچ سال کی تھی تو فرضنا اگر یہ ہوبھی تو حکم الٰہی میں جو نص قرآن اور حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ واجب یہ ہے کہ ایسا بچہ اُسکے

پاس رہنا چاہیئے جو اُسکی پرورش کرے۔ مثلاً ماں یا نانی وغیرہ اور اُسکا مال ایسے شخص کے پاس رہے جو اُس کی حفاظت کرے یعنی یا تو اُس کے باپ کا وصی ہو اگر اُس نے کسی کو وصیت کردی ہو یا کوئی قرابت دار ہو یا بادشاہ کا نائب ہو وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے مرجانے کے بعد یتیم ہو گئے تھے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا۔ یعنی (اور یتیموں (کے حالات) کو آزمایا کرو یہانتک کہ جب وہ شادی (کے سن) کو پہنچیں پھر اگر تم ان میں (ہوشیاری اور) حسن تدبیر دیکھو تو اُن کے مال اُن کے حوالہ کردو اور اس (مال) کو فضول خرچ کر کے نہ کھایا کرو اور اس جلدی میں کہ کہیں یہ بڑے ہو جائیں (تو ہم سے مال لے لیں گے) اس سے معلوم ہوا کہ جبتک بچہ شادی کے سن کو نہ پہونچ جائے اور حسن تدبیری اُس میں نہ معلوم ہونے لگے اُسکا مال اُسکے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے تو اب ایسا شخص جو اپنی جان اور مال کو دوسروں کے قبضہ میں رکھنے کا مستحق ہو وہ تمام مسلمانوں کا امام معصوم کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے کہ جو اُسپر ایمان نہ لائے وہ مسلمان ہی نہ ہو۔ علاوہ اسکے خواہ اُسکو موجود مانیں یا معدوم سمجھیں۔ اسپر انکا بھی اتفاق ہے کہ دینی یا دنیوی کسی طرح کا نفع اُس سے کسیکو نہیں ہوتا نہ وہ کسیکو کچھ سکھاتا ہے نہ اُس کی بُری یا بھلی صفات وغیرہ کسیکو معلوم ہیں نہ امامت کے مقاصد اور مصلحتوں میں کوئی بات حاصل ہوتی ہے نہ خاص نہ عام بلکہ اگر اُسکا وجود فرض کر لیا جائے تو اس سے نفع تو نہیں ہوگا بلکہ اُلٹا ضرر تمام عالم کو پہنچے گا کیونکہ جو اسپر ایمان لانے والے ہیں اُنھیں اُس سے کسی طرح کا نفع نہیں ہے نہ انھیں کوئی بہتری اور لطف اُس سے حاصل ہوتا ہے لیکن جو لوگ اُسے جھوٹا کہتے ہیں تو وہ اُن کے معتقدوں کے خیال کے مطابق اپنے جھوٹ کہنے کی سزا بھگتیں گے۔ لہٰذا اُسکا ہونا خلق اللہ کے لیئے مضر ہوا بھلائی کا جسمیں نام بھی نہیں ہے علاوہ اسکے ایسے شخص کو پیدا کرنا حکیم عادل کے فعل سے نہیں ہو سکتا بلکہ اُسکے فعل سے ایسا ہونا بہت بعید ہے اور اگر امامیہ والے یہ کہیں کہ وہ لوگوں سے اُنکے ظلم کی وجہ سے چھپ رہے ہیں تو

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ بڑا ظلم تو اُنکے باپ دادا کے زمانہ میں ہوا تھا حالانکہ وہ کہیں نہ چھپے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ اُنپر ایمان لانے والے بھی دنیا میں بہتیرے بستے ہیں اُن سب کو کسی خاص وقت میں وہ جمع کیوں نہیں

کر اپنے یا کوئی رسول کیوں نہیں بھیجدیتے کہ وہ اُن لوگوں کو علم اور دین کے کچھ احکام تعلیم دیا کرے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ وہ اُن موضعوں میں اپنی قیام گاہ کر لیں جہاں اُنکے فسیعہ رہتے ہیں جیسے کہ ملک شام کے وہ پہاڑ جہاں رافضیہ عاصیہ رہتے ہیں اور ان کے سوا اور بھی مواضع عاصیہ بہت سے ہیں۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ جب محض خوف کی وجہ سے اُن سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو علم اور دین کی باتیں بتائیں تو پھر اُنکے ہونے میں کوئی لطف اور مصلحت نہیں ہے اور یہ اُن کے مدعا کے خلاف ہے جسے وہ ثابت کرتے ہیں بخلاف اُن انبیاء کے جو سچے رسول تھے اور اُن کی تکذیب کی گئی کیونکہ اُنھوں نے رسالت کی برابر تبلیغ کی اور جو اُنپر ایمان لایا اُسے ایسی بھلائی نصیب ہوئی کہ وہ دنیا و آخرت میں مالا مال ہوگیا مگر اس امام منتظر کے آجتک بھی لطف نہ حاصل ہوئے۔ سوائے ایسے انتظار کے جو کبھی پورا ہی نہیں ہوتا اور سوائے ہمیشہ کی حسرت اور رنجیدگی کے اور سارے جہان کی دشمنی کے اور ایسی دعا کے کہ جسے اللہ تعالےٰ کبھی قبول ہی نہیں کرتا کیونکہ ساڑھے دس سو برس سے بھی زیادہ مدت ہوگئی کہ یہ لوگ اُن کے ظہور اور خروج کی دعا کر رہے ہیں اور اُسکے پوری ہونے کا آجتک بھی کچھ ظہور نہیں ہوا۔ اسکے علاوہ مسلمانوں میں اتنی مدت تک کسیکا جینا ایک ایسا امر ہی کہ امت محمدیہ میں عادت مطردہ کے مطابق اُس کے جھوٹے ہونے کو ہر شخص جانتا ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی نہیں معلوم ہوتا جو اسلام کے زمانہ میں پیدا ہو کر سینکڑوں برس تک زندہ رہا ہو۔ صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی آخری عمر میں فرمایا کہ مجھے آج ہی رات یہ امر معلوم کرایا گیا ہے کہ ہر صدی کے ختم پر ایک ایسا سال آتا ہے کہ جو لوگ اُس صدی میں تھے ان میں سے سال میں کوئی روئے زمین پر نہیں رہتا پس جسکی عمر اسوقت ایک سال یا دو سال کی تھی وہ سو برس سے زیادہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا اور جب اس زمانہ میں عمریں اس سے زیادہ نہ ہوتی تھیں تو اکثر فطرت باری تعالےٰ کے مطابق یہ ہے کہ اُسکے بعد کے زمانہ والوں کی عمریں بدرجہ اولیٰ اس سے زیادہ نہ ہوں کیونکہ جسقدر زمانہ گزرتا جاتا ہے اولاد آدم کی عمریں اکثر کم ہی ہوتی جاتی ہیں زیادہ نہیں ہوتیں چنانچہ نوح جیسا کہ مشہور ہے ساڑھے نو سو برس دنیا میں اور آدم ایک ہزار برس زندہ رہے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں عمریں زیادہ ہوتی تھیں اور اس امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان میں ہیں۔ چنانچہ یہ بھی حدیث میں آچکا ہے باقی خضر کے زندہ ہونے

سے اسپر حجت لانا یہ باطل سے باطل پر دلیل پیش کرنا ہے کیونکہ تمام علماء اور محققین اسپر متفق ہیں کہ اُسکا انتقال ہو چکا ہے اور اگر اُن کے زندہ رہنے کو تسلیم بھی کرلیں تو وہ اس امت میں نہیں ہیں علاوہ ازیں بہت سے جھوٹے آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو خضر ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور اُنھیں دیکھنے والا بھی یہی خیال کرتا ہے کہ یہ خضر ہی ہیں اور اس بارے میں بہت سی صحیح حکایتیں ہیں جنکا یہاں ذکر کرنا ہمیں طول معلوم ہوتا ہے اسی طرح اس منتظر امام محمد بن حسن کی کیفیت ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ہر ایک اُن میں سے یہی دعوی کرتا ہے کہ امام محمد بن حسن میں ہی ہوں۔ بعض اُن میں سے اس فرقہ کے لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بعض چھپے ہی رہتے ہیں اور وہ ظاہر بھی فقط ایک یا دو پر ہوتے ہیں۔

اب رہی ابن جوزی کی روایت اسکا جواب چند وجہ سے ہے۔

پہلا جواب

تو یہ کہ تم لوگ اہل سنت کی حدیثوں سے حجت نہیں کیا کرتے لہذا ایسی حدیثیں تمہیں مفید نہیں ہو سکتیں اور اگر تم کہو کہ یہ اہل سنت پر حجت ہے تو اس کے بارے میں علیحدہ بحث کرینگے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے۔ لہذا اس سے وہ اصل دین کیونکر ثابت ہو سکتی ہے جسکے بغیر ایمان بھی درست نہ ہو۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ تمہارے لئے حجت نہیں بلکہ تم پر ہی حجت ہیں کیونکہ اُسکے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ نے فرمایا ہے اُسکا نام میرے نام پر ہوگا اور اُسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر لہذا وہ مہدی جنکی بابت حضور انور نے پیشین گوئی کی ہے اُن کا نام محمد بن عبداللہ ہے نہ کہ محمد بن حسن۔ اور حضرت علی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ مہدی حسن بن علی کی اولاد میں سے ہونگے نہ کہ حسین بن علی کی اولاد میں سے اسکے علاوہ احادیث مہدی مشہور ہیں جنکو امام احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپنے فرمایا کہ اگر دنیا کا فقط ایک ہی دن باقی رہجائے تو اللہ تعالے اُسی دن کو بڑھا کر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا آدمی پیدا کریگا کہ اُسکا نام میرے نام پر ہوگا اور اُسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیگا

جیسے پہلے زمین ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ یہ سب حدیثیں خبر احاد کا مرتبہ رکھتی ہیں اور ان سے کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوسکتی۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ شیعی علمانے یہ حدیث ان لفظوں سے بیان کی ہے اسمہ کاسمی وکنیتہ کنیتی اور ان لفظوں سے ذکر نہیں کی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی حالانکہ حدیث کی مشہور کتابوں میں اس حدیث کو ان الفاظ سے محدثین میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ پس شیعی علما رنے اس حدیث کو ان الفاظ سے ذکر نہیں کیا جیسے یہ حدیث کی کتابوں میں معروف ہے بلکہ انھوں نے ایسے جھوٹے لفظوں سے ذکر کی ہے کہ اُسے اس طرح کسی محدث نے ذکر نہیں کیا۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ ابن جوزی نے اُسے سند کے ساتھ روایت کیا ہے تو اس ابن جوزی سے عالم مشہور صاحب تصنیفات کثیرہ یعنی ابو الفرج اگر مراد ہیں تو یہ اُنپر اتہام ہے اُنھوں نے اس طرح روایت نہیں کیا۔ اور اگر اس سے مراد یوسف بن عزا ہے جس نے تاریخ مراۃ الزمان تصنیف کی ہے اور فرقہ اثنا عشریہ کے بارے میں بھی اُس نے ایک کتاب تصنیف کی اور اُسکا نام اعلام الخواص رکھا ہے تو اِس شخص کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ اپنی تصنیفات میں طرح طرح کی باتیں رطب یابس ذکر کیا کرتا ہے اور اپنے مطلب کی باتوں میں اکثر ضعیف اور موضوع حدیثوں سے حجت کیا کرتا ہے اسکا یہ قاعدہ تھا کہ لوگوں کے مطلب کے موافق تصنیف کر دیتا تھا۔ اسی طرح شیعوں کے لیئے اُن کے مذاق کی کتابیں بنا دیتا تھا تاکہ وہ اُسے اُسکا معقول معاوضہ اور مزدوری دیدیں۔ علیٰ ہذا القیاس پھر بعض بادشاہوں سے رقم اینٹھنے کے لیئے امام ابو حنیفہ کے مذہب پر تصنیف کر دیتا تھا تاکہ اِس سے اِس کے مطلب پورے ہوتے رہیں غرضکہ اسکا طرز اُس واعظ کی طرح تھا جس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمھارا مذہب کیا ہے اُس نے کہا جس شہر میں مَیں جاتا ہوں اُس شہر کے لوگوں کا جو مذہب دیکھتا ہوں وہی اختیار کرلیتا ہوں اسی وجہ سے اسکی بعض کتابوں میں تو صحابہ میں سے خلفائے راشدین کی بُرائی ہے وہ کتابیں اُس نے مذہب شیعہ کے قصد سے تصنیف کی ہیں اور اُسکی بعض تصنیفات میں خلفاء راشدین وغیرہ کی تعظیم و تعریف پائی جاتی ہے اسی وجہ سے چونکہ سلف اور خلف کے نزدیک مشہور حدیث اس طرح تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مہدی کی بابت فرمایا یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی تو اسپر بہت سے لوگوں کو مہدی بننے کی طمع ہوئی۔ یہانتک کہ منصور نے بھی اپنے بیٹے کا نام محمد اور اُسکا لقب مہدی رکھا لیکن جس کا وعدہ ہے

وہ یہ بھی نہ تھا اور ابو عبداللہ محمد بن تومرت جسکا لقب مہدی تھا جو مغرب میں پیدا ہوا تھا اور اُسکے گروہ کا لقب موحدین تھا اور اُس کی کیفیت سب کو معلوم ہے وہ بھی یہی کہتا تھا کہ وہ مہدی میں ہی ہوں جسکی بابت بشارت آئی ہے اور اُسکے ساتھی یعنی مرید منبروں پر چڑھ کر اُسکے لیئے خطبہ پڑھتے تھے اس مصنوعی مہدی کا ۵۰۹ھ میں ظہور ہوا تھا اور ۵۲۴ھ میں انتقال ہو گیا تھا لوگ اُسکو امام حسن کی اولاد سے کہتے تھے کیونکہ یہ علم حدیث میں بہت ماہر تھا اسی پر اُس نے یہ دعوی کر دیا تھا کہ رسول خدا کی بشارت میری ہی بابت ہے لیکن امر واقعی اس طرح نہ تھا اور نہ اُس نے تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھرا تھا بلکہ یہ بہت سے خلاف شرع امور میں منہمک تھا اس سے پہلے عبیداللہ بن میمون القداح نے بھی مہدی ہونیکا دعوے کیا تھا لیکن اسکے اور اسکے باپ کے نام میں حدیث کی موافقت نہ تھی وہ یہ کہتا تھا کہ مہدی محمد بن اسمعیل کی اولاد میں سے ہونگے اور یہ میمون یعنی میرے باپ محمد بن اسمعیل ہی تھے۔ لہذا میں اُن کی اولاد میں مہدی ہوں حالانکہ علماء مسلمین سے جو نسبت وغیرہ سے واقف ہیں یقیناً جانتے ہیں کہ یہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا تھا کیونکہ اسکا باپ یہودی تھا جس نے ایک مجوس کے ہاں پرورش پائی تھی اس لیئے دو نسبتیں تھیں ایک یہود کی طرف اور ایک مجوس کی طرف ساتھ ہی یہ اور اُسکا گھرانہ سب ملحد تھے یہی لوگ اُن اسماعیلیہ فرقہ والوں کے ائمہ ہیں جن کی بابت علماء نے کہا ہے کہ اُن کا ظاہر مذہب رفض ہے اور اُنکا باطن محض کفر ہے اُن کے بھید ظاہر کرنے اور اُن کا پردہ فاش کرنے اور دعوی نسب اور دعوی اسلام میں اُنکا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیئے علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ کہ یہ لوگ نسب اور دین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل علیحدہ ہیں اور یہ عبیداللہ بن میمون جسکا لقب مہدی تھا ۲۹۹ھ میں اُسکا ظہور ہوا تھا اور ۳۲۲ھ میں اُسکا انتقال ہو گیا تھا پھر اُسکی جگہ اُسکا بیٹا قائم ہوا پھر اُسکا بیٹا منصور ہوا پھر اُسکا بیٹا معز ہوا جسنے قاہرہ کو بنایا تھا پھر عزیز پھر حاکم پھر اُسکا بیٹا ظاہر پھر اُسکا بیٹا مستنصر اور یہ ایک مدت تک رہا۔ اسی کے زمانہ میں فتنہ سامری ہوا تھا اور اُسکے لیئے بغداد میں ایک سال کامل اُس نے خطبہ پڑھا تھا وہ ابن الصباح جس نے فرقہ اسماعیلیہ کے لیئے تمکین کی بناڈالی تھی وہ بھی ان ہی لوگوں کے اتباع میں سے تھا دیار مصریہ میں اُن لوگوں کا زمانہ ۵۶۸ھ میں ختم ہوا ہے غرضکہ یہ دو سو برس سے زیادہ اُسکے مالک رہے اور اُن کے الحاد اور اللہ و رسول کی مخالفت اور نفاق کی باتیں ان کی علماء میں مشہور ہیں وہ حدیث جسمیں یہ ہے کہ لا مهدی الا عیسے ابن مریم (یعنی مہدی عیسیٰ بن مریم ہی ہیں) جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے وہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

ائمہ معصومین

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ ائمہ فضلاء معصومین ہی ہیں جو کمال میں انتہا درجہ کو پہنچ گئے ہیں اور ہمارے فرقہ کے لوگوں نے اوروں کی طرح ان لوگوں کو ائمہ نہیں بنایا جو ملک گیری اور قسم قسم کے معاصی لہو و لعب شراب خواری اور فسق و فجور میں مبتلا رہے ہیں یہانتک کہ اُنھوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی وہ وہ افعال کئے ہیں جنکو لوگ متواتر سنتے چلے آرہے ہیں پھر شیعی علما یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ ہم میں اور اُن میں اللہ ہی فیصلہ کریگا۔ اور سب بہتر فیصلہ کرنے والا وہی ہے اور کہتے ہیں کہ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ع

اذا شئت ان ترضی لنفسک مذہبا		وتعلم ان الناس فی نقل اخبار
فدع عنک قول الشافعی و مالک		واحمد والمروی عن کعب احبار

	ووال اناسا قولہم وحدیثہم	
	روی جدنا عن جبریل عن الباری	

یعنی اگر تم اپنے لیئے کوئی مذہب پسند کرنا چاہو اور یہ جانو کہ لوگوں کے نقل کرنے میں مختلف خبریں ہیں تو تم شافعی۔ مالک۔ احمد کے قول اور کعب احبار کی روایتوں کو چھوڑ دو اور اُن لوگوں کے ساتھ رہو۔ جنکا قول اور حدیث اس طرح ہے کہ ہمارے نانا نے جبریل سے روایت کی ہے اور جبریل نے اللہ سے روایت کی ہے۔

جواب

اسکا جواب بھی چند طرح سے ہے اول تو یہ کہ اُن لوگوں میں عصمت کا دعوی کرنا اور اُنھیں معصوم کہنا اسپر اجتک کوئی دلیل بیان نہیں کی صرف یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ لوگوں کے لیئے کوئی معصوم امام پیدا کرے تاکہ اُسکے مکلف کرنے میں لطف اور مصلحت ہو حالانکہ اس دلیل کا فاسد اور باطل ہونا کئی وجہ سے بیان ہو چکا ہے۔ سب میں ادنی وجہ یہ ہے کہ یہ مفقود ہے موجود نہیں کیونکہ ایسا معصوم امام کوئی نہیں پایا جاتا جسکے باعث لطف اور مصلحت حاصل ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے جیسا شیعی علماء کا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک کمال میں انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے

تو یہ قول بلا دلیل ہے اور بلا دلیل قول میں ہر کوئی اسی جیسے قول سے مقابلہ کر سکتا ہے اور جب کوئی ایسی کمال کا ان لوگوں میں ہونے کا دعوے کرے جو علم اور دین میں عسکریین وغیرہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ یعنی صحابہ اور تابعین اور ائمہ مسلمین تو اسوقت یہ دعوٰی بدرجہ اولٰی قبول ہوگا۔ جس نے لوگوں کے اخبار اور احوال کا مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ فضائل علمیہ دینیہ جو تمام ائمہ سے متواتر مروی ہیں وہ اُن فضائل سے زیادہ ہیں جو عسکریین وغیرہ سے مروی ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ائمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاحب سلطنت۔ صاحب حکومت اور صاحب شمشیر تھے تو یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ شیعہ اسکے مدعی نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ائمہ ظالموں کے آگے مغلوب و عاجز تھے۔ سوائے علی بن ابی طالب کے اور کسی میں اُن میں سے امامت کی قدرت نہیں ہوئی باوجودیکہ انپر بھی بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں اور نصف امت یا اُس سے کچھ کم و زیادہ نے اُن سے بیعت نہیں کی بلکہ اُن میں اکثر آپ سے لڑے اور آپ اُن سے لڑے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ نہ وہ آپ سے لڑے اور نہ آپکا ساتھ دیا۔ بلکہ وہ اس بارے میں ساکت رہے۔ حالانکہ ان میں ایسے مسلمان فضلا تھے کہ جو حضرت علی کے بھی ساتھ نہ تھے بلکہ جنھوں نے آپکا ساتھ دینے اور آپ کے ساتھ لڑنے دونوں سے گریز کی وہ ان لوگوں سے بہت افضل تھے جو آپ کے ساتھ لڑے یا آپ کا ساتھ دیا اور اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ اُن میں علم اور دین اسقدر تھا کہ اُسکی وجہ سے وہ ائمہ ہونے کے مستحق تھے تو یہ دعوے صحیح ہونے پر بھی اُن کے ائمہ ہونے کو ضروری ثابت نہیں کرتا تاکہ لوگوں پر اُن کی طاعت واجب ہو۔ جیسا کہ آدمی کا یہ استحقاق کہ وہ کسی مسجد کا امام ہو اُسے امام نہیں کر دیتا اور جیسا کہ کسی کا یہ استحقاق کہ وہ قاضی ہو اُسے قاضی نہیں بنا دیتا اور جیسا کہ کسی کا یہ استحقاق کہ وہ جرنیل ہو اُسے جرنیل نہیں کرسکتا کیونکہ نماز اُسی کے پیچھے ہوتی ہے جو بالفعل امام ہو نہ کہ اُسکے پیچھے کہ جو امام ہونے کے لائق ہو اور اسی طرح لوگوں میں وہی فیصلہ مقدمات کیا کرتا ہے جو فی الحال قاضی یا حاکم ہو نہ وہ کہ جو قاضی یا حاکم بننے کا مستحق ہو اسی طرح لشکر اُس شخص کے حکم سے لڑتا ہے جو اسپر افسر ہو نہ کہ اُسکے حکم سے جو افسر نہ ہو اگرچہ افسر ہونے کا مستحق ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فعل میں قدرت شرط ہے۔ پس جس شخص میں ولایت اور امارت کی قدرت نہ ہوگی وہ امام نہیں ہوگا جبتک کہ اُسمیں قدرت نہ آجائے اگرچہ وہ اپنے کو مستحق کیوں نہ سمجھتا ہو۔ پس ایک شے کا مشروع ممکن ہونا یا اُسکا امکان ضروری ہونا ہی نفس تمکن نہیں ہے۔ امام وہ ہوتا ہے جو تمکن قادر ہو

حالانکہ اُن میں سوائے حضرت علی کے اور کوئی ایسا نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

چوتھا جواب

یہ ہے اُن سے پوچھا جائے کہ تم استحقاق سے کیا مراد لیتے ہو آیا تمھاری یہ مراد ہے کہ سارے قریش کو چھوڑ کر اُن میں سے فقط ایک آدمی کو امامت کا والی بنا دینا واجب تھا یا یہ مراد لیتے ہو کہ جو لوگ خلافت کے قابل اور حقدار تھے اُن میں سے ایک اُن میں کا بھی ہے۔ اگر پہلے معنی مراد لیتے ہو تو یہ ممنوع اور مردود ہے اور اگر دوسرے معنی مراد لیتے ہو تو یہ اُسمیں اور قریش کی تمام مخلوق میں قدر مشترک ہے جسمیں تعیین کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

پانچواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ امام وہ ہوتا ہے جسکی لوگ اقتدا کرتے ہوں اور اُسکی دو صورتیں ہیں۔
ایک تو یہ کہ وہ علم اور دین میں ایسا مرجع و مآب ہو کہ مطیع لوگ اپنے اختیار سے اُس کی اِس لئے اطاعت اور اقتدا کرتے ہیں کہ وہ اللہ بزرگ و برتر کے حکم کا عالم اور اُسکا آمر ہے۔ اسیوجہ سے مطیع اُس کی اطاعت کرتے ہیں اگرچہ وہ خود اُنھیں اپنی طاعت میں لانے سے عاجز ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ وہ صاحب حکومت ہو۔ مطیع کو طاعت کے بجالانے پر ایسا قادر ہو کہ لوگ خوشی اور ناخوشی مجبوراً اُسکی اطاعت کریں۔ اللہ فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم تو یہاں اولی الامر کی تفسیر صاحب حکومت کے ساتھ بھی کی گئی ہے اور اہل علم اور دیندار کے ساتھ بھی کی گئی ہے۔ یہ دونوں تفسیریں حق ہیں یہ دونوں وصف خلفاء راشدین میں کامل درجہ کے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ علم۔ عدل۔ سیاست۔ سلطنت سب میں کامل تھے۔ اگرچہ پھر ان میں بعض بعض سے اور بھی زیادہ اسمیں کامل تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم اس بارے میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ کامل تھے۔ پھر ان کے بعد ان اُمور میں سوائے عمر بن عبدالعزیزؒ کے اور کوئی کامل نہیں ہوا بلکہ کبھی آدمی علم اور دین میں کامل ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جنکے قبضہ میں حکومت ہو اور کبھی حکومت میں وہ زیادہ کامل ہوتا ہے جو بڑا عالم اور زیادہ دیندار ہو۔ اب ان لوگوں کے ائمہ ہونے سے اگر یہ مراد لیجائے کہ یہ صاحب حکومت تھے تو یہ بالکل غلط ہے اور اسکے تو خود شیعہ بھی قائل نہیں ہیں یا یہ مراد ہے کہ یہ لوگ باوجود دوسروں کو طاعت کا فرمان دینے سے عاجز ہونے پر بھی علم اور دین میں امام تھے

لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے تو یہ وصف تو اُن لوگوں میں قدر مشترک ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہیں۔ اور اسکے بعد یا تو یہ کہا جائیگا کہ اُن کے زمانہ میں وہ لوگ بھی تھے جو اُن سے زیادہ عالم اور دیندار تھے کیونکہ جو علم کی باتیں اوروں سے منقول ہیں وہ اُن کی منقولات سے کئی گنا زیادہ ہیں علی ہذا القیاس امت میں جو اُن کے آثار ہیں اوروں کے آثار اُن سے زیادہ ہیں اور جو لوگ اُن میں متقدمین ہیں جیسے علی بن حسین اور اُن کے بیٹے ابی جعفر اور اُن کے بیٹے جعفر بن محمد اُن سے تو ایک محدود علم منقول ہوا ہے اور اُن کے سوا اوروں سے بے انتہا علوم منقول ہوئے ہیں۔ باقی جو لوگ اِن متقدمین کے بعد ہوئے ہیں اُن سے تو اور بھی بہت ہی کم علم منقول ہے نہ اُن میں سے کسیکا اُن لوگوں میں ذکر ہے جو روایت حدیث۔ فتاویٰ بیان کرنے میں مشہور علما ہیں۔ باقی جو اُن کے محاسن اور مناقب ذکر کئے جاتے ہیں تو ایسے محاسن اور باقی امت کے لوگوں میں اکثروں میں موجود ہیں اُن کی اُن میں کوئی خصوصیت نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ علم اور دین میں یہ ساری امت سے افضل ہیں۔ لیکن ان دونوں تقدیر پر اس اعتبار سے اُن کی امامت میں اہلسنت کا نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ اس امر پر سب اہل سنت بھی متفق ہیں کہ ایسے شخص کی اقتدا کرنی چاہیئے جو اللہ کی طاعت کا امر کرے اور اللہ کے دین کی طرف بلائے اور خود بھی ایسے افعال کرتا ہو جو اللہ کو پسند ہوں۔ پس جب یہ لوگ اعمال خیر کرینگے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینگے تو اس بارے میں یہ بیشک ائمہ ہونگے۔ اس میں اُن کی اقتدا کیجائیگی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا باياتنا يوقنون (یعنی اور ہم نے اُن میں سے ائمہ (یعنے پیشوا) پیدا کئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ اُنھوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انی جاعلك للناس اماما (یعنے لوگوں کے لیئے میں تمھیں پیشوا کرنے والا ہوں) حالانکہ اللہ نے اُنھیں تلوار نہیں دیدی تھی کہ اُس سے وہ تمام لوگوں سے جنگ کرتے۔ بلکہ اُنھیں ایسا قابل بنا دیا تھا کہ لوگوں پر اُن کا اتباع کرنا واجب تھا خواہ اُنھوں نے اُنکا اتباع کیا یا نہ کیا۔ پس ائمہ بھی دین کے بارے میں اُنھیں کی طرح ہیں اور اُن ائمہ کی امامت کے اہل سنت بھی ان امور میں مقر ہیں کہ جنھیں شریعت اُن کے امام بنانے پر دلالت کرتی ہے جیساکہ یہی حکم ان ائمہ کے امثال سابقین اولین ہیں سے ابوبکر عمر عثمان۔ ابن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ۔ ابی الدرداء وغیرہ کے لیئے ثابت ہے اور جیساکہ سعید بن المسیب۔ سلیمان بن یسار۔ عبید اللہ بن عبد اللہ۔ عروہ بن زبیر

قاسم بن محمد - ابوبکر بن عبدالرحمن - خارجہ بن زید کے لیئے ثابت ہے - یہ لوگ مدینہ منورہ کے فقہا ہیں اور اسی طرح علقمہ اسود بن زید - اسامہ - محمد بن سیرین - حسن بصری اور جیسے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر - ہشام بن عروہ - عبدالرحمن بن قاسم - زہری - یحییٰ بن سعید انصاری - ابی الزناد اور جیسے کہ امام مالک - اوزاعی لیث بن مسعود - ابی حنیفہ - شافعی - احمد - اسحاق بن ابراہیم وغیرہ ہیں - ہاں ان میں بعض کے فتوے اور علم شیں کبھی بعض سے زیادہ ہو جاتی ہیں - پھر کثرت علم اور استدلالی قوت ہونے کی وجہ سے اُن کی خود ہی شہرت ہو جاتی ہے - ورنہ اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ یحییٰ بن سعید - ہشام بن عروہ اور ابو الزناد کا اتباع کرنا جعفر بن محمد کے اتباع کرنے سے اولیٰ ہے - نہ یہ کہتے ہیں کہ زہری یحییٰ بن ابی کثیر - حماد بن ابی سلمہ - سلیمان بن یسار - منصور بن معتمر کا اتباع کرنا اُن کے باپ ابی جعفر باقر کے اتباع کرنے سے بہتر ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد - عروہ بن زبیر - سالم بن عبداللہ کا اتباع کرنا علی بن حسین کے اتباع سے بہتر ہے بلکہ ان میں سے ہر واحد جو کچھ روایت کرے اُس میں ثقہ اور قابل تصدیق ہے - ہاں جس وقت یہ کوئی فتوی دیں اور دوسرا کوئی اُن کے خلاف کہے تو اس نزاع کو اللہ اور اُسکے رسول پر پیش کرینگے - چنانچہ یہی اُسکا حکم بھی ہے اور یہ ہی اللہ ورسول کا حکم ان سب لوگوں میں ہے - اور یہی طریقہ تمام مسلمانوں کا حضور انور اور راشدین صحابہ کے زمانہ میں رائج تھا۔

چھٹا جواب

شیعی علمار کا یہ کہنا کہ امامیہ نے اوروں کی طرح ان لوگوں کو ائمہ نہیں ٹھیرایا جو ملک گیری اور معاصی میں مبتلا رہے ہیں یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے - ہم دریافت کرتے ہیں اگر اُن کی مراد یہ ہے کہ اہل سنت اسکے قائل ہیں کہ اُن بادشاہوں کا اقتدا ان اُمور میں کیا جائے جو معاصی ہیں تو یہ اہل سنت پر اتہام ہے کیونکہ علمار اہل سنت جو اہل سنت کے نزدیک علم میں مشہور ہیں وہ سب اسپر متفق ہیں کہ خدا کی معصیت میں کسی کی اقتدا نہ کی جائے - نہ اُس حالت میں اُسے امام سمجھا جائے - اور اگر اُسکی مراد یہ ہے کہ اطاعت خداوندی میں جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے - اہل سنت ایسے بادشاہوں سے اپنی اعانت کراتے اور امداد لیتے ہیں اور اللہ کی طاعت کرنے میں یہ اُن کی امداد کرتے ہیں تو شیعوں سے کہا جائیگا کہ اگر اس اعتبار سے بھی ائمہ بنانے میں خرابی ہے تو شیعہ اہل سنت سے اسمیں زیادہ مبتلا ہیں - کیونکہ یہ اپنے مطلب کی باتوں پر ہمیشہ کفار اور فجار سے امداد لیتے ہیں اور کفار اور فجار کی بہت سی حاجتوں میں مدد

کرتے ہیں۔ اس امر کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ نصیر الدین طوسی نے کفار سے سازش کرکے جس بیدردی سے مسلمانان بغداد کا قتل عام کرایا ہے اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

ساتواں جواب

یہ ہے کہ جو ائمہ ایسے ہوں جنکا امامیہ نے اپنی کتابوں میں ذکر اور اُن کی عصمت کا دعویٰ کیا ہے لیکن نہ اُنکے پاس سلطنت ہے تاکہ اُس کی وجہ سے امامت کے مقاصد پورے ہوں۔ نہ اللہ کی طاعت میں اُنکا اقتدا کرنا کافی ہوتا ہے اور جہاں اعانت کی ضرورت ہو نہ وہاں اعانت ملتی ہے۔ پس جب اُن کے پاس نہ ملک ہے نہ سلطنت ہے تو اُن کے پیچھے نہ کوئی جمعہ پڑھ سکتا ہے نہ جماعت کرا سکتا ہے نہ وہ جہاد اور حج میں امام ہو سکتے ہیں نہ اُنکے حکم سے حدود جاری ہو سکتی ہیں۔ نہ یہ مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں نہ اُن کے ذریعہ سے کوئی اپنے اُن حقوق کو لے سکتا ہے جو لوگوں کے ذمہ ہوں یا بیت المال میں ہوں نہ اُن کی وجہ سے راستہ میں امن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب امور میں ایک ایسے صاحب شوکت اور قادر کی ضرورت ہے۔ جسکے ساتھ یہ قائم ہوں۔ پھر قادر اس بارے میں وہی ہو سکتا ہے۔ جسکے بہت سے لوگ اسپر مددگار ہوں۔ حالانکہ یہ لوگ جنھیں شیعہ ائمہ اور پیشوا ٹھیرا لیے ہیں اسپر ہرگز قادر نہ تھے بلکہ اُسپر دوسرے قادر تھے۔ لہٰذا جو شخص ان اُمور کو کسی عاجز امام کے پاس تلاش کریگا تو وہ یقیناً جاہل ظالم ہوگا اور جو شخص ان امور پر ایسے آدمی سے اعانت چاہے گا جو اُنپر قادر ہو تو وہ بے شک مہتدی اور مصیب ہوگا کیونکہ یہ اپنے دین و دنیا دونوں کی بھلائی حاصل کرتا ہے اور وہ پہلا شخص دین و دنیا دونوں کو برباد کرتا ہے۔

آٹھواں جواب

تمام خلفا کی بابت شراب خواری اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا دعویٰ کرنا اُنپر جھوٹ بولنا ہے اور جو حکایتیں اس بارے میں منقول ہیں اُن میں بھی بہت سا جھوٹ ہے۔ حالانکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں بہت سے عادل اور زاہد تھے جیسے کہ عمر بن عبدالعزیز اور مہتدی باللہ اور خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس میں اکثر خلاف شرع امور نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی ان میں بعض گناہوں میں مبتلا ہو گیا تو وہیں توبہ کر لیتا تھا۔ اسکی نیکیاں اسقدر ہوتی تھیں جو سیئات مٹا دیتی تھیں۔ اور کبھی وہ ایسی تکلیفوں میں مبتلا ہو جاتا تھا جو اُن گناہوں کا کفارہ ہو جاتی تھیں۔ بات یہ ہے کہ اُن خلفاء کے حسنات سیئات سے

زیادہ ہوتے تھے اور اگرچہ اُن میں سے کسی کے گناہ اور معاصی ایسے ہوں کہ وہ ہر مسلمان کے لیئے نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کی حسنات بھی ایسی ہوتی تھیں کہ وہ ہر ایک کے لیئے نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ حدود جاری کرنا۔ دشمن سے جہاد کرنا۔ مستحقین کو اُن کے حقوق ولادینا۔ ظلم نہ کرنے دینا۔ عدل و انصاف قائم کرنا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سب اِن اُمور سے بالکل بری تھے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمانوں سے ظلم اور معاصی کا ہونا خواہ وہ اولی الامر سے ہو یا عام لوگوں سے اس بات سے مانع نہیں ہے کہ اللہ کی طاعت کرنے میں اُن کے ساتھ شرکت کیجائے اور اُن کا ساتھ دیا جائے اور اہلسنت بھی ولاۃ امور کی موافقت اللہ کی اطاعت ہی میں کرنے کو کہتے ہیں نہ کہ معصیت میں اُس شخص پر کچھ برائی نہیں ہے جو اللہ کی اطاعت میں موافقت کرے جو وقت کہ معصیت میں یہ اُس سے علیحدہ رہے اُس میں اُس کا شریک نہ ہو۔ جیسا کہ کسی نے بہت سے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور اُن کے ساتھ ہی وقوف عرفات اور طواف بھی کیا تو اُن حاجیوں میں بعض سے گناہ اور ظلم ہونا اُسے مضر نہ ہوگا کیونکہ یہ اُن میں اس سے الگ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولاۃ امور بمنزلہ اور لوگوں کے ہیں جو اللہ کی طاعت کرنے میں شریک ہوتے ہیں مگر معصیت کرنے میں شریک نہیں ہوتے۔ یہی طریقہ اہل بیت کا اپنے سے غیر لوگوں کے ساتھ تھا۔ پس جس نے اس بارے میں اُنکا اتباع کیا وہی اُنکا اقتدا کرنے والا ہے نہ وہ کہ جو سابقین اولین سے بیزار رہا اور تمام اہل علم اور اہل دین سے علیحدگی رکھی اُن کے دشمن یعنے کفار اور منافقین کا ساتھ دیا۔

نواں جواب

یہ ہے کہ ایک ایسا امام قادر جس کی وجہ سے لوگوں کی اکثر مصلحتوں کا انتظام ہوتا ہو راستوں میں امن قائم ہو جسکے حکم سے حدود جاری ہوتی ہوں۔ ظلم دفع ہوتے ہوں وہ فوائد حاصل ہوتے ہوں جو دشمن سے جہاد کرنے سے ہوتے ہیں حقداروں کے حقوق پہنچتے ہوں۔ یہ اُس معدوم امام سے بہتر ہے جسکی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے رشیعہ ایک معصوم امام کا دعوے تو کرتے ہیں لیکن باطن میں اُن کے نزدیک سوائے معدوم امام کے اور کچھ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت کے ائمہ کی نسبت جو ظلم اور معاصی ان شیعوں نے فرض کر رکھے ہیں۔ اگر اُنھیں بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ ائمہ اُن ائمہ طاہرین سے بہتر ہونگے۔ جنپر شیعہ اعتماد کیئے بیٹھے ہیں اور اُس معدوم امام سے بھی

بہتر ہیں جسکا کہیں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ہاں باقی ائمہ جو پہلے موجود تھے۔ اُنکا اقتدا اہل سنت بھی کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے مثل اوروں کا کرتے ہیں۔ پس یہ اور اُنکے امثال ائمہ ہیں اور جس نے تمام مسلمانوں میں سے ان کا اور اُن کے امثال کا اقتدا کیا وہ اُن لوگوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ جنھوں نے فقط اُن ہی کا اقتدا کیا کیونکہ علم روایت اور درایت دونوں ہیں۔ لہذا جس مسئلہ کی طرف علمار زیادہ ہونگے اور سب کا اسپر اتفاق ہوگا تو اتباع کرنے میں وہی اولیٰ و اَولیٰ ہے۔ اسی لیئے شیعوں میں جو اچھی بات ہے اہل سنت اُس میں اُن کے ضرور شریک ہیں اور جو اچھی بات خاص اہل سنت میں ہے۔ شیعہ اُسمیں اُنکے شریک نہیں ہیں

دسواں جواب

یہ ہے کہ شیعہ علمار نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے۔ اہل سنت میں سے ہر واحد اُسکا معارضہ اُس سے کر سکتا ہے جو اُسکے قول سے بھی زیادہ قوی ہو کیونکہ سنی کا قول تو ان لوگوں سے مروی ہوتا ہے جیسے سعید بن مسیب۔ علقمہ۔ اسود۔ حسن بصری۔ عطار بن ابی رباح۔ محمد بن سیرین۔ مطرف بن شخیر۔ مکحول۔ قاسم بن محمد۔ عروہ بن زبیر۔ سالم بن عبداللہ اور اُن کے علاوہ اور تابعین اور تبع تابعین یہ لوگ دین کے اُن اُمور میں ائمہ اور پیشوا ہیں جن میں اُن کی اقتدا کرنی ممکن ہے اب رہے علی بن حسین اُن کے صاحبزادے اور جعفر بن محمد وغیرہ اسی اعتبار سے اہلسنت نے انکا بھی اور اُنکے ساتھ اُن لوگوں کا بھی اقتدا کیا ہے جو علم و زہد میں اُن کے شریک اور برابر ہیں بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ عالم اور زاہد ہیں اور جہاں اہل سنت نے اہل معاصی میں سے کسی کو امام بنایا ہے تو شیعوں نے اہل معاصی میں اُس سے بھی بدتر کو امام بنایا ہے لہذا شیعوں سے اہل سنت ہر طرح اچھے رہے۔

گیارھواں جواب

یہ ہے شیعی علمار کا یہ قول کہ بس ہم میں اور اُن لوگوں میں اللہ ہی فیصلہ کرے گا وہی سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں اللہ تعالےٰ تو اُن میں دنیا ہی میں فیصلہ کر چکا ہے۔ یعنی اُس نے وہ دلائل اور بینات ظاہر کر دیئے ہیں جنسے اہل حق تمپر غالب آتے ہیں۔ پس یہ لوگ حجت اور بیان ہاتھ اور زبان ہر طرح سے تمپر غالب ہیں۔ جیسا کہ اُس نے اپنے نبی کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک

ناخوش ہوں) یہ دین خدا بلا اہل سنت کے کبھی دوسرے ادیان پر غالب نہیں آیا۔ جیسا صدیق اکبر و فاروق اعظم اور عثمان غنی کی خلافت کے زمانہ میں غلبہ ہوا۔ آج تک کسی دین کو بھی ایسا غلبہ نہیں ہوا اب رہے علی باوجودیکہ آپ خلفاء راشدین اور سادات سابقین اوّلین میں تھے۔ لیکن آپ کی خلافت میں اسلام کو غلبہ ہونا تو کجا مسلمانوں میں ہی وہ تلوار چلی کہ الٰہی توبہ۔ غرض اس تاریخ سے مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدل کی بنیاد پڑ گئی۔ پھر علی کے بعد سوائے اہلسنت کے نہ کوئی اور کسی گروہ میں مشہور عالم و دیندار نکلا اور نہ کوئی ایسا قوی شمشیر زن پیدا ہوا جسکے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ اسلام کی مدد کرتا۔ اب رہے شیعہ انھوں نے یا تو دشمنان اسلام کی معاونت کی اور یا طاغوتین کی مدد سے تمسک کیا۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ قیامت کے دن جسطرح اللہ تعالےٰ مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ کرے گا۔ اسیطرح مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور اولین اور آخرین میں سے جنھوں نے اُنکے ساتھ عداوت رکھی ہی اُن میں فیصلہ کریگا۔

بارھواں جواب

یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ ظلم کس کی طرف سے ہوا اگر تم یہ کہتے ہو کہ جن لوگوں نے تمہارے خیال میں علی پر ظلم کیا تھا جیسے ابوبکر و عمر تو اسکا جواب یہ ہے کہ دعویدار اس بارے میں علی ہی تھے حالانکہ وہ مر چکے ہیں جیسے کہ ابوبکر و عمر مر چکے ہیں اور اب اس امر کو نہ ہم سے تعلق ہے اور نہ تم سے ہاں حق کو بیان کر دینے اور اہل حق کا ساتھ دینے کے طور پر ہم تم گفتگو کر سکتے ہیں اور ہم توجہ باہرہ کے ساتھ یہ بات ظاہر کر چکے ہیں کہ اس امت میں عدل و انصاف کے اندر ابوبکر و عمر اپنے ماسواسب اولیٰ اور لائق ہیں علی ہذا القیاس ظلم سے بھی سب سے زیادہ بچنے والے ہیں۔ دوسری یہ بات کہ علی کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ ساری امت کا امام میں ہی ہوں یہ دونوں نہیں ہیں جیساکہ اس بیان کو انشاء اللہ تعالےٰ ہم اُسکے موقع پر ذکر کرینگے اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہم اُن بادشاہوں کے ظلم کے شاکی ہیں جنھوں نے اُن کی امامت کے حقوق نہیں دیئے تو تمہارا یہ کہنا اسپر متفرع ہے کہ یہ بارہ امام خود بھی امامت کے طالب تھے یا یہ اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ امت کے معصومین ائمہ ہم ہی ہیں۔ حالانکہ یہ اُن لوگوں پر اتہام ہے۔ اسکے علاوہ خواہ یہ سچ ہو یا جھوٹ ان دونوں گروہوں میں اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا۔ اگر یہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ قل اللھم فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون (یعنی اے نبی) کہو کہ اے اللہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے والے نہاں و آشکارا کے جاننے والے

تو اپنے بندوں کے درمیان میں اُس چیز میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں) اور اگر ان بادشاہوں کی ظلم کی شکایت ہے کہ ان کے اور اُن ائمہ کے درمیان ولایت اور مال کی بابت جھگڑا رہا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ ان سب میں ایسا فیصلہ کرے گا جیساکہ وہ اور باقی مقدمے والوں میں کریگا۔ کیونکہ فقط شیعہ کا آپس ہی میں اسقدر جھگڑا اور اختلاف ہے کہ جو اہل سنت کے تمام فرقوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اور بنی ہاشم کی آپس کی لڑائیاں کیا قیامت میں فروگزاشت ہو سکتی ہیں؟ اسکے علاوہ بنی حسن اور بنی حسین میں بھی ایسی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آجکل اس زمانہ کے لوگوں میں ہوتی ہیں اور وہ لڑائیاں جو اخیر زمانہ میں بعض بنی ہاشم اور بعض دوسرے فرقوں میں ہوئی ہیں۔ یہ اُن لڑائیوں سے زیادہ ہیں جو شروع زمانہ میں بعض بنی امیہ اور بعض بنی ہاشم میں ہوئی تھیں۔ دیکھو زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ وہ زمانہ تھا جسمیں حضور انور مبعوث ہوئے۔ پھر اسکے بعد وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوئے اور اُنکے بعد وہ جو اُنکے بعد ہوئے۔ پس ان زمانوں میں بھلائی سب زمانوں سے زیادہ تھی اور بُرائی اُن کے بعد کے زمانوں میں زیادہ ہے اور اگر یہ ظلم کی شکایت اُن علماء اور دیندار لوگوں کی ہے جنھوں نے نہ کسی پر خود ظلم کیا اور نہ کسی ظالم کی مدد کی۔ بلکہ وہ احکام بیان کر دیئے۔ جنکا بیان کرنا علماً اُنپر واجب تھا اور ان دلائل پر عمل کرنے کی رُو سے جو حق الامر کی کاشف تھیں۔ اُنپر اُن کا بیان کر دینا لازم تھا جسے ذرا بھی عقل ہوگی اُسے اسمیں شک نہیں ہوگا کہ جس نے امام مالک۔ اوزاعی۔ ثوری۔ امام ابو حنیفہ۔ لیث بن سعد۔ امام شافعی۔ امام احمد۔ امام اسحٰق جیسے لوگوں کو ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم جیسے لوگوں کے یا اُن ہی جیسے شیعوں کے شیوخ کے برابر سمجھا وہ بیشک سب ظالموں سے بڑھکر ظالم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جنے قدریین یعنی نغمی اور کرکبی وغیرہ کو ابی علی۔ ابی ہاشم۔ قاضی عبد الجبار۔ ابی الحسین بصری کے برابر خیال کیا وہ بھی سب سے بڑھکر ظالم ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت کے جتنے بھی فرقے ہیں جس وقت تم اُن کی پڑتال اور تحقیق کرو گے تو شیعوں کے تمام فرقوں سے زیادہ عالم عادل جہل و ظلم سے بہت دُور پاؤ گے۔ کیونکہ اُن میں اگر کوئی کسی ظالم کا معاون ہوتا ہے تو شیعوں میں اُس سے بھی زیادہ معاون نکلتا ہے۔ اور شیعہ میں اگر کوئی ظلم کرنے سے بچتا اور عادل ہوتا بھی ہے تو اہل سنت میں اس سے بہت زیادہ عادل ہوتے ہیں اور یہ ایسا ظاہر امر ہے کہ اگر کسی کو کچھ بھی عقل ہو وہ اُسے آنکھوں کانوں غرض سب طرح سے معلوم کر سکتا ہے۔

تیرھواں جواب

یہ ہے کہ یہ اشعار جنھیں شیعی علمار نے اپنا شاہد بنایا ہے اور اُنھیں بہت اچھا سمجھا ہے تو یہ بھی ایک غلط تخیل ہے کیونکہ اہل سنت سب اسپر متفق ہیں کہ جو اُن کے نانا جبریل سے اور جبریل اللہ سے نقل کریں وہ ضرور قابل تسلیم ہوگا بلکہ یہ لوگ تو اس قول کو بھی قبول کرتے اور دل وجان سے مانتے ہیں جو فقط حضور انور کا ہی ہو اور اُسپر آمنا کہتے ہیں۔ یہ بھی آپ سے نہیں پوچھتے کہ آپ نے یہ کہاں سے معلوم کیا ہے کیونکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ حضور انور معصوم ہیں۔ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کہتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ باقی اُنکا نام اہل سنت فقط اس لیئے ہے کہ یہ حضرت کی سنت کا اتباع کرتے ہیں لیکن ہاں اُن کے نانا سے جو روایت ہو اُسکے سمجھنے کی بے شک اُنھیں ضرورت ہے۔ اسلیئے وہ اس علم کو ثقات سے دریافت کرتے ہیں اگر علویین سے کوئی بات معلوم ہوجاتی ہے تو اُن سے حاصل کر لیتے ہیں اور اگر اوروں سے ملتی ہے تو اُن سے حاصل کر لیتے ہیں باقی وہ صرف اس کہنے پر کہ اُن کے نانا حضرت جبریل سے روایت کرتے ہیں اور جبریل اللہ سے وہ بلا حجت و ثبوت قناعت نہیں کرتے۔ صاف ظاہر ہے جب یہ اُسے سمجھیں گے نہیں تو اُسپر کیونکر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ امام مالک امام شافعی۔ امام احمد وغیرہ کے اقوال کو اسی لیئے لیتے ہیں کہ اُن کے اقوال حضور انور کے لائے ہوئے احکام کے ساتھ منطبق ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حضور انور کے لائے ہوئے احکام کے سب سے زیادہ عالم ہیں اسی واسطے مسلمان ان کا زیادہ اتباع کرتے ہیں ورنہ اُنھیں اُن کی تعظیم کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر اکثر محدثین جنھیں یہ ائمہ روایت کرتے ہیں اُن ہی کی طرح دوسرے بھی جواب دیتے ہیں باقی ان میں سے کسیکو اہل سنت معصوم نہیں سمجھتے تاکہ اُسکے قول کا اتباع کرنا واجب ہو بلکہ جب کسی مسئلہ میں اُن کا اختلاف اور نزاع ہوتا ہے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اب یہ بنی ہاشم اُن میں تم اکثروں کو دیکھو گے کہ نہ حافظ قرآن ہوتے ہیں نہ حضور انور کی حدیث سے واقف ہوتے ہیں الاماشاء اللہ نہ اُن کے معانی سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب وہ کہیں کہ یہ ہمارے نانا نے جبریل سے اور جبریل نے اللہ سے نقل کیا ہے تو جواب دیا جائیگا کہ تم بالکل جھوٹے ہو بلکہ یہ لوگ اُن احکام کو تم سے زیادہ جانتے ہیں جو تمھارے نانا نے جبریل سے نقل کئے ہیں اور تم بھی اس بارے میں اُن ہی کی طرف رجوع کرتے ہو ظاہر ہے جبکہ بنی ہاشم کے اولین اور آخرین سب دوسروں سے حضور انور کے بعض احکام سیکھتے ہیں جو بنی ہاشم نہیں تھے تو یہ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ خود وہ مثل دوسروں کے اپنے نانا کے اقوال سے بے بہرہ ہیں

اب بتاؤ کہ لوگ کس کا اقتدا کریں اور کس کے قول کو لیں آیا اسکے قول کو لیں جو نہیں جانتا۔ حالانکہ علماء ہی انبیائکے وارث ہیں کیونکہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ اُن کا ورثہ تو علم ہی ہوتا ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کر لیا اُس نے بڑا حصہ لے لیا۔ اگر شیعی علما کہیں کہ ہماری مراد ائمہ اثناعشر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کاش ائمہ اثناعشہ اپنے نانا جان کا علم حدیث جانتے تو پھر بیٹنا ہی کیا تھا۔ ضرورت کیا تھی کہ مالک۔ شافعی۔ اور احمد کے پاس لوگ علم رسول سیکھنے جائیں اور علی بن حسین اور ابو جعفر کیطرف رخ نہ کریں کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ یہ لوگ علم رسول غیروں سے خود ہی سیکھتے ہیں اُن میں رکھا ہی کیا ہے۔ اسکے علاوہ اگر اُنھوں نے دو حدیثیں نقل کیں تو دوسروں نے اُن سے دگنی تگنی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دین موسیٰ بن جعفر کو چھوڑ کے انس کے پاس جاتے۔ حالانکہ یہ ایک ہی شہر اور ایک ہی زمانہ میں تھے۔ اگر لوگوں کو موسیٰ بن جعفر سے علم رسول حاصل ہو جاتا تو وہ امام مالک کے پاس کیوں جاتے حالانکہ بعض بنی ہاشم بھی علم رسول کو مالک بن انس سے ہی اُس کی نسبت زیادہ حاصل کرتے ہیں جو اپنے چچا زاد بھائی موسیٰ بن جعفر سے حاصل کرتے ہیں۔ پھر امام شافعی امام مالک کے بھی بعد ہوئے ہیں اور یہ نسبت میں بھی امام مالک کی نسبت بنی ہاشم سے زیادہ قریب تھے اور علم رسول کو اپنے چچا کی اولاد وغیرہ سے سیکھنے میں سب سے زیادہ شائق تھے مگر جب یہ بنی ہاشم میں سے کسی میں بھی اس سے زیادہ علم پاتے جو اُنھوں نے امام مالک سے پایا تو سب لوگوں سے زیادہ اُسکے حاصل کرنے میں جلدی کرتے پھر جب یہ خود اس بات کے مقر ہیں کہ میں نے امام مالک اور سفیان عیینہ سے جسقدر علم حاصل کیا ہے اتنا اور کسی سے نہیں کیا اور ان ہی دونوں سے حاصل کرنے کی بابت ان کی کتابیں بھی بھری ہوئی ہیں جنھیں بنی ہاشم میں سے موسیٰ بن جعفر وغیرہ سے حاصل کرنیکا کچھ ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ علم رسول میں سے ان کا مطلوب اور مقصود ان لوگوں کی نسبت امام مالک ہی سے زیادہ حاصل ہوا تھا اسیطرح امام احمد بن حنبل حضور انور کی ذات اور آپ کی احادیث سے کمال محبت اور آپ کے اقوال اور افعال کی معرفت اور جو حضور کے موافق ہو اُسکا ساتھ دینے اور جو مخالف ہو اُس سے دشمنی رکھنے اور بنی ہاشم سے محبت رکھنے میں مشہور رہیں۔ اُن کے فضائل میں اُن کی تصنیف بھی ہے۔ یہانتک کہ جیسے اُنھوں نے فضائل صحابہ میں کتاب تصنیف کی ہے۔ اسی طرح علی حسن حسین کے فضائل میں بھی کتاب تصنیف کی ہے۔

بایں ہمہ امام مالک۔ سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ لیث بن سعد۔ وکیع بن جراح۔ یحییٰ بن سعید القطان۔

ہشیم بن بشیر۔ عبدالرحمن بن مہدی جیسے لوگوں کی روایتوں سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں نہ کہ موسیٰ بن جعفر علی بن موسیٰ محمد بن علی وغیرہ کی حدیثوں سے۔ پس اگر اُن کا مطلوب اُن لوگوں سے حاصل ہوتا تو وہ سب سے زیادہ اس بارے میں اُن کے طالب ہوتے۔ فقط

اگر اب کوئی یہ کہے کہ اہل بیت کو ایسا مخزون علم تھا جو اُن ائمہ کو نہ تھا لیکن وہ اُسے چھپائے رہتے تھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ پھر اُس چھپے ہوئے علم سے لوگوں کا کونسا فائدہ ہے کیونکہ جو علم ظاہر نہ کیا جائے وہ مثل اُس خزانہ کے ہے جسمیں سے خرچ نکیا جائے۔ لہذا لوگ ایسے شخص کا کیونکر اقتدا کرینگے جو اُن کے روبرو علم مکتوم ظاہر ہی نہیں کرتا جیسے کہ امام معدوم اور ان دونوں سے کسی کو کوئی نفع ہوتا ہے نہ کوئی لطف اور مصلحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ وہ اُس علم کو اپنے خاص لوگوں کے لیئے رکھتے تھے نہ کہ اُن ائمہ کے لیئے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ اُنپر اتہام ہے۔ کیونکہ جعفر بن محمد کے بعد اُن جیسا کوئی نہیں ہوا حالانکہ اُنھوں نے بھی اُن ہی ائمہ سے حاصل کیا تھا جیسے امام مالک۔ ابن عیینہ۔ شعبہ۔ سفیان ثوری۔ ابن جریج۔ یحییٰ بن سعید وغیرہ۔ اسکے علاوہ اگر کوئی ان سادات پر یہ گمان کرے کہ یہ علم کو اُن ائمہ سے چھپاتے اور خاص اُن مجہول لوگوں کو بتاتے تھے جنکی جماعت میں کبھی کوئی سچ بولتا ہی نہیں تو یہ اُن پر بدظنی ہے کیونکہ اُن لوگوں میں تو اللہ اور اُسکے رسول کی محبت۔ اللہ کی طاعت اُسکے دین کی حفاظت اور تبلیغ کرنے کا شوق۔ موافقین کا ساتھ دینا۔ مخالفین سے موافقت رکھنا اور دین کی کمی زیادتی سے حفاظت کرنا اسقدر تھا کہ شیعوں کے شیوخ میں کوئی بھی اس سے لگا نہیں کھاتا اور یہ امر ایسے شخص کو صاف معلوم ہو جاتا ہے جو دونوں سے واقف ہے۔ فقط۔

کیا دل میں سب شیعہ ہیں

شیعی علما فرماتے ہیں مسلمین میں کسی پر یہ گمان نہیں کر سکتے کہ کوئی ان مذاہب سے واقف ہو اور پھر باطن میں مذہب امامیہ کے سوا کوئی اور مذہب اُس نے اختیار کیا ہو۔ ہاں طمع دنیا کے باعث ظاہر میں کسی اور مذہب کی طرف رہا ہو کیونکہ اور مذہب والوں کیلئے مدرسے لنگر خانے اور بہت سی جائداد وقف کر دی جاتی ہے۔ یہانتک کہ بنی عباس کی ہمیشہ یہی عادت رہی اور وہ اپنی امامت قائم کرنے کے لیئے عام لوگوں کے اعتقاد کو مضبوط کرتے رہے۔

جواب

ایسی لغویات کوئی بھی نہیں کہہ سکتا۔ ہاں وہ شخص جو اہل سنت کے احوال سے بالکل ہی ناواقف ہو اُسکا بطلان بوجوہ کثیرہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ سنت تو اُن مدرسوں کے بنا ہونے سے پہلے بھی اقوی اور اظہر تھی کیونکہ بغداد میں سنہ ۴۰۰ھ کے وسط میں مدرسے بنائے گئے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ سنہ ۴۵۹ھ ہجری کے اخیر میں بنا ہے اور وہ بھی ائمہ اربعہ میں سے فقط ایک کے مذہب پر بنایا گیا تھا اس سے پہلے مذاہب اربعہ مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے تھے ان میں سے کسیکا کوئی مدرسہ نہ تھا مالکیہ جو مغرب میں تھے کوئی یہ بیان نہیں کرتا کہ اُن کے پاس کوئی اولاد عباس میں سے تھا علاوہ ازیں سنت تو بنی عباس کی حکومت سے پہلے ہی اس سے زیادہ اظہر اور اقوی تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی کیونکہ بنی عباس کی حکومت میں تو ہمارے شیعہ اصحاب کو بہت بڑا دخل ہو گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ سب اہل سنت اسپر متفق ہیں کہ بنی عباس ہی کے ساتھ کچھ خلافت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اگر علویین امویین یا قریشی خاندانوں میں سے اور کوئی بھی اسکا والی ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ اسکے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ علماء سنت مثلاً امام مالک امام احمد وغیرہ سلاطین سے فائدہ اُٹھانے یا اُن کے مقرب بننے سے سب سے زیادہ دُور رہنے والے ہیں۔ اہل سنت تو فقط خلفاء راشدین کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ اسکو بھی ہر عاقل جانتا ہے کہ علماء مسلمین مشہورین میں کوئی شیعہ نہیں ہے بلکہ وہ سب کے سب اُنھیں راہ راست پر ہی نہیں سمجھتے اور اُن کی تمام کتابیں اسکی شاہد ہیں بلکہ تمام فرقوں کی بھی سب کتابیں اسکی شاہد ہیں باوجودیکہ کوئی ایسا نہیں ہوا جس نے شیعوں کی جہالت اور گمراہی بیان کرانے پر اُنھیں مجبور کیا ہو تو بھی وہ ہمیشہ اُن کی جہالت اور ضلالت کو ذکر کرتے ہیں جس سے بلا سوچے سمجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شیعہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہدایت میں یہ تمام فرقوں سے زیادہ دُور پڑے ہوئے ہیں اُنھوں نے بڑی بڑی خلاف شرع بدعتوں کو جمع کر رکھا ہے کیونکہ یہی جہمیہ قدریہ ہیں اور ان قسموں میں سے ہر قسم کی برائی میں سلف اور علماء کا اس قدر بیان ہے کہ جسے اللہ کے سوا اور کوئی حصر میں نہیں لا سکتا۔ تمام کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ حدیث۔ آثار۔ فقہ۔ تفسیر۔ اصول۔ فروع وغیرہ کی کتابیں۔ یہی تینوں فرقے اہل بدعت۔ مرجیہ۔ حیروریہ۔ غرض کل فرقوں سے بدتر ہیں اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ باوجود اس گہری تحقیقات کے ساری امت میں آجتک مجھے کوئی آدمی ایسا

معلوم نہ ہوا کہ جو صادق اللسان ہو کر مذہب امامیہ کے ساتھ متہم بھی ہوا ہو چہ جائیکہ کوئی یہ کہے کہ وہ باطن میں اس مذہب کا اعتقاد رکھتا تھا حسن بن صالح بن حی پر مذہب زیدیہ کی تہمت لگائی گئی ہے حالانکہ وہ فقیہ اور زاہد آدمی تھا۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ یہ اُس پر محض اتہام ہی اتہام ہے لیکن تو بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ اُس نے ابوبکر وعمر کی شان میں کبھی طعنہ زنی کی ہو چہ جائے کہ وہ ان دونوں کی امامت میں شک کرتا۔ زیدیہ اُن شیعہ علویہ کا ایک فرقہ ہے جو عثمان کو علی پر فضیلت دیتے ہیں۔ کوئی ان شیعہ میں سے کبھی متہم نہیں ہوا جو علی سے محبت رکھتے ہیں اور ابوبکر وعمر کو اُن پر فضیلت بھی دیتے ہیں۔ یہ سب اس لڑائی میں تھے۔ وہیں اُن کی دو جماعتیں ہوگئیں ایک شیعہ عثمانیہ دوسری شیعہ علویہ۔ جن لوگوں نے علی کے ساتھ جنگ کی ہے وہ سب عثمان پر اُنھیں فضیلت نہیں دیتے تھے بلکہ ان میں اکثر ایسے تھے جو عثمان ہی کو اُن پر فضیلت دیتے تھے چنانچہ یہی قول تمام اہلسنت کا ہے۔

ظاہر میں سُنی باطن میں شیعہ

شیعی علمار فرماتے ہیں۔ ایسے آدمی بہت سے دیکھے گئے ہیں جو باطن میں مذہب امامیہ رکھتے ہیں مگر حبِ دنیا اور طمع ریاست کی وجہ سے اُسے ظاہر نہیں کر سکتے۔ ائمہ حنابلہ میں سے ایک شخص دیکھا گیا وہ کہتا تھا کہ میں امامیہ مذہب میں ہوں اُس سے کہا گیا تو پھر تم مذہب حنابلہ کی کتابیں کیوں پڑھاتے ہو تو کہا تمھارے مذہب میں محنتانے اور مہینے نہیں ملتے اسلیے ہم ظاہر میں اس مذہب پر ہیں۔ شیخ علی صاحب شیعوں کے مجتہد اعظم فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں ایک صدر مدرس شافعی تھا اُس نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میری تجہیز و تکفین کا کام کوئی امامیہ فرقہ کا آدمی کرے اور مجھے دفن مولانا کاظم کے گورستان میں کیا جائے اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ بے شک مذہب امامیہ پر تھا۔

جواب

شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ہم نے بہت سی مرتبہ دیکھا ہے یہ جھوٹ ہے بلکہ کبھی ائمہ اربعہ کے مذہب میں کہلانے والوں میں کوئی ایسا نکل آیا ہے جو در پردہ شیعہ تھا جیسا کہ کبھی اسلام ظاہر کرنیوالوں میں کوئی ایسا نکل آتا ہے جو در پردہ منافق ہوتا ہے ہم تو ایسے شخص اور اسکے مذہب کو کفر سے بھی

بدتر جانتے ہیں کہ جو کسی لالچ سے اپنے دلی عقیدہ کے خلاف اظہار کرے۔ خواہ وہ شیعہ ہو یا سُنّی۔ تعجب ہے ہمارے شیعی علماء ان منافقین پر فخر کرتے اور اتراتے ہیں۔ ایسی مثالیں تو بہت سی ملینگی کہ بعض لوگ عرصہ تک مسلمان بنے رہے مگر مرتے وقت نصرانی ثابت ہوئے۔ چنانچہ ہماری آنکھوں کے سامنے مسجد فتحپوری میں کئی سال تک ایک شامی نماز پڑھاتا اور پڑھتا رہا۔ مگر مرتے وقت اس نے کہا میں نصرانی مذہب رکھتا تھا لہٰذا میری تجہیز و تکفین پادری کے ہاتھ سے ہو کیا اس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ کل شامی باطن میں نصرانی مذہب رکھتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ یاد رکھئے جس شخص نے اسلام کی اصلی حالت کو جان لیا وہ ظاہر اور باطن ہر حالت میں اس کا مقر ہے کہ محمد بے شک اللہ کے رسول ہیں ایسے شخص سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ علانیہ وہ منافق بنجائے استغفر اللہ۔ یہ تو زندیقیوں کا شعار ہے۔ اب رہی وہ حکایت جو شیعی علماء نے بعض ائمہ مدرسین سے نقل کی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو اگرچہ اسکی صداقت کی کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی ہو تو یہ ائمہ اربعہ کی طرف کہلانے والے لوگوں میں رافضی ہونے سے بڑھکر بعض زندیق اور ملحد بھی موجود ہیں ہاں جو شخص بعض کے در پردہ زندیق ہونے سے علماء مسلمین پر یہ استدلال قائم کرے کہ یہ سب کے سب زندیق ہیں تو یہ مستدل سب سے زیادہ لغو گو اور متعصب ہے۔ شیعی علماء ان دونوں مدرسوں کا نام لکھدیتے تو ہم اسکا عقدہ کھول دیتے کہ انپر محض اتہام اُٹھایا گیا ہے یا یہ واقعہ صحیح ہے اور پھر اس سے حقیقت حال کا انکشاف ہو جاتا۔ اسکے علاوہ بھلا محض عہدہ مدرسی پر کسی کا ہو جانا اور وہ بھی بھلا کیدن کی حکومت میں یا اسلام کے شروع زمانہ میں اس مدرس کی فضیلت اور دیانتداری پر اسقدر دلالت کر سکتا ہے کہ اُسکا قول اہل علم کے قول کے ہموزن سمجھا جائے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جہال ظالموں کی حکومت میں مدرس ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ سب کے سب اجہل اور انتہا درجہ کے ظالم تھے۔ لیکن وہ شے جو علما کی فضیلت پر دلالت کرے یہ ہے کہ اُن کے علم کی لوگوں میں شہرت ہو اُنکے کلام اور کتابوں کے آثار کا کچھ ظہور ہوا اور ایک عالم ان سے مستفیض ہو رہا ہو اور اُنھوں نے شریعۃ غرا کی پوری خدمت انجام دی ہو۔ بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ فضلاء اصحاب شافعی و احمد اور مالک میں کوئی بھی رافضی تھا یا برخلاف اسکے ان میں سے ہر فاضل سب سے زیادہ رافضیوں کا دشمن تھا ہاں اتباع ائمہ میں سے ایک گروہ پر یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ اُن کا قدرے قلیل میلان اعتزال کی طرف تھا

لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان میں سے کوئی رفض کے ساتھ متہم بھی ہوا ہو - کیونکہ اہل علم کے طریقہ سے رفضی ہونا بہت ہی بعید ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ معتزلہ کے اقوال بھی خلاف شریعت اور بدعت ہوئے ہیں تو بھی ان میں علم دین ادلہ شرعیہ اور عقلیہ سے استدلال کرنے والے موجود ہیں - اہل ملل اور ملاحدہ کے روجیں عمدگی سے اُنھوں نے کئے ہیں وہ اُن کی قابلیت علمی کے شاہد ہیں - بعض اوقات اُنھوں نے شیعوں کی بھی ایسی خبر لی ہے کہ اب تک ہمارے احباب ہونٹ چاٹتے ہیں - اس کے مقابلہ میں ہمارے دوست شیعہ بس نورٌ علیٰ نور ہیں -

مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی پانچویں وجہ

شیعی علماء فرماتے ہیں مذہب امامیہ کا اتباع واجب ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ غیر حق میں تعصب کی طرف بھی نہیں جاتے بخلاف اور مذہب والوں کے چنانچہ غزالی اور ماوردی یہ دونوں شافعیہ مذہب کے امام ہیں - اُنھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ قبروں کو مسطح کر دینا ہی مشروع ہے لیکن چونکہ یہ طریقہ رافضیوں نے اپنا کر لیا ہے لہذا اسے ہم چھوڑتے ہیں اور قبروں کو اونٹوں کے کوہان کی شکل بنانے کو حکم شریعت کہتے ہیں - پھر زمخشری نے جو ائمہ حنفیہ میں سے تھا اس آیت کی تفسیر میں ھو الذی یصلی علیکم وملٰئکتہ یہ ذکر کیا ہے کہ اگرچہ بمقتضا اس آیت کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ہر ہر فرد پر درود بھیجنی جائز ہے - لیکن چونکہ رافضی اس سے اپنے ائمہ پر درود بھیجنی نکالتے ہیں لہذا ہم اس سے منع کرتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ہدایہ کے مصنف نے کہا ہے جو حنفیہ میں سے تھا کہ انگوٹھی داہنے ہی ہاتھ میں پہننی مشروع ہے - لیکن چونکہ یہ طریقہ رافضیوں نے لے لیا ہے - لہذا اب ہم بائیں ہاتھ میں پہننا جائز کہتے ہیں - پس تم ان لوگوں پر غور کرو جو شریعت کو پھیرتے ہیں اور اُن احکام کو بدلتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور بعض ایک قوم معین سے عناد رکھنے کے باعث خلاف صواب کو اختیار کرتے ہیں بھلا پھر ایسے لوگوں کا اتباع کرنا اور اُن کے اقوال کو تسلیم کرنا جائز ہو سکتا ہے - نہیں ہرگز نہیں -

جواب

اسکا جواب دو طریق پر ہو سکتا ہے اول تو یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے - یہ سب شیعوں ہی سے زیادہ تعلق رکھتا ہے - دوسرے یہ کہ ائمہ اہل سنت ممدوح اس سے بری ہیں - پہلے طریق کی تفصیل تو یہ ہے کہ غلط اُمور

میں ہمارے احباب سے زیادہ تعصب رکھنے والا ہیں اور کوئی فرقہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہانتک کہ سب فرقوں کے علاوہ یہ بات ان ہی میں معروف ہے کہ اپنے مخالف کے مقابلہ میں اپنے موافق کی جھوٹی گواہی دینی مشروع کہتے ہیں حالانکہ جھوٹ سے زیادہ تعصب میں اور کوئی بات نہیں ہے یہانتک کہ تعصب ہی کی وجہ سے تمام میراث یہ بیٹی کے لیئے ٹھیراتے ہیں تاکہ اُن کا یہ قول دُرست ہوجائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث حضرت فاطمہ ہی تھیں۔ آپ کے چچا عباس وارث نہ تھے آپ ان حضرات کا تعصب خیال توفرمایئے کہ ان میں بعض لوگ اُونٹ کے گوشت کو محض اسوجہ سے حرام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اُونٹ پر سوار ہوکر علی سے جنگ کی تھی غرضکہ لوگ محض ایک نامناسب امر کی وجہ سے اللہ کی کتاب اور حضور انور کی سنت اور تمام صحابہ اور قرابت کے اجماع کا خلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ اونٹ جسپر عائشہ سوار ہوئی تھیں مرچکا ہے اگر اُسکا زندہ ہونا بھی مان لیا جائے تو کفار کا اونٹوں پر سوار ہونا اُن کے حرام ہونے کو واجب نہیں کرسکتا حالانکہ کفار تو ہمیشہ اونٹوں پر سوار ہوتے ہی رہتے ہیں اور مسلمان اُن سے لُوٹتے ہیں حالانکہ اُن کا گوشت مسلمانوں کے لیئے حلال ہے۔ لہذا حضرت عائشہ کے اونٹ پر سوار ہونے میں ایسی کونسی وجہ ہے جو اُسکے گوشت کے حرام ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ غایت درجہ یہ فرض کرینگے کہ جن لوگوں کو یہ کافر ٹھیراتے ہیں وہ بھی اُسپر سوار ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کا محض جھوٹ اور افترا ہے جسکا ام المومنین کے ذمہ الزام رکھتے ہیں پھر یہ بات بھی اِن لوگوں کے تعصب ہی کی ہے کہ عشرہ (دس) کے لفظ کو زبان پر نہیں لاتے بلکہ تسعہ و احد (یعنی نو ایک) کہتے ہیں اور جب کبھی یہ ستون ذخیرہ بناتے ہیں تو اُن کو دس نہیں کرتے غرضکہ اس سے یہ اپنے اکثر امور میں بچتے ہیں باوجودیکہ عشرہ کا لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة اور فرمایا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا اور فرمایا وواعدنا موسی ثلاثین لیلة واتممناھا بعشر اور فرمایا۔ والفجر ولیال عشر۔ پس اللہ تعالےٰ نے عشرہ کے لفظ کو بہت سے محمود موقعوں پر ذکر کیا ہے اور تسعہ کے لفظ کو مذموم (یعنی بُرے) موقعہ پر فرمایا چنانچہ فرمایا وکان فی المدینة تسعة رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ پھر حضور انور نے فرمایا تحروا لیلة القدر فی العشر الاواخر من رمضان۔ آپ وقت وصال تک اعتکاف بھی آخر ہی عشرہ میں

کرتے رہے اور خود ہی یہ فرمایا۔ ما من ایام العمل الصالح فیہا احب الی اللہ من ہذہ الایام العشرۃ پس جب اللہ اور اسکا رسول دونوں عشرہ کے لفظ کو بولتے ہیں اور اس عدد کے ساتھ احکام شرعیہ محمودہ کو متعلق کرتے ہیں تو پھر ان کا اسکے زبان سے نکالنے میں نفرت کرنا محض اس خیال سے کہ عشرہ اُن لوگوں کو کہتے تھے جو اُن سے بغض و عداوت رکھتے تھے اُن کا انتہا درجہ کا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ اسکے علاوہ ان کے تسعہ و واحد کے معنی بھی عشرہ ہی کے ہیں مگر اس بدمزہ طول عبارت کو قبول کر لیں گے اور عشرہ کا ایک لفظ نہیں بولنے کے اور اگر عشرہ یا تسعہ یا سبعہ کا لفظ ہر اُس معدود پر بولا جائے جو عدد کے مطابق ہو خواہ آدمی ہوں یا جانور کپڑے ہوں یا درہم حالانکہ بعض معدود محمود ہوتے ہیں اور بعض مبغوض۔ اسپر بھی ان خوش فہموں کا ان اعداد سے نفرت کرنا ان کی انتہا درجہ کی شان انسانیت ہے۔ ان کی یہ نفرت ایسی ہی ہے جیساکہ یہ اُن گوں کے ناموں سے نفرت کرتے ہیں جن سے انھیں عداوت ہے۔ چنانچہ یہ اُس شخص سے بھی نفرت کرتے ہیں جسکا نام ابوبکر، عمر اور عثمان ہو کیونکہ جنکے یہ نام تھے۔ اُن سے انھیں عداوت ہے حالانکہ صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنکے نام بعض کفار کے نام پر تھے جیساکہ ولید بن ولید۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور دعاء قنوت میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ہشام وعیاش بن ابی ربیعۃ والمستضعفین من المؤمنین

یہ ولید مؤمن متقی تھے اور اُن کا باپ کافر تھا اسی طرح عقبہ بن ابی معیط بھی کفار قریش میں تھا حضور انور نے یہ فرمایا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عقبہ بن رافع کے مکان میں ہوں اور ہمیں مدینہ منورہ کی عمدہ کھجوریں ملی ہیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ دنیا میں بھی ہمیں ترقی ہوگی۔ اور آخرت میں انجام بھی اچھا ہوگا اور ہمارا دین اچھا رہے گا۔ اسکے علاوہ خود علی کے نام کا ایک شخص علی بن امیہ بن خلف تھا وہ اور اُسکا باپ جنگ بدر میں دونوں کفر ہی کی حالت میں قتل ہوگئے تھے اور صحابہ میں کعب بن مالک شاعر تھے جو حضور انور کی نعت میں اشعار کہتے تھے اور ایک کعب الاشرف تھا جس نے حضور انور کو اسقدر تکلیف دی کہ خود حضور انور نے محمد بن مسلمہ کے ساتھ چند صحابہ کو بھیجکر اُسے قتل کرا دیا اور صحابہ ہی میں ایک کعب وہ بھی تھے جنسے خود حضور انور نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں کچھ پڑھکر تمھیں سناؤں۔ پھر مشرکین میں ایک ابی بن خلف تھا جسے جنگ احد میں حضور انور نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا حالانکہ اسکے سوا آپ نے اپنے ہاتھ سے اور کسیکو

نہیں مارا آپ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن زیادہ تر عذاب اُسی کو ہوگا جس نے کسی نبی کو مارا ہو یا نبی نے اُسے مارا ہو۔ حضور انور نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا اور علی نے اپنے دونوں بچوں کا نام ابوبکر و عمر رکھا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسمار اعلام مسلمان اور کافر سب میں مشترک ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہود اور نصاریٰ بھی ابراہیم۔ موسیٰ۔ اسحٰق۔ یعقوب نام رکھتے ہیں اور یہی نام مسلمان بھی رکھتے ہیں۔ لہذا کافر کے کسی نام رکھ دینے میں کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو اس نام کے چھوڑ دینے کو واجب کرتی ہو اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ لوگ نعوذ باللہ کافر تھے جیسا کہ مفتری کہتے ہیں تو بھی اس میں کوئی وجہ ایسی نہیں ہے جو ان اسمار کے چھوڑنے پر دلالت کرتی ہو بلکہ یہ جہالت اور تعصب کی زیادتی کا سبب ہے۔ اگر اب کوئی یہ کہے کہ یہ لوگ اس نام کو اسلیئے برا سمجھتے ہیں کہ اس نام کا آدمی سُنی ہوتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ کسی کا مذہب جاننے کے بعد بھی کہ وہ سنی نہیں ہے اُسے اس نام سے نہیں پکارتے بلکہ اس نام سے بچنے کے لیئے اُسے اور کسی نام سے پکارتے ہیں۔ اور یہ بھی ان کے تعصب ہی کی وجہ ہے کہ جب یہ کسی کو علی یا جعفر یا حسن یا حسین کے نام پر پاتے ہیں تو اُسکا بہت جلدی سے اعزاز کرتے ہیں۔ باوجودیکہ کبھی اس نام کا آدمی فاسق ہوتا ہے اور کبھی سنی۔ غرض کہ یہ سب تعصب اور جہالت ہی ہے اور یہ بھی ان کا تعصب و جہالت ہی ہے کہ تمام بنی امیہ سے یہ عداوت اور بغض رکھتے ہیں۔ محض اسوجہ سے کہ ان میں بعض آدمی علی سے بغض رکھتے تھے حالانکہ بنی امیہ میں بہت سے نیک آدمی تھے جو فتنہ ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ بنی امیہ کے اکثر خاندان حضور انور کے عامل تھے۔ چنانچہ آپ نے مکہ فتح کر کے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ ہی کو وہاں کا عامل کیا تھا۔ علی ہذا القیاس خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیہ کو اور اُن کے دونوں بھائی ابان اور سعید بن سعید کو دوسرے عاملوں پر افسر کیا تھا۔ اسیطرح ابوسفیان بن حرب بن امیہ کو یا اُن کے بیٹے یزید کو نجران کا عامل کیا تھا اور اس عہدہ پر ہی اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اسکے علاوہ حضور انور نے اپنی تینوں صاحبزادیوں کی شادی بنی اُمیہ ہی میں کی تھی۔ سب سے بڑی صاحبزادی زینب کی شادی ابی العاص بن ربیع بن امیہ بن عبد شمس سے کی تھی اور جس وقت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو آپ نے اپنے پہلے داماد کی بہت تعریف کی۔ یعنے اول آپ نے بنی امیہ بن عبد شمس سے اپنے سمدھیانے کا ذکر

کیا پھر آپ نے اپنے داماد کی بہت تعریف کی اور یہ فرمایا کہ اُس نے جو کچھ مجھ سے کہا وہ سچ کر دکھایا اور جو مجھ سے وعدہ کیا وہ پورا کر دکھایا۔ اسکے علاوہ حضور نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے عثمان بن عفان سے بیاہی تھیں اور پھر بھی یہ فرمایا تھا کہ اگر ہمارے ہاں تیسری لڑکی ہوتی تو ہم اُسکو بھی عثمان ہی سے بیاہتے۔ اسی طرح ہمارے احباب کا تعصب یہ بھی ہے کہ یا اہل شام کی طرف سے کینہ رکھتے ہیں محض اسوجہ سے کہ پہلے ان میں کچھ لوگ علی سے کینہ رکھتے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں بھی کفار اور مسلمان تھے اور مدینہ میں بھی۔ اور ان دنوں شام میں کوئی ایسا نہیں تھا جو علی سے عداوت ظاہر کرتا ہو۔ لہٰذا اب وہاں کے باشندوں سے عداوت رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن یہ لوگ اپنے بے انتہا تعصب کی وجہ سے سب سے عداوت رکھتے ہیں۔ اسیطرح یہ بھی انکا تعصب ہے کہ یہ اُس آدمی کو بُرا جانتے ہیں جو بنی امیہ کے متروکہ میں سے کسی شے سے فائدہ اُٹھائے۔ جیسا کہ نہر یزید سے پانی پینا۔ حالانکہ یزید نے اُسے نہیں بنوایا تھا بلکہ اُس نے اُسے وسیع ضرور کرا دیا تھا اسیطرح اُس جامع مسجد میں نماز پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں جو بنی امیہ نے بنائی ہے۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور انور اُس کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جو مشرکین نے بنایا تھا اور آپ اُن مکانات میں رہتے تھے جو مشرکین ہی نے بنائے تھے اور آپ اُن کنوؤں کا پانی پیتے تھے جو مشرکین ہی نے کھدوائے اور بنوائے تھے اور وہی کپڑے پہنتے تھے جو مشرکین بُنتے تھے اور اُن دراہم کو برتتے تھے جنپر مشرکین سکہ لگاتے تھے۔ پس جب حضور انور ان کے مکانات اُن کے کپڑوں اور اُن کے کنوؤں وغیرہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے تو اب اہل قبلہ یعنی مسلمانوں کی چیزوں میں کیا جھگڑا ہے۔ پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ یزید کافر تھا اور اسی نے نہر کو کھدوایا تھا پھر بھی بالاجماع جمیع مسلمانان عالم اسکے پانی پینے میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے بے انتہا تعصب کی وجہ سے اُن چیزوں سے کراہیت کرتے ہیں جنھیں ان لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے اُنھیں عداوت ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں مجھ سے ایک معتبر آدمی نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک شیعہ کے پاس ایک کتا تھا ایک دن اُسکا ایک شیعہ دوست آگر بکیر بکیر کہہ کر اُس کتے کو بلانے لگا اُس کُتّے والے نے کہا کیا دوزخیوں کے ناموں میں سے تو میرے کُتّے کا نام رکھتا ہے۔ اس پر ان دونوں میں اسقدر لڑائی ہوئی کہ خون ہونے کی نوبت آگئی بھلا اس تعصب کی بھی کوئی انتہا ہے حالانکہ حضور انور اپنے صحابہ کے ایسے نام بھی رکھدیتے تھے جو اُن دوزخیوں کے ہیں۔ جنکا ذکر اللہ پاک نے قرآن مجید

میں کیا ہے جیساکہ وحید جسکو قرآن شریف میں اللہ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے ذرنی ومن خلقت وحیداً اسکا اصل نام ولید بن مغیرہ تھا۔ حضور انور اُسکے بیٹے کے لیئے دعا کیا کرتے تھے۔ اور اُسکا نام بھی ولید ہی تھا اور بیٹے اور باپ دونوں کا نام حضور نماز میں لیا کرتے تھے اور کہتے تھے اللھم انج الولید بن الولید جیساکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ہمارے احباب کے بے مثال تعصب کی ایک اور شہادت یہ ہے کہ یہ اُسدن روزہ نہیں رکھتے جسدن خود رسول اکرم روزہ رکھنے کا حکم کرتے ہیں جیساکہ عاشورہ کا روزہ ہے۔ حالانکہ صحیح حدیث میں ابی موسٰی سے مروی ہے کہ جسوقت حضور انور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کی تعظیم کرتے اور اُس روز روزہ رکھتے ہیں اسپر حضور نے فرمایا کہ ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں اور اُسیوقت آپ نے اُس روز کے روزہ رکھنے کا حکم دیدیا۔ یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔ فقط

جواب کا دوسرا طریق

ہم کہتے ہیں کہ تمام ائمہ اسلام اسپر متفق ہیں کہ جو امر مشروع ہو وہ کسی بدعتی یا شیعہ وغیرہ کے کر لینے سے ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تمام ائمہ کے اصول اُسی کے موافق ہیں اُن ہی میں سے ایک مسئلہ تسطیح (یعنی قبر کو سطح کر دینے کا ہے جو شیعی علمار نے ذکر کیا ہے پس امام ابو حنیفہ ؒ اور امام احمد کا مذہب تو یہیں یہ ہے کہ تسنیم قبور یعنی قبروں کو اونٹوں کے کوہان کی شکل پر بنا دینا ہی افضل ہے جیساکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور کی قبر مسنم ہے۔ دوسری وجہ اُسکے افضل ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کی عمارتوں سے ایک تو یہ مشابہت نہیں کھاتی دوسرے بنی اس وضع پر ہے کہ اُسپر انسان بیٹھ نہیں سکتا۔ مگر امام شافعی تسطیح کو مستحب فرماتے ہیں محض اس روایت کی وجہ سے جسمیں قبروں کے زمین کے ہموار کر دینے کا حکم ہے اور وہ زمین کے ہموار کر دینے ہی کو تسطیح سمجھتے ہیں۔ پھر اُن کے بعض شاگردوں کا یہ قول ہے کہ اب چونکہ یہ طریقہ شیعوں نے لے لیا ہے۔ لہٰذا یہ مکروہ ہے۔ یہ لوگ اُن کے اور تمام شاگردوں کے مخالف ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ یہی افضل اور مستحب ہے اگرچہ اُسے شیعہ کیوں نہ کرنے لگیں اسیطرح بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا بھی شیعوں کا مذہب ہے۔ شافعیوں میں بعض نے اُسکے اور قنوت کے سبب میں گفتگو کی ہے اور اُسے شیعوں اور قدریہ کے قول کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ عراق میں

مشہور یہی تھا کہ بسم اللہ آواز سے پڑھنا شیعوں کا طریقہ ہے اور قنوت فجر کی نماز میں پڑھنا قدریہ کا مذہب ہے یہانتک کہ ائمہ میں سے سفیان ثوری وغیرہ نے اپنے عقائد میں بسم اللہ کو آواز سے نہ پڑھنا ہی بہتر سمجھا ہے کیونکہ اُنکے نزدیک یہ شعار شیعوں کا ہے جیسا کہ مسح علی الخفین وہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ اُسکو چھوڑنا بھی اُن کے نزدیک شیعوں ہی کا شعار ہے باوجود اسکے جب امام شافعی نے یہ دیکھا کہ سنت طریقہ یہی ہے تو اپنا یہی مذہب ٹھیرالیا اگرچہ شیعوں کے قول کے موافق ہی کیوں نہ ہو اسیطرح اُنکے نزدیک اہل عراق کو عقیق سے احرام باندھنا مستحب ہی اگرچہ یہ بھی شیعوں کا مذہب ہے غرض اس قسم کی نظیریں بہت سی ہیں اسیطرح امام مالک خفین پر مسح کرنے کے امر کو ضعیف کہتے ہیں یہانتک کہ اُنکا مشہور قول یہی ہی کہ حضر میں مسح نکرنا چاہیئے اگرچہ یہ بھی شیعوں کے قول کے موافق ہی اسیطرح امام مالک اور امام احمد کا یہ بھی مذہب ہے کہ محرم کجاوہ کے سایہ میں نہ آئے ۔ حالانکہ یہ بھی شیعوں کے قول کے موافق ہے اسی طرح امام مالک فرماتے ہیں کہ زمین کی جنس کے سوا اور کسی شے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے ۔ اسیطرح شیعہ بھی زمین کے سوا اور سب چیزوں پر سجدہ کرنے سے منع کرتے ہیں ۔ پھر امام احمد بن حنبل حج کے متعہ کی طرح متعہ کو مستحب کہتے اور اُسکا امر کرتے ہیں اور امام احمد اور اُنکے سوا اور ائمہ محدثین ایسے شخص کے لیے جس نے فقط حج یا قران کا احرام باندھا ہو اُسکو مستحب کہتے ہیں کہ وہ اس احرام کو توڑ کر عمرہ کا احرام باندھ لے اور متمتع ہو جائے ۔ کیونکہ بہت صحیح حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں یہانتک کہ سلمہ نے امام احمد سے کہا تھا کہ اے ابو عبداللہ تم نے اہل خراسان کو متعہ کا فتوے دیکر شیعوں کے دلوں کو پکا کر دیا آپ نے فرمایا کہ اے سلمہ میں تمھاری نسبت یہ سنتا تھا کہ تم احمق ہو لیکن میں تمھاری طرف سے ایسا کہنے والوں کو جواب دیدیتا تھا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ تم واقعی احمق ہو ۔ میرے پاس گیارہ حدیثیں صحیح ہیں جو حضور انور سے مروی ہیں کیا میں تمھارے کہنے پر ان سب کو چھوڑ دوں اور ایسا ہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ سوائے حضور انور کے اور ون پر بھی جیسے ابو بکر عمر ۔ عثمان ۔ علی درود بھیجنا جائز ہے ۔ ایک روایت میں امام احمد کے بھی بہت سے شاگردوں سے یہی منصوص ہے اور وہ اُس روایت سے استدلال لاتے ہیں جو علی سے اُنھوں نے نقل کی ہے ۔ کہ آپ نے عمر سے کہا تھا صلی اللہ علیک ۔ اسی کو اُن کے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے ۔ جیسے قاضی ابی یعلی ۔ ابن عقیل ۔ ابو محمد عبدالقادر جیلی وغیرہ ۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد سے اسکا منع ہونا منقول ہے ۔ اور یہی امام احمد کے بعض شاگردوں نے اختیار کیا ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن عباس سے

مروی ہے کہ سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر درود بھیجنی درست نہیں ہے ممکن ہے کہ ابن عباس نے یہ اسوقت کہا ہو کہ جب اُنھیں یہ بات معلوم ہوئی ہو کہ شیعوں نے درود کو علی ہی کے لیئے خاص کرلیا ہے اور دوسرے صحابہ پر نہیں بھیجتے۔ حالانکہ یہ باتفاق خطا اور غلطی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے اور حضور انور نے اُسکی تفسیر اپنے اور اپنی آلِ اطہار پر درود بھیجنے کے ساتھ کی ہے۔ لہذا آپ کے طفیل میں آپ کی تمام اہلبیت پر درود بھیجنی چاہیئے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حضرت کی آل کے وہ لوگ ہیں جنھیں صدقہ لینا حرام ہے اور امام مالک اور امام احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ ساری امت آل ہے۔ صوفیہ کے ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ حضور انور کی امت میں سے فقط اولیاء اللہ ہیں اور وہ مومن متقی لوگ ہیں اُنھوں نے اس بارے میں ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے جسکا ثبوت کچھ نہیں ہے حنفیوں کا یہ قول واجب التسلیم ہے کہ جب کوئی شخص ایسے گروہ میں چلا جائے جو سوائے علی کے اور کسی صحابی پر درود نہیں بھیجتے تو اُسے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ اس لیئے وہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص بھی ہم ہی میں سے ہے اسلیئے اسکا صرف علی ہی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔ یہی قول تمام ائمہ کا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب فعل میں کوئی بڑی بُرائی اور خرابی ہوتی ہے تو وہ فعل مستحب نہیں رہتا۔ اسی لیئے بعض فقہا بعض اُن مستحبات کے چھوڑنے کیطرف گئے ہیں جو شیعوں کا شعار ہو گئے ہیں تو یہ چھوڑنا اگرچہ اس وجہ سے واجب نہیں ہوتا لیکن اُسکے ظاہر کرنے میں اُن کی مشابہت ہے اس لیے سنی اور شیعہ میں تمیز نہیں ہو سکتی حالانکہ اُن سے علیحدہ رہنے اور مخالفت کرنے کے لیئے اُن سے الگ رہنے کی مصلحت اس مستحب فعل کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے اور اسکی ان موقعوں میں ضرورت ہوتی ہے کہ جہاں اُس مستحب فعل کے کرنے کی مصلحت سے اختلاط اور اشتباہ ہونے میں اس سے زیادہ خرابی ہو لیکن یہ امر عارضی ہے اِس سے یہ نہیں ہوسکتا کہ امر مشروع کو ہمیشہ غیر مشروع کر دیا جائے گا بلکہ یہ مثل اُس لباس کے ہے جو کفار کا شعار اور طریقہ ہو اگرچہ وہ اُسوقت مباح ہوتا ہے کہ جب اُن کا شعار نہ ہو جیسا کہ زرد عمامہ باندھنا اُسوقت جائز ہے کہ جب یہود کا طرز نہ ہو اور جسوقت اُن کا طرز ہو گا تو اس سے منع کر دیا جائیگا۔

سنیوں کی بدعتیں

شیعی علمار فرماتے ہیں باوجودیکہ سنیوں نے بہت سی بدعتیں گھڑلی ہیں اور اُن کے بدعت ہونے کے خود بھی مقر ہیں لیکن پھر اُنھیں کرتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فان مصیرھا الی النار یعنے ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام کار دوزخ ہے اور فرمایا من ادخل فی دیننا ما لیس منه فھو رد یعنی جو شخص ہمارے دین میں وہ امور داخل کرے جو دین میں نہیں ہیں تو وہ مردود ہے حالانکہ اب اگر کوئی ان اُمور کو رد کرے تو انھیں بُرا لگتا ہے اور اُن کے دل اُس آدمی سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ خطبوں میں خلفار کا ذکر کرنا حالانکہ نہ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور نہ کسی صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ہوا نہ بنی امیہ کے زمانہ میں ہوا نہ عباسیین کی شروع خلافت میں ہوا بلکہ اُسکو منصور نے اُس وقت ایجاد کیا ہے کہ جب اُسمیں اور علویہ میں خلاف

رگڑ ہوگا اور بنی تیم اور عدی کو اُنپر فوقیت دوںگا۔ اُس نے اپنے خطبہ میں صحابہ کا ذکر شروع گیا اور یہ بدعت جب سے لیکر اس زمانہ تک برابر چلی آتی ہے۔ فقط شیعی علمار کا قول ختم ہوگیا۔

جواب

اول تو یہ کہ خلفار راشدین کا منبر پر ذکر ہونا عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں تھا بلکہ یہ روایت بھی ہے کہ فاروق اعظم کے زمانہ میں بھی تھا۔ اس بارے میں ضبہ بن محصن کی حدیث سب حدیثوں سے زیادہ مشہور ہے چنانچہ طلمنکی نے میمون بن مہران کی سند سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری عامل بصرہ جمعہ کے روز جب خطبہ پڑھتے تھے تو اول حضور انور پر درود پڑھتے اسکے بعد فاروق اعظم کی تعریف کرکے ان کے حق میں دعار کرتے ایک روز ابوموسے کے اسطرح کرنے پر ضبہ بن محصن عنزی کھڑے ہوگئے اور یہ کہنے لگے اے ابوموسیٰ تم اُن کے ساتھی کو کہاں بھولے ہوئے ہو کہ اُن سے پہلے اُس کا ذکر کردیتے ہو کیا تم عمر کو ابوبکر پر فضیلت دیتے ہو۔ اتنا کہہ کر یہ بیٹھ گئے مگر پھر اُٹھے اور پھر یہی کہا جب اُنھوں نے کئی مرتبہ ایسا کیا تو ابوموسیٰ نے اُنھیں تو خاموش کردیا اور شکایت کے طور پر فاروق اعظم کو لکھ بھیجا کہ ضبہ ہمپر ہمیشہ طعن کرتے رہتے

ہیں لہٰذا آپ اُن کا انتظام کیجیے۔ اسپر فاروق نے ضبہ کو مدینہ آنے کا حکم بھیجا۔ چنانچہ جب ضبہ مدینہ میں آئے اور فاروق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُنھیں دیکھتے ہی افسوس سے یہ فرمایا کہ نہ ضبہ کو مرحبا ہوا اور نہ اسکے اہل ہو۔ ضبہ عنبری اسکے جواب میں بولے خیر مرحبا اور خوشی تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اہل کی بابت یہ ہے کہ اگر میرے اہل اور مال نہ تھا تو آپنے میرے شہر سے میرے آدمیوں سے مجھے علٰحدہ کر لینا کس طرح حلال کر لیا نہ میں نے ایسا کوئی گناہ کیا ہے نہ اور کوئی فعل ایسا کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تمھارے حاکم میں اور تم میں کیا جھگڑا ہو گیا ہے (ضبہ کہتے ہیں) میں نے کہا اے امیر المومنین جو بات ہے وہ میں کہے دیتا ہوں قصہ یہ ہے جسوقت ابو موسٰی خطبہ پڑھتے ہیں تو اول اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور اُسکے بعد تمھارے لیئے دعا کرنے لگتے ہیں۔ اس سے مجھے اُنپر غصہ آگیا۔ میں نے اُنھیں ڈانٹا کہ تم اُنکے ساتھی ابوبکر کو کہاں بھولے ہوئے ہو کیا عمر کو اُن سے افضل سمجھتے ہو بس اتنی بات پر آپکو اُنھوں نے میری شکایت لکھ بھیجی۔ راوی کہتا ہے کہ فاروق اتنا سنتے ہی روتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ اے ضبہ قسم ہے اللہ کی تم ان سے زیادہ حق کے موافق اور راہ راست پر ہو اور اے مہربان کیا تم میری خطا معاف کر دوگے۔ اللہ تمھاری خطائیں معاف کر دیگا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ تمھیں بخشے مینے تمھاری خطا کو معاف کیا۔ پھر آپ روتے ہی روتے یہ کہنے لگے قسم ہے اللہ کی ابوبکر کی تو ایک رات اور ایک دن عمر کیا عمر کے سارے گھر والوں کے عملوں سے بہتر ہے۔ اے ضبہ اگر تمھارا دل چاہے تو میں اُن کے اُس رات اور دن کو تم سے بیان کر دوں۔ میں نے کہا ہاں اے امیر المومنین فرمایئے فرمایا کہ رات تو اُن کی وہ ہے کہ جب اللہ کے سچے پیغمبر ختم المرسلین صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی ہے تو آپ راتوں رات مکہ سے نکل گئے تھے حضور کے پیچھے ہی پیچھے ابوبکر بھی ہو لیئے لیکن مارے اضطراب کے ابوبکر کی یہ حالت تھی کہ کبھی حضور کے آگے ہوتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں۔ کبھی دائیں آتے ہیں تو کبھی بائیں محض اس خیال سے کہ میری جان جائے تو جائے لیکن حضور انور کا بال بیکا نہ ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ اضطرابی دیکھکر پوچھا کہ اے ابوبکر کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کر رہے ہو ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ گھاتیوں کا خیال کرتا ہوں تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں کہ بہتر ہے پہلا وار مجھ پر ہی ہو اور پیچھے سے دوڑ آنے کا

اندیشہ ہوتا ہے تو آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں۔ اور اسی خیال سے کبھی آپکے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں غرضکہ حضور انگلیوں کی چھاؤں میں چلتے رہے۔ یہانتک کہ پھر کچھ درختوں وغیرہ کی آڑ ہو گئی اُسوقت ابوبکر نے آپ کو کندھے پر سوار کر لیا اور ایک غار پر پہنچکر اُتار دیا۔ پھر یہ عرض کیا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ ابھی اندر نہ جایئے جب تک میں نہ اندر جالوں کیونکہ اگر اس میں کوئی موذی شے ہو تو بہتر ہے کہ مجھ ہی کو تکلیف دے لے اور آپ سلامت رہیں چنانچہ آپ اُسمیں اُترے اور آپ کو کوئی شے اندیشہ کی وہاں نہ معلوم ہوئی تب آپ حضور انور کو گود میں اُٹھا کر اندر لے گئے۔ جب اندر پہنچے تو صدیق کو سانپوں کے سوراخ معلوم ہوئے لیکن ایسی کوئی شے نہ ملی جس سے اُنھیں بند کر دیتے۔ اخیر ابوبکر نے بڑی دلیری سے اپنے ہاتھ پاؤں اُنپر لگا لیے کہ فوراً اندر سے سانپوں نے ابوبکر کو ڈسنا اور کاٹنا شروع کیا اس تکلیف کی وجہ سے ابوبکر کے آنسو نکل نکل کے حضور انور کے مبارک رخساروں پر گرنے لگے۔ لیکن ابوبکر نے آواز نہ نکالی اسیوجہ سے حضور انور کو یہ خبر نہ ہوئی کہ میرے صدیق اکبر کو سانپ ڈسے جا رہے ہیں آپ یہ سمجھے کہ ابوبکر مشرکین کے اندیشہ سے رو رہے ہیں۔ اس لیئے آپ یہ فرماتے رہے کہ اے ابوبکر آزردہ نہ ہو کیونکہ ہمارے ساتھ تو اللہ ہے پھر اللہ نے ابوبکر پر تسکین اور اطمینان نازل فرما دیا۔ پس یہ تو ابوبکر کی رات تھی اور دن اُنکا یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اکثر عرب مرتد ہو گئے بعض کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہ دینگے۔ بعض کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ تو دینگے لیکن نماز نہ پڑھیں گے پھر میں ابوبکر کے پاس پہنچا اور اُنھیں سمجھانے اور نصیحت کرنے میں مینے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا میں یہی کہتا تھا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ لوگوں سے الفت رکھو اور اُن پر نرمی کرو۔ اسپر ابوبکر نے مجھ سے فرمایا کہ ہائیں کیا تم جاہلیت ہی میں رستم بنے ہوئے تھے اور اب اسلام میں نامرد ہو گئے۔ یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور وحی آنی بھی ختم ہو گئی ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر یہ لوگ ایک ذراسی رسی یعنی زانو بند بھی مجھ سے روک لیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ میں دیتے تھے تو میں اسی پر اُن سے جہاد کرونگا۔ غرض یہ ہے خدا کی قسم ابوبکر اس امر میں راہ راست پر تھے۔ پس یہ اُن کا وہ دن ہے۔ پھر حضرت عمر نے ابوموسیٰ کو بہت سی ملامت لکھی فقط

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اُس میں عمر کا ذکر ہوتا تھا اس لیئے کہ آپ سلطان اور زندہ تھے۔ ہم کہتے ہیں

کہ ابوبکر تو اُسوقت وفات پاچکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ مردہ کا ذکر بھی خطبہ میں کرتے تھے۔

دوسرا جواب

یہ ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز خلفار اربعہ کا ذکر اُسوقت کرنے لگے کہ جب بعض بنی امیہ علی کی شان کی میں بُرے الفاظ کہنے لگے۔ اسکے عوض میں اُنھوں نے خلفار کا ذکر کرکے اُن سے رضامندی ظاہر کی تاکہ یہ سنت فاسد یا باطل طریقہ مٹ جائے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ شیعی علمار نے جو منصور کا ایجاد کرنا ذکر کرکے اُس سے جو کچھ مقصود سمجھا ہے وہ سب باطل ہے کیونکہ ابوبکر و عمر منصور اور بنی امیہ سے پہلے خلافت کے والی ہوئے ہیں۔ لہذا منصور کے ان دونوں کے ذکر کرنے سے خود منصور اور اولاد علی کی ناک نہیں رگڑی جاسکتی۔ ہاں یہ اُسوقت ہوسکتا تھا کہ اگر بنی تیم یا بنی عدی میں سے خلافت کے بارے میں کوئی اُن کا مخالف ہوتا حالانکہ اس بارے میں ان میں سے انکا کوئی بھی مخالف نہیں ہوا۔

چوتھا جواب

یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ قول نہیں ہے کہ خطبہ میں خلفار کا ذکر کرنا فرض ہے یا سنت بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فقط علی ہی کا ذکر کرنا یا ائمہ اثنی عشر کا بے شک خلاف شریعت ہے کہ نہ اُسے صحابہ میں سے کسی نے کیا اور نہ تابعین بنی اُمیہ اور بنی عباس میں سے کسی نے کیا جیسا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ علی کو یا سلف سے اور کسی کو بُرا کہنا بالکل خلاف شریعت بدعت ہے اگر خلفار کا ذکر کرنا بدعت ہوگا باوجودیکہ خلفار میں سے بہت سوں نے اُسے کیا ہے تو پھر فقط علی ہی کا ذکر کرنا باوجودے کہ ساری امت میں سے کوئی بھی اسطرف نہیں گیا بدرجہا بڑھکر بدعت ہوگا اور اگر علی کے امیرالمومنین ہونے کے باعث اُن کا ذکر کرنا مستحب ہو تو پھر ان تینوں کا ذکر کرنا جو خلفار راشدین تھے بدرجہ اولی مستحب ہوگا۔ لیکن حضرات شیعہ مطففین میں سے ہیں۔ اہل سنت کی آنکھ میں تو ایک تنکا پڑا ہوا بھی ان میں ہر ایک کو نظر آجاتا ہے اور اپنی آنکھ میں ستون اڑا ہوا بھی نظر نہیں آتا یہ سب جانتے ہیں کہ خلفار ثلثہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اُنکے زمانہ میں کفار ہی پر تلوار چلتی رہی ہی مسلمانوں میں باہم کبھی تلوار نہیں چلی۔ اب ان کے مقابلہ میں علی کو لو ان سے بیعت ہونے پر سب مسلمانوں کا نفاق

نہیں ہوا بلکہ اس زمانہ میں ایک فتنہ برپا ہو گیا تھا اور اس عرصہ میں کفار سے تلوار رک کے اہل اسلام میں چلنی شروع ہو گئی تھی لہذا کسی کا تنہا علی اکیلے کے ذکر پر اکتفا کرنا اور ان سے پہلے خلفا کو نہ ذکر کرنا ان ائمہ کے ذکر کو چھوڑ دینا ہے جو مسلمانوں کے اجتماع اور دشمن کے مقابلہ میں اُن کی امداد ہونے کے وقت امام تھے جنھوں نے بہت شہروں سے اپنے دشمنوں کو بلا لیا تھا کیونکہ اس فتنہ کے وقت شام اور خراسان کے کفار نے مسلمانوں کے شہروں کو لینے کا قصد کر لیا تھا اور وہ یہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمان تو اب آپس میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے میں مشغول ہو گئے ہیں اس وقت ان کے شہر لے لینے کوئی بات نہیں ہے۔ لہذا یہ خلافت تامہ اور کاملہ کے ذکر کو چھوڑنا ہے اور ایسی خلافت کے ذکر پر اقتصار کرنا ہے جو نہ پوری ہوئی اور نہ اُس سے مقصود حاصل ہوا یہی حجت اُن لوگوں کی تھی جو معاویہ کا ذکر کرتے تھے اور علی کا نہ کرتے تھے جیسا کہ اندلس وغیرہ میں کیا جاتا تھا یہ لوگ اپنے قول کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ کے خلیفہ ہونے پر سب مسلمان متفق تھے بخلاف علی کے ۔اسکے علاوہ ان سب سے زیادہ غلط خطبہ وغیرہ میں ائمہ اثنی عشر کا ذکر کرنا ہے یا دیواروں پر اُن کی تصویریں بنانا یا میت کو اُن کی بابت تلقین کرنا ہے۔ بلکہ یہی وہ بدعت ہے جسکا دین اسلام سے خلاف ہونا بالاضطرار معلوم ہوتا ہے کیونکہ دین اسلام میں جسقدر امور بدعت ہیں یہ فعل اُن سب سے زیادہ بدعت ہے۔ اگر کوئی خطیب (خلفاء) اربعہ کا ذکر کرے تو اُسپر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں انکار اسپر کیا جاتا ہے جو فقط ایک کو ذکر کرے اور اُن تینوں سابقین کو نہ ذکر کرے۔ جنکی خلافت اکمل اور جنکی سیرت افضل تھی۔ جیسا کہ ابو موسیٰ پر انکار کیا گیا کہ اُنھوں نے عمر کا ذکر کیا اور ابو بکر کا نہ کیا باوجودیکہ اُسوقت عمر زندہ اور بادشاہ وقت تھے۔

پانچواں جواب

یہ ہے کہ خطبار سنت یعنی سُنی خطبہ پڑھنے والے سارے ایسے نہیں ہیں کہ خطبہ میں چاروں ہی خلفاء کا ذکر کرتے ہوں بلکہ مغرب وغیرہ میں بہت سے خطبار ایسے ہیں کہ وہ ابو بکر عمر عثمان کا ذکر کرتے ہیں اور امیر معاویہ کا ذکر نرمی سے کرتے ہیں لیکن علی کا ذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی امامت پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق تھا اور علی کی امامت پر سب کا اتفاق نہ تھا پس اگر خلفاء کے ناموں کو ذکر کرنا بہتر ہے تو بعض اہل سنت اُسے کرتے ہیں اور اگر بہتر نہیں ہے تو بعض اہل سنت

اُسے نہیں بھی کرتے غرضکہ دونوں تقدیر پر اہل سنت سے حق خارج نہیں ہے۔

چھٹا جواب

یہ ہے کہ جمعہ کے دن منبر پر خلفاء راشدین کا ذکر کرنا جن لوگوں نے اختیار کیا ہے محض اس لیے کیا ہے تاکہ جو لوگ اُنھیں بُرا کہتے اور اُن کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اُسکا بدلہ ہوجائے کیونکہ اُنھیں بُرائی سے یاد کرنے میں اسلام میں سخت فساد لازم آتا ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اس لیئے اُن کا ذکر اور اُن کی تعریف اور اُن کے حق میں دعا اعلان کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ قدسی نفوس کے محامد ومناقب بیان کرنے یا اُن پر درود وسلام بھیجنے سے اُن طعنوں کا رد ہوجائے جو بعض لوگ اُن کی شان میں جائز رکھتے ہیں کیونکہ حضور انور سے صحیح طور پر ثابت ہے آپ نے فرمایا علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة۔

یعنی تم میرے طریقہ پر رہنا اور میرے بعد میں خلفاء راشدین مہدیین کے طریقہ کا التزام رکھنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور جدید امور یعنی بدعت سے اپنے آپ کو بچانا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے ماسکے علاوہ اُن کی خلافت کے ذکر کی بابت بہت سی حدیثیں ہیں اور چونکہ بنی امیہ میں بعض ایسے لوگ تھے جو علی کو بُرا کہتے تھے اور اُن کا یہ مقولہ تھا کہ علی خلفاء راشدین میں نہیں ہیں اور ان لوگوں کے بعد عمر بن عبدالعزیز حاکم ہوگئے تو اُسوقت یہی مشہور ہوگیا کہ خلفاء راشدین اربعہ کا ذکر منبر پر سب سے پہلے اُنھوں نے ہی کیا ہے۔ اُنھوں نے علی کی تعریف کی اور اُن کا ذکر کیا اور فضائل بیان کیئے۔ ان لوگوں کے بعد جو اُن سے بغض رکھتے اور اُنھیں کافر بتاتے ہیں۔ لہذا ان دونوں کے ذکر کرنے میں مع ذکر ابوبکر وعمر کے ان خوارج پر رد ہوتا ہے اب رہے شیعہ یہ لوگ تو ابوبکر عمر عثمان تینوں سے بغض رکھتے اور اُنھیں بُرا کہتے ہیں بلکہ کافر بھی بتاتے ہیں۔ لہذا ان حضرات کے ذکر کرنے اور اُن کے فضائل بیان کرنے میں شیعوں کی پوری مزاج پرسی ہے۔ خدابندہ کی حکومت میں شیعوں کی بن آئی تھی شیعوں نے اپنے مذہب کو بڑھانا اور اہل سنت کو مٹانا چاہا اور بانیان فتنہ وفساد سے اُنھوں نے دوستی گانٹھی بدعت کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں فتنہ وفساد پھیلائے جنھیں رب العباد کے سوا اور کوئی نہیں جانتا

اسوقت جو اُنھوں نے حیلے اور دھوکے کئے تھے منجملہ اُن کے ایک یہ حیلہ بھی تھا کہ بعض لوگ جو اسوقت سُنی کہلاتے تھے اُنھوں نے اُن سے خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر کرنے کی بابت فتویٰ پوچھا کہ آیا یہ واجب ہے اُن میں سے جس نے یہ فتویٰ دیدیا کہ بیشک یہ واجب نہیں ہے یا تو وہ مفتی اُن کے مقصود سے ناواقف تھا یا اُن سے کچھ اُسے اندیشہ اور ہیبت ہوگئی۔ اسوجہ سے اس نے یہ فتویٰ دیدیا مگر ان لوگوں کا مقصود فقط یہی تھا کہ خلفاء کا ذکر بند ہوجائے اور اُسکے عوض میں علی اور اُن گیارہ آدمیوں کا ذکر ہونے لگے جنھیں یہ لوگ اپنے گمان میں معصوم خیال کرتے ہیں۔ لیکن مفتی کو جسوقت یہ معلوم ہوجائے کہ مستفتی یعنے فتویٰ لینے والے کا مقصود یہ ہے کہ خلفاء کا ذکر چھوٹ جائے اور ائمہ اثنی عشر کا ہونے لگے اور حی علی خیر العمل پکارا جائے اور وہ اذان باطل ہوجائے جو حضور انور کے زمانہ سے لیکر متواتر منقول ہوتی چلی آرہی ہے اور اُن احادیث کا پڑھنا منع ہوجائے جو حضور انور سے صحیح طور اور طریقہ پر ثابت ہیں اور اُن کے عوض وہ حدیثیں جاری ہوجائیں۔ جنھیں مفتریوں نے گھڑلیا ہے اور دین اسلام کے شرائع معلومہ یعنی مشہور مسائل باطل ہوجائیں اور اُنکے عوض گمراہ کرنے والی بدعتیں جاری ہوجائیں اور اس وسیلہ سے اُن ملحدوں اور بددینوں کے دین کا اظہار ہو جو درپردہ تو مذہب فلاسفہ کا رکھتے ہیں او ظاہر دین اسلام کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ اُن حضرات کے اور بہت سے مقاصد ہیں جنسے یہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مکر کرتے ہیں تو اُسوقت مفتی کو ایسا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جس سے اُن مفاسد تک نوبت پہنچ جائے چونکہ خلفاء راشدین کا ذکر کرنا ایسا تھا جس سے وہ مقاصد حاصل ہوتے تھے جو ایسے احوال کے وقت مامور بہا ہیں تو ایسے احوال میں یہ ذکر بھی مامور بہا امور میں سے ہوگا اگرچہ یہ اُن واجبات سے نہ ہو جو مطلقًا واجب ہوئے ہیں اور نہ اُن سنن میں سے ہو جنکی ہر زمانہ اور ہر جگہ پابندی کی جاتی ہے جیسا کہ جسوقت مسلمانوں اور کفار کا لشکر ہو اور اُن کا بھی ایک شعار ہو اور اُن کا بھی ایک شعار ہو تو اس وقت اسلام کے شعار کا اظہار کرنا واجب ہے نہ کفر کا شعار ایسی حالت میں ہر وقت اور ہر جگہ واجب ہوتا ہے پس جسوقت یہ فرض کرلیا جائے کہ واجبات شرعیہ قائم نہیں ہوسکتے جبتک کہ خلفاء راشدین کے ذکر کا اظہار نہ کیا جائے اور یہ کہ جسوقت یہ ترک ہوگا تو اہل بدعت اور گمراہوں کا شعار پھیل جائیگا تو یہ بھی اُن احوال میں مامور بہا ہوجائیگا اور وہ امور جو مامور بہا ہیں اُن ہی میں بعض ایسے ہیں جو ہمیشہ

کے لیئے واجب ہیں یا مسنون ہیں - جیساکہ پانچوں نمازیں - وتر اور فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو بعض اوقات میں مامور بہا ہوتے ہیں یعنی جسوقت کہ بلا اُن کے واجبات حاصل نہ ہوں اور بلا اُن کے محرمات مندفع نہ ہوں -

ساتواں جواب

اگر یہ کہا جائے کہ خلفاء راشدین کا منبر پہ ذکر کرنا اور بادشاہ وقت کے لیئے دعا وغیرہ کرنا اُسوقت جائز ہے کہ جب اس بارے میں علما اور دیندار لوگ کلام کریں جو ادلہ شرعیہ کے موافق گفتگو کرتے ہیں تو اس میں اُن کی گفتگو مقبول ہوتی ہے اور جو اُن میں مصیب ہوتا ہے اُسے دو اجر ملتے ہیں اور جو مخطی ہوتا ہے اُسے اُسکے کرنے پر ایک نیکی ملتی ہے اور اُسکی خطا بخشدی جاتی ہے لیکن جب ان لوگوں کا قول لیا جائے جو اُسکے عوض اپنے سے بھی بدتر کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ ابن التومرت کا گروہ جو اس امر کا مدعی تھا کہ مہدی معلوم امام معصوم میں ہی ہوتے ہیں - جسوقت یہ لوگ اُسکا نام منبر پر لیں اور اُسکے وہ صفات بیان کریں جو جھوٹے ہیں اور وہ اُسکے گروہ کو امت مرحومہ کے خواص ٹھیراتے ہیں اور ابوبکر عمر عثمان علی خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین مہدیین کے ذکر کو ترک کرتے ہیں جنکا ثبوت قرآن حدیث اجماع سابقین اولین اور تابعین سے ثابت ہے کہ یہ اس امت کے بہترین اور افضل ہیں اور یہی خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین افضل القرون زمانوں میں تھے - پھر ان مرتبہ لوگوں نے اس سے ترقی کر کے یہانتک کہا کہ خلفاء اربعہ کا ذکر کرنا سنت بھی نہیں ہے بلکہ بدعت ہے تو یہ قول اُنکا اُن کے امام ابن التومرت کے ذکر کرنے کے بالکل مردود ہے - کیونکہ جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا اُسے اس بات میں کبھی شک نہیں ہوگا کہ ابوبکر - عمر - عثمان علی - اس سے بہت بہتر اور نہایت ہی افضل تھے اور اُن کا حضور انور کے تابع ہونا اور آپ کے حکم پر قائم رہنا بہت ہی عمدہ طریقہ پر تھا بلکہ اُن کے سوا خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس میں سے کسی کا ذکر کرنا اس مہدی کے لقب والے کے ذکر سے اولی ہے کیونکہ اُن کی خلافت اس تومرت کی خلافت سے بدرجہا بہتر تھی اُنکا اسلام پر قائم رہنا اُسکے قیام سے بدرجہا افضل تھا اُنکا شہرہ مشرق و مغرب میں اُسکے شہرہ سے بدرجہا بڑھکر تھا جو نیک افعال اُنھوں نے کیئے وہ اُسکے افعال سے ہر طرح اعلیٰ و افضل تھے ان تومرتیہ کی بدکرداریاں جھوٹ - ظلم - جہالت - شرارت اسقدر ہیں کہ انھوں نے کبھی ایسی نہیں کیں - اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے

کہ یہ تومرت مہدی ہو جائے اور وہ نہ ہوں یا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں اُسکا ذکر کرنا اور اُسکے اوصاف بیان کرنا تو واجب ہو اور اُن کے ذکر اور اوصاف کا بیان کرنا واجب نہ ہو اور جو شخص ایسے آدمی کا ذکر زبان پر لاتا ہو وہ ایسے لوگوں کے ذکر کا کیونکر اور کس طرح انکار کر سکتا ہے اور اس سے بھی بدرجہا بڑھکر اُن امامیہ کا انکار ہے جو سرے سے خلفاء راشدین ہی کا انکار کرتے ہیں اور اُنکے بدلے بارہ آدمیوں یعنی اپنے اثنی عشر اماموں کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ خلفاء ثلثہ میں سے ایک ایک ان بارہ کے بارہ سے بدرجہا افضل اور خلافت و امامت میں ہر طرح سے اکمل ہے اور ان اثنی عشر میں کئی قسم کے آدمی ہیں بعض تو صحابہ ہیں جنکے لیئے جنتی ہونے کی گواہی ہو چکی ہے۔ مثلاً حسن اور حسین لیکن ان کے وصف میں صحابہ کی ایک کثیر مخلوق اُن کے شریک اور برابر ہے جنتی ہونے کی اُن کے حق میں بھی گواہی ہو چکی ہے اور سابقین اولین میں تو بعض بعض ایسے ہیں جو ان دونوں سے افضل ہیں۔ مثلاً اہل بدر اور اگر یہ دونوں اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں تو ابو بکر و عمر اہل جنت کے ادہیڑوں کے سردار ہیں اور یہ صنف اس صنف سے اکمل ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں حضور انور کے نواسے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ باتفاق اہل سنت و شیعہ علی بن ابو طالب ان دونوں سے افضل ہیں حالانکہ یہ حضور انور کے نواسہ نہیں نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ حضور انور کے نواسے سب سے افضل ہیں۔ ابراہیم حضور انور کے صاحبزادے ان دونوں کے نسبت حضور سے زیادہ قریب ہیں اور وہ بھی سابقین اولین سے افضل نہیں ہیں۔ علی ہذا القیاس امامہ ابو العاص کی بیٹی حضور انور کی نواسی ہے اور حضور انور کی صاحبزادی سے عثمان کے ہاں بھی اولاد ہوئی ہے اُن کو بھی افضل کہنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ علی حضور انور کے چچا کے بیٹے ہیں۔ اس لیئے یہ یا اُن کی اولاد افضلیت کی مستحق ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضور انور چچوں میں یا چچوں کی اولاد میں بہت سے مسلمان ہیں جو حضور انور کی صحبت میں رہے ہیں۔ مثلاً حمزہ۔ عباس اور عباس کے دو بیٹے عبداللہ فضل اور ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ان میں حمزہ عباس سے افضل ہیں۔ اور علی و جعفر اوروں سے افضل ہیں۔ علی عباس سے افضل ہیں۔ اب اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ فضیلت ایمان اور تقوی کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ نسب کے سبب سے۔ اسکے علاوہ اثنی عشر میں بعض ایسے بھی ہیں جو علم اور دین میں مشہور ہیں مثلاً علی بن حسین اور اُن کے صاحبزادے ابو جعفر پھر اُن کے صاحبزادے جعفر بن محمد

مگر اس امت میں ان جیسی اور ان سے افضل ایک کثیر مخلوق ہے ان ہی اثنی عشر میں ایک منتظر ہے جسکے ظہور کے امامیہ منتظر ہیں اسکا کہیں وجود نہیں وہ ایسا مفقود الخبر ہے کہ اُس سے اُنھیں کوئی نفع نہیں ہے۔ اسکے اتباع میں سوائے شر محض کے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ باقی جو اور اثنی عشر ہیں ان جیسے علم اور دین میں بنی ہاشم کے اندر علویین اور عباسیین بے انتہا ہیں بلکہ بعض اُن سے بھی زیادہ دیندار اور عالم ہیں۔ اب یہ کیونکر اور کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ خلفاء راشدین کہ جنسے اسلام میں کوئی افضل نہیں ہے ان کے ذکر پر ایسا شخص نکتہ چینی کرے جو اُن کے بدلے میں ایسے مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے کہ ان سے ایک کثیر مخلوق افضل ہے اور بہت سے مسلمان اس کثیر مخلوق کے ذریعہ سے اپنے دین و دنیا میں اِس سے کئی کئی گونہ زیادہ نفع اُٹھا چکے ہیں جو ان امامیہ نے اثنی عشر سے اُٹھایا ہے ساتھ ہی اسکے یہ ہے کہ ہمارے احباب انکا ذکر تو کرتے ہیں مگر ان کا منشا اور دلی مقصود تمام مسلمانوں سے دشمنی کرنی اور اُس میں کامیاب ہونے کے لیئے کفار اور منافقین سے مدد مانگنی اور اللہ کے اس دین حق اور ہدایت کو نیست و نابود کر دینا ہوتا ہے مگر اسمیں کامیابی اس لیئے نہیں ہوتی کہ خداوند تعالیٰ اُسکی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطنت اور حکومت جانے پر بھی دین اسلام ترقی پر ترقی کرتا رہا فقط۔

مسح کی بحث

شیعی علماء فرماتے ہیں دونوں پیروں کا مسح کرنے کی اللہ نے اپنی سچی کتاب قرآن کریم میں نص کر دی ہے چنانچہ فرمایا۔ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔ ابن عباس کا قول ہے کہ عضوان مغسولان وعضوان ممسوحان یعنی دو عضو دھوئے جاتے ہیں اور دو عضووں پر مسح کیا جاتا ہے لیکن سنیوں نے اُسکے معنی بدل دئے اور غسل یعنی اُنکا دھونا واجب کر دیا۔

جواب

مسح کا لفظ ایک جنس ہے جسکے تحت میں دو نوع ہیں۔ اسالت۔ غیر اسالت یعنی پانی بہانا اور نہ بہانا عرب میں مسح کا لفظ ان دونوں معنی میں مستعمل ہے پس جو مسح اسالت کے ساتھ ہو وہی غسل ہے جسکے معنی دھونے کے ہیں اور جیسے ایک نوع غسل کے نام کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے۔ اسیطرح کبھی

دوسری نوع مسح کے نام کے ساتھ مخصوص ہوجاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ مسح کا لفظ اُس عام مسح پر بھی بولا جاتا ہے جس میں دھونا بھی ہے اور اُس خاص پر بھی بولا جاتا ہے جس میں دھونا نہیں ہے اسکی نظیریں بہت سی ہیں مثلاً ذوی الارحام کا لفظ تمام عصبوں اور ذوی الفروض وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ پھر جب عصبوں اور ذوی الفروض کا نام خاص خاص ہوجاتا ہے تو عرف میں ذوی الارحام کا لفظ اُن ہی لوگوں کے لیئے مخصوص ہوتا ہے جو عصبہ اور ذوی الفروض ہونے کے باعث وارث نہ ہوتے ہوں اسی طرح جائز اور مباح کا لفظ ہے جو اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو حرام نہ ہو مگر پھر کبھی مخصوص بھی ہوجاتا ہے علی ہذا القیاس ممکن کا لفظ ہے جو اُسپر بولا جاتا ہے جو ممتنع نہ ہو اور کبھی اُسکے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے جو نہ واجب ہو نہ ممتنع ہو ایسا ہی حیوان کا لفظ ہے جو انسان وحیوان دونوں پر بولا جاتا ہے مگر کبھی غیر انسان کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے اور اُس کی مثالیں اور بہت سی ہیں کہ جب ایک نوع کے لیئے ایک نام مخصوص ہوگیا تو پھر وہ عام نام دوسری نوع کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے۔ لہذا مسح کا لفظ بھی اسی قسم کا ہے۔ قرآن مجید کے لفظوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پیروں کے مسح کرنے سے یہ مسح مراد نہیں ہے جو دھونے کا قسیم یعنی مقابل ہے بلکہ وہ مسح مراد ہے جسکی ایک قسم دھونا ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے الی الکعبین فرمایا ہے الی الکعاب نہیں فرمایا جیسا کہ الی المرافق فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ پیر میں ایک ٹخنہ نہیں ہے جیسے ہاتھ میں ایک ہی کہنی ہے بلکہ ہر ایک پیر میں دو ٹخنے ہیں تو گویا اللہ نے دونوں اُبھری ہوئی ہڈیوں تک مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی دھونا ہے کیونکہ جو شخص خاص مسح کرتا ہے وہ قدم کی ظہر ہی پر کیا کرتا ہے نہ کہ ٹخنوں تک اور اللہ کے اس طرح ذکر کرنے میں کہ پہلے دو عضووں میں دھونا فرمایا ہے اور پچھلے دو عضووں میں مسح کرنا اسپر تنبیہ ہے کہ ان دونوں عضووں میں عام مسح کرنا واجب ہے۔ پس کبھی تو اُن میں خاص ہی مسح کافی ہوجاتا ہے جیسا کہ سر اور عمامہ کا مسح کرنے اور جرابوں پر مسح کرنے میں اور کبھی وہ کامل مسح ضروری ہوتا ہے جسکے معنی دھونے کے ہیں جیسا کہ ننگے پیروں میں یعنی جب کہ اُن پر جرابیں نہ ہوں پھر جرابوں پر مسح کرنا اور دونوں پیروں کو دھونا حضور انور سے متواتر ثابت ہے مگر ہمارے احباب شیعہ اس متواترہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اسی قسم کے اور امور میں خوارج مخالفت کرتے ہیں اور اپنے خیال سے یہ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر

قرآن کے خلاف ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں پیروں کو دھونے اور جرابوں پر مسح کرنے کا تواتر چوتھائی دینار یا تین درہم یا دس درہم کے چرانے پر ہاتھ کاٹنے کے تواتر سے بڑھا ہوا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کو کہنے میں اس پر تنبیہ ہے کہ پیر دھونے میں پانی کم گرایا جائے کیونکہ عادۃً پیر دھونے میں اسراف زیادہ ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ اس آیت میں دو قرارت مشہور ہیں ایک جر کی دوسری نصب کی۔ پس جنھوں نے ارجلکم پر نصب پڑھا ہے اُن میں اکثر کا قول یہ ہے کہ یہاں پیر دھونے کا حکم ہو گیا ہے یعنی آیت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے سروں کا مسح کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ جیساکہ دو آیتیں ہوتی ہیں۔ اور جنکا قول یہ ہے کہ یہ جار اور مجرور کے محل پر عطف ہے۔ تو اُن کے نزدیک اسکے یہ معنی ہیں کہ اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پیروں کا مسح کرو لیکن عرب میں مسحت الرجل اور مسحت بالرجل کے ایک معنی نہیں ہیں کیونکہ جب اُسکے تعدیہ میں ب لائی گئی تو معلوم ہوا کہ اس سے الصاق کے معنی مراد ہیں اور جب کسی نے مسحتہ کہا تو اُس میں الصاق کے معنی ہونے ضروری نہیں ہیں بلکہ اسطرح کہنا بالاجماع فقط ہاتھ سے چھونے کو مقتضی ہے اب یہ بات نکل آئی کہ اس لفظ کو ب کے ساتھ استعمال کرنے کے وقت پانی کے ساتھ چھونا ضروری ہے اور یہ مجمل ہے کہ پانی سے کس طرح چھوا جائے اسکی تفسیر حدیث نے کر دی جیساکہ جر کی قرارت میں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف میں غسل واجب ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ اس میں مسح کرنے کا وجوب ہے۔ اب اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جو حکم قرآن شریف نے واجب کیا تھا سنت نے اس سے کسیقدر اور زیادہ واجب کر دیا ہے تو اُس میں قرآن کے معنی کا نسخ کر دینا نہیں ہے چہ جائیکہ جب سنت نے اُس کی تفسیر ہی کی ہو اور اُس کے معنی بیان کر دیئے ہوں۔ پھر کسطرح اُسکو نسخ شمار کیا جائے حاصل کلام یہ ہے حضور انور کی سنت ہی قرآن شریف کی تفسیر اور اُسکے معنی بیان کرتی اور اُسکی دلیل ہوتی ہے۔ پس قرآن اور متواترہ سنت اُن معنے کو مقتضے ہیں جو ظاہر قرآن سے بعض علماء سمجھے ہیں کیونکہ حضور انور لوگوں سے قرآن کے لفظ اور معنی دونوں بیان کر دیتے تھے۔ جیساکہ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ ہم سے اُن لوگوں نے بیان کیا جنھوں نے عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے قرآن شریف پڑھا تھا کہ یہ لوگ جب حضور انور سے دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو جب تک اُنکے معنی نہ دیکھ لیتے تھے آگے نہ بڑھتے تھے۔ اب امامیہ جو یہ کہتے ہیں کہ پیروں پر مسح کرنا فرض ہے ان دونوں

ٹخنوں تک کہ جو مجمع الساق ہیں تو یہ ایسا قول ہے کہ قرآن شریف میں اُس کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ نہ اُس میں حضور انور سے کوئی حدیث معروف ہے اور نہ یہ سلف امت سے منقول ہے بلکہ اس میں ہمارے احباب امامیہ۔ قرآن شریف۔ سنت متواترہ۔ اجماع سابقین اولین اور تابعین کے خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ ارجلکم میں جر کی قرارت کی تحقیق تو پہلے گزر چکی ہے باقی نصب کی قرارت کی صورت یہ ہے کہ محل پر عطف اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہوں۔ مثلاً مسحت براسی ورجلی کے اگر وہی معنے ہوں جو مسحت راسی ورجلی کے ہیں تو محل پر عطف ہو سکتا ہے لیکن یہاں ایک معنی نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے قول وارجلکم بالنصب کا عطف وایدیکم پر ہے جیسا کہ اُن لوگوں کا قول ہے جنھوں نے اسطرح پڑھا ہے اور اُس وقت یہ قرارت دھونا واجب ہونے پر نص ہے۔ اسکے علاوہ دونوں قراتوں میں سے ایک میں بھی کوئی امر ایسا نہیں ہے جو ظاہراً اُن امامیہ کے دعوے کی دلیل بن سکے۔ اسلیئے اب یقیناً ثابت ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت نے قرآن ہی سے تمسک کیا ہے اور اہل اقوال ضعیفہ میں سب کا یہ حال ہے کہ جب اُنھیں کسی مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوتی تو وہ سنت کی مخالفت پر ظاہر قرآن کو آڑ بنا لیتے ہیں باوجودیکہ ظاہر قرآن میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو سنت کے خلاف ہو۔

متعہ کی بحث

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ دونوں متعے جو قرآن مجید سے ثابت ہیں مثلاً متعہ حج کی بابت اللہ نے فرمایا ہے "فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی" یعنے جو کوئی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اُٹھائے تو پھر جیسی قربانی اُسے میسر ہو کر دے اور چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قارن ہو کے حج کیا تھا اسلیئے اس متعہ یعنے فائدے کے فوت ہونے پر حضور انور نے بہت افسوس کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہو جاتی جو اب بعد میں معلوم ہوئی ہے تو میں ہدی نہ لاتا۔ کیونکہ ہدی ساتھ لانے کی وجہ سے آدمی قارن ہو جاتا ہے پھر وہ یہ متعہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اور عورتوں سے متعہ کرنے کی بابت اللہ نے فرمایا فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ اور یہ متعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پھر ابوبکر کی خلافت میں اور کچھ عرصہ عمر کی خلافت میں برابر رائج رہا۔

پھر ایک روز عمر نے ممبر پر بیٹھ کے یہ کہا کہ یہ دونوں متعے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حلال اور جائز کئے گئے تھے۔ اب میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں آئندہ کوئی نہ کرے۔

جواب

حج کا متعہ اسکے جواز پر تو ائمہ مسلمین میں سب کا اتفاق ہے مگر شیعوں کا یہ دعویٰ کہ اہل سنت والجماعت نے خود بخود اسے حرام کر لیا ہے اُنپر بہتان ہے بلکہ اکثر علماء سنت اس متعہ کو مستحب کہتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے یا واجب تک کہتے ہیں۔ اب رہا متعہ سو یہ ایک جامع لفظ ہے اسکے لیئے جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج دونوں کر لے برابر ہے کہ عمرہ کر کے اپنے احرام سے حلال ہو جائے اور پھر حج کا احرام باندھ لے یا بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے اور قارن ہو جائے اور کبھی متعہ سے مراد حج کے مہینوں میں فقط عمرہ ہی کرنا ہوتا ہے اور اکثر علماء مثلاً امام احمد وغیرہ فقہاء حدیث میں سے اور امام ابو حنیفہ وغیرہ فقہاء عراق میں سے اور ایک قول کے مطابق امام شافعی وغیرہ فقہاء مکہ میں سے اس متعہ کو مستحب فرماتے ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بعض قران کو ترجیح دیتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہ اور بعض خاص تمتع کو ترجیح دیتے ہیں جیسا امام شافعی اور امام احمد کے مذہب میں ایک قول ہے اور صحیح اور امام احمد کی نص سے صریح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہدی ساتھ لیجائے تو اُسکو قران کرنا افضل ورنہ عمرہ کر کے اپنے احرام سے حلال ہو جانا افضل ہے کیونکہ یہ پہلی صورت تو وہی ہے جو حجۃ الوداع میں حضور انور نے کی تھی کہ آپ ہدی لے گئے تھے اور قران کیا تھا اور یہ دوسری صورت وہ ہے جسکا حضور انور نے اپنے اُن اصحاب کو حکم دیا تھا جو ہدی نہیں لے گئے تھے بلکہ اکثر اہل سنت والجماعت تو ایسے ہی ہیں کہ جو اس متعہ کو واجب کہتے ہیں جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے اور یہی قول اہل ظاہر یعنی ابن حزم وغیرہ کا ہے ابن عباس کا بیان یہ ہے کہ حضور انور نے حجۃ الوداع میں اپنے اصحاب کو اس متعہ کا حکم دیا۔ غرض جب اسکے جواز پر سب اہل سنت متفق ہیں اور ان میں سے اکثر اُسکو مستحب کہتے ہیں اور بعض واجب بھی کہتے ہیں تو اب یقیناً معلوم ہو گیا کہ شیعی علماء نے اہل سنت کی طرف سے جو اُس کی حرمت ایجاد کرنے کا ذکر کیا ہے یہ اُنپر بلا شک و شبہ بہتان ہے۔

اب رہا فاروق اعظم کی بابت جو بیان کیا ہے اُسکا پہلا جواب تو یہ ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ

بے شک فاروق اعظم نے ایک بات ایسی فرمائی تھی جس میں بعض صحابہ اور بعض تابعین نے اُنکے خلاف کیا تھا حتی کہ عمران بن حصین نے صاف یہ کہدیا تھا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمتع کیا ہے اور اللہ کی پاک اور سچی کتاب میں بھی اسکا حکم ہے۔ اب اس بارے میں جو چاہے کوئی اپنی رائے سے کہدے اسے صحیحین میں نقل کیا ہے۔ اور سب اہل سنت والجماعت اسپر متفق ہیں کہ آدمیوں میں ہر ایک کا قول لیا بھی جاتا ہے اور متروک بھی کر دیا جاتا ہے یعنی کوئی قول معمول بہ ہوتا ہے اور کوئی نہیں بھی ہوتا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے سب اقوال ضروری اور معمول بہا ہیں پس اگر شیعی علمار کا مقصود اس سے تمام اہل سنت پر طعن اور رد کرنا ہے تو اس سے اُن پر رد نہیں ہو سکتا اور اگر یہ مقصود ہے کہ فاروق اعظم نے یہ مسئلہ غلط بیان کیا تھا تو غلطی سے وہ اپنے کو منزہ نہیں سمجھتے۔ فاروق اعظم سے تو بہ نسبت علی کے بہت ہی کم غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ دیکھو علمار نے فقہ کے وہ مسائل جمع کئے ہیں جنہیں اُن میں سے ایک کا قول ضعیف ہی پھر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر ضعف علی ہی کے قول میں ہوتا ہے۔ مثلاً علی کا یہ فتویٰ دینا کہ جس عورت کا شوہر مرجائے اور اُسے حمل ہو تو وہ دونوں عدتوں میں زیادہ عرصہ والی عدت پوری کرے باوجودیکہ حضور انور کی سنت جو آپ سے ثابت اور اللہ کی کتاب کے موافق ہے اُس کا مقتضا یہی ہے کہ ایسی عورت وضع حمل ہی سے حلال ہوجاتی ہے یعنی اُسکی عدت ختم ہوجاتی ہے اور اُسی کے موافق عمر اور ابن مسعود نے فتوی دیا تھا۔ دوسرے علی کا یہ فتویٰ کہ مفوضہ عورت کا شوہر مرنے سے اُسکا مہر جاتا رہتا ہے اور ابن مسعود وغیرہ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ایسی عورت کو اور عورتوں کی طرح مہر ضرور ملیگا جیسا کہ اشجعیوں نے واشق کی بیٹی بروع کی بابت حضور انور سے نقل کیا ہے۔ علی رض کے اپنے ہی اقوال میں جو طلاق۔ ام ولد۔ فرائض وغیرہ کے بارے میں ہیں اس کثرت سے تناقض ہے کہ عمر رض کے اقوال میں اتنا نہیں ہے۔

اور اگر شیعی علمار کی تمتع سے مراد حج کو فسخ کرکے عمرہ کر لینا ہے تو اس مسئلہ میں فقہار کا اب بھی اختلاف ہے۔ فقہار حدیث مثلاً امام احمد وغیرہ تو حج کو فسخ کرکے عمرہ کر لینے کو مستحب کہتے ہیں اور بعض ان میں سے اُسے واجب کہتے ہیں جیسے اہل ظاہر اور یہی قول ابن عباس کا ہے اور یہی شیعہ کا مذہب ہے۔ باقی امام مالک۔ امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی حج فسخ کرنے کو جائز نہیں

نہیں کہتے اور اس میں صحابہ کا بھی اختلاف رہا ہے ان میں سے اکثر اسے جائز کہتے تھے ابوذر اور صحابہ سے یہ مروی ہے کہ انھوں نے اس سے منع کیا تھا پس اگر یہ منع کرنا ٹھیک ہے تو بھی یہ اہلسنت کے اقوال میں سے ہے اور اگر ٹھیک نہیں ہے تو یہ بھی اہل سنت کے اقوال میں سے ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حق اہل سنت سے کسی طرح نہیں نکلتا نہ جائز ہونے کی صورت میں اور نہ ناجائز ہونے کی صورت میں کیونکہ ان میں دونوں طرح کے قول ہیں۔ اور اگر شیعی علماء کا اعتراض فقط عمرؓ ہی پر ہے اسوجہ سے کہ انھوں نے اس متعہ سے منع فرما دیا تھا تو ابوذر اس سے منع کرنے میں عمر سے بھی کئی قدم بڑھے ہوئے تھے وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ بیشک یہ متعہ رسول اللہ کے اصحاب ہی کے ساتھ مخصوص تھا باوجودیکہ شیعی علماء ابوذر کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ پس اگر اس مسئلہ میں غلطی قدح کرنے کا باعث ہوتی ہے تو لائق یہ ہے کہ پہلے ابوذر پر قدح کیجائے اور نہیں تو انھیں چھوڑ کر عمر فاروق پر قدح کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حالانکہ عمرؓ فضیلت میں ان سے افضل فقہ میں ان سے افقہ علم میں ان سے اعلم بلکہ ہر کمال میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ عمرؓ نے حج کے متعہ کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ ان سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ جب صبی بن معبد نے آپ سے یہ کہا کہ میں نے حج اور عمرہ کا اکٹھا ہی احرام باندھ لیا ہے تو آپ نے یہ جواب دیا کہ تو نے اپنے نبی کی سنت کے موافق کیا ہے اسے نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر بھی اس متعہ کو جائز کہتے اور اسکا حکم دیتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ تمھارے والد نے تو اس سے منع کر دیا تھا آپ نے فرمایا کہ میرے والد کی یہ مراد نہیں تھی جو تم سمجھ رہے ہو لیکن جب لوگوں نے اسپر زیادہ اصرار کیا تو آپ نے انقطاعی لہجہ میں یہ جواب دیدیا کہ بس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم اتباع کرنے کے زیادہ لائق ہے یا عمر کا۔ فاروق اعظم سے صحیح طور پر ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں حج کرتا تو تمتع ہی کرتا اور اصل میں عمرؓ کا اس سے منع کرنے سے یہ مقصود تھا کہ حکم اس چیز کا دیا جائے یعنی وہ عمل کرایا جائے کہ جو سب میں افضل ہو یہ لوگوں نے اس متعہ کی آسانی کی وجہ سے حج کے مہینوں کے علاوہ اور مہینوں میں عمرہ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ سب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بس متعہ کے طور پر حج ہی کے ساتھ عمرہ بھی کرتے آئیں گے۔ اسپر فاروق اعظم خلیفۂ وقت نے یہ چاہا کہ پورے سال

بیت اللہ خالی نہ پڑا رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جب حج کے مہینوں میں لوگ حج ہی کرینگے تو پھر باقی تمام سال پیچھے بعد دیگرے عمرے کرتے رہیں گے۔ اسپر فقہائے اربعہ وغیرہ سب کا اتفاق ہے کہ حج کے مہینوں میں حج کے عمرہ کر لے سے اور مہینوں میں عمرہ کرنا افضل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے قول واتموا الحج والعمرۃ للہ میں عمر اور علی دونوں نے یہ فرمایا تھا کہ اس پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے لیئے اپنے اپنے گھروں سے احرام باندھ کے آؤ اُن کا مطلب یہ تھا کہ حج کے لیئے علٰحدہ سفر کرو اور عمرہ کے لیئے علٰحدہ ورنہ اُن کے لیئے اپنے اپنے گھروں سے احرام اُنھوں نے خود بھی نہیں باندھا نہ ایسا حضور انور نے کیا نہ آپ کے اور خلفار میں سے کسی نے کیا۔ جب حاکم وقت اپنی رعیت کے لیئے کوئی افضل فعل اختیار کر لیتا ہے تو پھر اس فعل کے حکم دینے ہی کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اُس کا ضد نہ کیا جائے۔ اسی طرح عمر کا متعہ سے منع کرنا اپنے اختیار کر لینے کے طور پر تھا نہ کہ حرام کرنے کے طور پر کیونکہ عمر نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ میں اس متعہ کو حرام کرتا ہوں بلکہ بعض علمار کا یہ قول ہے کہ آپنے تو فقط حج کو فسخ کرنے سے منع کیا تھا اور یہ فسخ کرنا اکثر فقہا کے نزدیک اب بھی حرام ہے۔ اسکے علاوہ یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اس فسخ کو حرام کہتے ہیں۔ ہاں فقہار حدیث میں سے امام احمد وغیرہ اسکو حرام نہیں کہتے بلکہ مستحب شمار کرتے ہیں اور اُن میں سے بعض تو اُسے واجب تک کہتے ہیں اُنکا عمل اس مسئلہ میں فاروق اعظم کے قول پر نہیں ہے بلکہ علی۔ عمران بن حصین۔ ابن عباس۔ ابن عمر وغیرہ صحابہ کے قول پر ہے۔ باقی رہا متعۃ النسا یعنی عورتوں سے متعہ کرنا سو اس میں تنازع ہے اور اُسکے حلال ہونے کی آیت میں کوئی صریح نص نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے۔ واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین ط فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ ط ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ط ان اللہ کان علیما حکیما ہ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات الایۃ۔

یعنی اور عورتوں سے نکاح کرنا تمھارے لیئے جائز کر دیا گیا۔ بشرطیکہ اپنے مال کے بدلہ میں تم نکاح کرنا چاہو اور ہمیشہ کے لیئے نکاح میں رکھنے کا ارادہ کرو نہ نفس پرستی کا۔ پھر وہ عورتیں جنسے تم نے فائدہ (یعنی لطف صحبت) اُٹھایا ہو اُن کو اُن کے مہر جو مقرر ہو چکے ہیں پورے دیدو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے اگر کچھ تبدیل کر لو تو اُس میں تمپر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بیشک اللہ دانا

حکمت والا ہے اور تم میں سے جو شخص مالی حیثیت سے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو الخ۔ پس اللہ کا قول فما استمتعتم بہ منھن کے حکم میں وہی شخص آتا ہے جو اپنی زوجہ سے صحبت کر چکا ہو باقی جس عورت سے ابھی صحبت نہ ہوئی ہو وہ نصف مہر سے زیادہ کی مستحق نہیں ہے اسکا ثبوت یہ ہے کہ فرمایا وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظاہ یعنی اور تم اسکو کیسے لے سکتے ہو حالانکہ تم میں ایک دوسرے سے خلوت کر چکا ہی اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں۔ یہاں اللہ نے خلوت مع نکاح کو مہر مقرر ہو جانے کا سبب قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بغیر ہمیشگی کے نکاح کے فقط نکاح موقت یعنی متعہ میں مہر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ پورا مہر دینا ہمیشگی کے نکاح میں اولیٰ ہے اب ضروری ہوا کہ یہ آیت ہمیشگی کے نکاح پر دال ہو یا تو بطریق تخصیص اور یا بطریق عموم اسکی دلیل یہ ہے کہ اسکے بعد اللہ نے لونڈیوں کے نکاح کو بیان کیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو مذکور ہوا وہ مطلقاً آزاد عورتوں کے بارے میں تھا اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کے ایک فریق کی قراءت میں یہ آیت اسطرح ہے فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی اس میں متعہ کی بالکل تصریح ہے تو اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ قراءت متواترہ نہیں ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قراءت مثل اخبار احاد کے ہو اور ہم اسکا انکار نہیں کرتے کہ متعہ ابتداء اسلام میں حلال کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب گفتگو اسمیں ہے کہ قرآن شریف سے بھی اسکا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حرف نازل ہوئے بھی ہوں تو اس میں تو ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ حرف قراءت مشہورہ سے ثابت نہیں ہوئے۔ لہذا منسوخ ہوں گے اور ان حرفوں کا حکم اُسوقت ہوگا کہ جب متعہ کرنا مباح تھا جب وہ حرام ہو گیا تو یہ حرف بھی منسوخ ہو گئے یا اس مہر دینے کا حکم اُسوقت اسلیئے ہو گا کہ مطلق نکاح میں مہر دینے پر تنبیہ ہو جائے۔ اسکے علاوہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دو قراءت ہیں اور دونوں حق ہیں اور عورت سے ایک خاص مدت تک فائدہ اُٹھانے پر اُس کی اجرت دینے کا اُسوقت حکم تھا کہ جب اسطرح فائدہ اٹھانا درست تھا اور یہ ابتداء اسلام ہی میں تھا۔ لہذا اس آیت میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ عورت سے ایک معین مدت تک اب بھی فائدہ اُٹھانا درست ہے کیونکہ اللہ پاک نے یہ نہیں فرمایا

کہ عورتوں سے ایک مدت معین تک فائدہ اُٹھانا میں نے تمھارے لیئے حلال کردیا ہے بلکہ فقط یہ فرمایا ہے کہ بس وہ عورتیں جن سے تم نے لطف صحبت اُٹھایا ہو اُنھیں اُن کے مہر دیدو پس یہ حکم لطف صحبت اُٹھانے کی دوسری صورتوں کو شامل ہے برابر ہے حلال طریقہ پر ہو یا شبہتاً صحبت کرلی ہو یہی وجہ ہے کہ سنت اور اجماع دونوں سے نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوجاتا ہے اور متعہ کرنے والا جب متعہ کے حلال ہونے کا عقیدہ کرکے اُسکو کرلے تو اُسکے ذمہ بھی مہر واجب ہے لیکن وہ لطف صحبت جو حرام کردیا گیا ہے اس آیت میں شامل نہیں ہے کیونکہ اگر کسی نے بغیر نکاح کیئے باوجود عورت کی رضامندی کے اس سے لطف صحبت اُٹھالیا تو یہ زنا ہے اور اگو زبردستی سے کیا ہو تو اس میں اختلاف مشہور ہے۔

باقی حضرت عمر کی طرف سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کو منع کردینا جو شیعی علمار نے ذکر کیا ہے سو اسکا ثبوت حضور انور سے ہوچکا ہے اس طرح پر کہ عورتوں سے متعہ کرنے کو حلال کرنے کے بعد پھر حضور انور نے حرام کردیا تھا صحیحین وغیرہ میں ثقہ ثقہ راویوں نے اسیطرح نقل کیا ہے۔ مثلاً زہری نے محمد بن حنفیہ کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور حسن سے اُنھوں نے اپنے باپ محمد بن حنفیہ سے اُنھوں نے علی بن ابی طالب سے نقل کیا ہے کہ جب ابن عباس نے اس متعہ کے مباح ہونے کا فتوے دیا تو آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ یہ تم نے کہا کیا تمھیں خبر نہیں ہے کہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس متعہ کو اور خانگی گدھوں کے گوشت کو قطعی حرام کردیا تھا۔ یہ روایت زہری نے نقل کی ہے جو اپنے زمانے کے بڑے عالم بالسنۃ اور حافظ مشہور ہیں اُنھوں نے اپنے زمانہ کے ائمۂ اسلام مثلاً مالک بن انس سفیان بن عیینہ وغیرہ کو یہ روایت یاد کرادی تھی جنکے عالم عادل حافظ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور محدثین میں سے کسی نے بھی اُس میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ حدیث صحیح اور قابل قبول ہے اہل علم میں سے کسی نے اسپر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسیطرح صحیح میں ثابت ہے کہ حضور انور نے غزوۂ فتح میں قیامت تک کے لیئے متعہ کو حرام کردیا تھا۔

حضرت علی کی حدیث کے راویوں میں باہم یہ اختلاف ہے کہ آپ کا خیبر کے سال فرمانا فقط گدھوں کی حرمت بیان کرنے کے لیئے ہے یا اُسکے اور تحریم متعہ دونوں کے لیئے ہے

پہلا قول ابن عیینہ وغیرہ کا ہے وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ تو غزوہ فتح میں حرام کیا گیا تھا اور دوسرے قول والے یہ کہتے ہیں کہ متعہ حرام ہو کر پھر جائز کر دیا گیا تھا اور ایک تیسرے فرقہ کا یہ قول ہے کہ اسکے بعد حجۃ الوداع میں پھر حرام کر دیا گیا تھا اور سب متواتر روایتیں اسپر متفق ہیں کہ متعہ حلال ہونے کے بعد حرام ہو چکا ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ متعہ حرام ہونے کے بعد حلال نہیں ہوا یعنی جب فتح مکہ میں حرام کر دیا گیا تو اُسکے بعد حلال نہیں کیا گیا اور نہ خیبر کے سال حرام ہوا بلکہ خیبر کے سال تو فقط خانگی گدھوں کے گوشت حرام کئے گئے تھے۔ ابن عباس اس متعہ کو اور اُن گدھوں کا گوشت کھانے کو مباح کہتے تھے۔ جبکہ حضرت علی بن ابو طالب نے علی الاعلان انکار کر دیا تھا اور ان سے یہ کہا تھا کہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعہ کو اور اُن گدھوں کے گوشت کو یقیناً حرام کر دیا تھا۔ علی نے ان دونوں کو یکجا کر کے اس لیئے بیان کیا کہ ابن عباس دونوں کو مباح کہتے تھے ورنہ علی کا بھی یہ مقصود نہ تھا کہ یہ متعہ بھی خیبر ہی کے دن حرام کیا گیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آپ نے ان دونوں کے منع ہونے کی حدیث سنی تو اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اب ان دونوں کو میں بھی مباح نہیں کہتا۔ یہ بیشک حرام ہیں۔

اہل سنت والجماعت تو عمر اور علی کا اور اُن کے سوا اور خلفاء راشدین کا اُن امور میں برابر اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کریں اور شیعہ علی کے اُن امور میں فوراً مخالف ہو جاتے ہیں جنہیں وہ حضور انور سے نقل کرتے ہوں اور پھر ایسے شخص کے قول کا اتباع کرتے ہیں جو علی کی مخالفت کرتا ہو۔ اسکے علاوہ قرآن شریف میں اللہ پاک نے زوجہ اور لونڈی سے صحبت کرنا مباح کیا ہے اور جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ ان دونوں قسموں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ زوجہ ہوتی تو اپنے شوہر کے مرنے پر وارث بھی ہوتی اور وفات کی عدت بھی اُسپر واجب ہوتی اور تین طلاقیں بھی اسپر پڑتیں۔ اسلیئے کہ زوجہ کے یہ احکام اللہ کی کتاب میں مقرر ہو چکے ہیں۔ پس جب اس عورت پر یہ لوازم نکاح نہیں ہیں تو یہی نکاح نہ ہونے کی پختہ دلیل ہے کیونکہ لوازم کا نہ ہونا اُن کے ملزوم کے نہ ہونے کو مقتضی ہوا کرتا ہے خداوند تعالےٰ نے اپنی کتاب میں بیویوں اور منکوحہ لونڈیوں کو مباح کر دیا ہے اور اسکے علاوہ اور صورتوں کو حرام کر دیا ہے چنانچہ فرمایا۔ والذین ہم لفروجہم حافظون ۝ الا علی ازواجہم او

ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۝ فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک ھم العادون ۝ یعنی جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) بچانے والے ہیں۔ مگر اپنی بی بیوں پر یا اپنی لونڈیوں پر تو بیشک ان لوگوں پر ملامت نہیں ہے۔ پھر جو کوئی اُسکے سوا اور طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرنا چاہے تو یہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔ متعہ والی عورت قرآن شریف کی رُو سے نہ زوجہ ہے نہ لونڈی ہے۔ لہٰذا وہ نص قرآن سے حرام ہوگئی اُسکا لونڈی نہ ہونا تو صاف ظاہر ہے باقی زوجہ نہ ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس میں لوازم نکاح نہیں ہیں کیونکہ لوازم نکاح میں یہ بھی ہے کہ نکاح وارث ہونے کا سبب ہو اس سے عدت وفات کا ثبوت ہو اور تین طلاقیں پڑتی ہوں اور صحبت ہونے سے پہلے طلاق دینے پر نصف مہر لازم آتا ہو اُن کے سوا اور بھی لوازم ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ بعض اوقات زوجہ بھی وارث نہیں ہوتی مثلاً ذمیہ اور لونڈی کہ ان دونوں کو زوجہ ہونے کی صورت میں وراثت نہیں ملتی تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ذمیہ سے نکاح ہی ہونا جائز نہیں ہے اور لونڈی سے نکاح کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے۔ شیعہ علماء متعہ کو مطلقاً مباح کہتے ہیں۔ لہٰذا اس میں اور اُن دونوں صورتوں کے درمیان بین فرق ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ذمیہ اور لونڈی سے نکاح کرنا وراثت کا سبب بیشک ہے لیکن اس وراثت میں ایک مانع آگیا ہے۔ یعنی لونڈی ہونا اور کافر ہونا جیسا کہ نسب وراثت کا سبب ہے۔ لیکن جب لڑکا غلام یا کافر ہو تو وہ وارث نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ایک مانع موجود ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی نے اپنے ایسے لڑکے کو آزاد کردیا یا وہ مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے باپ کا وارث ہوگا اور یہی حکم زوجہ کا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کی زندگی میں مسلمان ہوگئی تو اس کی وارث ہوگی۔ اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اسیطرح جب کسی نے اپنی منکوحہ لونڈی کو آزاد کردیا اور وہ اسی نکاح پر رہنے پر رضامند ہوگئی تو باتفاق تمام مسلمانوں کے وہ اپنے اس شوہر کی وارث ہوگی بخلاف متعہ والی عورت کے کیونکہ اُسکا نکاح کبھی وراثت کا سبب نہیں ہوتا اس لیئے اس سے کسیوقت بھی توارث ثابت نہیں ہوتا۔ یہ نکاح مثل اُس ولدالزنا کے ہو جاتا ہے جو شوہر کے ہاں پیدا ہوا ہو کیونکہ یہ لڑکا زانی کو کبھی نہیں دیا جاتا اور نہ یہ اسکا بیٹا کہلاتا ہے جس سے ورثہ کا مستحق ہو جائے اور اگر

کوئی یہ کہے کہ بعض اوقات نسب کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں پس اسیطرح نکاح بھی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کو جمہور بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں شیعوں کی کوئی حجت نہیں ہے۔ اسلیئے کہ متعہ والی عورت میں زوجہ کے تمام احکام کی نفی ہی نفی ہے حلال نکاح کے خاص خاص احکام میں سے اس میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ایسی عورت زوجہ نہیں ہوتی۔ باقی یہ چند احکام کہ نسب ثابت ہو جانا استبراء واجب ہونا حدود کا لازم نہ ہونا۔ مہر واجب ہونا وغیرہ جو ایسی عورت میں ثابت ہو جاتے ہیں اُن سے وہ زوجہ کے حکم میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تو نکاح شبہ میں بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ متعہ والی عورت سے مقاربت کرنا مثل زوجہ سے وطی کرنے کے نہیں ہے۔

فاطمۃ الزہراء کی وراثت

یہ بحث بہت ہی ضروری اور دلکش ہے۔ عام طور پر شیعوں کے ورد زبان یہی رہتا ہے کہ ابوبکر نے فاطمۃ الزہرا کو اُن کے باپ کے ورثہ سے محروم کر دیا تھا۔ اگرچہ اس کی مختصر بحث پہلے کہیں آچکی ہے۔ لیکن یہاں ہم اس مشہور مسئلہ پر ذرا وضاحت سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ سنی تو سنی شیعہ اصحاب بھی بہت خوش ہوں گے اور یقیناً اُن کا اطمینان ہو جائیگا اور اگر وہ کچھ بھی انصاف پسند ہونگے تو کبھی یہ زبان پر نہیں لائیں گے کہ ابوبکر نے فاطمہ کا ورثہ غصب کر لیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو شیعی علماء کے اعتراضات کا لب لباب۔ جب ابوبکر نے فاطمہ زہرا کو اُن کے باپ کا ورثہ نہیں دیا تو اُنھوں نے علی الاعلان یہ کہا اے ابن قحافہ تو تو اپنے باپ کا وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔ اسکے جواب میں ایک ایسی روایت کو آڑ بنا لیا جسے اسکے سوا اور کسی نے نقل نہیں کیا یقیناً زہرا کا قرضدار ابوبکر ہی تھا کیونکہ اُس نے اپنے لیئے صدقہ حلال کر لیا تھا اور وہ روایت یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ۔ سنیوں نے ابوبکر سے اسی طرح نقل کیا ہے مگر قرآن اُسکے مخالف حکم دیتا ہے دیکھو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ۝ یہ حکم اللہ نے خاص امت ہی کے لیئے نہیں کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے علٰحدہ کر دیا جائے

بلکہ یہ حکم عام ہے خواہ کوئی ہو پھر تماشا دیکھئے کہ سنیوں کی اس روایت کی بھی تکذیب کردی۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے وورث سلیمان داؤد۔ اسیطرح زکریا کی طرف سے فرمایا۔ وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیاً ہ یرثنی ویرث من آل یعقوب ط یعنی بے شک میں اپنے عزیزوں سے اپنے بعد خوف کرتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے تو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث عنایت فرما جو میرا وارث ہو اور اولاد یعقوب سے بھی میراث لے۔

● پہلا جواب

فاطمہ زہرا کا جو یہ قول ذکر کیا ہے کہ تو تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں وارث نہ ہوں۔ زہرا سے اسکے ثبوت کی صحت ہمیں کہیں نہیں معلوم ہوتی ہم نے بہتیرا چھان ڈالا ہمیں کہیں بھی یہ پتہ نہیں لگا کہ فی الواقع حضرت فاطمہ ہی نے ایسا فرمایا ہے۔ اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اُن کے باپ کو کسی آدمی پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ابوبکر فاطمہ زہرا کے باپ کی طرح سارے مسلمانوں سے اولے تھے نہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنپر اللہ نے نفلی اور فرضی صدقہ حرام کردیا ہو جیسے فاطمہ زہرا کے باپ تھے نہ وہ اُن میں سے تھے جن کی محبت کو اللہ نے مال اولاد کی محبت پہ مقدم کردیا ہو حالانکہ فاطمہ زہرا کے باپ ہی کو خاص یہ فضیلت حاصل تھی۔ انبیاء اور غیر انبیاء میں یہ بیّن فرق ہے کہ انبیاء کو اللہ پاک نے دنیا کا ورثہ دینے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ یہ ایسے لوگوں کے لیئے باعث شبہ نہ ہوجائے جو اُن کی نبوت میں نکتے چینیاں کیا کرتے تھے اس طرح کہ وہ یہ کہیں کہ ان انبیاء نے دنیا کمائی ہے اور اپنے وارثوں کو اُسکا وارث کردیا ہے۔ لیکن ابوبکر اور اُن کے امثال کے لیئے نبوت نہیں ہے تاکہ اُن میں بھی کوئی اس قسم کے شبہے کرکے یہ باتیں کہے جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے حضور انور کو لکھنے اور شعر کہنے سے محفوظ رکھا تھا تاکہ آپ کی نبوت شبہ سے محفوظ ہو جائے۔ اگرچہ اور انبیاء میں اس خاص حفاظت کی ضرورت نہیں ہوئی۔

دوسرا جواب

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اس بارے میں ابوبکر نے ایک ایسی حدیث کو آڑ بنالیا تھا جسکو اس کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ یہ بالکل جھوٹ اور آپ پر سراسر بہتان ہے کیونکہ حضور انور کے اس ارشاد کو کہ لا نورث ما ترکناہ فھو صدقۃ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمن

بن عوف۔ عباس بن عبد المطلب۔ حضور انور کی ازواج مطہرات۔ ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے۔ ان سے یہ روایت صحاح میں ثابت اور مسانید میں مشہور ہے تمام محدثین اسے جانتے ہیں۔ اب ہمارے احباب کا یہ کہنا کہ اسے ابوبکر کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا ان کی اعلیٰ درجہ کی واقفیت اور تبحر علمی پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرا جواب

اُن کا یہ کہنا کہ زہرا کا قرضدار ابوبکر ہی تھا۔ یہ بھی سفید جھوٹ ہے کیونکہ صدیق نے یہ مال نہ خود لیا نہ اپنے گھر والوں کو دیا بلکہ وہ صدقہ تھا اُن لوگوں کے لیئے جو صدقہ کے مستحق تھے خواہ وہ کوئی ہوں اسکی مثال ایسی ہے کہ مسجد میں سب مسلمانوں کا حق ہے اور اگر کوئی عادل سچا آدمی کسی کے واسطے یہ گواہی دے کہ اس نے اپنے گھر کو مسجد کر دینے یا اپنے کنوئیں کو عام سبیل کر دینے یا اپنی زمین کو قبرستان وغیرہ کر دینے کی وصیت کی ہے تو باتفاق تمام مسلمانوں کے اُسکی یہ گواہی جائز اور مقبول ہوگی۔ اگرچہ یہ اُن لوگوں میں سے ہو جنھیں اس مسجد میں نماز پڑھنا اور اُس کنوئیں سے پانی پینا اور اس قبرستان میں دفن ہونا جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی گواہی تو عام فائدہ کے لئے ہے۔ اس میں کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور عام حکم کی وجہ سے یہ گواہ بھی اُس میں داخل ہے نہ کہ اسوجہ سے کہ اُس نے ان چیزوں کو اپنے لیئے خاص کر لیا ہے ایسا آدمی مدعا علیہ نہیں ہوا کرتا اسیطرح اگر کوئی مسلمان یہ گواہی دے کہ فلاں کے ذمہ بیت المال کا روپیہ ہے یا یہ گواہی دے کہ اس مال کا وارث بیت المال کے سوا اور کوئی نہیں ہے یا ذمی پر کوئی ایسی گواہی دے جو اُسکے عہد شکنی کرنے اور اُسکا مال بیت المال کے لیئے فئے ہونے کو ثابت کرے تو ان کی گواہی مقبول ہوگی یا اگر کوئی عادل آدمی اس امر کی گواہی دے کہ فلاں شخص نے اپنا مال فقرا اور مساکین کیلئے وقف کر دیا تھا تو اُسکی گواہی مقبول ہوگی۔ اگرچہ یہ گواہ خود بھی فقیر ہو اور اُس مال کا مستحق ہو

چوتھا جواب

یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ صدیق اس صدقہ کے لینے والوں میں نہ تھے بلکہ وہ اس سے بالکل مستغنی تھے نہ اُنھوں نے کبھی اس سے کوئی فائدہ اُٹھایا اور نہ یہ صدقہ آپ کے گھر والوں نے کبھی لیا اسکی صورت بعینہ ایسی ہے کہ اگر چند دولتمندوں نے ایک آدمی پر یہ گواہی دی کہ اُس نے

فقراء کے لیئے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے تو اُن کی یہ گواہی بالاتفاق مقبول ہے۔

پانچواں جواب

اگر اس حدیث میں کوئی ایسا امر بھی ہو جسکا نفع اُسکے راوی کو جو صحابہ میں سے ہے پہنچتا ہو تب بھی اُس راوی کی گواہی مقبول ہوگی۔ اسلیئے کہ یہ اس حدیث کے روایت کرنے میں داخل ہے اور روایت کرنا ایک عام حکم کو شامل ہوتا ہے جس میں یہ راوی وغیرہ سب داخل ہیں کیونکہ حضور انور نے جو حکم دیا ہے اُس میں یہ راوی وغیرہ سب برابر ہیں۔ اسی طرح جس چیز سے آپ نے منع کیا ہو یا مباح فرمایا ہو اُس میں بھی یہ راوی وغیرہ برابر ہیں۔ اس حدیث میں ایک شرعی حکم کا روایت کرنا پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے خود ابو بکر کی بیٹی عائشہ صدیقہ بھی اس میراث سے محروم رہیں اُن کے سوا اور وارثوں کو بھی یہ میراث نہیں پہنچی بلکہ اس بات کا فیصلہ کردیا گیا کہ یہ مال مصارف صدقہ میں صرف کرنا چاہیئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چھٹا جواب

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے جو یہ حدیث روایت کی ہے۔ قرآن مجید اسکی صریح مخالفت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ٥ یہ حکم اللہ نے امت ہی کے لیئے خاص نہیں کردیا ہے بلکہ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ اس آیت کے عام لفظوں میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جسکے یہ معنی ہوں کہ حضور انور کا مورث ہونا یعنی آپ کا مال ترکہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ پاک نے تو یہ فرمایا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ج فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک ج وان کانت واحدۃ فلھا النصف ط ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد ج فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث ج فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس ج الخ

یعنی اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر میت کی اولاد لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو اُن کے لیئے مال متروکہ

کی دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسکے لئے نصف ہے اور میت کے والدین کو
یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اگر میت کی کوئی اولاد ہے تو مال متروکہ میں سے چھٹا
حصہ ہے اور اگر میت کے کوئی اولاد نہیں ہے اور اسکے وارث اس کے والدین ہیں
تو اسکی ماں کے لئے ایک تہائی ہے اور اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اسکی ماں کیلئے
چھٹا حصہ۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان
کان لھن ولد فلکم الربع الآیۃ یعنی اور تمھیں اس مال کا نصف ملے گا۔ جو تمھاری بی بیاں چھوڑ
مریں بشرطیکہ ان کے کوئی اولاد نہو اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمھیں انکے متروکہ (مال) میں
سے چوتھائی کا استحقاق ہے یہ خطاب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اس خطاب
سے مقصود ہیں۔ ہاں اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات کو ثابت کرے کہ
حضور انور بھی اسکے مخاطب ہیں۔ خطاب کا کاف اسی کو شامل ہوتا ہے جسکا خطاب
کرنے والے نے قصد کر لیا اور اگر یہ معلوم نہو کہ اس خطاب سے مخصوص یہ خاص شخص
ہے تو اسے وہ لفظ شامل نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ ضمیریں
مطلقاً تخصیص قبول نہیں کرتیں تو اب مخاطب کی ضمیر میں یہ تخصیص کیونکر ہو سکتی
ہے کیونکہ وہ تو اسی پر دال ہیں جسکا خطاب کرنے میں قصد کر لیا ہو نہ کہ اسپر جس کا
قصد نکیا ہو۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ ضمیر عام ہے اس میں تخصیص نہیں ہو سکتی
پھر بھی یہ ان ہی کے لئے عام ہوگی جو خطاب میں مقصود ہوں گے دیکھو اس آیت
میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات کا مقتضی ہو کہ اس آیت کے مخاطبوں میں
حضور انور بھی ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ضمیریں خواہ وہ خطاب کی
ہوں یا متکلم کی ہوں یا غیبت کی ہوں خود بخود کسی معین چیز پر دلالت نہیں کیا کرتیں
مگر ہاں ان میں قرائن کے موافق دلالت معین پر بھی ہو جاتی ہے مثلاً خطاب کی ضمیریں
اس شخص کے لئے مقرر کیگئی ہیں جس کا خطاب کرنے والے نے اس خطاب سے قصد
کر لیا ہو اسی طرح متکلم کی ضمیریں اسکے لئے ہیں جو کلام کرے خواہ وہ کبھی ہو لیکن یہ
بات ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے مخاطب حضور انور اور مومنین سب ہی ہیں جیسا کہ اللہ

فرماتا ہے کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم اور فرمایا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق اسی طرح اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین اسکا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ نہیں ہے بلکہ قرآن شریف میں جماعت کا خطاب یعنی جہاں کُم سے خطاب کیا گیا ہے کبھی حضور انور اور مومنین سب کے لئے ہوتا ہے اور کبھی فقط مومنین ہی کے لئے مخصوص ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا یہ قول ہے۔

"واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون" یہاں کاف سے خطاب امت ہی کو ہے حضور انور کو نہیں ہے پھر ایسا ہی اللہ کا یہ قول ہے واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم دوسرا قول ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم" اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں ان موقعوں میں کاف کے خطاب میں رسول اللہ داخل نہیں ہیں بلکہ یہ ان ہی کے لئے ہے جنکی طرف حضور انور پیغمبر بنا کے بھیجے گئے تھے۔ تو اب یہ بات کیوں نہیں جائز ہے کہ اللہ کے ارشاد یوصیکم اللہ فی اولادکم کا کاف بھی مثل ان ہی کے قول کے ہو اس لئے کہ سنت یعنی حدیث میں ایسا کوئی امر نہیں ہوتا کہ جو ظاہر قرآن کے خلاف ہو پھر مثل اسی آیت کے اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلاث ورباع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنٰی ان لا تعولوا واتوا النساء صدقاتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیٔ منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا:

پس اس آیت میں خفتم۔ تقسطوا۔ وانکحوا۔ طاب لکم۔ ما ملکت ایمانکم کی ضمیریں اس امت ہی کی طرف پھرتی ہیں حضور انور کا ان کا کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ حضور انور کے لئے تو چار سے زیادہ بی بیاں کرنی بھی جائز تھیں اور آپ بلا مہر بھی نکاح کر سکتے تھے جیسا کہ نص سے اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جتنی مثالیں تم نے ذکر کی ہیں ان میں تو اس آیت کا امت ہی کے لئے مخصوص ہونے کا قرینہ موجود ہے۔ لہذا ان سے تمھارا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ جب اللہ نے رسول کی طاعت واجب ہونے

کو ذکر کیا اور آپ کی طاعت کرنے اور آپ سے محبت رکھنے کا امت کو خطاب کیا اور حضور انور کا ان کی طرف مبعوث ہونا بیان کیا تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خود حضور انور اس میں داخل نہیں ہیں اسکا جواب یہ ہے ہم کہتے ہیں بس ایسی ہی یہ آیت فرائض یعنی یوصیکم اللہ ہے کہ اس میں بھی امت کے لئے مخصوص ہونے کا قرینہ موجود ہے کیونکہ فرمایا اٰباؤکم وابناؤکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعنا فریضة اور فرمایا من بعد وصیة یوصی بھا او دین غیر مضا پھر فرمایا تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار الآیة۔ پس جب اللہ نے اس سمجھ کے نہ ہونے کے ساتھ خطاب کیا جو رسول کے حال کے کسی طرح مناسب نہیں ہے اور اسکے بعد یہ ذکر کیا کہ رسول کی طاعت کرنی لوگوں پر واجب ہے ان میں جو فرائض کی مقداریں بیان کی ہیں اور پھر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر یہ لوگ ان حدود میں اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے اور اگر مخالفت کریں گے تو عذاب کے سزاوار ہوں گے مخالفت کی صورت یہ ہے کہ ایک وارث کو اسکے حق سے زیادہ دیدیں یا کسی وارث کو اسکا حق نہ دیں تو اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو باری تعالیٰ کے اس حکم سے واقف نہیں ہیں۔ حضور انور داخل نہیں ہیں۔ جیسا کہ اس قسم کی اور آیتوں کا حال ہے اور جب سیاق کلام سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خطاب امت ہی کو ہے تو آپ اس آیت کے عموم میں بھی داخل نہ ہوئے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ خطاب تو حضور کو بھی شامل تھا لیکن نکاح اور مہر کی آیت سے آپ مخصوص ہو گئے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ بس اسیطرح میراث کی آیت سے بھی آپ مخصوص ہو گئے ہیں۔ بس جو اور آیتوں میں تمھارا جواب ہے وہی میراث کی آیت میں ہمارا جواب ہے خواہ کوئی یہ کہے کہ آیت کے لفظ حضور کو شامل تھے اور آپ مخصوص ہو گئے یا یہ کہے کہ وہ لفظ ہی آپ کو شامل نہ تھے کیونکہ آپ اس کے مخاطبین میں سے نہیں ہیں۔

ساتواں جواب

یہ کہ اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کون وارث ہوتا ہے اور کون وارث

نہیں ہوتا اور نہ مورث اور وارث کی صفت بیان کرتی ہے بلکہ اس سے تو فقط یہ مقصود ہے
کہ متروکہ مال وارثوں میں اس تفصیل سے تقسیم کیا جائے یعنی یہاں ان لوگوں کے حصوں
کی مقدار بیان کرنی منظور ہے جو اس آیت میں مذکور ہے کہ جب یہ وارث ہوں تو انہیں
کتنا کتنا حصہ پہنچے گا اور اسیوجہ سے اگر میت مسلمان ہو اور یہ لوگ کافر ہوں تو باتفاق
سب مسلمانوں کے یہ وارث نہوں گے اسیطرح اگر میت کافر ہو اور یہ مسلمان ہوں تو بھی
وارث نہوں گے علی ہذا القیاس اگر میت غلام ہو اور یہ آزاد ہوں یا وہ آزاد ہو اور
یہ غلام ہوں عام مسلمانوں کے لئے یہی حکم اس قاتل کا ہے جو اپنے مورث کو عمداً قتل
کرے اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ مردوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد وارث
ہو جاتی ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد وارث نہیں ہوتی اس آیت نے
اسکی کچھ تفصیل نہیں کی کہ کون وارث ہوتا ہے اور کون وارث نہیں ہوتا۔ نہ وارث
اور مورث کی کوئی تعریف بیان کی اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے اسکا بیان کرنا
مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے فقط ان لوگوں کے حقوق بیان کرنے مطلوب ہیں اس
وقت کہ جب یہ وارث ہوں پس جب اس سے یہ ظاہر نہ ہوا کہ کون کون وارث ہوتے
ہیں اور کس کس کے وارث ہوتے ہیں تو اس سے یہ بھی نہ ثابت ہوا کہ اور تو وارث
ہوتے ہیں اور حضور انور وارث نہیں ہوتے۔ اور اب اس میں اسکا ثبوت بدرجہ اولے
نہوگا کہ حضور انور کا وارث ہونا چاہئے اسیطرح حضور کے اس ارشاد میں ہے فرمایا۔
فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالدوالی والنواضح نصف العشر۔ یعنی بارانی زمین میں
(زکوٰۃ کا) دسواں حصہ ہوتا ہے اور جس میں چرسوں سے آب پاشی کی جائے اس میں
بیسواں حصہ ہوتا ہے! اس سے حضور کو یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ ان دونوں قسموں
میں سے ایک میں کیا واجب ہے اور کیا نہیں واجب ہے بلکہ اس سے ان دونوں قسم
میں فرق بیان کر دینا مراد ہے کہ ایک یہی وجہ ہے کہ باوجود اسکے عام ہونے کے سبزیوں
یعنی ترکاریوں میں زکوٰۃ واجب ایسی ہوتی ہے جس میں دسواں حصہ ہوتا ہے اور
ایک ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بیسواں حصہ ہوتا ہے ہونے پر اس سے حجت نہیں

لائی جاتی علیٰ ہذا القیاس اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ یعنی اللہ نے بیع کو حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ اس سے فقط بیع اور سود میں فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک حلال ہے اور دوسرا حرام ہے اور یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ کس چیز کی بیع جائز ہے اور کس چیز کی ناجائز ہے اسیوجہ سے ہر چیز کی بیع جائز ہونے پر اس آیت کے عموم سے حجت نہیں لا سکتے۔ اور اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اللہ کا واحل اللہ فرمانا عام ہے اور مردار۔ سور۔ شراب۔ کتے۔ ام ولد۔ وقف اور دوسری چیزوں کی بیع جائز ہونی بھی اس میں داخل ہے۔ تو یہ کہنے والا سب کے نزدیک غلطی پر ہے۔

آٹھواں جواب

ہم نے مانا کہ اس آیت کے لفظ عام ہیں۔ اور کافر اولاد اور غلام اور قاتل اس سے ایسی دلیلوں کے باعث مخصوص کر لئے گئے ہیں جو اس دلیل سے بہت ہی کمزور ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور بھی اس آیت کے حکم میں نہیں ہیں کیونکہ وہ صحابۂ کرام جنہوں نے حضور انور سے یہ روایت کی ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ قاتل مقتولوں کا وارث ہوتا ہے اور نہ غلام اپنے آقا باپ کا تو یہ ان سے بہت کم درجہ کے ہیں جنہوں نے حضور سے یہ روایت کی ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ہم انبیا ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اس آیت میں تخصیص ہو گئی خواہ نص سے ہوئی یا اجماع سے اب دوسری نص سے تخصیص کر لینی باتفاق تمام علماء مسلمین کے جائز ہے پھر ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ عام میں ایک دفعہ تخصیص ہونے کے بعد پھر وہ مجمل رہ جاتا ہے اور عموم قرآن کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اس وقت بے شک اختلاف ہے۔ کہ جب پہلے اس میں تخصیص نہ ہو چکی ہو باقی رہا عام مخصوص اسکی خبر واحد سے تخصیص کر لینی تو عوام کے نزدیک بھی جائز ہے خاصکر ایسی حدیث سے جو قبول کرنے کے لائق اور تسلیم کرنے کے قابل ہو۔ کیونکہ ایسی حدیث سے عموم قرآن کی تخصیص کر لینے پر سب متفق ہیں۔ اور ما سبر عمل ہونے پر سب کا اجماع

ہوچکا ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالٰے ہم عنقریب بیان کریں گے ساتھ ہی متواتر نص اور اجماع سے تخصیص کر لینے پر سب کا اتفاق ہے جس نے یہ مسلک اختیار کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ظاہر اسس آیت کا بے شک عموم ہے لیکن یہ عموم مخصوص ہے اور جس نے پہلا مسلک اختیار کیا ہے اس نے اسکے ظاہر عموم کو تسلیم نہیں کیا ہاں ان لوگوں میں جن کی بابت یہ معلوم ہوچکا ہے کہ یہ وارث ہوتے ہیں اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ اسس آیت کا ظاہر متروک ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مقصود فقط وارث کا حصّہ بیان کرنا ہے نہ کہ اس حالت کا بیان کرنا جس میں وراثت ثابت ہو جاتی ہے۔ باقی وراثت کی شرائط سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ اس میں مطلق ہے نہ اسپر نفی سے دلالت کرتی ہے اور نہ اثبات سے۔

نواں جواب

یہ کہا جائے کہ حضور انور کا مورث نہ ہونا یقینی حدیث اور صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت ہوچکا ہے اور ان دونوں میں ہر ایک قطعی دلیل ہے لہذا اس ظن اور خیال سے اس کا معارضہ نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ عام ہے اسلئے کہ اگر عام ہے تو وہ بھی مخصوص ہے اور عام مخصوص اگر دلیل ہو تو وہ ظنی ہی دلیل ہوا کرتا ہے وہ قطعی دلیل کا معارضہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ظنی قطعی کے معارض ہوا کرتی ہے اور اسکے قطعی ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اسس حدیث کو ایک نے نہیں بلکہ بہت سے صحابہ نے مختلف اوقات مختلف مجالس میں بارہا روایت کیا اور ان میں سے کسی نے بھی اسکا انکار یا اسپر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ سب نے اسکی تصدیق کی اور خوشی سے قبول کر لی اسیوجہ سے ازواج مطہرات میں سے کسی نے میراث طلب کرنے پر اصرار نہیں کیا اور نہ اسپر حضور انور کے چچا نے اصرار کیا بلکہ اگر کسی نے کچھ مانگا اور اسے حضور کا یہ ارشاد سنا دیا گیا تو اس نے اسی وقت اپنے مانگنے سے رجوع کر لیا خلفاء راشدین کے زمانہ میں حضرت علی تک برابر اسی طرح ہوتا رہا پھر حضرت علی نے بھی اسمیں کچھ فرق نہیں کیا اور نہ ترکہ تقسیم کیا۔

دسواں جواب

یہ کہا جائے کہ ابو بکر اور عمر نے علی اور ان کی اولاد کو اسقدر مال دیا تھا کہ جو حضور انور کے متروکہ

مال سے کئی گونہ زیادہ تھا اور وہ مال جو حضور نے چھوڑا تھا اس میں کی کسی چیز سے ان دونوں میں سے ایک نے بھی کچھ فائدہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ عمر نے وہ بھی علی اور عباس کے سپرد کر دیا تھا وہی دونوں اسکے متولی تھے اور دونوں ہی اس میں وہ کام کرتے تھے جو اُن سے پہلے حضور انور کرتے تھے۔

گیارہواں جواب

اللہ کا یہ ارشاد کہ وورث سلیمان داؤد اور حضرت زکریا کے قصہ میں یہ ارشاد فھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب محل نزاع پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ارث کا لفظ ایک جنس ہے جس کے تحت میں بہت سے افراد ہیں مشترک دلیل ایک خاص مدعا کے لئے دلیل نہیں ہوا کرتی مثلاً جب کسی نے کہا کہ یہ حیوان ہے تو یہ حیوان کہنا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ وہ حیوان انسان ہی ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ گھوڑا یا گدھا وغیرہ ہو کیونکہ ارث کی طرح حیوان ایک جنس ہے جسکے یہ متعدد افراد ہیں۔ اسیطرح ارث کا لفظ علم نبوت۔ ملک وغیرہ بہت سی منتقلہ چیزوں میں مستعمل ہوتا ہے اللہ فرماتا ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا اور فرمایا اولئك هم الوارثون الذین یرثون الفردوس هم فیها خالدون اور فرمایا۔ وتلك الجنة التی اورثتموها بما کنتم تعملون۔ اور فرمایا۔ واورثکم ارضهم ودیارهم وارضا لم تطؤها اور ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین۔ اور فرمایا ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔ یعنے انبیاء کا ورثہ اشرفیاں اور روپے نہیں ہوتے بلکہ ان کا ورثہ علم ہوتا ہے پس جس نے علم حاصل کر لیا اسے بڑا پورا حصہ ملگیا۔ یہ حدیث ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی ہے یہی خلافت کا حال ہے کبھی خلافت ملک میں ہوتی ہے کبھی علم میں کبھی اور چیزوں میں اور جب یہ معلوم ہوگیا تو اب ثابت ہوگیا کہ اللہ کا قول وورث سلیمان داؤد اور یرثنی ویرث من آل یعقوب فقط جنس ارث پر دلالت کرتے ہیں مال کی ارث پر کسی طرح دلالت نہیں کرتے اب ان آیتوں کو ارث مال کی خصوصیت پر شیعی علماء کا دلیل ٹھیرانا

محض ان کی لاعلمی کا باعث ہے مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ یہ آدمی فلاں شخص کا خلیفہ اس نے اسے خلیفہ کر دیا ہے تو یہ مطلق خلافت پر دال ہوگا باقی اس شخص کے مال و دولت یا ملک وغیرہ میں اُسکے خلیفہ ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔

بارہواں جواب

یہ کہا جائے کہ اس ورثہ سے مراد علم اور نبوت وغیرہ کا ورثہ ہے نہ کہ مال کا کیونکہ اللہ نے فقط یہ فرمایا ہے۔ کہ وورث سلیمان داؤد اور یہ معلوم ہے کہ حضرت داؤد کے سلیمان کے سوا اور بھی اولاد بہت تھی تو مال کے ورثہ میں سلیمان کی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ مال کے وارث ہونے میں قابل تعریف کوئی بات نہیں ہے نہ اس سے داؤد کی تعریف نکلتی ہے اور نہ آپ کے صاحبزادے سلیمان کی۔ کیونکہ مال میں تو یہودی اور نصرانی بھی اپنے اپنے باپ کے وارث ہوتے ہیں اور یہ آیت سلیمان کی تعریف کے موقع پر لائی گئی ہے۔ جس سے فقط اس نعمت کا اظہار مقصود ہے جو اللہ نے خاص ان ہی کو عطا کی تھی دوسرے یہ کہ مال کا وارث ہونا تو امور عادیہ میں سے ہے جو سب آدمیوں میں مشترک ہے جیسے کھانا پینا مردہ کو دفن کرنا ایسی باتیں انبیاء کے قصوں میں بیان نہیں کی جاتیں بلکہ ان کے قصوں میں وہ باتیں بیان ہوتی ہیں جن میں عبرت ہو اور دوسروں کا کچھہ فائدہ ہو ورنہ کسی کا یہ کہنا فلانا مر گیا اور اسکا بیٹا اسکے مال کا وارث ہو گیا یہ ایک فضول اور بے معنی سی بات ہے قاعدہ کے مطابق بیٹا ہی اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے اسے دوہرانا اول درجہ لغو اور بے سود ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے تم نے سنا مردے کو تو قبر میں دفن کر دیا سننے والا ایسے شخص کو نادان سمجھے گا اسی طرح یہ باتیں کہ کھاؤ پیو سوؤ وغیرہ ایسی ہیں کہ انھیں قرآن شریف کے قصص میں گردانا کبھی ٹھیک نہیں ہے علی ہذالقیاس زکریا کی طرف سے اللہ کا یہ فرمانا کہ یرثنی ویرث من آل یعقوب اس سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ یعقوب کی اولاد کے مال میں سے وہ کسی چیز کے بھی وارث نہیں ہو سکتے بلکہ اگر ان کے وارث ہوئے بھی ہوں تو انہی کی اولاد اور باقی ورثہ وارث ہوئے ہوں گے دوسرے یہ کہ اسلئے بیٹا نہیں مانگا کرتے کہ وہ ان کے مال کا وارث ہو کیونکہ اگر ان کے پاس مال ہے تو اسکا منتقل ہونا ضروری ہے۔

خواہ بیٹے کے پاس جائے یا اور کسی کے پاس۔ بس اگر اس بنی کا بیٹا مانگنے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اسکے مال کا وارث ہو تو اسکا یہ مطلب ہو گا کہ میرے مال کا میرے بیٹے کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو اور یہ قصد تو کسی بڑے سے بڑے بخیل کا بھی نہیں ہوتا کیونکہ اگر اسکا بیٹا ہے اور وہ اسکے سوا اور کسی کو دینا نہیں چاہتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس کا بیٹا نہیں ہے اور پھر اسکا بیٹا مانگنے سے مقصود یہی ہے کہ اور کوئی اس کا مال نہ لے تو یہ قصد کرنا نہایت ہی برا ہے ایسا قصد تو بے وقوف سے بے وقوف اور بددین بھی نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ کہ زکریا ؑ کے پاس تو کچھ بھی مال نہ تھا آپ تو صرف ایک معمولی بڑھئی تھے آپ کے صاحبزادے یحیٰی اعلیٰ درجہ کے زاہد تھے۔ اسکے علاوہ آپ نے فقط یہ التجا کی تھی کہ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کا خوف ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس بات کا خوف کرنا ان کے شان عالی کے کسی طرح بھی شایاں نہ تھا کہ جب مر جاؤں گا تو یہ میرے بعد میرا مال ہتیا لیں گے۔ کیونکہ اس خوف کرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

فدک کا جھگڑا اور اسکا قصہ

ہم اس سے پہلے فدک کے قصہ پر بحث کر چکے ہیں مگر اس مشہور مسئلہ پر ہم زیادہ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور پھر کسیکو بھی اسمیں چون وچرا کرنے کا یارا نہ ہو۔ بحثیں سب اتقطاعی ہیں جنکا جواب محالات سے ہے کسی بات کا بھی جواب نہیں ہو سکتا۔ اور تمام دنیا کے شیعی علماء ملکے بھی ایک بات کو نہیں جھٹلا سکتے۔ یہی دو تین مشہور قصے ہیں جن سے کم علموں کو ورغلایا جاتا ہے لہذا اسپر پوری بحث ہونی ضروری ہے اب ملاحظہ ہو شیعی علماء فرماتے ہیں۔

کہ جب فاطمہ زہرا نے یہ فرمایا کہ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک میرے نام ہبہ کر دیا تھا تو ابو بکر نے ان سے کہا کہ تم کوئی کالا یا گورا آدمی لاؤ جو اسکی بابت تمہاری گواہی دے زہرا ام ایمن کو لے گئیں اور انھیں گواہی میں پیش کیا ام ایمن نے ان کے موافق گواہی دی تو اسپر ابو بکر بولے یہ عورت ہے اسکا کہنا معتبر نہیں ہو سکتا حالانکہ سب سنیوں نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ام ایمن امرأة من اهل الجنة یعنی ام ایمن

جنتی عورت ہے۔ پھر امیر المومنین علی بن ابی طالب گواہی میں پیش ہوئے انھوں نے بھی زہرا کی گواہی دی اسپر ابوبکر نے کہا کہ یہ تمھارا شوہر ہے اپنا فائدہ چاہتا ہے لہذا اسکی گواہی پر بھی ہم آپ کو ڈگری نہیں دے سکتے باوجودیکہ سب سنی اسکے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ علی مع الحق والحق یدور معہ حیث دار۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہیں اور جہاں یہ پھرتے ہیں حق ان کے ساتھ پھرتا ہے۔ اور فرمایا ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض یعنی یہ دونوں کبھی جدا نہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ اسپر فاطمہ زہرا غصہ ہو کر چلی آئیں اور قسم کھالی کہ میں ابوبکر سے کبھی نہ بولونگی نہ اس کی صورت دیکھوں گی یہانتک کہ میں باپ سے ملوں اور ان سے اسکی شکایت کروں چنانچہ جب آپ کا اخیر وقت آیا تو آپ نے حضرت علی کو یہ وصیت کی کہ مجھے رات ہی کو دفن کر دینا اور میرے جنازے کی نماز پڑھنے کو ان میں سے کسی کو نہ بلانا اسکے علاوہ سب سنی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا فاطمۃ ان اللہ تعالےٰ یغضب بغضبک ویرضیٰ لرضاک اے فاطمہ تمھیں ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے اور تمھیں خوش کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا تھا۔ فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ یعنی فاطمہ میرا پارۂ جگر ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ستایا۔ اسکے علاوہ اگر سنیوں کی یہ حدیث صحیح ہو کہ انبیاء کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خچر جو آپ نے چھوڑا تھا اور آپ کی تلوار اور عمامہ امیر المومنین علی کے پاس چھوڑ دینا جائز نہ ہوتا حالانکہ جب عباس نے انکا دعوےٰ کیا تو یہ چیزیں ابوبکر نے امیر المومنین کو دلوادی تھیں اگر ورثہ نہ تھا تو وہ اہل بیت جنکی بابت اللہ نے اپنی کتاب میں پلیدی سے پاک ہونا فرمایا ہے ایک ناجائز امر کے مرتکب ہوں گے کیونکہ صدقہ ان پر حرام کر دیا گیا ہے اور اس قصہ کے بعد جب بحرین کا روپیہ آیا تو جابر بن عبداللہ انصاری ابوبکر کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے ان سے یہ بات کہی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ جب بحرین کی آمدنی کا روپیہ آئیگا تو ہم تمھیں روپوں کی تین لبیں بھر کے دیں گے ابوبکر بولے کہ آؤ اپنی تین لبیں بھر کے لے لو۔ چنانچہ اس انصاری نے بغیر گواہ شہادت بلکہ محض اپنی بات پر مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ لے لیا۔

جواب

شیعی علماء کے اس کلام میں جھوٹ۔ بہتان۔ اور خرافات اسقدر ہے کہ الٰہی توبہ۔ بہرحال ہم اسکا جواب کئی طرح سے دیتے ہیں۔

(۱) یہ کہ فاطمہ زہرا کا فدک پر دعوے کرنے کا جو انھوں نے ذکر کیا ہے یہ فدک ان کی میراث ہونے کے صریح مناقض ہے کیونکہ اگر زہرا نے فدک کو بطریقہ وراثت لینا چاہا تھا۔ تو پھر بطریقہ ہبہ لینا نہیں ہوسکتا تھا اور اگر بطریقہ ہبہ لیتی تھیں تو پھر بطریقہ وراثت لینا منع تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہبہ تھا اور نہ میراث تھی اسکے علاوہ اگر بفرض محال یہ ہبہ مرض الوفات میں ہوا تھا تو حضور انور تو اس سے یقیناً منزہ و مبرا تھے کہ آپ فقط ایک وارث کے لئے وصیت کرکے اسے وارث کر دیتے جیسا کہ معمولی آدمی کیا کرتے ہیں یا آپ ایسے مرض میں ایک ہی کو اسکے حق سے زیادہ دے دیتے اور اگر یہ صحت کی حالت میں ہوا تھا تو پھر اسپر قبضہ ہو جانا نہایت ضروری تھا۔ ورنہ اگر واہب نے فقط زبانی کہدیا کہ میں ہبہ کرتا ہوں اور موہوب کا اسپر قبضہ نہ کرایا یہاں تک کہ مرگیا۔ تو وہ ہبہ جماہیر علماء کے نزدیک بالکل باطل فضول اور بے کار ہے پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضور انور نے فاطمہ زہرا کے نام فدک ہبہ کردیا اور تمام اہل بیت اور باقی مسلمانوں کو اسکی خبر تک بھی نہ ہوئی اور اسکی واقفیت فقط ام ایمن اور علی کے ساتھ مخصوص رہی۔

دوسرا جواب

حضرت فاطمہ زہرا کا یہ دعوے کرنا خود زہرا ہی پر اعلیٰ درجہ کا بہتان ہے۔ انھوں نے یہ دعوے ہرگز نہیں کیا۔

تیسرا جواب

اگر حضور انور کا ورثہ ہوتا تو اس میں مدعی حضور انور کی ازواج مطہرات اور آپ کے چچا بھی ہوتے پھر ان کے مقابلہ میں کتاب اللہ اور سنۃ رسول اللہ اور باتفاق مسلمین نہ ایک عورت کی گواہی قابل اعتبار ہو سکتی ہے اور نہ ایک مرد کی اور اگر آپ کا ورثہ نہ تھا جو آپکے وارثوں کو ملتا تو پھر اسمیں مدعی سارے مسلمان تھے اسیطرح باتفاق تمام مسلمین اُن کے

مقابلہ میں بھی نہ ایک عورت کی گواہی مقبول ہو سکتی ہے اور نہ ایک مرد کی ہاں فقہاء اہل حجاز اور فقہاء اہل حدیث کے نزدیک ایسی صورت میں ایک گواہی اور مدعی کی قسم پر حکم دیا جاتا ہے اور شوہر کی گواہی اپنی زوجہ کے لیئے ہونے میں علمار کے دو قول مشہور ہیں وہی دونوں روایتیں امام احمد سے بھی منقول ہیں ایک یہ کہ ایسی گواہی ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ - امام مالک - لیث بن سعد - اوزاعی - اسحاق وغیرہ کا ہے - دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے - یہ مذہب امام شافعی - ابوثور - ابن منذر کا ہے اور اسپر بھی بفرض محال اگر اس قصہ کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی باتفاق تمام مسلمانوں کے امام کو نہ ایک مرد کی گواہی پر حکم دینا درست ہے اور نہ ایک عورت کی شہادت پر خاصکر اس صورت میں کہ اکثر ائمہ تو شوہر کی گواہی جائز ہی نہیں کہتے اور ان ہی میں بعض ائمہ ایسے ہیں جو ایک گواہی اور ایک قسم پر بھی حکم نہیں لگاتے اور جو اسپر حکم لگاتے ہیں وہ بھی اس وقت تک نہیں لگاتے کہ جب تک مدعی قسم کھالے -

چوتھا جواب

شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ام ایمن آئیں اور انھوں نے زہرا کے موافق گواہی دی اس پر ابوبکر نے یہ کہا کہ ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی اور سب سنیوں نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ام ایمن جنتی عورت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حجت ایسے ناواقف کی ہے جو حجت کر کے اسے اپنے ام ایمن ہی پر قائم کرانی چاہتا ہے اسلئے کہ یہ قول اگر حجاج بن یوسف مختار بن عبید یا ان ہی جیسا اور کوئی بھی کہتا تو بھی یہی کہنا پڑتا کہ اس نے سچ کہا ہے - لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسے مال پر مدعی کو ڈگری دینے میں جو بظاہر نظروں میں دوسرے کا ہے اور یہ مدعی خلاف قانون اسے لینا چاہتا ہے - ایک عورت کا کہنا ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا چہ جائے کہ جب اسکا قبول نہ کیا جانا ابوبکر سے مروی ہو - باقی یہ حدیث جو شیعی علمار نے ذکر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اسکو سارے سنیوں نے روایت کیا ہے محض غلط ہے - یہ حدیث اسلامی کتب میں کہیں نہیں ہے اور نہ علمار میں ہم کوئی ایسا عالم جانتے ہیں جس نے یہ حدیث

روایت کی ہو۔ یہ ام ایمن اسامہ بن زید کی والدہ مہاجرات یعنی ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ اور یہ بے شک قابل تعظیم و توقیر ہیں۔ مگر عقل باور نہیں کرتی کہ ام ایمن کی پشت پناہی میں ہر جھوٹی سے جھوٹی روایت تسلیم کر لیجائے۔ پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ سب نے یہ روایت کی ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ متواتر حدیث ہے شریعۃ پر ایک بے رحمانہ سفاکانہ حملہ ہے۔ جو شخص حضور انور کی اس حدیث کا منکر ہو کہ انہ لانورث حالانکہ اسکو اکابر صحابہ نے روایت کیا ہے اور یہ کہتا ہو کہ اس حدیث کو سب نے نقل کیا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے زیادہ جاہل اور حق کا سب سے بڑا منکر ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضور انور نے یہ بیان فرمایا تھا۔ کہ ام ایمن جنتی ہے تو ایسا تو آپ نے اوروں کے حق میں بھی فرمایا ہے۔ کہ یہ جنتی ہیں۔ عشرہ مبشرہ صحابیوں میں سے ہر ایک کی بابت حضور نے فرمایا ہے کہ یہ جنتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ بیعت الرضوان کر چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں علمار حدیث سے ثابت ہے اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کے جنتی ہونے کی حدیث اہل سنن نے متعدد سندوں سے روایت کی ہے پس یہ حدیثیں تمام علمار کے نزدیک مشہور و معروف ہیں۔ مگر تماشہ یہ ہے کہ شیعی علمار ان لوگوں کو جھوٹا کہتے ہیں جنکی بابت یہ یقیناً معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے جنتی ہونے کے رسول گواہی دے چکے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ فقط ایک عورت کی گواہی قبول نہ کرنے پر ان کے جنتی ہونے کا صاف انکار کرتے ہیں۔ بھلا اس سے زیادہ اور عناد کیا ہو سکتا ہے اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک آدمی کا اہل جنت سے ہونا اسکی گواہی قبول کرنے کو واجب نہیں کر سکتا کیونکہ گواہی میں اسّ غلطی ہو جانی ممکن ہے اور اسیوجہ سے اگر خدیجۃ الکبریٰ یا عائشہ صدیقہ یا فاطمہ زہرا ان ہی جیسی اور بی بیاں جنکا اہل جنت سے ہونا معلوم ہو چکا ہے اکیلی کوئی گواہی دیں تو ان کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف ہوگی۔ جیسا کہ قرآن مجید سے یہ حکم ثابت ہو چکا ہے۔ اسیطرح ان میں سے ایک کی میراث مرد کی میراث سے نصف ہوتی ہے۔

علی ہذا القیاس دیت کا بھی یہی حکم ہے اور ان سب باتوں پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کا اہل جنت سے ہونا اسکی گواہی قبول کرنے کو ضروری نہیں کرتا۔

اس لئے کہ اس سے غلطی ہو جانی جائز ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہو اور پھر جھوٹ سے توبہ کرے تو وہ بھی جنتی ہو جاتا ہے جس میں مطلق کلام نہیں ہو سکتا۔

پانچواں جواب

شیعی علمار کا یہ کہنا کہ پھر زہرا کی گواہی علی نے دی تو ان کے شوہر ہونے کے باعث ابو بکر نے ان کی گواہی بھی رد کر دی۔ اسکا جواب یہ ہے اول تو یہ قصہ ہی محض غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ ہمارے احباب نے محض عداوت سے صدیق اکبر پر الزام لگانے کے لئے خود بخود یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ بفرض محال اگر درست بھی ہو تو بھی شوہر کی گواہی اکثر علمار کے نزدیک اب بھی مردود ہے تو پھر اس سے صدیق اکبر میں کیا خرابی نکلی۔ اسکے علاوہ جو علمار ایسی گواہی قبول کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ ہے کہ جب تک اس شوہر کے ساتھ دوسرا مرد ملکر یا اس ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت ملکر گواہی کا نصاب پورا نہ کر دے تو وہ اس گواہی کو ہرگز قبول نہیں کرتے باقی ایک مرد اور ایک عورت ہی کی گواہی پر بغیر مدعی کی قسم کے حکم لگا دینا تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

چھٹا جواب

شیعی علمار کا یہ کہنا کہ یہ حدیث سب نے روایت کی ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا علی مع الحق والحق یدور معہ حیث دار ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ یہ انتہا درجہ کی خرافات جہالت اور صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ حدیث حضور انور سے آجتک کسی نے بھی روایت نہیں کی نہ صحیح اسناد سے اور نہ ضعیف اسناد سے اب یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کو سب نے روایت کیا ہے کہا اس سے کوئی بڑھکر جھوٹ ہو سکتا ہے جو صحابہ اور علمار کی شان میں یہ کہے کہ یہ حدیث ان سب نے روایت کی ہے حالانکہ وہ حدیث ان میں کسی سے بھی معروف اور کہیں بھی منقول نہیں ہے اسکے علاوہ حضور انور پر بہتان بندی کرنی کسی صحابی پر بہتان بندی کرنے سے زیادہ غضبناک ہے مگر اس دلیری کے قربان جائیے کہ کسطرح اپنا تخیل یا فاسد عقیدہ جہلا کو منوانے کے لئے منہ بھر بھر کے حضور انور کی اطہر و اقدس ذات پر بہتان اٹھائے جاتے ہیں۔ اب رہا ام ایمن کا جنتی ہونا ممکن ہے کہ حضور انور نے یہ فرمایا ہو

اُمّ ایمن ایک نیک بی بی مہاجرہ عورتوں میں سے تھیں اسلیئے ان کے جنتی ہونے کی خبر کے
انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں یہ بات تو کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیجا سکتی کہ صحابی کے حق
میں حضور انور یہ فرماویں۔ کہ یہ حق کے ساتھ ہے اور جہاں جاتا ہے حق اسکے ساتھ ساتھ پھرتا ہے
یہ کلام ایسا ہے کہ حضور انور کی مقدس ذات بیشک اس سے منزہ مبرہ ہے اول تو اس
لیئے کہ حوض کوثر پر آپ کی حضوری میں بہت سی مخلوق اُترے گی چنانچہ آپ نے انصار سے
فرمایا تھا کہ اصبروا حتی تلقونی علی الحوض۔ یعنی دیکھو صبر ہی کرنا یہانتک کہ تم مجھ سے حوض کوثر
پر جا ملو۔ اور فرمایا۔

"ان حوضی لابعد ما بین ایلة الی عدن وان اول الناس ورودا فقراء المھاجرین شعثہ
رُسا الدنس ثیابا الذین لا ینکحون المتنعمات یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ لا یجد قضا
یعنے میرے حوض کوثر ایلہ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے بھی بڑی ہے اور سب سے پہلے
وہاں پہنچنے والے فقراء اور مہاجرین ہیں۔ جنکے بال پراگندہ کپڑے میلے خوشحال امیر زادیوں
سے شادی نہیں کرتے اگر کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو اسکی دلی مراد دل ہی میں رہتی
ہے کبھی پوری نہیں ہوتی۔ یہ حدیث مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے اسکے علاوہ حق تو ایسی
چیز نہیں ہے کہ جو آدمیوں کی طرح حوض کوثر پر جا اترے ہاں کہتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا تھا
انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ یعنے
تمھارے اندر دو چیزیں بڑی وزنی میں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن مجید دوسری میری عترت
یعنی میرے اہل بیت اور یہ دونوں جدا نہوں گے یہانتک کہ دونوں کے دونوں حوض کوثر پر
میرے پاس پہنچ جائیں ہمیں اس میں بھی کلام ہے جسکی بحث انشاء اللہ تعالےٰ اپنے موقع
پر کریں گے ہاں بفرض محال یہ صحیح بھی ہو تو یہاں قرآن سے مراد قران کا ثبوت ہے۔ باقی
رہا وہ حق جو ایک آدمی کے ساتھ پھرتا ہے اور وہ آدمی اسکے ساتھ پھرتا ہے تو وہ اس آدمی
کی ایک صفت ہے جو کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتی اور اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ آدمی
سچا ہے اور اسکے عمل اچھے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ اس کے سوا اور کوئی
حق پر نہیں ہے دوسرے یہ کہ حضور انور کے سوا اور کسی شخص کے ساتھ حق نہیں پھرتا اگر

ایسا ہوتا کہ جہاں علی جلتے حق اُنکے ساتھ ساتھ پھرا کرتا تو پھر علی کا معصوم ہونا ضروری امر تھا یعنی جیسے حضور انور معصوم تھے علی بھی ہوتے گو شیعی علماء بغیر استدلال اور اسناد کے اس کا تو دعویٰ کرتے ہیں لیکن جسے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ سے زیادہ علی معصوم ہونے کے لایق ہرگز نہیں ہیں۔ وہ ان کے جھوٹ کو خوب سمجھ لیتا ہے اور علی کے فتوے ابوبکر، عمر، عثمان کے فتووں کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتے نہ وہ اپنے مرجوحہ اقوال میں علی کے مرجوحہ اقوال سے زیادہ ہیں نہ حضور انور نے علی کی اتنی تعریف اور ان سے اتنا خوش ہونا ظاہر کیا جتنا خلفاء ثلثہ سے خوش ہوتا تھا اور انکی تعریف فرمائی ہے بلکہ اگر کوئی یہ کہدے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دامادوں میں عثمان غنی سے کبھی کسی بات پر غصہ نہیں ہوئے اور علی پر بہت غصہ ہوئے اور اکثر غصہ میں رہتے تھے یہانتک کہ علی نے اپنی اس خطا کو کہ وہ ابوجہل کی لڑکی سے خاتون محشر کی موجودگی میں نکاح کرنا چاہتے تھے معاف تک نہیں کرائی اور حضور انور کا غصہ ہی میں وصال ہوگیا تو یہ کہنا کچھ غلط نہیں اسکے علاوہ جب کبھی رسول اللہ نے کچھ نصیحت فرمائی تو علی نے اسکا سخت تلخی سے جوابدیا اور وہ جواب حضور کو ناگوار گذرا چنانچہ ایک مرتبہ رات کو حضور زہرا کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں لیٹے ہوئے دیکھکر یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے اسپر علی بولے انما انفسا بید اللہ انشاء اللہ ان یبعثنا بعثنا کہ ہم تو اللہ کے قبضہ میں ہیں اگر وہ ہمیں اٹھانا چاہے تو اٹھا دے حضور انور اتنا سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور بڑے تعجب سے غصہ میں بھرے ہوئے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کے یہ کہتے چلے آئے وکان الانسان اکثر شیئ جدلا یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ باقی رہے فتوے سو ایک فتوی تو علی نے یہ دیا تھا۔ کہ جس عورت کا شوہر مرجاوے اور وہ حمل سے ہو تو ایسی عورت وہ عدت پوری کرے جو دونوں میں بڑی ہو اور فتوی حضور انور کے زمانہ میں ابوالسنابل بن بعکک نے بھی دیا تھا جب حضور نے اسکی خبر سنتے ہی یہ فرمایا تھا کہ ابوالسنابل جھوٹا ہے ایسی مثالیں اور بہت سی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ تنہا علی کی گواہی پر حکم لگانا ہرگز جائز نہ تھا جیسا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی اپنے لئے خود ہی حکم لگالے

ساتواں جواب

شیعی علماء نے جو زہرا کی طرف سے نقل کیا ہے وہ زہرا کی شان کے کسی طرح شایاں نہیں

ہے نہ اس سے کوئی حجت لاسکتا ہے ہاں کوئی ایسا جاہل جو یہ خیال کرتا ہو کہ میں زہرا کی بڑائی کر رہا ہوں اور در حقیقت وہ انپر نکتہ چینی کرتا ہو اس لیئے کہ اس مذکور میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو غصہ کا باعث ہو کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو صدیق اکبر نے محض اس حق کیوجہ سے حکم دیا تھا۔ کہ جسکے خلاف کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے بلکہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اللہ کے اور اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف حاکم میرے لئے حکم دیدے۔ اور وہ حاکم نہ دے اور اسپر وہ ناراض ہو کے قسم کھا بیٹھے کہ میں نہ حاکم سے بولوں گا نہ اسکی صورت دیکھوں گا تو یہ بات ہرگز ایسی نہیں ہے کہ جس پر اسکی تعریف کی جائے اور نہ اسپر اس حاکم کی برائی ہو سکتی ہے بلکہ حاکم کی برائی ہونے سے اسکا زیادہ تر منشا ریہ ہے کہ اور اسکی تعریف ہو اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ فاطمہ زہرا کی طرف سے یا ان کے سوا اور صحابہ کی طرف سے جو اس قسم کی برائی کی باتیں حکایت کی جاتی ہیں انمیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض میں ان کی تاویل ہوتی ہیں۔ اور بعض گناہ بھی ہوتے ہیں اور جب یہ بات اسطرح سے ہے تو معلوم ہوا کہ یہ معصوم نہیں ہیں بلکہ باوجود انکے اولیاء اللہ اور اہل جنت سے ہونے کے گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ انکی مغفرت کر دیتا ہے اسی طرح زہرا کیطرف سے جو یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے اسبات کی قسم کھالی کہ میں ابوبکر سے کبھی نہ بولوں گی نہ ان کی صورت دیکھوں گی یہانتک کہ میں اپنے باپ سے ملکر ان سے اسکی شکایت کروں۔ یہ بات بھی زہرا کی طرف سے بیان کرنے کے کسی طرح لایق نہیں ہے۔ کیونکہ شکوہ شکایت تو اللہ ہی سے ہونا چاہیئے جیسا کہ ایک صالح بندہ نے کہا تھا۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ اسی طرح موسےٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان وبک المستغاث وعلیک التکلان اسی طرح خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس سے فرمایا تھا اذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ یعنے جب تم کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب امداد چاہو اللہ ہی سے چاہو حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے مانگو اور مجھ ہی سے مدد چاہو پھر اللہ فرماتا ہے فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ دیکھئے بات صاف ظاہر ہے کہ جب ایک عورت نے حاکم وقت سے کچھ مانگا اور اس نے مال اسکو محض اسوجہ سے نہ دیا کہ اسکے نزدیک وہ اسکی مستحق نہیں ہے اور وہ نہ اپنے گھر کے آدمیوں میں سے کسیکو دیتا ہے نہ کسی

اپنے دوست کو دیتا ہے بلکہ سارے مسلمانوں کو دیتا ہے تو اسپر اس انکار سے کوئی حرف نہیں آئیگا اور اگر کوئی کہے کہ مدعی حاکم پر غصہ ہوگیا ہے تو اسکا زیادہ سے زیادہ یہی سبب ہوگا یعنی وہ غصہ اس لیئے ہوا ہوگا کہ حاکم نے اسے اسکے دعوے کے موافق مال نہیں دلوایا بلکہ یہ کہدیا کہ یہ مال تیرا نہیں ہے مدعا علیہ کا ہے تو اس غصہ ہونے میں مدعی کی تعریف ہونے کی کونسی بات ہوگی اگر وہ محض مظلوم بھی ہوگا تب بھی اسکا غصہ دنیا ہی طلبی کے لیئے ہوگا اور اس حاکم پر یہ تہمت لگانی اس مدعی پر تہمت لگانے سے بہت ہی بعید ہوگی۔ جیسے سچ مچ اس مال سے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے اب یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسے حاکم پر تو تہمت لگائی جائے اور اس مدعی پر نہ لگائی جائے علی ہذا القیاس حاکم مدعی سے یہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ کے خوف کی وجہ سے نہیں دیتا کیونکہ میرے لیئے یہ درست نہیں ہے کہ میں یہ مال اسکے مستحق سے چھین لوں اور غیر مستحق کو دیدوں اور مدعی صاف کہتا ہے کہ میں اپنے اس تھوڑے سے حصہ کی وجہ سے غصہ ہوتا ہوں تو کیا یہ بات ایسی ہے جو فاطمہ زہرا کی تعریف میں کہی جائے کیا اللہ نے ان منافقین کی برائی نہیں کی جنکی بابت فرمایا

ومنھم من یلمزک فی الصدقات ۚ فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون ولو انھم رضوا ما آتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون۔

یعنی اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہیں صدقوں کی تقسیم میں ناانصافی کا عیب لگاتے ہیں۔ پس اگر انہیں ان میں سے کچھ دیدیا جائے تو خوش ہوگئے اور انہیں انمیں سے کچھ نہ دیا تو فوراً ناخوش ہوجاتے ہیں اگر یہ لوگ اس چیز پر راضی رہتے جو اللہ نے اور اسکے رسول نے انھیں دی تھی اور کہتے ہمارے لیئے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اور اسکا رسول ہمیں دیگا بے شک ہم اللہ سے اسکے فضل کے امیدوار ہیں تو ان کے حق میں بہت اچھا ہوتا یہاں اللہ نے ایک ایسی قوم کا ذکر کرکے کہ اگر انھیں دو تو خوش ہیں اور نہ دو تو ناخوش ہیں اسی سے ان کی برائی کی ہے اب جو شخص زہرا کی ایسی تعریف کرے جس میں ان لوگوں سے مشابہت ہو تو کیا یہ زہرا پر قادح اور نکتہ چین نہ کہلائے گا۔ خدا شیعی علماء کا بھلا کرے اور ان

سے اہل بیت کا انصاف دلوائے کیونکہ انھوں نے اہل بیت کے ذمہ ایسے ایسے ناگفتہ بہ عیب چپکے ہیں کہ جو کسی عقلمند پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ فاطمہ تو اپنا ہی حق چاہتی تھیں تو یہ دوسرے کے اس کہنے سے بہتر نہ ہوگا کہ ابوبکر صدیق تو کسی یہودی یا نصرانی کا حق بھی نہ رکھتے تھے پھر سیدۃ النساء العالمین یعنی سارے جہان کی عورتوں کی سردار کا حق کیسے رکھ لیتے کیونکہ ان کے حق میں تو خود اللہ نے اور اللہ کے رسول نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ اپنا مال بیشک اللہ کے لیئے خرچ کرتے ہیں اب ایسا شخص لوگوں کو ان کے مال دینے سے کیونکر دریغ کر سکتا ہے اسکے علاوہ یہ بھی توجہ سے دیکھنے کے قابل ہے کہ فاطمہ زہرا نے حضور انور سے بھی چند مرتبہ مال مانگا تھا لیکن حضور نے ان کو نہیں دیا تھا جیسا کہ صحیحین میں علی سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ جب فاطمہ حضور انور کی خدمت میں گئیں تو آپ سے ایک خادم کی درخواست کی آپ نے کوئی خادم تو نہیں دیا بلکہ اسکے عوض میں تسبیح پڑھنے کی تعلیم کی اور جب ایک دفعہ ایسا ہو چکا ہے کہ زہرا نے حضور انور سے بھی ایسی چیز مانگی تھی جو حضور انور نے انھیں نہیں دی تھی اور نہ اسکا دینا آپ پر واجب تھا تو اب بھی ایسا ہی ہوا کہ حضور انور کے خلیفہ ابوبکر صدیق سے ایسی چیز مانگی جسکا انھیں دیدینا صدیق پر واجب نہ تھا اور جب انپر واجب نہ تھا تو پھر غیر واجب کے ترک کرنے پر ان کی کوئی برائی نہیں کی جاسکتی اگرچہ اسکا دینا مباح ہو لیکن جب ہم یہ جان لیں کہ یہ دینا مباح بھی نہ تھا تو پھر اس نہ دینے پر صدیق اکبر ضرور تعریف کیئے جانے کے مستحق ہوں گے کیونکہ صدیق کی بابت کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے کسی حقدار کا حق نہ دیا ہو نہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور نہ وصال کے بعد

زہرا کی وصیت دفن

خاتون محشر کی طرف سے جو بات بنائی گئی ہے کہ مجھے راتوں رات دفن کر دینا اور ان میں کسی سے میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھوانا۔ زہرا کی طرف سے ایسی حکایت اور ایسی تہمت وہی شخص کر سکتا ہے جس نے ہمیشہ ان کی ہجو ملیح کو اپنی زندگی کا اصول سمجھا کیونکہ کسی کے جنازہ سے پہلے ایک مسلمان کا نماز پڑھنا زیارت خیر ہے جو اس مردہ کو پہنچتی ہے اور افضل الخلق کے جنازہ کی اگر

کوئی بدترین مخلوق بھی نماز پڑھے تو اسکی نماز سے اسس جنازہ والے کو کوئی تکلیف نہیں غور کرنے کی بات ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جنپر ابرار۔ فجار۔ اور منافقین اور فساق سب درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اور اس سے اگر آپ کو کوئی نفع نہیں ہوتا تو نقصان بھی نہیں ہوتا حضور تو خوب جانتے تھے کہ میری امت میں منافق بھی بہتیرے ہیں۔ مگر آپ نے اپنی امت کے کسی فرد لبشر کو اپنے اوپر درود بھیجنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں اپنے اوپر درود وسلام بھیجنے کا تم سب کو حکم کرتا ہوں باوجودیکہ ان میں مومن منافق سب ہی قسم کے آدمی تھے اب بھلا زہرا کی تعریف کے موقع پر ایسی باتیں بیان کرنی اور انھیں محبت سمجھنا کس طرح درست ہو سکتا ہے یہ ایسی جاہلانہ بلکہ وحشیانہ باتیں ہیں کہ معمولی عقل کا انسان بھی انھیں نہیں کرنے کا۔ پھر دیکھو اگر کوئی یہ وصیت کرمرے کہ میرے جنازے کی مسلمان نماز نہ پڑھیں تو اسکی وصیت نافذ نہیں ہوتی بیکار محض سمجھی جاتی ہے اسلئے کہ مسلمانوں کا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا اسکے لئے ہر حال میں بہتری کا باعث ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ایک غریب پر کسی نے ظلم کیا اور اس مظلوم نے مرتے وقت یہ وصیت کردی کہ میرے جنازے کی نماز اس ظالم کو نہ پڑھنے دینا۔ تو اسکا یہ منع کر دینا ان حسنات میں سے نہ ہوگا جنپر تعریف کی جاتی ہے نہ اسکا کہیں اللہ نے اور اللہ کے رسول نے حکم دیا۔ اب بھلا جو شخص زہرا کی تعریف اور تعظیم کا قصد رکھتا ہو وہ ایسی باتیں کیوں بیان کرنے لگا ہے کہ جنمیں کسی طرح بھی کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ اگر ہے تو اور اسکے خلاف میں ہے جیسا کہ کتاب سنت۔ اجماع تینوں اسپر دال ہیں۔

فاطمہ کی ناراضی

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ان سب نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زہرا سے یہ فرمایا تھا کہ اے فاطمہ تمھیں ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہوجاتا ہے اور تمھیں خوش کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

جواب

یہ بھی شیعی علمار کا نرا اتہام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث کسی نے بھی روایت

نہیں کی اور نہ یہ حدیث کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہے نہ حضور انور سے اس کی کوئی سند معروف ہے نہ صحیح نہ ضعیف نہ حسن اور جب ہم نے یہ اقرار کر لیا کہ فاطمہ زہرا بیشک جنتی ہیں اور خداوند عالم ان سے راضی ہو گیا ہے تو اب ہم اس بار ے میں۔ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعید۔ عبدالرحمن بن عوف کے لئے بھی دل سے اقرار کرتے ہیں۔ اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ نے کئی جگہ ان سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے چنانچہ فرمایا۔ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اور فرمایا لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ صحیح سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی آپ ان حضرات سے نہایت خوش تھے۔ دوسرے یہ کہ جس سے اللہ راضی ہو گیا ہو اور وہ اللہ سے راضی ہو گیا ہو تو اسکی رضامندی اللہ کی رضامندی کے موافق ہو گی وہ اللہ سے اللہ کے اسی حکم پر راضی ہو گا اللہ کی رضامندی کے موافق ہو گا اور اب مخلوق میں سے کسی کا غصہ ہونا ایسے شخص کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا خواہ وہ کوئی ہو اس لئے کہ جب یہ حضرات اللہ کے حکم موافقت کرنے سے راضی ہوتے تھے تو ضرور ہے کہ اللہ کے غصہ ہی کی وجہ سے غصہ بھی ہوتے تھے اور اسیطرح اللہ پاک کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جب وہ ان سے راضی ہو چکا ہے تو ان کو غصے اور ناراض کرنے پر وہ ناراض بھی ہو گا۔

فاطمہ زہرا اور نبی ؐ

اسیطرح شیعی علمار کا یہ کہنا کہ سنیوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ان فاطمہ بضعۃ منی من اذاھا اذانی ومن اذانی اذا اللہ۔

بیصریح جھوٹ ہے کیونکہ ان لفظوں سے یہ حدیث کسی نے روایت نہیں کی ہاں اور لفظوں سے بے شک مروی ہے جیسا کہ حضرت علی کے ابوجہل کی بیٹی سے منگنی کرنے کے قصہ میں مذکور ہو چکی ہے کہ حضور نے کھڑے ہو کے یہ فرمایا تھا۔ انما فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما رابھا ویوذینی ما اذاھا اور بعد میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ دیکھو میں حرام کو حلال نہیں کرتا ہوں لیکن ہاں اللہ کی قسم کھا کے یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے پاس

کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے صحیحین میں علی بن حسین اور مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے اور اس حدیث کا سبب حضرت علی کا وہ پیغام ہے جو آپ نے ابوجہل کی بیٹی سے بھیجا تھا قاعدہ ہے کہ سبب اس حدیث کے لفظوں میں یقیناً شامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے یہ الفاظ اس سبب ہی کی وجہ سے ظہور میں آئے ہیں اب اسکا اسے حدیث سے خارج کر دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سبب کو اسمیں داخل سمجھنا بالاتفاق واجب ہے اور اس حدیث میں حضور انور نے یہ فرمایا ہے کہ یریبنی ما رابہا ویؤذینی ما اذاہا یعنے جو بات زہرا کو پریشان کرے گی وہ مجھے پریشان کرے گی اور جو زہرا کو ستائیگی مجھے بھی ستائیگی! اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ حضرت علی کے ابوجہل کی بیٹی سے پیغام بھیجنے نے زہرا کو پریشان کیا اور ستایا تھا اسی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صدمہ ہو کر پریشانی ہوئی تھی کہ فاطمہ زہرا کی موجودگی پر علی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرتے ہیں۔ پس اگر یہ وعید ایسی ہے جو اس کرنے والے کے ساتھ لازم ہے تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ علی بن ابوطالب کے ساتھ لازم رہنی چاہئے اور اگر یہ ایسی نہیں ہے تو پھر علی کی بہ نسبت ابوبکر اس وعید سے کوسوں دور ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس رشتہ کے کرنے سے علی نے توبہ کر لی۔ (حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوتا) اور اس سے رجوع کر لیا تھا تو اب اس سے یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ علی معصوم نہیں تھے اور جب یہ جائز اور ثابت ہو گیا کہ جس نے زہرا کی دل آزاری کی تو اسکے توبہ کر لینے سے خطا معاف ہو جاتی ہے تو اب یہ بھی ضرور جائز ہو گا کہ یہی خطا اور ایسی نیکیوں سے بھی معاف ہو جائے گی جو گناہوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ کیونکہ جو خطائیں اس گناہ سے بدرجہا بڑھکر ہیں نیکیاں اور توبہ اور مصائب مکفرہ تو ان کو بھی نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ گناہ ایسا کفر نہیں ہے جسکی مغفرت بغیر توبہ کئے اللہ تعالےٰ نہ کرتا ہو اگر ایسا ہوتا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں علی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے مگر خوارج یہ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد علی مرتد ہو گئے تھے اور یہاں یہ بات نہیں ہوئی اور جب یہ گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے تو اللہ جل شانہ خود فرما چکا ہے۔ کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ یعنی بے شک اللہ

تعالےٰ اس کو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا اور جسکو چاہے بخشدے۔ اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ نہیں یہ گناہ کفر ہی ہے تاکہ اس کہنے سے ابوبکر صدیق کو کافر ٹھیرادیں تو اس سے انہیں علی کو کافر ٹھیرانا لازم آئے گا۔ تماشا یہ ہے ہمارے احباب شیعہ ہمیشہ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان پر عیب لگاتے ہیں۔ اور ایسے چند امور کی وجہ سے انھیں کافر کہتے رہتے ہیں کہ ان ہی جیسے یا بلکہ ان سے بڑھکر علی سے صادر ہو چکے ہیں۔ پس اگر علی ماجور یا معذور ہیں تو یاد رکھو کہ اجر اور عذر میں یہ حضرات علی سے یقیناً اولیٰ و افضل ہیں۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ زہرا کی ایذارسانی بڑا گناہ اسلیئے ہو گیا تھا کہ اسمیں ان کے والد کی دل آزاری تھی۔ لیکن جب زہرا اور ان کے والد کی دل آزاری کے درمیان میں مقابلہ آپڑے تو اس صورت میں ان کے والد کی دل آزاری سے بچنا زیادہ ضروری ہے اور ابوبکر اور عمر کا یہی حال ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے بچے کہ کہیں زہرا کے والد ماجد کی دل آزاری نہ ہو جائے یا ہماری طرف سے حضور انور کو کوئی پریشانی نہ ہو جائے اسلیئے کہ حضور نے ایک قاعدہ مقرر کر دیا اور ایک خاص حکم دیدیا تھا ان دونوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نے آپ کا قاعدہ بدلا اور آپ کے حکم کے خلاف کیا تو ایسا نہ ہو کہ اس بدلنے اور خلاف کرنے کے باعث حضور ہم پر غصہ ہو جائیں اور اس سے حضور کو کوئی صدمہ ہو ہر عاقل یہ جانتا ہے کہ جب حضور انور نے ایک حکم دیدیا اور بعد اسکے زہرا نے یا اور کسی نے اس حکم کے خلاف کرانا چاہا۔ تو اس صورت میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی رعایت رکھنی اولیٰ اور زیادہ ضروری ہے کیونکہ آپ کی طاعت واجب اور آپ کی مخالفت حرام ہے اور اگر حضور کی طاعت سے کسی کو تکلیف معلوم ہونے لگے تو وہ اپنی اس تکلیف میں خطا پر ہوگا۔ اور آپ کی طاعت کرنے والا راستی پر رہے گا اور یہ صورت اس شخص کے بالکل خلاف ہے جس نے اپنے ایک خاص غرض کی وجہ سے زہرا کو تکلیف دی، اور اللہ کی اور اللہ کے رسول کی طاعت کو مدنظر نہ رکھا اگر کوئی ابوبکر صدیق کے حال میں غور کرے کہ وہ حضور انور کے حکم کی کسقدر رعایت رکھتے تھے اور یہ دیکھے کہ انکا مقصود محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت تھی۔ اور اسکے سوا اور کوئی غرض نہ تھی تو اسے یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ ان کا حال علی کے حال سے بیشک اکمل و افضل

اور علی ہے اسی وجہ سے ابو بکر قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے بہت ہی محبوب و مرغوب ہے آپ کا قول تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی آپ کے اہل بیت میں تلاش کیا کرو۔ صدیق سے یہ روایت امام بخاری نے نقل کی ہے۔ لیکن ہمارا اصل مقصود یہ ہے کہ اگر بالفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ابو بکر نے زہرا کی دل آزاری کی تھی تو اس میں شک نہیں کہ صدیق نے اپنی نفسانی غرض کے لئے ان کی دل آزاری نہیں کی۔ بلکہ محض اسلئے تاکہ آپ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت پر رہیں۔ اسمیں بال برابر فرق نہ آئے اور حق اسکے مستحق کو پہنچا دیں اسکے مقابلہ میں زہرا کی موجودگی میں علی کا دوسرے نکاح کا قصد کر لینا اس میں زہرا کی دل آزاری علی کی خاص غرض کی وجہ سے تھی بخلاف ابو بکر کے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ زہرا کی ایذا رسانی سے علی کو بچانا اور ابو بکر کے ذمہ یہ الزام رکھنا بہت ہی بعید بات ہے۔

آٹھویں وجہ

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حدیث انہ لا نورث صحیح اور حق ہوتی تو رسول اللہ کا خچر۔ تلوار۔ اور عمامہ علی کے پاس چھوڑ دینا جائز نہ ہوتا۔ حالانکہ جب عباس نے انپر دعوی کیا تو ابو بکر نے علی کو ڈگری دیدی تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو شخص یہ نقل کرے کہ ابو بکر اور عمر نے ان چیزوں کا کسی کے لئے حکم دے دیا تھا یا کسی کے پاس اسلئے چھوڑ دی تھیں کہ ان چیزوں کا وہ مالک ہے تو یہ ان دونوں صحابیوں پر صریح بہتان ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان چیزوں کا کسی کے پاس رہنے دینا بعینہ ایسا تھا کہ جیسا ان دونوں صحابیوں نے علی اور عباس کے پاس حضور انور کے صدقہ کا مال رہنے دیا تھا۔ تاکہ یہ دونوں اسکو اسکے مصارف شرعیہ میں صرف کرتے رہیں۔ پھر شیعی علماء کا کہنا کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جن اہل بیت کو اللہ تعالے اپنی کتاب میں پاک کر چکا ہے وہ ایک ناجائز فعل کے مرتکب ہو جائیں۔

اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں یہ کہیں نہیں بیان کیا کہ اُسنے تمام اہل بیت کو پاک کر دیا اور انکی پلیدی دور کر دی ہے یہ کہنا یقیناً اللہ پر بہتان باندھنا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بنی ہاشم میں بعض ایسے بھی ہیں جو گناہوں سے

پاک نہیں کیئے گئے خاص کر شیعوں کے نزدیک کیونکہ ان کے ہاں تو یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم میں سے جو کوئی ابوبکر اور عمر سے محبت رکھے وہ پاک نہیں کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے تو اس بارے میں یہ فرمایا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کا یہ ارشاد مثل اس ارشاد کے ہے فرمایا۔ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمۃ علیکم لعلکم تشکرون ایسی اور بھی آیتیں ہیں۔ جنمیں یہ بیان ہے کہ اسے اللہ تعالٰے تم سب کے لیئے پسند فرماتا اور خوش ہوتا ہے اور تمھیں اسکا حکم دیتا ہے پس جس نے ایسا کیا ہے اُسے یہ پسندیدہ مراد حاصل ہو گئی اور جس نے نہ کیا اُسے حاصل نہیں ہوئی اسکی بحث گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ یہ اعتراض زیادہ تر ان ہی قدریہ رافضیوں پر پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ کے ارادہ کرنے کے معنے اسکے حکم کرنے کے ہیں۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جو ارادہ وہ کرے اُسے خود ہی کر دیتا ہے لہذا جب اللہ نے کسی کو پاک کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے یہ نہیں لازم آتا۔ کہ پاک کر ہی دیا ہو اور نہ انکے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی کسیکو پاک کرے بلکہ انکا قول تو صاف یہ ہے کہ جس شخص کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ کر لیا اب اگر یہ شخص چاہے تو اپنے کو پاک کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے ان کے نزدیک اللہ میں کسیکو پاک کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

صدقہ حرام ہونا

پھر شیعی علماء کا یہ دلیل بیان کرنا کہ صدقہ ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ ان پر فرض صدقہ یعنی زکوۃ کا کھانا حرام کیا گیا تھا نہ کہ نفلی کا کھانا بھی آخر یہ سب مکہ مدینہ کے درمیانی سبیلوں سے پانی پیتے ہی تھے اور خود یہ کہتے تھے۔ کہ ہم پر تو صرف صدقہ حرام کیا گیا ہے اور نفلی حرام نہیں کیا گیا اور جب انھیں غیروں کے نفلی صدقوں سے فائدہ اٹھانا جائز تھا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی صدقہ سے فائدہ اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔ کیونکہ یہ چیزیں حضور انور کی مفروضہ زکوۃ میں سے نہ تھیں مفروضہ زکوۃ بیشک میل کچیل ہوتا ہے جو اہل بیت پر حرام کر دیا گیا ہے اور یہ چیزیں تو اس فئی میں سے تھیں جو اللہ نے اپنے رسول کو دی تھی فئے ان کے لیئے بھی حلال تھی اور جو مال اللہ نے حضور کو فئے میں دیا تھا اُسے خود حضور نے صدقہ قرار دیدیا تھا۔ یا اسکا زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکلے گا۔ کہ چیزیں

حضور کی ملک نہ تھیں جو آپ نے تمام مسلمانوں پر صدقہ کردی تھیں اور آپ کے صدقہ کے آپ کے اہل بیت سب سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ عام مسلمانوں کو صدقہ دینے میں تو محض صدقہ ہی ہوتا اور قرابت داروں کو صدقہ دینے میں صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہیں۔

جابر کی حدیث

شیعی علمار کا جابر کی حدیث سے معارضہ کرنے کا جواب یہ ہے کہ جابر نے کسی اور کے حق پر دعوٰے نہیں کیا تھا جو اس سے چھین کے انھیں دیدیا گیا ہو بلکہ انھوں نے تو بیت المال میں سے کچھ مانگا تھا جو حاکم مال سے لیکر انھیں دیدینا جائز تھا اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا ان سے وعدہ بھی نہ کیا ہوتا اور جب حضور نے ان سے اسکا وعدہ بھی کر لیا تھا تو پھر یہ دیدینا بدرجہ اولیٰ جائز تھا اور اسیوجہ سے گواہ شاہد کی ضرورت نہ ہوئی اور اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص آیا اور اسنے بیت المال کی زمین پر دعوٰے کر دیا کہ یہ زمین میری ہے تو حاکم وقت کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زمین بیت المال سے نکال کر بلا کسی حجت شرعی کے اس شخص کے حوالے کردے اور دوسرے شخص نے کسی منقولی چیز کا دعوٰے کیا جسکا بیت المال سے لیکر مسلمانوں پر تقسیم کردینا واجب ہوتا ہے تو یہ چیز بغیر کسی حجت کے امام وقت کو دیدینی جائز ہے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور اوروں کا صدقہ سارے مسلمانوں کے لئے وقف کردیا گیا تھا۔ کسیکو جائز نہیں تھا کہ ان کی اصل کا مالک ہو جائے مگر ہاں ان کی آمدنی میں سے ضرورت کے لایق دیدینا جائز تھا پس وہ مال جو جابر کو دیا گیا وہی تھا جو مسلمانوں میں تقسیم ہوتا تھا بخلاف اس مال کے اصول کے کہ نہ وہ جابر کی ملکیت تھی نہ اور کسی کی اور اسی وجہ سے ابوبکر و عمر۔ عباس۔ علی۔ حسن حسین وغیرہ بنی ہاشم کے آدمیوں کو اس سے کئی گنا زیادہ دیتے تھے جو جابر بن عبداللہ کو دیا تھا لیکن اسی مال میں سے جو مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اگرچہ ان دونوں کے پاس حضور انور کی طرف سے کوئی تحریر وغیرہ اس بارے میں نہ تھی خیال تو فرمائیے اب شیعوں کا طوفان بندی کرنا اور یہ کہنا کہ جابر بن عبداللہ نے مسلمانوں کا مال بغیر گواہ شاہد بلکہ محض اپنی باتوں سے قبضہ میں لیا تھا ایسی خرافات ہے جسمیں حکم خداوندی کا اثر تک نہیں کیونکہ جو مال جابر کو دیا گیا تھا وہ تو مسلمانوں میں تقسیم کرنا واجب ہی تھا اور منجملہ اور مسلمانوں کے ایک

مسلمان جابر بھی تھے اس میں ان کا بھی حق تھا۔ یہ بھی منجملہ حصہ داروں کے تھے اور حاکم وقت نے مسلمانوں کے مال میں سے خواہ وہ فے ہو یا اور کسی صیغہ کا ہو۔ ایک مسلمان کو کچھ دیدیا تو اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے مسلمانوں کا مال بغیر گواہی شہادت کے دیدیا ہے کیونکہ اس میں گواہی شہادت کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جو یہ دعوے کرتا ہو کہ اس مال اصل کا بھی میں ہی مالک ہوں اور کوئی مسلمان مالک نہیں ہے جیساکہ شیعوں کے خیال کے مطابق فاطمہ زہرا اور علی نے فدک پر دعوے کیا تھا ہاں اتنا فرق ہے کہ امام وقت مال کو اپنے اجتہادی انداز ے سے تقسیم کرتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لپوں سے تقسیم کردیتے تھے اسی طرح تقسیم کرنا عمر فاروق سے مروی ہے لپ بطور خود ایک پیمانہ قرار دے لیا گیا تھا جابر نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین لپیں دینے کا وعدہ کرلیا تھا اور یہ امر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے معتاد ہے اسلئے جابر نے اسی کو ذکر کیا کہ جس طرح حضور کے دینے کی عادت تھی اور جس میں حضور کا اقتدا کرنا جائز تھا۔

کیا ابو بکر خلیفہ نہیں ہیں

شیعی علما فرماتے ہیں کہ سنیوں نے ابوبکر کا نام تو خلیفہ رسول اللہ رکھ لیا حالانکہ ان کو رسول اللہ نے کبھی خلیفہ نہیں کیا نہ اپنی زندگی میں اور نہ وصال کے بعد مگر امیر المومنین علی کا نام خلیفہ رسول اللہ نہ رکھا باوجودیکہ انھیں رسول اللہ نے کئی جگہ خلیفہ کردیا تھا منجملہ ان کے غزوہ تبوک میں مدینہ ہی پر خلیفہ کردیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اے علی مدینہ کی خلافت تو میرے یا تمھارے ہی قابل ہے کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسے کیلئے ہارون تھے مگر ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اسکے علاوہ ایک ایسے لشکر پر جسمیں ابوبکر اور عمر بھی تھے حضور انور نے اسامہ بن زید کو امیر یعنی جرنیل کردیا تھا پھر آپ کی وفات ہوگئی اور اسامہ کو معزول نہیں کیا لیکن سنیوں نے انھیں بھی خلیفہ نہ کہا بلکہ جب ابوبکر تخت حکومت پر بیٹھے تو اسامہ کو غصہ آگیا انھوں نے صاف کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے تمپر افسر کیا تھا اب مجھپر تم میں سے کون افسری کرسکتا ہے آخر ابوبکر و عمر نے ان کی خوشامدیں کرکرا کے انھیں راضی کرلیا اور جب تک اسامہ زندہ رہے یہ دونوں کے دونوں انھیں امیر ہی کے خطاب سے

پکارتے رہے۔ فقط

پہلا جواب

یہ ہے کہ یا تو خلیفہ کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے کا جانشین ہو جائے اگرچہ اس نے خود اسے اپنا جانشین نہ کیا ہو چنانچہ لغت میں بھی یہی معروف ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اسی اسکو جانشین کر دیا ہو جیسا کہ اہل ظاہر کے ایک فرقہ اور شیعہ وغیرہ کا قول ہے پس اگر پہلے معنے لیئے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر ہی ہیں کیونکہ حضور کے وصال کے بعد آپ کے جانشین یہی ہوئے تھے ان کے سوا اور کوئی نہیں ہوا۔ اس میں تو شیعہ وغیرہ بھی نزاع نہیں کرتے کہ حضور انور کے بعد ابو بکر ہی حاکم ہو گئے تھے یہی خلیفہ تھے یہی مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے یہی ان میں حدود وغیرہ لگاتے تھے یہی فے کا مال تقسیم کرتے تھے یہی عالموں اور افسروں کے عہدے مقرر کرتے تھے یہ سب امور ایسے ہیں کہ یہ خلیفہ ہی کے اختیار میں ہوتے ہیں وہی ان کو انجام دیتا ہے غرضکہ یہ بات تو بالاتفاق مسلم ہے کہ یہ کام حضور انور کے وصال کے بعد ابو بکر ہی نے کئے ہیں لہذا ان امور میں حضور کے خلیفہ یقیناً ابو بکر ہوئے ہاں اہل سنت اتنا اور بھی کہتے ہیں۔ کہ خلیفہ ابو بکر ہی ہوئے اور وہی اس خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق بھی تھے مگر شیعہ یہ کہتے ہیں کہ زیادہ حقدار علی تھے لیکن اس میں نزاع نہیں کرتے کہ اسوقت وہ خلیفہ ہو گئے تھے اور اسی خطاب سے پکارے جانے کے مستحق تھے کیونکہ خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ جو دوسرے کا جانشین ہو جائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جسے اس نے خود ہی اپنا جانشین کر دیا ہو۔ جیسا کہ بعض سنی اور بعض شیعہ کا قول ہے سنیوں میں جسنے خلیفہ کے یہ معنے لیئے ہیں وہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو اپنا خلیفہ اور جانشین کر دیا تھا خواہ نص جلی سے جیسا کہ بعض کا قول ہے اور خواہ نص خفی سے جیسا کہ شیعہ جو علی پر نص ہونے کے قائل ہیں ان میں بھی بعض نص جلی کہتے ہیں مثلاً امامیہ اور بعض نص خفی جیسے زیدیہ میں سے جارودیہ فرقہ مگر سنیوں کا ابو بکر پر نص ہونے کا دعوٰے خواہ جلی نص کا ہو یا خفی کا ان شیعوں کے علی پر نص ہونے کے دعوے سے بہت قوی اور ظاہر ہے اسلیئے کہ ابو بکر کی خلافت پر بہت سی نصوص دال ہیں۔ ان کے مقابلہ میں علی کی خلافت پر کوئی دلیل نہیں ہے جو ہے بھی تو جھوٹی ہے یا اس میں اسباب کا کچھ پتہ نہیں ہے لہذا اس تقدیر پر یہ ثابت ہو گیا

کہ حضور نے اپنی وفات کے بعد ابوبکر کے سوا اور کسیکو خلیفہ نہیں کیا اسی لئے آپ کے بعد وہی خلیفہ بنے کیونکہ اصل خلیفہ وہی ہے جو حضور انور کی وفات کے بعد آپ کا جانشین ہوا ہو یا آپ نے خود اپنی وفات کے بعد کے لئے اسکو خلیفہ کر دیا ہو یہ دونوں وصف ابوبکر کے سوا اور کسی میں نہیں ملتے۔ آب رہا مدینہ پر حضور انور کا علی کو خلیفہ کر دینا اس میں علی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اسلئے کہ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے تو اپنے صحابیوں میں سے ایک آدمی کو مدینہ کا خلیفہ کر جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ابن ام مکتوم کو کیا تھا اور ایک دفعہ عثمان بن عفان کو جن لوگوں پر علی خلیفہ کئے گئے تھے وہ ان سے زیادہ یا افضل نہ تھے جنپر ابن ام مکتوم وغیرہ خلیفہ کئے گئے تھے بلکہ پہلے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جتنے آدمی غزوۂ بتوک سے رہ گئے تھے اور غزدوں میں مہاجرین اور انصار ان سے زیادہ اور افضل مدینہ میں رہ جاتے تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ غزوۂ بتوک کے وقت مدینہ منورہ میں رہ جانے کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسیکو اجازت نہیں دی تھی اسکے سوائے منافق یا معذور اور اُن تین آدمیوں کے جنکی اللہ نے بعد میں توبہ قبول کر لی اور کوئی مدینہ میں نہ رہا تھا اسوقت مدینہ میں قابل شمار عورتیں اور بچے ہی تھے کہتے ہیں بعض منافقین نے علی کو طعنہ دیا اور یہ کہا تھا کہ میاں تمھیں تو تمھارے پیغمبر اسوجہ سے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ تم سے دلی کاوش رکھتے ہیں جب علی کے سوا اور لوگ ان بڑے بڑے موقعوں پر خلیفہ کئے گئے جن پر علی کئے گئے تھے۔ تو وہ خلافت حضور انور کی عدم موجودگی میں ایک خاص گروہ پر منحصر رہی یعنی ان ہی پر جو مدینہ میں بچے کھچے رہ گئے تھے تو اب علی کی خلافت بھی مطلق نہیں ہو سکتی کہ جو آپ کی خلافت کے بعد آپ کی ساری امت پر رہے اسکے علاوہ ان خلیفوں میں سے کسی کو عام طور پر خلیفہ رسول اللہ نہیں کہا گیا پس اگر یہ نام علی کا رکھا جائے تو اور اصحابہ اس نام سے پکارے جانیکے علی سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں۔

دوسرا جواب

مطاع (یعنی جسکی اطاعت سب پر ضروری ہو) کی وفات کے بعد اسکا جانشین وہی ہوتا ہے جو سب سے افضل ہو اور اگر اس نے کسی غزوہ کے وقت کسی کو اپنا جانشین کر دیا ہو تو اسکا سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے حضور انور کی یہ عادت تھی کہ غزدوں میں ضرورت کے وقت آپ ایسے

آدمیوں کو دے جاتے جو آپ کے نزدیک افضل ہوتے تھے۔ ان سے جن کو آپ اپنے عیال پر خلیفہ کر دیں اس لئے کہ آپ کو اس خلیفہ سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونیوالوں سے ہوتا ہے اب رہا حضور انور کا علی کو ہارون سے تشبیہ دینا محض خلیفہ کرنے میں تشبیہ تھی نہ کہ اسکے کمال میں محض خلیفہ ہونے میں علی جیسے اور بھی صحابی ہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ جب موسےٰ میقات خداوند کی طرف گئے تو آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا جو اسکام میں آپ کے شریک ہوتا آپ نے ہارون کو ساری قوم پر خلیفہ کر دیا اور جب غزوہ بتوک میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیگئے تو سوائے معذورین کے اور سارے مسلمان آپ کے ہمرکاب تھے علی کو فقط عیال اور تھوڑے سے آدمیوں پر خلیفہ کر دیا تھا لہذا علی کی خلافت ویسی نہیں ہوئی جیسے موسےٰ نے ہارون کو خلافت دی تھی۔ بلکہ حضور انور نے اپنی موجودگی میں علی کو امین بنا دیا تھا جیسا کہ موسےٰ نے اپنی عدم موجودگی میں ہارون کو امین بنا دیا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ علی کی یہ چند روزہ خلافت الکا مرتبہ بڑھانے کے لئے نہ تھی بلکہ کبھی خلافت امانت داری کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے اور جب غزوہ بتوک میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے تو علی روتے تھے اور یہ عرض کرتے تھے کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں گویا اپاہجوں اور عورتوں بچوں پر خلیفہ بننا علی کو شاق گذرا تھا اور علی اس میں اپنا ہتک سمجھتے تھے اس میں بعض کا قول وہی ہے کہ منافقین نے اسپر انھیں طعنہ دیا تھا تو یہ رو دیئے تھے اسپر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ تمھارا یہ مرتبہ تم میں کچھ نقصان ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا اس لئے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو موسےٰ ہارون کو خلیفہ نکرتے۔

مدینہ کی خلافت کی تقسیم

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے یہ فرمایا تھا کہ اے علی مدینہ کی خلافت تو میرے یا تمھارے سوا اور کسی کے قابل نہیں ہے! یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح بہتان ہے حدیث کی معتمد کتابوں میں کہیں اسکا پتہ نہیں ہے اسکا جھوٹ ہونا اسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ سے تو حضور انور کئی مرتبہ تشریف لیگئے ہیں نہ اسوقت مدینہ میں حضور ہوتے تھے اور نہ علی پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ کی خلافت میرے یا تمھارے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکتی جنگ بدر میں علی حضور کے ساتھ تھے اور بدر مدینہ منورہ سے کئی منزل پر تھا۔ اسوقت مدینہ میں ان دونوں

میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ فتح مکہ کے دن باتفاق تمام علمار علی حضرت کے ساتھ تھے۔ اور ان کی بہن نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دیدی تھی۔ علی نے ان کو قتل کرنا چاہا تو وہ دوڑی ہوئی حضور انور کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہبیرہ کے بیٹوں کو میں نے پناہ دیدی تھی اور اب دیکھئے کہ میرا سگا بھائی ان کو قتل کردینے کے فکر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی ایسا کب ہوسکتا ہے کہ تم پناہ دو اور علی قتل کر دے نہیں جسے تم نے پناہ دیدی اُسے ہم نے بھی پناہ دیدی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اسوقت بھی مدینہ میں نہ حضور انور تھے نہ علی تھے۔ علی ہذالقیاس خیبر کے دن علی کی طلبی ہوئی گئے آپ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں حضور نے انھیں جھنڈا دیدیا تاکہ مفتوحہ خیبر میں وہ جھنڈا لے کے داخل ہوں۔ یہ محض آپ کو خوش کرنیکے لئے کیا گیا کیونکہ علی کو ایسی باتوں پر بہت خیال رہتا تھا۔ لیکن اسوقت مدینہ میں نہ رسول اللہ تھے نہ علی تھے اسی طرح طائف اور حنین کی جنگ ہے اور یہی صورت حجتالوداع کی ہے کیونکہ علی تو ان دنوں یمن میں تھے حضور انور حج کرنے کے قصد سے روانہ ہوگئے تھے اور پھر دونوں مکہ معظمہ جاکر ملے۔ مدینہ منورہ میں اسوقت دونوں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ ہمارے شیعی علمار اپنی حد سے زیادہ خوش فہمی کے باعث ایسی انگھڑ بات کہدیتے ہیں جو ایسے شخص پر بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی جسے سیرت سے قدرے قلیل بھی واقفیت ہو۔

اسامہ کی سرداری

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا اسامہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار کیا تھا کہ ابوبکر و عمر بھی ان ہی میں تھے! یہ بھی ایسا جھوٹ ہے کہ ادنیٰ محدث بھی اسے خوب جانتا ہے اس لئے کہ اس لشکر میں ابوبکر نہیں تھے بلکہ ان کو تو حضور انور نے اپنی بیماری ہی کے وقت سے اپنا خلیفہ کر دیا تھا پھر آپ کی وفات ہوگئی اور اسامہ کی بابت اتنا بے شک مروی ہے کہ حضور نے بیمار ہونے سے پہلے ان کے لئے جھنڈا نصب کیا تھا پھر جب آپ بیمار ہوگئے تو ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھایا کریں چنانچہ ابوبکر نماز پڑھاتے رہے یہانتک کہ حضور انور کی وفات ہوگئی پس اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور انور نے بیمار ہونے سے پہلے ابوبکر کو اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم دیدیا تھا تو پھر اسی عرصہ میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دینا اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے کے حکم کیلئے منسوخ ہو گیا

ضروری باعث ہے چہ جائے کہ جب اسامہ کو کسیوقت اُن پر افسر کیا ہی نہ گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ چھوٹی چھوٹی مہموں بلکہ بڑے بڑے غزووں میں بھی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہیں تھی کہ کسی غزوے میں جانے کیلئے آپ خاص خاص لوگوں کو نامزد کردیا کرتے ہوں۔ بلکہ عام طور پر ایک اعلان ہوجاتا تھا جس سے خود صحابہ جان لیتے تھے کہ اس غزوے میں سب کو جانے کا حکم نہیں ہے بلکہ سب کو اطلاع کردی ہے کہ جو چاہے چلا جائے جیسا کہ غزوہ غابہ میں ہوا تھا۔ اور کبھی حضور کوئی قید لگا کر حکم دیتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ بدر میں یہ حکم ہوا تھا کہ وہی لوگ چلیں جو ظہر میں حاضر ہیں چنانچہ اسمیں بھی بہت سے آدمی نہیں گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس غزوۃ السویق میں جو احد کے بعد ہوا ہے یہ حکم ہوا تھا کہ وہی لوگ جائیں جو احد کی جنگ میں گئے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سب ہی حکم ہوتا تھا۔ جیسا کہ جنگ احد میں کہ اس سے رہ جانے کی کسیکو بھی اجازت نہ تھی پھر حضور انور کے بعد یہی طریقہ آپ کے خلفاء کا رہا۔ ابوبکر جب شام وغیرہ کی طرف افسروں کو بھیجتے تھے تو عام طور پر اعلان کرا دیتے تھے اور جب ایسے لوگ اس افسر کیساتھ ہوجاتے کہ جن سے مقصود حاصل ہونیکی امید ہو تو بس ان ہی کو روانہ کردیتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب موتہ کی طرف فہم بھیجی تو یہ فرمایا کہ تمھارا سپہ سالار زید ہے اگر یہ قتل ہوجائے تو پھر جعفر ہے اگر یہ بھی قتل ہوجائے تو پھر عبداللہ بن رواحہ ہے حضور انور نے یہ تعیین نہیں کی تھی کہ اس کے ساتھ فلاں فلاں آدمی جائیں اور نہ صحابہ حضور کے پاس کسی رجسٹر میں لکھے ہوئے تھے اور نہ نقیب پھرتے تھے کہ وہ سب کے نام نمبروار نکالا کرتے بلکہ حضور تو ایک افسر مقرر کردیتے تھے اور جب اسکے ساتھ اسقدر آدمی ہوجاتے جنسے اس مقصود کے حاصل ہونے کی امید ہو تو ان ہی کو بھیجدیتے تھے اور وہ ان سب پر افسر ہوجاتا تھا کہ حج میں جب حضور انور نے ابوبکر کو بھیجا اور ان کے بعد ہی علی کو بھیجدیا تو ان سے یہ ظاہر کردیا تھا کہ تم ماتحت ہو اور ابوبکر تمھارے افسر ہیں روایت ہے کہ جو لوگ اسامہ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہوئے تھے عمر فاروق بھی ان ہی میں تھے لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عمر کی تعیین نہیں کی تھی۔ یہ بات بیشک تھی کہ اس غزوہ میں کوئی اسامہ کیساتھ جاتا اسامہ اُسپر افسر ہوتے جیسا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ میں اپنا خلیفہ کردیا تو پھر چونکہ جا کر رہا اس پر عتاب ہی افسر ہے اور یہ ایسی صورت ہے کہ جب کسی جگہ کا کوئی

امام معین ہو وہاں کے آدمیوں کو نماز پڑھاتا ہو تو اب جو کوئی اسکے پیچھے نماز پڑھے گا اسکا مقتدی ہوگا۔ اور امام امام ہی رہے گا اگرچہ یہ مقتدی اس سے افضل ہی ہو۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ابو مسعود بدری سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ امامت وہ کیا کرے جو قرآن شریف اچھا پڑھتا ہو اور اگر اسکے پڑھنے میں سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس نے ہجرت پہلے کی ہو اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور دوسرے کی حکومت میں جاکر اسکے ہوتے کوئی امام نہ بنا کرے نہ اسکی مسند پر بیٹھے ہاں اگر وہ اجازت دیدے غرض یہ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حاکم کے آگے امام بننے سے منع فرما دیا ہے اگرچہ مقتدی اس سے افضل ہی کیوں نہ ہو یہی وجہ تھی کہ جب حسن بن علی کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی حسین بن علی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھانے کیلئے مدینہ کے حاکم کو آگے کر دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ طریقۂ سنت نہ ہوتا تو میں تجھے آگے نہ کرتا حسین اس حاکم سے افضل تھے کہ جب سے آپ نے اپنے بھائی کی نماز پڑھوائی تھی مگر چونکہ حاکم وہی تھا اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ دوسرے کی حکومت میں کوئی اور امام نہ بنا کرے اس لئے آپ نے اسے آگے کر دیا۔

اسکے علاوہ اسامہ سرایا کے افسروں میں سے ایک افسر تھے اور ان افسروں کو خلیفہ کا خطاب نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آپ کی وفات کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے نہ کبھی حضور نے اپنی عدم موجودگی میں اسامہ کو ایسے کام پر خلیفہ کیا کہ جو خود کرتے ہوں بلکہ ایک جدید سفر اور جدید کام کے لئے چند آدمیوں پر انھیں افسر کر دیا تھا ان مہموں پر پہلے پہل افسر یہی ہوتے تھے یہ کسی ایسے شخص کی خلافت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان سے پہلے اس کام کو کرتا ہوتا۔ کہ انھیں اس کا خلیفہ کہا جاتا۔

اسامہ کا تقرر اور معزولی

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت کی وفات ہوگئی اور آپ نے اسامہ کو معزول نہیں کیا۔

جواب

یہ ہے کہ اسامہ کے لشکر کو تو ابو بکر ہی نے روانہ کیا تھا۔ باوجودیکہ دشمن کا خوف ہونے کے باعث اور حضرات کی یہ رائے تھی کہ اب لشکر کا جانا ملتوی کر دیا جائے مگر صدیق نے اللہ کی قسم کھاکے یہ فرمایا تھا

کہ میں اس جھنڈے کو نہیں کھولتا جسکو رسول اللہ صلے اللہ باندھ چکے ہیں باوجودیکہ آپ اسامہ
کو معزول کر دینے کے مالک و مختار تھے جیساکہ آپ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے مالک
تھے کیونکہ آپ حضور کے قائم مقام تھے آپ وہی کام کرتے تھے جس میں مسلمانوں کی انتہا درجہ بھلائی
ہو۔ باقی صدیق کے خلیفہ ہو جانے پر اسامہ کے غصہ ہونے کا جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے! یہ موٹا موٹا
جھوٹ بولنا ہے کیونکہ صدیق اکبر سے اسامہ کی محبت اور اطاعت ایسی مشہور و معروف ہے جو بیان
کی محتاج نہیں ہے اسامہ تفرقہ ڈالنے اور اختلاف کرنے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے
اسی وجہ سے انھوں نے بعد میں بھی قتال نہیں کیا نہ علی کا ساتھ دیا اور نہ معاویہ کا اس فتنہ
فساد سے بالکل علیحدہ رہے دوسرے یہ کہ اسامہ قریش میں سے نہیں تھے اور نہ ان لوگوں میں سے
تھے جو خلافت کی قابلیت رکھتے تھے۔ نہ ان کے دل میں خلیفہ ہونے کا کبھی خطرہ گذرا پھر بھلا ایسی
بات کے کہنے میں انکا کونسا فائدہ تھا باوجودیکہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اب سب پر حاکم وہی ہوگا
جو خلیفہ اور حضور کا جانشین ہو اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ
کو ابو بکر پر افسر کر دیا تھا پھر آپ کی وفات ہوگئی تو وفات ہونے کے بعد اب یہ کام خلیفہ کے اختیار
میں ہو گیا اور وہی اس لشکر کو بھیجنے یا نہ بھیجنے اور اسامہ کو اس عہدہ پر رکھنے یا معزول کر دینے
کا مالک ہے اور اگر اسامہ ایسا کہتے کہ حضرت نے مجھے تم پر حاکم کیا تھا اب تمھیں مجھ پر خلیفہ کیسے
کر دیا تو ابو بکر اسکا یہ جواب دیتے کہ اسی نے جس نے مجھے سارے مسلمانوں پر اور ان لوگوں پر خلیفہ
کر دیا ہے جو تم سے بھی افضل ہیں اور اگر یہ کہتے کہ حضرت نے مجھے تم پر امیر کر دیا تھا تو صدیق یہ جواب
دیتے کہ مجھ پر تمھاری امارت اور حکومت میرے خلیفہ ہونے سے پہلے تھی۔ اور اب میرے خلیفہ ہونے
کے بعد تو میں ہی تم پر حاکم ہوں مثلاً اگر فرض کر لیا جائے کہ ابو بکر صدیق نے کسی کو عمر پر حاکم کر دیا
تھا پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور عمر خلیفہ ہو گئے تو اب اس پر بھی آپ ہی حاکم ہوں گے کہ جو پہلے آپ
پر تھا اسی طرح اگر حضرت عمر نے عثمان غنی پر یا علی پر کسی کو حاکم کر دیا تھا پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور
آپ کے بعد عثمان یا علی خلیفہ ہو گئے تو یہی اس پر بھی حاکم ہو جائیں گے یہ ایسی باتیں ہیں کہ سوائے
کسی جاہل کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اب رہے اسامہ وہ تو بڑے عقلمند بڑے متقی اور بہت بڑے عالم تھے ان کی شان کے کسیطرح

لائق نہیں ہے کہ وہ ایسا ہذیان ابوبکر صدیق جیسے صحابی کے سامنے بکتے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب خیز ان مفتریوں کا یہ قول ہے کہ ابوبکر اور عمر اسامہ کے پاس گئے اور خوشامدیں کر کے انھیں راضی کر لیا۔ باوجودیکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی اور بنی ہاشم اور بنی عبد مناف پر یہ دونوں غالب تھے وہ ان کے سامنے مجبور و لاچار تھے اور ان کو ان دونوں نے راضی نہیں کیا حالانکہ وہ اسامہ سے بڑے عزت دار بہت قوی اور اشرف تھے۔ پھر بھلا جس نے بنی ہاشم بنی امیہ اور تمام بنی عبد مناف اور قریش کے سارے خاندانوں اور انصار کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہوا سے اسامہ بن زید کی خوشامدیں کر کے راضی کرنے کی کیا حاجت تھی۔ اسامہ تو ان کی رعیت میں سب سے زیادہ کمزور تھے۔ نہ ان کا کوئی قبیلہ تھا نہ خاندان تھا نہ ان کے پاس کچھ مال تھا نہ ان کے کہنے کچھ آدمی تھے اور اگر ان سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو محبت اور ایک طرح کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ کسی شمار میں بھی نہ ہوتے جیسے ان کی طرح اور کمزور آدمی تھے ویسے ہی یہ بھی رہتے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اسامہ کو ان دونوں نے آنحضرت کی محبت کی وجہ سے راضی کر لیا تھا تو تمھارا ہی یہ قول ہے کہ انھوں نے حضور کے عہد کو بدل دیا اور آپ کے وصی پر ظلم کیا اور ناراض کر دیا تعالیٰ جس نے ایک صحیح حکم کا خلاف کیا ہو ظاہر عہد کو بدل دیا ہو اور ظلم و ستم ڈھایا ہو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کی طرف التفات نہ کیا ہو نہ اہل بیت اور حضور انور کے وعدہ کی پروا کی ہو وہ اسامہ بن زید جیسے کی کیوں رعایت کرنے لگا اور کیوں اسے راضی کرنے لگا اسی نے تو ام ایمن کی گواہی رد کر دی تھی پھر انھیں راضی نہیں کیا پھر فاطمہ زہرا کو خفا کیا اور ستایا اور راضی نہیں کیا۔ حالانکہ یہ راضی کر لینے کی سب سے زیادہ حقدار تھیں پھر بھلا جس نے ایسی ایسی باتیں کی ہوں اسے اسامہ بن زید کو راضی کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو کسی کو راضی کرتا ہے یا تو اپنی دینداری کی وجہ سے اور یا دنیا کی وجہ سے اور جب شیعوں کے عقیدے کے موافق ان صحابہ میں اتنی بھی دینداری نہ تھی کہ ان سے ایسے شخص کو راضی کراتی جس کو راضی کرنا واجب تھا اور نہ انھیں ان سے کوئی دنیاوی حاجت تھی تو پھر ایسا کون سا سبب تھا جس نے ان سے اسامہ بن زید کی خوشامدیں کرا دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ اپنی ناواقفیت اور کذب سے اپنے اقوال میں صریح تناقض پیدا کر دیتے ہیں۔ اور انھیں خبر نہیں ہوتی۔

عمر فاروق

عمر فاروق کی بحث مختصر سی پہلے بھی آچکی ہے۔ مگر ہم یہاں اسے ذرا اصاف اور وضاحت سے تحریر کرنا چاہتے ہیں شیعی علمار فرماتے ہیں کہ سنیوں نے عمر کا نام فاروق رکھ لیا اور علی کا یہ نام نہ رکھا باوجودے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی کے حق میں یہ فرمایا تھا۔ هذا فاروق امتی یفرق بین اهل الحق والباطل۔ یعنی یہ میری امت کا فاروق ہے اہل حق اور اہل باطل میں یہ فرق کردے گا۔ اور ساتھ ہی ابن عمر کا قول ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین ہم ان ہی کو سمجھتے تھے کہ جو علی سے بغض رکھتے تھے اور اس کے سوا انکی اور کوئی علامت ہمیں معلوم نہ تھی (فقط شیعی علمار کا قول ختم ہوگیا)

جواب

اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں ایسی ہیں کہ ان کی بابت کسی محدث کو بھی اس میں ذرا شک نہ ہوگا کہ یہ دونوں یقیناً موضوع جھوٹ اور حضور انور پر بہتان ہے معتبر کتابوں میں ایک بھی مروی نہیں اور نہ کسی کی کوئی سند معروف ہے۔

دوسرا جواب

یہ قاعدہ ہے کہ فروعی مسئلہ میں بھی جو کوئی کسی حدیث سے حجت پیش کرے تو اسے اسکی سند بیان کرنی ضروری ہے پھر اصول دین کے مسائل میں تو کیسے ضروری نہ ہوگی کیونکہ کسی کا فقط اتنا کہدینا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے باتفاق تمام علمار کے کبھی حجت کے قابل نہیں ہوسکتا اور اگر یہ حجت ہے تو پھر ہر حدیث جس میں ایک سنی یہ کہدے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے وہ حجت ہونا چاہئے اس بارے میں ہم اسی پر قناعت کئے لیتے ہیں کہ یہ حدیث سچائی کے ساتھ معروف سند سے بیان کردی جائے اور وہ راوی خواہ کسی فرقہ کے ہوں مگر اہل علم میں معروف ہوں لیکن جب اس حدیث کی ایک بھی سند نہیں ہے تو حضور انور پر ایسی حدیث سے شہادت دینی کیونکر جائز ہے جس کی سند بھی معروف نہ ہو۔

تیسرا جواب

معمولی ملا بھی اسے خوب جانتے ہیں کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے بحث کرنے انکا علم حاصل کرنے اور ان کے اتباع کا شوق رکھنے میں محدثین سب سے بڑھے ہوئے ہیں نفسانی

خواہش کی پیروی کرنے سے جو ان اقوال کے خلاف ہو یہ سب سے زیادہ بچتے ہیں اگر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے علی سے ایسا ایسا فرمایا تھا تو حضور انور کے اس ارشاد کی پیروی کرنے میں ان سے کوئی نہ بڑھ سکتا کیونکہ یہ تو آپ کے ارشاد کی اپنا ایمان سمجھکر تعمیل کرتے اور اس پیروی کا ملی شوق رکھتے ہیں۔ انھیں اس ممدوح شخص اپنی ذاتی غرض کوئی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے جو علی کے فضائل اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہیں یہ ان کو اسیطرح ذکر کرتے ہیں کہ جیسے عثمان کے ان فضائل کو ذکر کرتے ہیں جو حضرت نے فرمائے ہیں علیٰ ہذا القیاس حضور کے فرمودہ فضائل انصار کو ویسے ہی ذکر کرتے ہیں جیسے حضرت کے فرمودہ مہاجرین کے فضائل ذکر کرتے ہیں۔ اسیطرح حضرت نے جو بنی فارس اور اسماعیل کے فضائل بیان فرمائے ہیں ان کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح حضور کے فرمودہ قریش اور بنی ہاشم کے فضائل ذکر کرتے ہیں اسیطرح حضرت نے جو فضائل عائشہ صدیقہ کے بیان کئے ہیں یہ ان کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ جسطرح حضور کے فرمودہ فاطمہ زہرا اور خدیجۃ الکبریٰ کے فضائل ذکر کرتے ہیں غرضکہ یہ اہل اسلام میں ایسے ہیں جیسے اہل اسلام اور مذہب والوں میں ہیں کہ ہر پیغمبر اور ہر آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کے پیغمبروں میں کچھ فرق نہیں کرتے اگر ان کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کی بابت یہ فرمایا تھا کہ یہ میری امت کا فاروق ہے تو وہ اسے ضرور قبول کر لیتے اور پھر اوروں سے نقل کرتے جیسا کہ انھوں نے ابو عبیدہ کی بابت حضرت کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "ھذا امین ھذہ الامۃ" یعنی ابو عبیدہ اس امت کے امانت دار ہیں اسیطرح زبیر کے حق میں حضور انور کا یہ ارشاد۔ ان لکل نبی حواری وحواری الزبیر" یعنی ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں اور جیسا کہ انھوں نے علی کی بابت حضور انور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ لاعطین الرایۃ رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یعنی میں ایسے شخص کو جھنڈا دونگا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

چوتھا جواب

دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں جھوٹی ہیں ان میں سے ایک کو بھی حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کی نسبت کرنا کبھی جائز نہیں ہے وہ دلیل یہ ہے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس سے مقصود کیا ہے کہ علی وغیرہ اس امت کے فاروق ہیں حق و باطل میں یہ فرق کر دیں گے اگر یہ مقصود ہے کہ اہل حق اور اہل باطل میں تمیز کر دیں گے تو یہ کام تو آدمی کی طاقت سے باہر ہے نہ اُسے نبی کر سکتا ہے اور نہ اور کوئی اللہ جل شانہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے وممن حولکم من الاعراب منافقون ط ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق قف لا تعلمہم نحن نعلمہم ط یعنی اور وہ دیہاتی جو تمہارے گرد ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور بعض مدینہ والوں میں سے جو نفاق پر اڑ گئے ہیں انھیں تم نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔ پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے مدینہ اور حوالی مدینہ کے ہر ہر منافق کو نہیں جانتے تھے تو پھر اور کوئی اُسے کس طرح جان سکتا ہی اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور نے اہل حق اور اہل باطل کی علامتیں بیان فرما دی ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف اسکے بیان کرنے میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور یہی وہ فرقان ہے جس نے اللہ کے نبی کے لئے حق و باطل میں بے شک فرق کر دیا ہے اور اگر فاروق کہنے سے یہ مراد ہے کہ جو اہل باطل کا مقابلہ کرے وہ حق پر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہو تو خاص اسی ایک فرقہ میں تمیز ہو گی اور اسوقت ابو بکر۔ عمر اور عثمان فاروق ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے اہل حق مسلمانوں کے ذریعہ سے کفار اہل باطل کا بہت مقابلہ کیا ہے پس انکے فعل سے جو تمیز حاصل ہوئی ہے وہ بے شک افضل و اکمل ہے کیونکہ اس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہے۔ کہ جن سے ان تینوں نے قتال کیا ہے وہ باطل پر ان سے زیادہ تھے جن سے علی نے قتال کیا ہے اور جو دشمن زیادہ باطل پر ہوتا ہے اسکا مقابل ویسا ہی زیادہ حق پر ہوتا ہے اسیوجہ سے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اُسے ہو گا جس نے نبی کو قتل کیا ہو وہ مشرکین جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھی اور برابر آپ کی تکذیب میں لگے رہے۔ مثلاً ابولہب اور ابوجہل وغیرہ یہ اور مشرکین سے نہایت ہی بدتر تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس جس کو خلفاء ثلثہ نے قتل کیا وہ زیادہ باطل پر تھا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُن باطل والوں سے لڑنے والے بھی سب سے زیادہ حق پر تھے اور اس اعتبار سے فاروق ہونے کے یہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ علی فاروق ہیں اس وجہ سے کہ ان کی

محبت اہل حق اور اہل باطل میں فرق معلوم کرا دینے کا باعث ہے تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے
کہ یہ علی کا فعل نہیں ہے تاکہ اسکے سبب سے وہ فاروق ہو جائیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ
بالاتفاق تمام علماء کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اہل حق اور اہل باطل کے درمیان
فرق معلوم کرا دینے کی سب سے بڑھکر باعث ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی معارض معارضہ کرے
اور عثمان غنی کی محبت کو حق و باطل کے درمیان فارق ٹھیرائے تو اسکا یہ دعویٰ علی کی بابت دعوے
کرنے سے کچھ کم نہ ہوگا باوجودے کہ ان کی بابت یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
جب فتنہ و فساد کا ذکر کیا تو حضرت عثمان کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا کہ یہ اور ان کے ساتھی حق
پر ہونگے۔ لیکن جب ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کی بابت ایسا کہا جائے تو پھر اس میں ذرا بھی شک
نہیں ہے کہ یہ مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اور جس کا قول محض دعوے ہی دعوے ہو
تو اسکا مقابلہ ایسے جواب سے ہو سکتا ہے اور ایک حدیث میں حضرت علی کا یہ فرمانا کہ "لا یحبنی الا مومن
ولا یبغضنی الا منافق" یعنی مجھ سے محبت مومن ہی کرتا ہے اور مجھ سے بغض منافق ہی رکھتا ہے
اسمیں بھی حضرت علی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اسلئے کہ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا تھا۔ "آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار"
یعنے ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے
اور فرمایا "لا یبغض الانصار رجل مومن باللہ والیوم الآخر" یعنے انصار سے ایسا آدمی بغض نہیں
رکھتا جسکا اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان ہو ایک صحیح حدیث میں ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے
ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میری والدہ کے حق میں یہ دعا کی تھی
کہ اے خداوندا اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ان دونوں کی محبت ڈالدے پھر آپ کی اس
دعا کا یہ اثر ہوا کہ میں نے کوئی مومن مسلمان ایسا نہیں دیکھا کہ جسے میری اور میری والدہ کی
محبت نہ ہو اب اس حدیث میں اور ابن عمر کے اس قول میں فرق صاف ظاہر ہو گیا جو شیعی
علماء نے نقل کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین ہم انھیں کو سمجھتے تھے کہ
جو علی سے بغض رکھتے تھے کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ اسکے جھوٹ ہونے کو ہر عالم بخوبی معلوم
کر سکتا ہے اسلئے کہ نفاق کی علامتیں اور اسکے اسباب علی سے بغض رکھنے کے علاوہ اور

بہت سے ہیں لہذا یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ نفاق کی علامت علی سے بغض رکھنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے حالانکہ صحیح حدیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے اور دوسری صحیح حدیث میں یہ بھی ہے آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان ۔ یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے جھوٹی کہے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب کوئی اسکے پاس امانت رکھے تو اسمیں خیانت کرے ۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے منافقین کی علامت بیان کرنے کے موقع پر فرمایا ۔

"ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا ۔ ومنھم الذین یؤذون النبی ۔ ومنھم من عاہد اللہ ۔ ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی ۔ ومنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہٖ ایمانا ۔"

ان کے علاوہ سورہ برات میں اللہ تعالےٰ نے ان کی اسقدر علامتیں اور تعریفیں ذکر کی ہیں جو اسجگہ بیان نہیں ہو سکتیں بلکہ اگر ابن عمر یہ کہتے کہ علی سے بغض رکھنا بھی منافقین کو پہچاننے کے لئے ہمارے واسطے ایک علامت تھی تو یہ قول بیشک بنجاتا کیونکہ جیسی یہ ایک علامت تھی ایسے ہی انصار سے بغض رکھنا بھی علامت تھی بلکہ اور ابو بکر اور عمر سے اور ان کے سوا اور صحابہ سے بغض رکھنا بھی کیونکہ جس نے اس آدمی سے بغض رکھا جس کی بابت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے اور اسکا لحاظ کرتے تھے تو اسکا بغض رکھنا نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور اسیوجہ سے نفاق میں سب سے بڑا ہوا فرقہ ان لوگوں کا تھا جو ابو بکر صدیق سے بغض رکھتے تھے ۔ کیونکہ سارے صحابہ میں ابو بکر سے زیادہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اور کسی سے محبت نہ تھی اور نہ ان میں ابو بکر سے زیادہ حضور انور کی محبت کسیکو تھی اسلئے ابو بکر سے بغض رکھنا نفاق کی ساری نشانیوں سے بڑھکر نشانی ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے منافقین کسی فرقہ میں نہیں ملتے کہ جو نفاق میں ابو بکر سے بغض رکھنے والوں سے بڑھے ہوں ۔ جیسے نصیریہ اور اسماعیلیہ وغیرہ آب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ رافضی جو ابو بکر سے بغض رکھتے ہیں انکا یہ گمان ہے کہ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے کیونکہ ان سے ایسی خبریں بیان کیگئی ہیں کہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو بکر آنحضرت سے اور آپ کے اہلبیت سے

بغض رکھتے تھے تو ان رافضیوں کے اُن سے بغض رکھنے کی یہی وجہ ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہ عذر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ رافضی صدیق اکبر سے بغض رکھنے کی جو تاویل پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے تو یہی عذر ان لوگوں کے پاس بھی ہے جو علی سے بغض رکھتے ہیں انکا یہ عقیدہ ہے کہ علی کافر مرتد تھے یا ظالم فاسق تھے اور دین اسلام سے بغض رکھتے تھے اس لیئے انھیں اُن سے بغض ہے اور انکا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علی نے بہت سے مسلمانوں کو ناحق قتل کر دیا تھا اور اس تختۂ زمین پر فتنہ و فساد برپا کرنا چاہا تھا اور وہ مثل فرعون وغیرہ کے تھے لیس یہ لوگ جو علی کی بابت ایسا خیال کرتے ہیں ممکن ہے کہ جاہل ہوں ان سے بڑھکر جاہل نہیں ہیں جو عمر فاروق کی بابت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ اس امت کے فرعون تھے۔ لیس اگر ان رافضیوں کا ابو بکر اور عمر سے بغض رکھنا اسوجہ سے نفاق نہیں ہے کہ یہ جاہل ہیں اور بے علمی سے تاویل کرتے ہیں تو اسیطرح ان لوگوں کا علی سے بغض رکھنا بطریق اولی نفاق نہ ہوگا۔ اور اگر علی سے بغض رکھنا نفاق ہے اگرچہ وہ بغض رکھنے والا ناواقف اور متاول ہے تو اس صورت میں ابو بکر و عمر سے بغض رکھنا ضرور ہی نفاق ہوگا۔ اگرچہ یہ بغض رکھنے والے بھی ناواقف اور متاول ہیں ح

عایشہ صدیقہ

شیعی علمار فرماتے ہیں سنیوں نے آنحضرت کی تمام ازواج سے عایشہ کا مرتبہ بڑھا دیا باوجودیکہ آنحضرت علیہ السلام خدیجہ بنت خویلد کو بہت یاد کیا کرتے تھے اور ایک روز عایشہ نے حضرت سے کہا تھا کہ آپ اب بھی خدیجہ کو یاد کرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ نے اس سے اچھا بدلہ دیدیا ہے اسپر حضور نے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم خدیجہ کے عوض میں ان سے اچھا مجھے نہیں ملا۔ اس نے میری اسوقت تصدیق کی کہ جب سب نے میری تکذیب کر دی تھی یعنے مجھے جھوٹا ٹھیرالیا تھا اور ایسے وقت میرا ساتھ دیا کہ جب سب نے ملکر مجھے نکالدیا تھا اس نے اپنے مال سے میری مدد کی اللہ نے اس سے مجھے لڑکا عنایت کیا جو اور کسی عورت سے میرے ہاں لڑکا نہیں ہوا۔

جواب

سب اہل سنت والجماعت کا اسپر اجماع اور اتفاق نہیں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی

سب ازواج مطہرات سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں۔ بلکہ ہاں اکثر اہلسنت والجماعت اس طرف گئے ہیں اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ابوموسےٰ اور انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام یعنے عائشہ کو اور تمام عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو اور تمام کھانوں پر ہے۔ ثرید سب کھانوں سے افضل ہے کیونکہ ثرید گوشت روٹی کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔ شعر اذا ما الخبز تادمہ بلحم فذاک امانۃ اللہ الثرید ؛ یعنے جسوقت روٹی گوشت کے ساتھ ہو تو یہ اللہ کی امانت اور نعمت ثرید ہے۔ اور اس کے افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ سب غلوں میں گیہوں افضل ہے اور سب سالنوں میں گوشت افضل ہے جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے جو ابن قیتبہ وغیرہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ سید ادام اھل الدنیا والاخرۃ اللحم یعنے اہل دنیا اور اہل آخرت کے سالنوں میں سب سے افضل گوشت ہے پس جب گوشت سب سالنوں میں افضل ہوا اور گیہوں سب غلوں میں افضل ہوا اور ان کے مجموعہ کا نام ثرید ہے تو ثرید سب کھانوں سے افضل ہوا اسکے علاوہ اس صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے فرمایا فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔ صحیح میں عمرو بن عاص سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ عورتوں میں سب سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے فرمایا عائشہ سے میں نے کہا مردوں میں فرمایا ان کے باپ سے میں نے کہا پھر کس سے فرمایا عمر سے اور ان کے بعد اور کئی آدمیوں کا نام لیا پھر کہتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کی بابت حضور انور کا یہ ارشاد " ما ابدلنی اللہ خیرا منھا۔ اگر صحیح ہو تو اسکے یہ معنے ہیں کہ میری ذات خاص کو ان سے بہتر بدلا مجھے نہیں ملا کیونکہ خدیجہ نے شروع اسلام میں حضرت کو ایسا نفع پہنچایا تھا کہ اس میں ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکا پس اس اعتبار سے وہ حضرت کے لئے سب سے بہتر تھیں کہ ضرورت کیوقت ان سے فائدہ پہنچا تھا اور عائشہ صدیقہ آخر نبوت اور دین کامل ہو جانے کیوقت ان سے آپ کی صحبت میں رہی تھیں اسلئے انھیں علم اور ایمان ایسا حاصل ہوا کہ ایسا اور کسی کو حاصل نہیں ہوا یعنی ان میں سے جنہوں نے ابتدا نبوت کا

زمانہ دیکھا تھا اس زیادتی کیوجہ سے صدیقہ سب سے افضل ہوئیں کیونکہ امت کو اور ازواج کی بہ نسبت سب سے زیادہ ان ہی سے نفع پہنچا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کا نفع تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی پر منحصر تھا ان سے امت کو ایسا نفع نہیں پہنچا جیسا عائشہ سے پہنچا ہے دوسرے یہ کہ خدیجۃ کی زندگی میں دین کامل نہیں ہوا تھا تاکہ وہ اس کے کمالات سے ایسی واقف ہو جاتیں کہ جیسے وہ واقف ہوئے کہ جو دین کے کامل ہونے کے بعد ایمان لائے اور علم دین حاصل کیا یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جسکی ہمت ایک ہی کام میں صرف ہوئی ہو وہ اس میں اس سے بڑھ جاتا ہے جسکی ہمت کئی قسم کے کاموں میں منتشر ہو خدیجۃ اس اعتبار سے بیشک حضور کیلئے بہتر تھیں لیکن بہترائی کی قسمیں اسی میں منحصر نہیں ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ جو صحابہ ایمان میں اور اپنے جان و مال سے اجتہاد کرنے میں بڑھے ہوئے تھے۔ مثلاً حمزہ۔ سعد بن معاذ۔ اسید بن حضیر وغیرہ یہ ان سے افضل تھے۔ جنہوں نے اپنی ساری عمر خاص نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور آپ کو نفع پہنچایا مثلاً ابو رافع اور انس بن مالک وغیرہ غرض یہ ہے کہ عائشہ اور خدیجہ کی فضیلت میں مفصل گفتگو کرنے کا یہ موقع نہیں ہے بلکہ یہاں تو فقط یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عائشہ صدیقہ کی تعظیم اور محبت کرنے پر سب اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے تمام مسلمانوں کے دلوں میں سب ازواج سے زیادہ ان ہی کی عزت و حرمت ہے ؛ فقط

چوتھے مقدمہ کو میں یہیں ختم کرتا ہوں جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا اصول کی کوئی بات میں نے نہیں چھوڑی مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ کسی صورت سے بھی اس کتاب کا جواب ہونا ممکن نہیں واقعات اور مشاہدات سے جب بحث کی جاتی ہے اسکا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں منہ چڑانے کی دوسری بات ہے مگر ایسی تحریریں علماء اور عقلاء کی نظروں میں مقبول نہیں ہوتیں ان مقدموں کا دیکھنے والا اسبات کو معلوم کرلے گا کہ جن باتوں پر آج تک پردہ پڑا ہوا تھا اور جو واقعات راز میں تھے وہ کس طرح اپنی اصلی صورت میں مسلمانوں کے آگے پیش کر دیئے گئے آجتک نہ کسی نے اس وضاحت سے بحث کی نہ آیندہ کر سکتا ہے کیونکہ علم کا مذاق روز بروز کم ہوتا جاتا ہے اسکے مقابلہ میں تحکم اور خود رائی بڑھتی جاتی ہے۔

یہ مقدمے بجائے خود ایک مستقل کتاب ہیں نہیں نہیں بلکہ ہر مقدمہ بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اسلامی دنیا کی یہ پہلی مذہبی کتاب ہے جسکو پورا ہونے سے پہلے کم سے کم ہر ہفتہ پندرہ سولہ ہزار آدمیوں نے دیکھا اور روز بروز اسکے پڑہنے کی اشاعت بڑہتی رہی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا اور اب ۸ جولائی ۱۹۱۳ء میں چوتھا مقدمہ چھپ کے ختم ہوا مجھے امید ہے کہ صداقت کی روشنی پھیلے گی اور ہزاروں گمراہ اس سے فائدہ اٹھائینگے کل جھگڑوں کا جو بدقسمتی سے شیعہ اور سنیوں میں پیدا ہو گئے ہیں انکا اسمیں فیصلہ کر دیا گیا ہے کسیکی مجال نہیں ہے کہ اسکے فیصلے کے خلاف آواز بلند کر سکے کیونکہ سوا چار برس سے کتاب شہادت کے ان مقدموں کا ہندوستان میں ڈنکا بج رہا ہے اسکی تحریروں کو دیکھ دیکھ کے ہندوستان اور ایران کے مجتہد دم بخود ہی نہیں بلکہ ترساں ولرزاں ہیں ان میں طاقت نہیں ہے کہ انکے واقعات کو جھٹلا سکیں بہرحال اب اصل کتاب شہادت شروع ہوتی ہے اسکے مطالعہ سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی دنیا کی تاریخ ابتدا سے آجتک کیسی دلکش اور دلخراش ہے۔ روایتوں کے مصنفوں اور بعد کے تواریخ نویسوں نے کسطرح اصل واقعات کو چھپایا ہے۔ اور ایک انسان کو انسانی حیثیت سے ہٹا کے کسطرح عالم بالا پر پہنچایا ہے اسلام کی اس تاریخ میں نصیحت بھی ہے۔ عبرت بھی ہے شان وعظمت بھی ہے۔ جلال بھی ہے۔ اور دل فریبی بھی ہے۔ بشرطیکہ انسان اسے غور سے دیکھے۔ اور مطالعہ کرے فقط ✣

مرزا حیرت بقلم خود

تتمت

چوتھا مقدمہ ختم ہوا